READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

BAKE PARLOR

CALORIES AADHI MAZA POORA!

Whole Wheat Pasta

بیک پارلر گذشتہ بیس سالوں سے صحت، غذائیت اور کفایت سے بھرپور پروڈکٹس پہنچاتا چلا آرہا ہے۔ اب بیک پارلر پیش کرتا ہے سو فیصد خالص گندم سے تیار کردہ "" جو دیتا ہے آپکو غذائیت سے بھرپور وہی اعلیٰ ذائقہ۔ اب چاہے آپ اپنا وزن گھٹا رہے ہوں یا آپ ہوں ذیابیطس کے مریض، آپکو پاستہ چھوڑنا نہیں ہے بس بیک پارلر کے "" سے بدلنا ہے۔
اب عام پاستہ کی جگہ "" لائیں اور صحت مند زندگی اپنائیں۔

کے فوائد

- تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ "" عام پاستہ کے مقابلے میں آپکو دیتا ہے صرف
- "" میں موجود گندم آپکو فراہم کرتا ہے۔
- "" ایک مکمل غذاء ہے جس میں موجود آپکو بار بار کی بھوک سے بچاتے ہیں۔
- میں موجود آپکے اور کے لیے بہترین ہیں۔
- کو کنٹرول کرنے میں آپکا معاون و مددگار ہے۔
- کو عام پاستہ کی طرح با آسانی اور کم وقت میں پکایا جا سکتا ہے۔

تو چاہے آپ ہوں اسپگھیٹی کے متوالے یا میکرونی کے دیوانے،
بیک پارلر کا ہی ہے آپکی سب سے !!! چوائس۔

مزیدار بیک پارلر ٹماٹو کیچپ اور چلی گارلک ساس کے ساتھ نوش فرمائیں

www.paksociety.com

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرہ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد

MEMBER APNS

CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

ماڈل: نوبیہ منصور
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رانا اے حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زر سالانہ (اندرون ملک) 800 روپے ...... جلد: 44 شمارہ: 12 مارچ 2017ء

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 15

سلسلے وار ناول

گم شدہ محبت — انجم انصار 22
پیا بن چین کہاں ہے — رفعت سراج 74
امرت — شیریں حیدر 148

منی ناول

ہم کو عبث بدنام کیا — سیما رضا ردا 180

ناولٹ

من جانباز م — سحر ساجد 54
رانگ نمبر — مصباح نوشین 118
محبتوں کا قرض — پروین عذرا تشنہ 197

مکمل ناول

ہوں بس تمہارا — تحسین اختر 226

افسانے

احسان — عقیلہ حق 41
دیر ہو جاتی ہے — اسما صدیقہ 71
مجھے رنج ہے یہ برا ہوا — سمیرا یونس ہارون 97
اطمینانِ قلب — عذرا آفتاب 111
ڈراپ سین — لائبہ خان 139
جو رنج ہے کوئی مقتل میں گیا — ثنا کنول اللہ دتہ 143
اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو — بشریٰ سیال 177
تمہارا — سارا احمد 193
غفلت — پروین عظیم 221
بات ذرا سی — ہالہ احمد 223

خصوصی مضامین

اللہ آسمان کا نور — ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی 18
شمع ہدایت — اختر شجاعت 257
یاد بانو قدسیہ — نزہت اصغر 262
باتیں بہار و خزاں کی — قارئین 264
پاکیزہ کے مہمان — شائستہ زریں 266

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایک۔ ٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ	16
بہنوں کی محفل	مدیرہ	275
پاکیزہ ڈائری	عظمیٰ آفاق سعید	284
جلترنگ	انجم انصار	288
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی	292
منتخب غزلیں	ادارہ	294
خوش ذائقہ	پاکیزہ بہنیں	295
بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں	297
حسن نکھار کے لیے	مہ جبین	299
روحانی مشورے	ادارہ	300
ہومیو کلینک		302

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

وقت

چاہتوں کے دل فریب گداز میں پل پل رنگ بدلتی فسوں خیز کہانی...... ماں پر ہونے والے اندوہناک ظلم کا انتقام لینے پر تلا ہوا نوجوان اندر کی شرربار آگ میں جل رہا تھا۔ اسے حالات نے قہربار اور صف شکن بنا دیا تھا۔ ظلم کی چنگاریاں اس کے وجود میں ہولناک شعلوں کا روپ دھار چکی تھیں۔ وہ دشمنوں کو خاک و خون میں نہلا کر ساری رکاوٹوں کو روندتا جا رہا تھا۔ پھر اس کی شناسائی ایک سیمیں بدن، غنچہ دہن، شیریں سخن دوشیزہ سے ہوئی اور کیوپڈ کا تیر چل گیا۔ عزت سے رسوائی اور پھر سرخ روئی کے اس روح فرسا سفر میں وقت اس کے ساتھ تھا۔

سنسنی اور تحیر میں لپٹی دل گداز داستان

شمارہ اپریل 2017ء سے

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

کے صفحات پر ملاحظہ کریں

Downloaded From http://paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

ہر فرد چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا.....اپنی ایک علیحدہ ذات رکھتا ہے.....جس میں وہ کسی کی بھی اور کسی بھی لحاظ سے مداخلت برداشت نہیں کرتا ہے۔

اکثر لوگ ہر ایک کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کے عادی ہوتے ہیں.....معاملہ کسی کا بھی ہو.....بات کسی غیر کی بھی ہو.....وہ دخل در معقولات کرنے کے عادی ہوتے ہیں.....تب ایسے ہی لوگ منہ کی بھی کھاتے ہیں.....کہ اپنی ذات سے وابستہ پرائیویسی ہر شخص کو پسند ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہی ہوگا بعض بچے کھانے کی میز پر اپنی مخصوص کرسی پر کسی دوسرے کو بیٹھنے نہیں دیتے.....اور بعض بچے تو اپنی کسی بھی چیز کو کسی دوسرے کو چھونے تک نہیں دیتے وہ بے حد ناراض ہو جاتے ہیں اگر ان کی الماری، بیگ، کھلونے یا دراز کھول کر کوئی ان کی اجازت کے بغیر دیکھے یا استعمال کرے.....

یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کی ذات کے اپنے نہاں خانے ہوتے ہیں جس میں وہ صرف اپنی عملداری چاہتا ہے۔

یہ بات انسانی فطرت کے عین مطابق ہے.....اس لیے آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ ہر شخص خواہ وہ کتنی ہی بھرپور زندگی کیوں نہ بسر کر رہا ہو.....کچھ وقت، صرف اور صرف وہ اپنے لیے بھی ضرور چاہتا ہے۔

لوگوں کے معاملات میں دخل اندازی کی بیماری جب گھریلو سیاستوں میں مدغم ہو جاتی ہے تو ایسے گھرانوں میں لڑائی جھگڑے صبح شام ہوا کرتے ہیں۔ (تمہاری ہمت کیسے ہوئی، تم نے یہ کہا، کیسے وغیرہ)

اکثر نئے شادی شدہ جوڑے ایسی مداخلت بے جا سے تنگ آ کر مشترکہ خاندان کے فوائد سے دستبردار ہو کر تنگی، ترشی میں اپنے علیحدہ گھر بسا لیتے ہیں.....جہاں انہیں دیگر پریشانیاں تو پہلے سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں.....مگر ذہنی سکون ضرور حاصل ہوتا ہے.....جو دیگر پریشانیوں کے مقابلے میں زیادہ طمانیت بخش محسوس ہوتا ہے (اپنے گھر کے خود بادشاہ ہوتے ہیں) اس لیے آج آپ سے یہی کہنا ہے کہ ایک دوسرے کی ذاتی زندگی کا احترام کیجیے.....خود بھی سکون سے رہیے اور دوسروں کو بھی اپنی مداخلتِ بے جا سے پریشان نہ کیجیے کہ ہر وقت کی ہائے، ہائے، کل، کل کسی کا بھی مزاج برہم کر سکتی ہے.....اور خاص طور پر خواتین تو ویسے ہی نازک مزاج سی ہوتی ہیں.....ہے ناں.....!

مدیرہ

انجم انصار

Downloaded From http://paksociety.com

پس (اصل یہ ہے کہ) اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام (کی نعمت و دیعت رکھنے) کے لیے (صاف اور) کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو (اللہ) گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے (کہ اسلام کا لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ) گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ ان پر اسی طرح خباثت کو مسلط کر دیتا ہے (۱۲۵) اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کی سیدھی راہ ہے بے شک جو لوگ نصیحت مانتے ہیں ان کے لیے ہم نے (اپنے) صاف، صاف احکام بیان کر دیے ہیں (۱۲۶) ان ہی کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں آرام کا گھر ہے اور وہی ان کا سرپرست ہے اس سبب سے کہ وہ (نیک کام) کرتے تھے (۱۲۷) اور ان کو وہ دن (یاد دلاؤ) جب اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا اے گروہ جن تم نے (تو بہکا بہکا کر) آدمیوں میں سے بہت (اپنے تابع) کر لیے اور آدمیوں میں سے (جو) ان کے دوست (تھے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار (دنیا میں) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور ایسے وقت میں پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا (اللہ) فرمائے گا دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں ہمیشہ رہو گے مگر جو اللہ نے چاہا (وہ محفوظ رہیں گے) بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا (اور) جانتا ہے (۱۲۸) اور اسی طرح (ہم) بعض ظالموں کو بعض کا سرپرست بنا دیا کرتے ہیں بسبب اس کے جو وہ کرتے ہیں (۱۲۹) (پھر اللہ فرمائے گا کہ) اے جن و انس کے گروہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہ آئے تھے کہ تمہیں ہمارے احکام سناتے اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈراتے (یہ) کہیں گے (کہ بے شک آئے تھے) ہم اپنے اوپر گواہی دیتے ہیں اور (اصل وجہ یہ ہے کہ) ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا (وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم کو اللہ کے پاس جانا ہے) اور انہوں نے اپنے کافر ہونے کا اقرار کر لیا (۱۳۰) یہ پیغمبروں کا بھیجنا تو (صرف) اس لیے ہے کہ تمہارا پروردگار گناہ کے سبب سے شہروں کو برباد نہیں کرتا ایسی حالت میں کہ وہاں کے رہنے والے غافل ہوں (۱۳۱) اور سب کے لیے ان کے اعمال کے درجے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے تمہارا پروردگار بے خبر نہیں ہے (۱۳۲) اور تمہارا پروردگار (تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں وہ تو بڑا) بے نیاز رحم والا ہے اگر وہ چاہے تو (اے کافرو) تمہیں (قعرِ عدم میں) لے جائے اور تمہارے بعد (دنیا میں) جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین کر دے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا (۱۳۳) بے شک تمہیں جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ ضرور (پیش) آنے والی ہے اور تم (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے (۱۳۴)

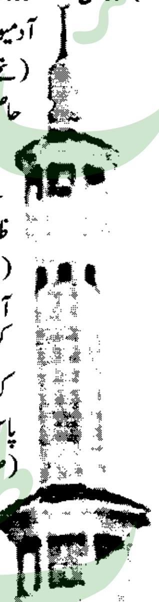

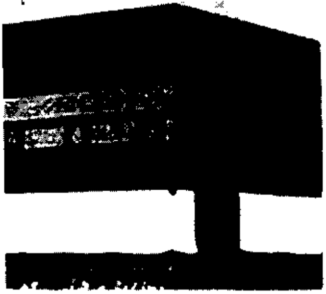

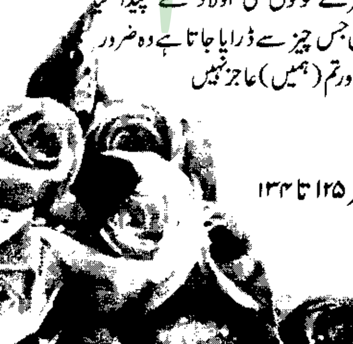

سورۂ انعام آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۳۴

Downloaded From http://paksociety.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُنْذِرِیْنَ ؕ

افضل الانبیا ختمی مرتبت سید المرسلین سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا نذیر ہے جس کے مفہوم خبردار کرنے والے، اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے کے ہیں۔

1۔القرآن: ترجمہ: اور انہیں ڈراؤ اس نزدیک آنے والی قیامت کے دن سے جب دل (غم سے بھر کر) گلے تک آجائیں گے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے۔ (سورۃ مومن......آیت ۱۱)

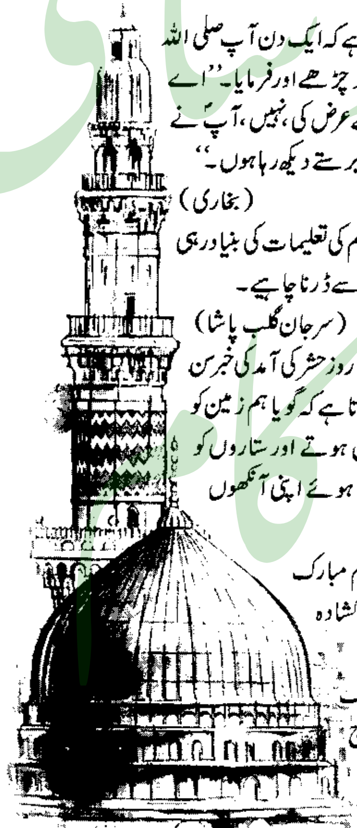

2۔الحدیث: حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے اور فرمایا۔ ''اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تم دیکھ رہے ہو؟'' لوگوں نے عرض کی، نہیں، آپؐ نے فرمایا میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔'' (بخاری)

3۔الرائے: ا۔خوف اور ڈر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی بنیاد رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یقین تھا کہ گناہ گار کو ہمیشہ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ (سرجان گلب پاشا)

۲۔قرآن کی سب سے شاندار سورتیں وہ ہیں جن میں روز حشر کی آمد کی خبر سن کر زمین کا لرزہ براندام ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم زمین کو ابھرتے اور پھولتے ہوئے پہاڑوں کو گرد و غبار میں تبدیل ہوتے اور ستاروں کو انتہائی درجے کی بے ترتیبی کے ساتھ منتشر و پراگندہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

4۔الفضائل: ا۔ہر نماز کے بعد 100 مرتبہ اسم مبارک نذیر پڑھنے والا قبر کے عذاب سے مامون رہے گا اور قبر کشادہ ہوجائے گی......

۲۔ظہر کی نماز کے بعد بکثرت اس اسم پاک نذیر کا ورد کرنے والا کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور اللہ رزق حلال میں برکت پیدا فرمائے گا۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس

Downloaded From http://paksociety.com

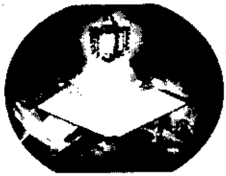

اللہ اور اُس کا نور

قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب دوم

اللہ کا رنگ

سورۂ بقرہ آیت 138 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

ترجمہ ”کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور خدا سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔“

نصاریٰ کے پاس دستور تھا کہ جس کو اپنے دین میں داخل کرتے، ایک زرد رنگ بناتے اور اس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اس پر ڈال بھی دیتے۔ یہ ان کے مقابل فرمایا۔ (تفسیر شاہ عبدالقادر)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے اپنا رنگ اختیار کرلینے کی بات کررہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کا کون سا رنگ ہے اور کیا واقعی ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کرلیا ہے؟

اللہ کے سب رنگ ہی خوب صورت ہیں۔ اللہ کے رنگ میں رنگ جانا ہی اللہ سے محبت کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے۔ وہ سب پر رحم کرتا ہے۔ خواہ کوئی اس کا نافرمان بندہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی رحمت بے حساب ہے، وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اپناتے ہوئے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ کیا ہم بھی دوسروں پر رحم کرتے ہیں؟

ہر انسان اپنے سے کمزور پر ظلم کرتا ہے، بے رحمی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ معاملہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرہ بے رحمی کا شکار ہے۔ ماں باپ، بچوں پر، بچے، ماں باپ پر، ساس، بہو پر، نند، بھاوج سب ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ انہیں رحم نہیں آتا۔ اسی طرح کا معاملہ اقوام کا بھی ہے۔ بے گناہ انسان قتل

Downloaded From http://paksociety.com

ہوتے رہتے ہیں۔ طاقتور اپنی طاقت کے نشے میں چور آخرت کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ محبت ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ نفرت، حسد، جلن، بغض جیسی گندی صفات روز بروز نمو پا رہی ہیں۔ لیکن ہم بے حس ہو چکے ہیں۔ اللہ کی ایک صفت یا رنگ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ دیتا ہے۔ اس کی ذات عطا کرنے والی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسا نہیں ہے۔ ایک طبقہ دولت کے نشے میں چُور، دوسرا غربت کی چکی میں پسا ہوا۔ ایک بھائی محل میں رہتا ہے، دوسرا جھونپڑی میں۔ بھائی اپنے بھائی کی مدد کرنے کو تیار نہیں۔ اگر لوگ ایمان داری سے ٹیکس ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو ملک میں کوئی غریب نہ رہے۔ اللہ کا رنگ تو یہی ہے کہ ہم بھی بہت زیادہ دینے والے بن جائیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جنتی لوگوں کی پہچان بتائی ہے وہاں ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ ''ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا ہے۔'' (سورۂ ذاریات۔ آیت 19)

ہمیں چاہیے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ستارالعیوب ہے۔ وہ بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے ورنہ کوئی شخص سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ اور انسان کی صفت کیا ہے؟ وہ دوسروں کے عیب تلاش کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اور پھر بڑھا چڑھا کر دوسروں تک پہنچانے میں دیر نہیں کرتا۔ یہی غیبت ہے جو گناہِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا۔ دوسروں کی برائیاں تلاش کرنے سے قبل انسان اپنے ضمیر کے اندر جھانک لے تو شاید اسے کوئی بھی برا نہ لگے۔ بقول بہادر شاہ ظفر

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اللہ تعالیٰ کا ایک خوب صورت رنگ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دیتا ہے..... بڑے سے بڑا گناہ کر کے بھی توبہ کر کے ہمیں معافی مل جاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ بار۔ بار گناہ کرنا اور پھر توبہ کر لینا۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

ہم ہر روز اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ لیکن ہم خود دوسروں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر آپ اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو پتا چلے گا کہ ہر شخص کو دوسرے سے شکایت ہے۔ فلاں شخص نے فلاں موقع پر یہ بات کہی تھی۔ کئی لوگ تو دس، بیس سال یا اس سے پرانی بات بھی یاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں۔ ''میں کبھی معاف نہیں کروں گا / گی۔''

اپنے دل میں کینہ، بغض اور نفرت پیدا کر کے انسان اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور صحت خراب کرتا ہے۔ اگر صدقِ دل سے لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دیں تو نہ جانے کتنی خرابیاں دور ہو جائیں۔ مگر ان باتوں پر کون دھیان دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ حیا رکھتا ہے اور حیادار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک نہ رہا تو دوسرا خود ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر ایمان نہ رہے تو حیا بھی باقی نہیں رہتی اور اگر کسی میں حیا نہ ہو تو اس کا ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا منصف ہے۔ وہ عدل و انصاف کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں ذرّہ برابر بھی بے انصافی نہیں ہو گی۔ ہر شخص کو اس کے کیے کی سزا یا جزا ملے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بے شک وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اگر انصاف پر بات ہو تو پھر بات بہت دور تک نکل جائے گی اور صفحوں کے صفحے سیاہ ہو جائیں گے۔ ہم اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائیں ہر جانب بے انصافی ملے گی، ہم تو اپنی ذات سے بھی انصاف نہیں کر پاتے۔ جس معاشرے میں انصاف نہ ہو وہ معاشرہ پنپ نہیں پاتا۔ افراتفری، بے چینی اور بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار رنگ ہیں۔ اس کی صفات ان گنت ہیں، وہ ...

Downloaded From http://paksociety.com

بے سہاروں کا سہارا، ہمدرد ساتھی، حفاظت کرنے والا، معاف کر دینے والا، بہت زیادہ عطا کرنے والا، وعدہ پورا کرنے والا اور حد سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرنے کا یہ ہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت کی جائے۔ اس کی مرضی و منشا کے مطابق زندگی بسر کی جائے اور ہمارا ہر کام اس کی رضا کے لیے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

''کہو کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔''

جب ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہو، جب اللہ کی محبت اور قرب حاصل ہو جائے تو دنیاوی تمام نعمتیں بے معنی ہو جاتی ہیں، جب اللہ کو اپنا دوست بنالیا اور دنیا کے تمام غموں کو چھوڑ کر صرف آخرت کے غم کو اپنا جانا تو پھر کوئی غم، غم نہیں ہوتا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے حکم کے مطابق اس کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں کہ سچے مسلمان ہونے کے ناتے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے ممتاز نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

اللہ اور اس کا نور

اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں...... نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی بیٹا...... اس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے اور وہ بااختیار ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ رحمٰن ہے، رحیم ہے، غفور ہے، ستار العیوب ہے...... سب کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے۔ حفاظت کرنے والا، معاف کر دینے والا، بہترین دوست، بہترین ساتھی، مددگار ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ کہف کی آیت نمبر 109 میں ارشاد فرماتا ہے۔

''کہہ دو اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔''

سورۂ لقمان آیت نمبر 37 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں...... بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔''

مندرجہ بالا آیات پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور اس جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا...... اللہ تعالیٰ کیسا ہے؟ یہ بات ہر انسان کے ذہن میں آتی ہے مگر انسانی عقل اس معمے کو حل کرنے سے قاصر ہے۔

سورۂ نور (24) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (آیت 35)

''خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے (ایسی صاف و شفاف کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے۔ (یعنی زیتون) کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے) اس کا تیل خواہ آگ دے نہ ہی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی...... (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور خدا (جو) مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کو (سمجھانے کے لیے) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔'' اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک مثال بیان کی ہے اور یہ بھی کہہ دیا کہ خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بنایا، اسی طرح نور یا روشنی کا بھی خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت نمبر 1 میں ارشاد ہوتا ہے۔

''ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ جس

Downloaded From http://paksociety.com

نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائی...... پھر بھی کافر (اور چیزوں کو) خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ روشنی کیا ہے؟ روشنی وہ ہے جو دیکھے اور دکھائے ...... جبکہ اندھیرا وہ ہے جو نہ خود دیکھے اور نہ اس میں کسی کو کچھ دکھائی دے...... اللہ تعالیٰ سورۂ فاطر میں ارشاد فرماتا ہے۔

''اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں۔'' (19)

''اور نہ اندھیرا اور روشنی ہے۔'' (20)

''اور نہ سایہ دھوپ ہے۔'' (21)

''اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہو سکتے ہیں۔'' (22)

سورۂ زمر آیت نمبر 9 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''کہو جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟''

علم بھی روشنی ہے، جو لوگ جہالت کے اندھیرے میں گم ہوتے ہیں، انہیں کچھ نظر نہیں آتا، اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے پاس نور ہی نور ہے۔ اسی نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا گیا۔ فرشتے بھی نور سے بنائے گئے۔ قرآن حکیم کو بھی نور کہا گیا ہے۔ مومنوں کو بھی نور اور روشنی عطا کی گئی...... قرآن حکیم میں نور کے سلسلے کی جو آیات ہیں وہ یہاں بیان کی جا رہی ہیں...... ان کو پڑھنے کے بعد سلسلۂ کلام جاری رہ سکے گا۔

سب سے پہلے تو سورۂ نور کی آیت 35 کے بعد آیت 36 کا تذکرہ مناسب ہوگا۔ آیت 35 میں ہی اللہ کے نور کو ایک قندیل کی مثال سے سمجھایا گیا تھا۔ پھر آیت 36 میں کہا گیا۔

''(وہ قندیل) ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے...... (اور) ان میں صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔''

جاری ہے

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا سب سے معتبر و بڑا اعزاز......

اس سترھویں قرآن پاک کو بھی میں نے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کیا یہ multicolour ہے سائز "20x16" ہے۔ وزن 10kg ...... اس کی جلد بندی بھی بہت شاندار کی گئی ہے اس پر رنگین پھول بوٹے بنائے گئے ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میرا نصیب جاگا۔

مسجد نبویؐ کے گیٹ نمبر 5 سے اگر داخل ہوں تو وہاں پر ایک بڑی عمارت بنائی گئی ہے جس پر لکھا ہے۔

Quran exhibition center

اس سینٹر میں پوری دنیا سے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن پاک آ رہے ہیں اور سجائے جا رہے ہیں۔ جو بے حد خوب صورت ہیں...... قرآن حکیم کو کھول کر شوکیس میں رکھا جاتا ہے اور نیچے ایک پرچے پر لکھنے والے کے کوائف وغیرہ لکھے ہوتے ہیں۔ اور کاتبِ قرآن کو ایک عدد سرٹیفکیٹ بھی دیا جاتا ہے۔

میرا یہ قرآن پاک بھی اللہ کے کرم سے مسجد نبویؐ پہنچ گیا ہے۔ ڈائریکٹر نے دیکھ کر بے حد پسند کیا۔ یہ کام میرے بیٹے اور بہو نے کیا...... زبانی بات کی تھی پھر قرآن حکیم کی تصاویر اور CV روانہ کیا۔ غرض یہ کہ میرا قرآن پاک لے لیا گیا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا قرآن حکیم بھی اسی جگہ پہنچ گیا ہے۔ برسا برس پہلے حکیم سعید صاحب نے جب مجھے سرٹیفکیٹ دیا تھا تب اس میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ میرے اس کام کا اعتراف پورے عالم اسلام کو کرنا چاہیے...... تب میں نے سوچا تھا کہ بھلا یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ پورا عالم اسلام اس کا اعتراف کرے...... لیکن اب یہ ایسی جگہ پر گیا ہے جہاں پورا عالم اسلام جائے گا اور قیامت تک جاتا رہے گا...... اللہ تعالیٰ کا شکر میں ادا نہیں کر پاؤں گی...... میری زبان میں اتنی طاقت کہاں......؟

www.paksociety.com

گم شدہ محبت

قسط 14

انجم انصار

انسان نہ کچھ کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے، یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے، یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہوجائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

میری مات لفظوں سے ممکن نہ تھی
سو اس نے جذبوں پہ وار کیا

نہ گھڑی کی ٹک ٹک، اور نہ ہی پتوں کی سائیں سائیں، بتا پاتی ہے وقت کیسے دبے پاؤں گزرتا ہے کہ کسی کو کوئی آہٹ بھی نہیں سنائی دیتی...... یا پھر ہم وہیں کھڑے رہتے ہیں اور وقت ہوا کے گھوڑوں پر سوار سرعت سے گزر جاتا ہے یا شاید...... ہم کہیں چلے جاتے ہیں...... وقت کے تھپیڑوں کے ساتھ اور وہ وہیں سینہ تانے کھڑا رہتا ہے۔

کتنے ہی دن گزر گئے تھے...... ندیم خان کا صبا سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

وہ اسے فون کرتے...... تو وہ نہیں اٹھا رہی تھی...... اور جب وہ فون کرتی تو وہ کہیں مصروف ہوتے۔

مگر سبین آپا اس کے خلاف مسلسل زہر اگل رہی تھیں۔ وہ جہاں ندیم کو دیکھتیں...... صبا کے خلاف ایک محاذ سا قائم کر لیتیں......

''سبین آپا...... آپ صبا کے اتنے خلاف ہوں گی...... یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا...... آپ کی تو ہر بات ہی صبا سے شروع ہو رہی ہے اور صبا پر ختم ہو رہی ہے...... آپ کو ایسی نفرت پہلے تو نہیں تھی اس سے۔'' ایک دن ندیم نے الجھ کر بہن سے قدرے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''بھیا پہلے حالات دوسرے تھے...... اور اب دوسرے ہیں...... اور یوں بھی جب دلوں میں فاصلے آ جائیں تو قریب رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... ایسے میں ہر ذی ہوش انسان کو خاموشی سے ایک طرف ہو جانا چاہیے...... تاکہ مروتوں کا بھرم تو قائم رہے۔''

''آپ غلط کہہ رہی ہیں، میرے اس کے مابین کوئی فاصلہ نہیں آیا ہے۔''

''عامر کا اتنا بڑا وجود کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا...... اور کیا اس کے بڑے، بڑے عزائم سے بھی ناواقف ہو...... کیا تم عامر کو ہلکا سمجھ بیٹھے ہو؟''

''آپا، عامر کوئی سمجھدار شخص نہیں ہے...... اس کی باتوں کی کوئی ویلیو نہیں ہے، اس کی باتیں بے تکی ہوتی ہیں، وہ تو بیچارہ قسم کا شخص ہے۔''

''تم نے اپنے کان بند کر لیے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے لیے ماحول سازگار ہے، تم اس لڑکی کے ساتھ رہو گے تو ہمیشہ تمہاری زندگی پل صراط پر چلنے جیسی رہے گی۔''

''میں آپ کے یہ الٹے، اوندھے دلائل نہیں مانتا......'' وہ غصے سے بولا۔

''بھائی...... میری بات سیدھی سی ہے، جسے تم خواہ مخواہ غلط سمجھ رہے ہو۔'' سبین نے ندیم خان سے کہا۔

''مگر آپا...... میں کیسے اپنے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کر لوں...... جب میں نے صبا سے شادی کا وعدہ کیا ہے تو کیوں اپنے وعدے سے پھر جاؤں...... میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا......'' لہجہ آہنی تھا۔

''تم یہ بتاؤ...... پہلے ہم تمہارے ساتھ کھڑے تھے یا نہیں۔''

''ہاں تھے......''

''بے عزت ہو کر آتے پھر بھی دوبارہ رشتہ لینے گئے تھے یا نہیں۔''

''ہاں گئے تھے۔''

''تو تم یہ سمجھتے کیوں نہیں ہو کہ اس لڑکی کو بیاہ کر لانے کا مطلب خواہ مخواہ پریشانیوں کو مول لینا ہے...... جب ہی تو ہم نے راہ بدلی ہے۔''

''اب میں ان گیدڑ بھبکیوں سے تو نہیں ڈروں گا...... عامر کی وجہ سے میں کسی کا دل نہیں توڑ سکتا۔ اب منگنی کی

Downloaded From http://paksociety.com

اوقات اتنی معمولی بھی نہیں رہی.....''

''میں عامر کی بات نہیں کر رہی.....صرف اپنی بات کر رہی ہوں میری بیٹی بھی بڑی ہو رہی ہے.....اس کا رشتہ کرتے وقت مجھے یہ پریشانی ہو سکتی ہے کہ میرا بھائی..... کسی بری شہرت کی حامل عورت کی وجہ سے کیسا، کیسا ذلیل ہوا ہے یا ہو رہا ہے۔''

''آپا..... آپ میری وجہ سے پریشان مت ہوں، اپنی سسرال میں آپ جا کر سرخرو ہو جائیں اور کہہ دیجیے..... کہ آپ نے اپنے بھائی کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنی پسند کی شادی کر رہے ہیں جس سے آپ کا یا خاندان کے کسی فرد کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی کوئی اس آنے والی کو کوئی پسند کرتا ہے۔'' ندیم خان نے غصے سے کہا۔

اور سبین، بھائی کا یہ روپ دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں۔ ندیم خان کا یہ رنگ تو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

صبا..... اس پر چھائی ہوئی ہے، اس کا تو انہیں احساس تھا کہ ان کا بھائی اس کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے.....ایسا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں..... کہ اس کی خاطر وہ اپنی اکلوتی بہن تک کو چھوڑنے کو تیار تھا اور بھائی کے یہ عزائم انہیں خاصے خطرناک بھی لگے تھے۔

ندیم خان بہن کو باتیں سنا کر باہر چلے گئے تھے۔ اور سبین غصے میں کھول رہی تھیں۔ اس لڑکی کے آنے سے پہلے ہی.....اس کی وجہ سے انہیں اپنے چھوٹے بھائی کی باتیں سننی پڑی تھیں۔

''محترمہ اگر آ گئیں.....تو شاید میرا داخلہ میرے میکے میں بھی بند کروا دیں گی، آج تک ندیم نے مجھ سے اس طرح بات نہیں کی۔''

''کیا ضرورت تھی بھائی سے منہ ماری کرنے کی.....'' ماں نے تاسف سے کہا.....لڑائی جھگڑے کی باتوں سے ان کی طبیعت ویسے ہی خراب ہو جایا کرتی تھی.....اور اس وقت تو ان کی بیٹی رنجیدہ بھی ہو رہی تھی۔

''امی..... میری تو یہ دعا ہے کہ عامر اس لڑکی سے زبردستی شادی کر لے اور ہماری جان چھوٹے.....''

''پاگل ہوئی ہو کیا.....شادیاں بھی کوئی زبردستی ہوا کرتی ہیں۔''

''ہاں ہو رہی ہیں آج کل..... صبا کو میں نے بارہا بتا دیا ہے کہ ہم لوگ اب اسے بالکل پسند نہیں کرتے.....اور اپنے بھائی کی شادی بھی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں.....مگر اسے میری بات کا یقین نہیں آتا..... وہ میری بات ایسی بے پروائی سے سنتی ہے جیسے میں اسے سبزیوں کے بھاؤ بتا رہی ہوں۔''

''بیٹا وہ ندیم کو جانتی ہے.....اس لیے اسے کسی کی پروا نہیں ہے.....اور یوں بھی آج کل کی لڑکیوں کو سسرال کے کسی جھمیلے کی پروا نہیں ہوا کرتی.....اور وہ صرف اپنے شوہر کو ہی اپنی دنیا سمجھا کرتی ہیں اور کسی سسرال والے کی کوئی پروا نہیں کرتیں.....اور ساس، نند سے تو ایک نفرت سی ہوتی ہے۔''

''اگر وہ ایسا سمجھ رہی ہے تو منہ کی کھائے گی..... چاہے وہ ڈیبیٹر ہو، اینکر یا صحافی..... مجھ سے وہ نہیں جیت سکتی.....اگر میں اسے ناپسند کرتی ہوں تو لامحالہ میرے بھائی کو بھی اس کے لیے اپنے دل کے دروازے بند کرنے پڑیں گے۔'' سبین نے غصے سے کہا۔

''بیٹا یہ اصل زندگی ہے کوئی ٹی وی ڈراما نہیں کہ پل میں کچھ اور پل میں کچھ ہو جائے.....تم دیکھ لینا.....ندیم اس کو بیاہ کر ضرور گھر لائے گا۔'' امی نے کہا۔

☆☆☆

تمنا بجھ گئی ہو تو دعا مانگی نہیں جاتی
رُتوں کی بے ثباتی سے صبا مانگی نہیں جاتی

Downloaded From http://paksociety.com

یہ اپنی بے بسی ہے یا کہ اب بے حسی کہہ لیں
بلا کا حبس ہے لیکن ہوا مانگی نہیں جاتی

موسم بھی اچھا تھا، سر کے درد سے بھی ان دنوں نجات تھی......مگر میری طبیعت میں بلاوجہ کی ایک اداسی سی گھلی ہوئی تھی۔ نہ کھانا کھایا جارہا تھا اور نہ ہی نیند آرہی تھی......ایسا لگتا تھا جیسے کچھ انہونی ہونے کو ہے۔

وہ جو میرا میسج پڑھتے ہی جواب دینے کے عادی تھے اب وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔

ان کی جلد بازی پر میں اکثر ان سے کہا کرتی تھی......''ابھی میرا میسج آپ نے پورا پڑھا بھی نہیں ہوگا اور آپ نے جواب بھی دے دیا۔ پہلے پڑھ تو لیا کریں۔''

''تمہاری دستک سن کر کیا میں تمہیں انتظار میں بے تاب رکھوں......ایسا تو کبھی نہیں ہوسکتا صبو......'' پرانی باتیں شدت سے یاد آرہی تھیں۔

''اور اب......ایک چھوڑ کئی میسجز کے جواب میں وہاں ایسی خاموشی تھی......جیسے کوئی جان بوجھ کر نظر انداز کررہا ہو......مجھے ایک خوف نے آلیا تھا۔

اور مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ اب وہ صرف مجھ سے ہی نہیں اپنے آپ سے بھی بھاگ رہے تھے۔

''کیا اب مجھ سے ندیم بات تک نہیں کریں گے؟ میرا نمبر دیکھ کر اٹھایا بھی نہیں کریں گے؟ اور اگر کبھی راہ چلتے ٹکراؤ ہو بھی گیا تو مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا کریں گے؟'' جوں، جوں میں سوچ رہی تھی میری بے کلی بڑھتی جارہی تھی۔ رائٹر ویسے بھی حساس کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں اور پھر یہی ہوا......کہ میں بیٹھے، بیٹھے ہی بے ہوش سی ہوگئی۔

☆☆☆

چکر تو عامر کو بھی آگیا تھا......جب اس کے آفس کی وکیل خاتون مس نادرہ نے اس کے پاس آکر کہا تھا۔

''عامر صاحب......آپ کے بدخواہ مسلسل آپ کو پریشان کررہے ہیں اور آپ کے حوالے سے آفس میں مختلف انداز میں دھمکیاں علیحدہ دے رہے ہیں۔''

''مس نادرہ، اس طرح کے لوگ ہر جگہ ہوا کرتے ہیں اور میں کسی کی بھی گیدڑ بھبکیوں سے کبھی پریشان نہیں ہوا کرتا۔''

''اگر ان سب لوگوں بشمول مس صبا رحیم کے خلاف قانونی کارروائی کرلی جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔'' ان کا لہجہ یقینی تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا......میں صبا کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کروں؟'' وہ واقعی شاکڈ سا ہوگیا تھا۔

''بالکل......انہوں نے کئی بار ہمارے آفس فون کرکے آپ کو برا بھلا کہا......اور آپ کی تذلیل بھی کی ہے۔ پھر اُن کے گھر سے ہی کسی خاتون نے آپ کے بارے میں ایسی، ایسی باتیں کہیں کہ ان کے خلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ بھی دائر کیا جاسکتا ہے۔''

''نہیں مس نادرہ......اب ان چھوٹی، چھوٹی باتوں پر مقدمے بازیاں تو نہیں ہوا کرتیں۔''

''مگر ہونی چاہئیں......آپ ہمارے آفس کی ایک شفیق اور محترم شخصیت ہیں......اور آپ کے سب کولیگز کو ان باتوں سے انتہائی صدمہ ہورہا ہے۔''

''میں نے ان سب کو معاف کردیا ہے، آپ بھی ریلیکس ہوجائیں۔'' عامر نے اپنے لہجے میں بے پروائی سمیٹ کر کہا۔

''پھر بھی آپ یہ بات انہیں ضرور بتادیجیے گا کہ وہ دوسرے کی سادگی کو کم ہمتی نہ سمجھیں......''

Downloaded From http://paksociety.com

''اب ناسمجھ لوگ کہاں بات سمجھا کرتے ہیں...... ان کو ان کے حال پر آپ چھوڑ دیں......خود ہی سدھر جائیں گے......''

اور مس نادرہ کو پھر ایک بار افسوس ہوا تھا......کہ اب اچھے لوگوں کو بھی لوگ بلاوجہ تنگ کیا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا کوئی دماغ سدھارنے والا بھی نہیں ہوتا۔

اور عامر سوچ رہا تھا......دل کی باتیں جسے سمجھنی چاہئیں......وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں......اور وہ باتیں......جو کسی سے شیئر نہیں کی جاسکتیں......اس کے لیے لوگ دوڑے چلے آتے ہیں۔

کیسی عجیب صورتِ حال اس کے ساتھ زندگی بھر ہی رہی تھی۔ منزل اس سے ہمیشہ دور ہی بھاگتی رہی......اور وہ ہمیشہ بے دم سا ہی رہا۔

''عامر......آپ کا واقعی یہی فیصلہ ہے کہ صبا اور ان کی فیملی کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لینا ہے؟'' ایک دفتری ساتھی......مس نادرہ کے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس آکر قدرے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں یار......مجھے کچھ نہیں کرنا۔''

''لگتا ہے......وہ فیملی کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے لیے خاص ہے......'' اب وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں تو......'' وہ جھوٹ بولا......اور پھر ہنس دیا......اپنے لہجے کی نفی ہوگئی تھی۔

اب وہ صبا کے بارے میں سوچے چلا جارہا تھا کہ صبا کے بارے میں کہے تو کیا کہے......

گم شدہ محبت کے خوابوں کی طرح ہے
وہ روح کے صحرا میں سرابوں کی طرح ہے
وہ زیست کے مکتب میں نصابوں کی طرح ہے
پڑھتا ہوں اسے روز...... کتابوں کی طرح ہے
اب اس سے خیالوں میں ہی ہو جاتی ہیں باتیں
گو بیچ میں پردہ ہے......حجابوں کی طرح ہے
اس شخص کے پیکر میں ہے شاخوں کی لچک سی
اس شخص کا چہرہ بھی گلابوں کی طرح ہے

''میں کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنے دل کی باتیں جس سے کہنی چاہئیں......بس......اسی سے کہوں گا اب اپنے دفتر کے لوگوں کو میں اپنے دل کا حال بتا کر......صبا کو بے عزت کیوں کروں......لوگ خوہ مخواہ اسے لالچی، چالاک اور نہ جانے کیا کیا کہیں گے......اور میں اپنی صبا کو کسی صورت بے عزت نہیں کرسکتا۔'' عامر نے طمانیت کی گہری سانس لی۔

☆☆☆

''بعض لوگ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں......'' سبین نے تمسخر سے ہنستے ہوئے کہا......

''کس کی بات کررہی ہو تم......؟'' ساجدہ بیگم نے بیٹی سے پوچھا۔

''توبہ ہے......کیسی فتنہ لڑکی ہے یہ صبا بھی......میرے سیدھے سادے بھائی کو کیسے انگلیوں پر نچایا ہوا ہے۔'' سبین......اب آرام سے ندیم کے موبائل میں آئے ہوئے صبا کے پرانے میسج پڑھ رہی تھیں اور کمنٹس دے رہی تھیں۔

Downloaded From http://paksociety.com

''جلدی سے گھر آ جائیں۔''

''ہاں، تمہارے باپ کے نوکر ہیں۔''

''اُف اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے......''

''اب آؤ تو سزا دوں گی۔''

''مجھے ٹھیک دو بجے لنچ کرنے کی عادت ہے اور ڈھائی بج گئے......آپ ابھی تک نہیں آئے......''

''ہونہہ......تمہارا زرخرید نوکر ہے ناں میرا بھائی جو وقت کے ساتھ تمہارے سامنے ناچے گا۔''

''افوہ......'' ایک میسج پڑھ کر ان کی ابرو مزید چڑھ گئی۔

''ندیم آپ کی آپا سے مجھے پتا نہیں کیوں ہمیشہ ڈر سا لگا کرتا ہے۔''

''ہاں چڑیل ہوں ناں میں......'' انہوں نے غصے سے اس میسج کو یوں دیکھا جیسے ان کے سامنے صبا کھڑی ہو......اور انہیں اسے طمانچے بھی مارنے ہوں۔

''بی بی، تم تو مجھے پہچان کر بھی نہیں پہچان پائیں......میں کسی صورت میں اپنے بھائی کی شادی تم جیسی آفت کی پرکالہ سے نہیں ہونے دوں گی......ابھی تو ایک ہی عاشق سامنے آیا ہے......ہوسکتا ہے ایسے، ایسے دو چار اور بھی لوگ ہوں۔''

اور جب ساجدہ بیگم نے پوچھا تو ان سے انتہائی رازداری میں جو بات کی وہ یہی تھی۔

''امی......ہمیں......اپنے ندیم کو بچانا ہے......اور پہلی فرصت میں......''

''بیٹا......میں کروں تو کیا کروں......میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''اس سے قبل ہم کو کوئی خمیازہ بھگتنا پڑ جائے ندیم کی شادی آناً فاناً کر دینی چاہیے۔'' سبین کا لہجہ باوثوق تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ مان جائے گا۔'' سبین کی بات سن کر ماں نے ایک آہ کے ساتھ کہا۔

''جب تک بھائی کی شادی نہیں ہوگی......وہ پیچھا تو نہیں چھوڑے گی۔ آپ اسے سمجھائیں ہم لڑنے جھگڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ بھائی کی شادی کی خبر سے......عامر......کو بھی بہت سکون ملے گا......جو وہ انہیں...... خوامخواہ اپنا رقیب سمجھے ہوئے ہے۔''

''میں تو ہر نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں......صبا کی شادی عامر سے ہو جائے......'' ساجدہ بیگم نے کہا۔

''ہاں اس سے تین گھرانوں میں سکون ہو جائے گا......مگر صبا جیسی لڑکیاں شادی مشکل سے ہی کیا کرتی ہیں......انہیں یہ خوشی ہی بہت زیادہ ہوتی ہے کہ لوگ ان کے آگے پیچھے پھر رہے ہوں اور پریشان ہو رہے ہوں۔'' سبین کا لہجہ تذلیل آمیز تھا۔

''اب تو سارا معاملہ......عامر کے آنے کی وجہ سے خراب ہوا ہے......ورنہ......اس کی شادی......ندیم سے ہو ہی رہی تھی......کاش ہو جاتی......''

''امی یہ بھی اچھی بات ہے کہ ندیم کی شادی صبا سے نہیں ہوئی ورنہ عامر جس قماش کا شخص ہے اس نے شادی کے بعد بھی ایسے ہی تماشے لگانے تھے۔ اور تب تو ہم موجودہ سچویشن سے زیادہ پریشان ہو جاتے۔''

''جو ہوگا دیکھا جائے گا......اب اس ضمن میں، میں تو شاید کچھ بھی نہیں کر سکتی۔''

''آپ کچھ نہ کریں......مگر میں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی......'' سبین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم بھی کچھ نہیں کر سکتیں بیٹا......'' ماں نے تاسف سے گہری سانس لی۔

''میں ندیم کی بڑی بہن ہوں......اُن محترمہ کی طبیعت صاف تو کر سکتی ہوں ناں......!'' سبین نے دل میں سوچا

Downloaded From http://paksociety.com

ناسور

ایک ایسے نوجوان کی داستان جس کی زندگی خالی قبر کی طرح تھی جو اندھیروں کی راہ گزر پر روشن لمحوں کی آس لیے اپاہج راستوں پر گامزن تھا۔

سماج کے رستے ہوئے ناسوروں کو وہ بے نقاب کرنے نکلا اور پھر ہر دن، ہر پل اس کا ارضی ناخداؤں سے برسرپیکار رہنے میں بیتنے لگا۔

ایک ایسی طویل داستان جس کی ہر قسط آپ کو چونکا دے گی

فروری 2017ء سے

ماہنامہ سرگزشت

کے صفحات پر

ملاحظہ کریں

Downloaded From http://paksociety.com

مگر ماں سے کچھ نہیں کہا۔

☆☆☆

''حد ہوگئی ہے......کوئی ایسا بھی کیا کرتا ہے کہ فون کر کے کسی کو اپنے گھر بلائے......اور پھر اسے بے عزت کرے......آپا......آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا......وہ اپنے گھر جا کر ساری رات روئی ہے۔'' اگلے دن سبین جب گھر آئیں تو ندیم خان نے بہن سے شکایتی لہجے میں کہا۔

''بھائی میں اُن محترمہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔ ان کے پیر پکڑ لوں گی، مجھے نہیں معلوم تھا تمہیں ان محترمہ کا رونا اس قدر شاق گزرا ہے۔'' بہن نے قدرے غصے سے طنزیہ لہجے میں کہا تو ندیم کھسیا کر رہ گیا۔

''میرا مطلب تو یہ تھا کہ صبا کا دل بہت چھوٹا ہے......وہ ذرا، ذرا سی بات بہت زیادہ محسوس کرتی ہیں۔''

''ان کا دل چھوٹا نہیں ہے بلکہ بے ایمان ہے۔''

''یہ آپ کیوں کر کہہ سکتی ہیں؟''

''عامر کی ماں آئی تھیں میرے پاس...... پتا نہیں کہاں سے میرا ایڈریس حاصل کر لیا تھا وہی کہہ رہی تھیں صبا کی فیملی میں بے وقوف بنانے کا رواج ہے......ان کا سیروں سونا...... یہ لوگ ہڑپ کر گئے......اور مانگنے پر بھی نہیں دیا......ان کے بیٹے کو علیحدہ دھمکیاں دے رہی ہیں کہ ندیم خان ان کے بیٹے کو اغوا کروا دے گا یا کسی سے مروا دے گا......جیسے کہ تم بھی کوئی دہشت گرد ہو۔''

''آپا......آپ بھی کس کی باتوں پر یقین کر بیٹھیں......جس طرح عامر جھوٹا ہے اسی طرح کی اس کی ماں ہوگی......آپ کو کیا پتا......وہ آپ کو صبا سے بدظن کرنے کے لیے ایسا سب کچھ کہہ رہی ہوں گی۔''

''یہ سب تو مجھے نہیں معلوم......مگر میں نے اُن کی باتیں سن کر صبا کو فون کر کے پوچھا تو وہ بھی مان گئی تھی۔''

''تو پھر......آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ عامر کی ماں بالکل سچی ہیں؟''

''ہاں صبا نے کہا تھا......میں نے صاف، صاف کہہ دیا ہے کہ ندیم خان اب عامر کو چھوڑے گا نہیں......دیکھ لینا......اب وہ کتے کی موت مرے گا۔''

''جھوٹ بول رہی ہوگی...... غصے میں لوگ ایسی ہی باتیں تو کیا کرتے ہیں......'' ندیم خان نے ہنس کر کہا۔

''ندیم......ہم شریف لوگ ہیں یا......نہیں؟''

''اُفوہ......اب ہماری شرافت پر کہاں سے چھینٹے آگئے......'' ندیم پھر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''ٹھیک ہے تم......صبا سے شادی کر کے لوگوں سے دشمنی مول لے لو...... بلکہ یہ لڑکی...... تمہیں خود مصیبتوں میں ڈال دے گی، تم میری یہ بات بے شک لکھ لو۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا......آپ خواہ مخواہ کے مفروضے کیوں بیان کر رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے تم خود فون کر لو......اور جان لو محترمہ کے عزائم اور پوچھ لو......ان صاحبہ نے عامر سے کیا کہا تھا۔''

''میں آپ کے سامنے ہی فون ملاتا ہوں......صبا ایسی بات کسی سے بھی نہیں کیا کرتی ہے۔''

ندیم نے فون ملایا......اسپیکر آن کیا......اور بولا۔

''صبا......تم نے عامر کے گھر فون کر کے اسے ڈانٹا ہے کیا؟''

''ہاں، کیوں نہ ڈانٹتی......جس نے میری زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے۔''

''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیا کہا تم نے؟''

''اس ذلیل شخص کو میں نے کہا...... کہ وہ میرے ارمانوں کا خون کر کے کبھی نہیں بچے گا......اس کی وہ حالت

Downloaded From http://paksociety.com

کرواؤں گی کہ کتے کی موت مرے گا وہ اور آپ اس کا ایسا حشر کریں گے وہ سوچ نہیں سکے گا۔''

''میرے بھائی کے نام کے بجائے اپنے کسی رشتے دار کا نام نہیں لے سکتی تھیں۔ میرا بھائی کیا بدمعاش ہے...... جو تمہارے عاشق سے جا کر لڑے گا......'' تب سبین بولیں...... اس سے قبل کہ ندیم فون آف کرتا سبین وہ سب کہہ چکی تھی...... جو وہ صبا کو سنانا چاہتی تھیں۔

''ارے...... رے...... یہ صبا تو بے ہوش ہوگئی۔'' خالہ اسے چائے دینے آئیں تو وہ صوفے سے آدھی ڈھلکی ہوئی تھی۔

امی سرعت سے آئیں اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے......

''پتا نہیں کیا ہوگیا ہے اس کو بار، بار بے ہوش ہو جاتی ہے۔''

''ارے بھئی...... آپ نے تو مجھے صوفے پر ہی نہلا دیا ابھی آنکھ لگی تھی میری......'' اپنے سامنے امی اور خالہ کو بے حساب پریشان دیکھ کر میں نے فوراً کہا۔

''صبو تم تو بے ہوش تھیں...... میں نے تمہیں اتنی آوازیں دیں تم نے کسی بات کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔''

''اب میں سوتے ہوئے تو آپ سے باتیں نہیں کرسکتی تھی ناں......''

''سچ سچ بتاؤ...... کیا کوئی بات ہوئی ہے...... جس سے تم یوں پریشان ہوگئیں۔'' امی کو کسی صورت قرار نہیں آرہا تھا۔

''اب تو سب بات ہی ختم ہو چکی ہے...... میں آپ کو کیا بتا سکتی ہوں۔'' میں اپنے دل میں سوچ رہی تھی۔

دو دن پہلے سبین آپا نے اپنے گھر بلا کر مجھے بری طرح ذلیل کیا تھا۔ اور آج انہوں نے ندیم خان کی موجودگی میں مجھے باتیں سنائیں اور ندیم خان نے فون بند کر دیا...... اور دو لفظ میری تسلی کے لیے نہیں کہے۔

محبت سے پہلے عزت ضروری ہوتی ہے...... مگر ان کشیدہ حالات میں، میں بے عزت ہو کر بھی اپنی محبت کی تمنا کر رہی تھی...... پتا نہیں...... میں کیوں اتنا گر گئی تھی کہ ندیم سے جدائی مجھے تصور میں بھی شاق گزر رہی تھی۔ اور اس وقت مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میری سانس کا آنا جانا صرف ندیم کی وجہ سے ہے...... اور اگر وہ میری زندگی سے نکل گئے تو میں بالکل تہی دامن سی ہو جاؤں گی۔

پھر یوں ہوا کہ وقت کے تیور بدل گئے
پھر یوں ہوا کہ راستے یکسر بدل گئے
پھر یوں ہوا کہ خواہشیں مسمار ہو گئیں
پھر یوں ہوا کہ حشر کے سامان ہو گئے
پھر یوں ہوا کہ شہر بیابان ہو گئے
پھر یوں ہوا کہ گرد سے آئینے اَٹ گئے
پھر یوں ہوا کہ آنکھ میں دریا سمٹ گئے

☆☆☆

میری دنیا کیسے تلپٹ ہوگئی تھی...... کہ میں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی......

ندیم خان...... میرے پاس آئے تھے...... یا بھیجے گئے تھے...... مگر انہوں نے صرف یہی کہا تھا۔

''تمہیں عامر سے شادی کرلینی چاہیے...... ورنہ وہ مر جائے گا......''

''آپ میرے کب سے سرپرست اعلیٰ بن گئے ہیں...... جو میرے بارے میں فیصلے بھی کرنے لگے ہیں۔''

Downloaded From http://paksociety.com

''یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کل عامر نے خودکشی کی کوشش کی تھی......اور جب میں اسے اسپتال دیکھنے گیا تو وہ مجھے ایک زندگی سے ہارا ہوا شخص دکھائی دیا......تم اسے معاف کردو پلیز......''

''اور آپ نے سوچا......کہ کچھ ثواب ہی کما لیا جائے......اس لیے مجھے سمجھانے چلے آئے......ہیں ناں......'' میرا لہجہ خاصا تلخ سا تھا۔

''میں تو صرف ایک مشورہ دے رہا ہوں۔''

''آپ کو تو آ کر یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں راستہ بدل رہا ہوں......اور تم جو دل چاہے کرو......مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ زندگی میں محبت، چاہت، جیسے فضول جذبوں کو کبھی خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ میں جو بہت دبنگ شخصیت کا حامل بنا کرتا تھا آخر میں وہی دبو شخص ہی رہا......اور اب اپنی فیملی کی پسند اور چاہ پر اچھے لڑکوں کی طرح سر جھکا کر شادی کرلوں گا۔'' اب میرا لہجہ خاصا اہانت آمیز ہو گیا تھا۔

''میں تو عامر کی حالتِ زار پر پریشان سا ہو گیا ہوں......اس لیے ایسا کہہ رہا ہوں۔''

''ظاہر ہے، آپ ایک دردمند دل رکھتے ہیں......آپ کا جواب ایسا ہی ہونا چاہیے......'' میری برہمی کسی صورت ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''مجھے یہ کہنے میں کوئی شک نہیں کہ اب واقعی میری ماں اور میری بہن ہرگز نہیں چاہتیں......کہ میری شادی تم سے ہو مگر یہ صرف ان کی خواہش ہے اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ ابھی کورٹ میرج کرنے پر تیار ہوں......چل سکتی ہو تو ابھی اٹھو......میں اپنی بات پر قائم ہوں۔''

''ندیم آپ یہ باتیں کہیں یہ سوچ کر تو نہیں کہہ رہے کہ میں آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں کروں گی......اور یوں آپ سارا ملبہ مجھ پر آرام سے گرا کر آگے بڑھ جائیں گے۔''

''تم جانتی ہو کہ میں کبھی دوغلی باتیں نہیں کیا کرتا۔''

''تو چلیے میں تیار ہوں۔'' میں نے اپنا دوپٹا برابر کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں چلو......'' وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بولے۔

''اپنا اوریجنل شناختی کارڈ ساتھ رکھ لینا......وہاں ضرورت پڑے گی۔''

''وہ ہمیشہ میرے پرس میں رہتا ہے۔'' میں نے انہیں بتایا۔

میں ابھی اپنی سینڈل کا اسٹریپ ہی باندھ رہی تھی کہ امی کمرے میں آ گئیں۔

''امی ہم کورٹ میرج کرنے جا رہے ہیں......''

میرا لہجہ یوں تھا جیسے ان سے کہہ رہی ہوں۔ ''امی ہم شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔''

''بیٹا پہلے سوچ لو پھر یہ فیصلہ کرنا......'' امی کا لہجہ پتا نہیں کیوں مجھے سرد سا لگا۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں......اب ندیم راضی ہیں۔ وہ مجھ سے خود شادی کرنا چاہتے ہیں اور آپ مجھے منع کر رہی ہیں......جبکہ جانتی بھی ہیں کہ اب میں ندیم کے بغیر رہ نہیں سکتی......''

''بیٹا جس کی جتنی زندگی ہوتی ہے......وہ اتنی ضرور جیتا ہے اور کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کبھی وقت رکا نہیں کرتا......اور نہ ہی حالات ہمیشہ یکساں رہا کرتے ہیں۔''

''امی......اس وقت مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔''

''صبو بیٹا......تم صرف ندیم ہی کی پسند ہو جو شادی کرنا چاہتے ہیں اور وہ تمہیں واضح بتا چکے ہیں کہ ان کی والدہ اور بہن اس شادی کے خلاف ہو چکی ہیں۔'' شاید امی نے باہر بیٹھے، بیٹھے ہماری ہر بات سن لی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''امی...... بعد میں سب ٹھیک ہو جاتے ہیں...... کون سی مائیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے بیٹوں کو چھوڑ دیتی ہیں۔''

''ہاں بیٹوں کو تو نہیں چھوڑتیں مگر بہوؤں کو کبھی قبول نہیں کرتیں...... یہ فرسودہ رویے آج بھی ہیں...... بیٹا تمہیں دماغ سے سوچنا ہوگا۔''

''تو پھر کیا میں ان کے ساتھ کورٹ چلی جاؤں؟'' اس وقت میں کسی بچی کی طرح اجازت مانگ رہی تھی۔

''نہیں بیٹا، یہ وقت مناسب نہیں ہے...... پہلے تم بھی سوچ لو...... اور ندیم آپ بھی...... اس بارے میں دل و دماغ دونوں سے سوچتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اپنے کیے پر تمہیں پچھتانا پڑے۔ شادی گڈے، گڑیا کا کھیل نہیں ہے، اس کو کرنے کا مطلب راضی خوشی اسے نبھانا بھی ہوتا ہے۔''

''صبا...... میرے خیال میں آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں......'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

اور مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے جا رہے ہوں۔ اور میں جو اپنے اوپر ضبط کے پہرے بٹھانے کی قائل تھی انہیں جاتا دیکھ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو پڑی۔

''صبو تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ کیا تم بھول گئیں...... تم میری چوائس ہو...... تم میری جانب نہیں بڑھی تھیں، میں بڑھا تھا......''

''مگر میں تو اب یہ دیکھ رہی ہوں کہ اب میں نہیں بلکہ میرے پاس سے تم جا رہے ہو...... اور شاید ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے بھی۔ آج میرا واہمہ حقیقت بن جائے۔''

☆☆☆

راحیلہ نے بہت خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جو پورے کا پورا باپ کا ہم شکل تھا۔

کریم نے اسے گود میں اٹھایا تو بڑے فخر سے بولا۔

''ماشاءاللہ، میرا بیٹا تو جوان ہو کر میرا بھائی لگا کرے گا۔''

''اللہ نے مجھے ایک بیٹا دیا تھا اس ایک کی وجہ سے آج میرے دو بیٹے ہو گئے۔'' چھوٹی خالہ نے خوش ہو کر کہا۔

''امی آپ دعا کریں، اللہ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے...... میں سچ کہہ رہا ہوں...... اتنا خوب صورت بچہ آج سے پہلے میں نے کسی کا نہیں دیکھا...... یہ تو بالکل شہزادہ سا لگ رہا ہے۔''

''بیٹا اپنی اولاد سے بڑھ کر...... کسی کو بھی کوئی اچھا نہیں لگا کرتا ہے...... مگر یہ بچہ واقعی بہت پیارا ہے...... اللہ اسے نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔''

اور راحیلہ جو سوچا کرتی تھی کہ اس کے ساتھ اس کی اولاد کی بھی کوئی وقعت نہیں ہوگی...... وہ خیال خام تھا۔

''ارے بیٹا تم رو کیوں رہی ہو؟'' چھوٹی خالہ نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھے تو پوچھا۔

''نہیں تو...... میں کہاں رو رہی ہوں......''

''راحیلہ...... اگر تم اب مجھے روتی دھوتی نظر آئیں ناں تو تمہاری خیر نہیں۔'' کریم نے اس سے کہا...... اور وہ پھر سہم سی گئی۔

''کہتے ہیں جیسی ماں ہو ویسی ہی عادات کا اس کا بچہ ہوا کرتا ہے۔ خاص طور پر بیٹا...... اور اب میں تمہیں ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا بیٹا بھی خوش مزاج سا ہو۔'' کریم کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور بیٹیاں...... ہمیشہ باپ پر جاتی ہیں...... اور جب اللہ مجھے بیٹی جیسی رحمت دے گا تو تم دیکھنا میں اس کا کیسا خیال رکھا کروں گا...... مجھے ہنستی مسکراتی بچیاں اچھی لگا کرتی ہیں۔''

اور راحیلہ...... بے اختیار پھوٹ، پھوٹ کر رو دی...... کہ وہ واقعی یہ سوچ نہیں سکتی تھی کہ کبھی کریم اس سے اس

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں :-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

انداز میں بھی بات کر سکتا ہے۔

☆☆☆

شاید فیصلہ کرنا ندیم کے لیے بھی دشوار تھا...... جو انہوں نے رابطہ نہیں کیا تھا۔ ندیم خان کو ہمارے گھر.... سے گئے صرف دو دن ہوئے تھے مگر مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں برسوں سے نہیں دیکھا۔

موبائل ان کا بند تھا...... لینڈ لائن نمبر وہ اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود...... میں نے انہیں واٹس ایپ پر میسج کر دیا۔

اگر تم کھول بیٹھے ہو
یہ صفحہ شام سے پہلے
مقامِ صبر سے پہلے
حدِ الزام سے پہلے
کہانی ختم ہی کرنی ہے
اگر انجام سے پہلے
تو یہ بھی فیصلہ کر لو
کہ میں لکھوں تو کیا لکھو
تمہارے نام سے پہلے

ندیم خان کا موبائل اس وقت چارجر میں لگا ہوا تھا...... اور وہ اپنی امی کو لے کر روٹین چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس گئے ہوئے تھے۔

سبین نے اپنا موبائل سمجھ کر مغالطے میں اسے اٹھایا اور صبا کا میسج دیکھ کر اسے پڑھنا شروع کیا۔

''اوہ...... اب جذباتی بلیک میلنگ بھی ہو رہی ہے۔'' وہ بڑبڑائیں اور اس کا میسج اسی وقت ڈیلیٹ کر دیا۔

اور میرے انتظار کی دیوانگی ...... مجھے...... کھلی آنکھوں ایسے منظر دکھا رہی تھی جو میں بند آنکھوں بھی دیکھنا نہ چاہوں...... ندیم نے...... میرا میسج پڑھ کر کہا ہوگا......

''ہاں صبا رحیم صاحبہ...... جب کہانی ختم ہو جائے تو مجھے یہ فرق نہیں پڑتا...... تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو......؟ کیا کچھ کہتی ہو...... اور میری زندگی کے ان ضائع شدہ ایام کے تم کیا نام رکھتی ہو......''

''ان کی امی نے شکر کیا ہوگا...... کہ ان کا بیٹا کسی دوسرے کے جھگڑے میں نہیں کودا...... ورنہ پرائی آگ ہمیشہ جلایا کرتی ہے۔''

''اور سبین آپا نے تو برملا کہا ہوگا...... مجھے تو وہ لڑکی پہلے دن سے ہی پسند نہیں آئی تھی۔ اس کو تو بات کرنے تک کا سلیقہ نہیں تھا، کفن پھاڑ کر تو وہ بولا کرتی تھی۔ اور میں نے تو اسے پہلے بھی سمجھا دیا تھا...... کہ یہ رشتوں کا سیزن...... دو چار موسموں کا ہی ہوا کرتا ہے...... اور اس کے بعد کوئی پوچھا نہیں کرتا...... اور جس لڑکی کے ساتھ عاشق کا دم چھلا بھی لگا ہوا ہو...... اسے تو کوئی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔''

میں سوچ رہی تھی اور لفظوں کی سنگ باری سے از خود لہولہان ہو رہی تھی۔

اور امی...... میری شکل دیکھ کر...... غم زدہ ہو رہی تھیں۔

''صبو بیٹا...... جو ہوا اچھا ہی ہوا...... بعض لوگ دیر سے پہچانے جاتے ہیں۔ ندیم شاید اس قابل تھا ہی نہیں...... کہ تم اس سے شادی کرتیں جو لڑکا اپنی منگیتر کے لیے کوئی اسٹینڈ نہ لے سکے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔'' امی

Downloaded From http://paksociety.com

کی طبیعت خراب چل رہی تھی......ان حالات کی وجہ سے انہیں شدید ہارٹ اٹیک ہو گیا۔
انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں کیسے وہ دس دن رہیں یہ بات میں ہی جانتی تھی۔
خالہ تو ذرا، ذرا سی باتوں پر سائیکی ہو رہی تھیں......اور امی کی بیماری کو بھی نزلے بخار سے زیادہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں۔
اور ایسے میں، میں یہ سوچ رہی تھی......کہ تن تنہا رہنا کسی کے لیے بھی کتنا مشکل ہوا کرتا ہے......باپ، بھائی کا وجود......کتنی بڑی تقویت کا حامل ہوتا ہے۔
اور پھر امی بھی اسپتال سے گھر آ گئیں......
دن روٹین کے مطابق گزر رہے تھے......ندیم نے جانے کے بعد کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔تمام تر صورتِ حال کے باوجود بھی پتا نہیں کیوں دل میں ایک مدھم سا امید کا چراغ روشن تھا کہ وہ ضرور آئیں گے......وہ بیچ میدان میں سے بھاگنے والے تھے ہی نہیں۔
ان کی زندگی کا اصول کمٹمنٹ تھا......وہ میرے ساتھ کیسے برا کر سکتے تھے۔
مگر تقدیر کو جب کچھ نیا دکھانا ہو تو ہر چیز کے معنی بدل جایا کرتے ہیں......کبھی ندیم خان میری بات اہم سمجھا کرتے تھے......اور اب ماں کی سمجھ رہے تھے اور پھر ندیم خان نے اپنی ماں اور بہن کے سامنے ہار مان لی تھی۔
بات ہی کچھ ایسی تھی، ماں نے انتہائی بیماری کی حالت میں اُن سے کہا تھا۔
''ندیم ایک لڑکی کی محبت کیا اپنی ماں کی محبت پر حاوی ہو گئی ہے......جو تم میری بات نہیں مان رہے ہو۔''
''امی......آپ کے لیے تو میں اپنی زندگی کی ہر خوشی قربان کر سکتا ہوں۔''
''تو پھر تم فابا سے شادی کرلو......''
''میں صبا سے شادی نہیں کروں گا......مگر اس کے بجائے کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے بہت مشکل ہو گا۔''
''اگر تم میری بات نہیں مانو گے......تو میں چین سے مر بھی نہیں سکوں گی۔''
اور میں چین سے جی نہیں سکوں گا......ندیم نے سوچا مگر کہا نہیں......اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔
اور سبین آپا نے اسی وقت فابا کے ہاں رشتے کی رضامندی کا فون کر دیا۔
لڑکی والے دبئ میں رہتے تھے اور وہ کراچی آ کر شادی کرنے پر رضامند بھی تھے......مگر سبین کا یہ خیال تھا کہ شادی دبئ میں ہی ہو گی۔
وہ صبا کی کسی بھی قسم کی جذباتی بلیک میلنگ سے اندر سے خوف زدہ تھیں۔اور وہ یہ بھی جانتی تھیں ان کا بھائی......صبا کو دیکھ کر بالکل مختلف ندیم کا روپ اختیار کر لیتا ہے......جسے صبا کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔
اور ساجدہ بیگم کا تو یہ یقین تھا کہ اولاد کے لیے زندگی میں وہ وقت بھی ضرور آتا ہے جب انہیں اپنی محبت، اپنی منگیتر یا بیوی کے سامنے اپنے والدین کا وجود بے معنی سا لگا کرتا ہے۔اور انہیں اپنے والدین کی کوئی بات بھی سچی یا صحیح نہیں لگا کرتی۔
''مگر ایسی اولاد بعد میں پچھتاتی ہوئی بھی تو نظر آتی ہے......''سبین نے ماں کی بات سن کر کہا۔
''وقت گزرنے کے بعد کے واویلے کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔''
''آپ کا خیال ہے......ندیم......صبا کے سوا کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔''
''ہاں......میں اس کے مزاج اور عادت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔وہ جب کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو اس پر قائم

Downloaded From http://paksociety.com

رہتا ہے۔“

”تو آپ کے خیال میں وہ جو ابھی ہامی بھر کر گئے ہیں وہ دکھاوا تھا ان کا۔“

”اس نے ہامی کہاں بھری ہے، وہ تو بس خاموش ہو گیا۔“

”امی، اس خاموشی کو میں رضامندی کا چولا پہناؤں گی۔“

”پتا نہیں مجھے ہول اٹھ رہے تھے۔“

”ایسی بات کیوں کر رہی ہیں آپ......“

”بس یوں ہی کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے، میرا ندیم کہیں بیمار نہ پڑ جائے...... میرا بچہ...... صبا کی جدائی کہیں اپنے دل پر نہ لے لے...... کہیں ایسا تو نہیں کہ میں ماں ہو کر اپنے بچے کے ساتھ کوئی زیادتی کر رہی ہوں۔“ ساجدہ بیگم اب بیٹی کے سامنے رو رہی تھیں۔

بعض دفعہ جب فیصلے کی گھڑی مشکل سی لگا کرتی ہے تو یہ آنکھیں اسی طرح احتجاج کیا کرتی ہیں......

”افوہ...... آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں...... ایسا کچھ نہیں ہوگا...... ہاں اگر ندیم بھائی سے صبا کی شادی ہو گئی تو ہم لوگ یقیناً مشکل میں آجائیں گے۔“ سبین نے ماں کو پانی پلاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

”اللہ کرے...... ایسا ہی ہو...... میرے بچے کو کوئی پریشانی نہ ہو۔“ ساجدہ بیگم نے ایک آہ بھر کر کہا۔

☆☆☆

اور پھر وہ لوگ بھی اجنبی سے بن گئے
جو کہتے تھے ان کو ہماری عادت سی ہو گئی

”صبا اب ہمارا اور ہمارے بھائی کا تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے...... اور ان کا رشتہ ہم نے اپنی فیملی میں ہی کر دیا ہے...... ابھی شادی نہیں ہوئی ہے...... مگر وہ بھی جلد ہو گی......“

ایک شام سبین آپا نے مجھے فون کر کے بتایا...... لہجے میں تو فکی تھی۔

”مبارک ہو......“ میں نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

”اگر تم چاہو تو یہ بات عامر کو بتا دو...... تاکہ وہ بھی سکھ کی سانس لے......“ اب وہ دھیرے سے ہنس رہی تھیں۔

”میرا اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ آپ یہ نیوز اخبار میں شائع کروا دیں اور ٹی وی چینلز پر بھی چلوا دیں کہ شاید آپ اپنے بھائی کو کوئی بہت ہی مشہور شخصیت سمجھتی ہیں تو......“

”تم جلومت...... میرا بھائی تم سے زیادہ شہرت کا حامل ہے......“ باوثوق انداز میں کہا گیا۔ ”اور اس کی پسند پر رشتہ طے کیا گیا ہے۔“

”تو پھر اُن سے کہیں اپنی شہرت کیش کریں...... آج کل تو کوئی اچھے اچھوں کو کوئی نہیں پوچھتا......“

”مگر تم کو شاید زیادہ ہی تکلیف ہو رہی ہے...... اس لیے میں نے تمہارے عاشق کو بھی میسج کر دیے ہیں تاکہ وہ تمہاری اشک شوئی کرنے آجائے......“ کہ میرے بھائی کو تو بہت چاہا جاتا ہے۔

اور میں نے ان کا فون ہی کاٹ دیا۔ اس سے زیادہ میری برداشت ہی نہیں تھی کہ میں ان کی تلخ و ترش باتوں کو برداشت کروں...... جو واہمہ...... کچھ عرصے سے میرے دل میں سر اٹھا رہا تھا آج وہ پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا۔

سبین آپا شاید جھوٹ ہی بول رہی ہوں...... کہ ایسی عادتیں ان میں راسخ تھیں۔ مگر ان کا کڑوا کسیلا سا لہجہ میرے ذہن پر سنگ باری سی کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا ملال نہیں تھا کہ ان کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ مجھے دکھ اس بات

Downloaded From http://paksociety.com

کا ہو رہا تھا کہ لڑکی ندیم کی پسند کی ہے۔

''کیا ان کی پسند اتنی جلدی، جلدی بدلنے والی تھی...... یا پھر میں ان کو پسند ہی نہیں رہی تھی۔''

آس بھر خوشیوں کا ڈبا...... جب اپنی آنکھوں کے سامنے بکھر جائے تو صبر بھی بڑی مشکلوں سے آیا کرتا ہے......

میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اپنے ماضی میں جی کا گزارہ تھا۔

حال میں رہتے ہوئے بھی ماضی میں جینا اچھا لگتا تھا۔ پتا نہیں کیوں۔

اور جب مجھے یہ آگہی ہوئی کہ میں حال میں جیوں گی...... تو آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے دھکیل دی گئی......

شاید میں چار قدم آگے چلی ہوں گی...... اور چودہ قدم پیچھے دھکیل دی گئی تھی۔

اور اب تو مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کسی نے مجھے بلندی سے پاتال میں گرا دیا ہو۔

''میری یہ ہی اوقات تھی......'' میں خود اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

مجھے اندازہ تو ہو رہا تھا ندیم کی بہن اور ماں...... اب مجھ سے بھاگ رہی ہیں...... اور اپنے خدشے کا اظہار میں نے ندیم سے بھی کیا تھا۔

''صبا تم سنو سب کی مگر یقین صرف میرا کرو...... مجھ سے بڑھ کر تمہارے لیے کوئی نہیں۔''

''آپ پر تو یقین ہے مگر اب وہ ڈول سا رہا ہے۔''

''تم ہمیشہ کی بے وقوف ہو، محبت کرنے والے والیوں میں اپنی زندگی بسر نہیں کیا کرتے۔''

''خوش فہمیوں کے تحت بھی تو نہیں زندگی گزاری جا سکتی......''

''صبو، تم میری زندگی کی بہار ہو اور اگر تم میرے ساتھ نہ ہوئیں تو میری زندگی تو خس و خاشاک سے بھی بدتر ہو جائے گی'' اور تب میں اپنے ہولتے ہوئے دل پر تسلی کے پھائے رکھنے کی ہمیشہ سعی کیا کرتی۔

امی نے ہمیشہ یہی سمجھایا کہ ندیم کی فیملی اب تم سے پیچھا چھڑا رہی ہے۔ وہ عامر کے سامنے کھڑے ہو کر...... تمہارے لیے کبھی نہیں لڑیں گے۔

خالہ نے بھی یہی کہا تھا...... آج کل کوئی پرائی آگ میں نہیں کودا کرتا مگر ندیم نے تو ہمیشہ مجھ سے کہا تھا کہ وہ صرف میرے ہیں...... اور وہ صرف میرے چہرے سے میرے دل کا اندازہ لگا لیا کرتے ہیں...... اس لیے مجھے اپنی تمام پریشانیاں صرف انہیں دے دینی چاہئیں میں اس وقت کیا سوچ رہی ہوں...... وہ جان جاتے تھے۔

میں کیا کہنا چاہتی ہوں...... اور کیا کہہ رہی ہوں...... انہیں پتا لگ جاتا تھا۔ میں کسی بات سے پریشان ہوں...... انہیں اس کا اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگا کرتی تھی۔

اور ایسا ہی کچھ مجھے بھی لگا کرتا تھا...... کہ وہ چپ، چپ کیوں ہیں۔ مجھ سے جب فون پر بات نہیں ہو پاتی تھی تو وہ منہ بنا کر میرے پاس آیا کرتے تھے۔

اور جب وہ خوش ہو رہے ہوتے تھے تو میں جان جاتی تھی، انہیں آفس میں کسی کام میں کامیابی ملی ہے کہ ان کا شمار محنت سے کام کرنے والوں میں تھا جو کام کر کے ریلیکس ہوا کرتے تھے۔

بقول ندیم...... ایک کامیاب جوڑے کے لیے یہ بات اولین ہوا کرتی ہے کہ ایک دوسرے کو جان لیا جائے ایک دوسرے کو بخوبی سمجھ لیا جائے۔ مگر پتا نہیں...... پھر کیوں ایسا ہوا کہ وہ جان کر بھی انجان بنتے چلے گئے اور میں انہیں پہچان کر بھی نہیں پہچان سکی۔

دو جمع دو کیسے نفی ہو گئے...... یا پھر وقت کی بساط نے ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا...... میں یہ سب کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

میں تقدیر کے اس کھیل پر جہاں متحیر تھی وہاں بے حد مغموم بھی تھی۔ محبت کرنے والے کبھی بچھڑنے کا خواب نہیں دیکھا کرتے...... مگر مجھے جاگتی آنکھوں سے یہ سب دیکھنا پڑا تھا۔ ندیم...... دبئی چلے گئے تھے۔ ان کی والدہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ سبین آپا نے ان کی شادی کی اطلاع مجھے بذریعہ SMS دی تھی۔ اور جواب میں، میں نے انہیں مبارک باد کا میسیج بھیج دیا تھا۔

''یقیناً تمہیں خوشی ہونی چاہیے...... ندیم جیسی لڑکی چاہتے تھے انہیں ویسی ہی مل گئی ہے اور وہ بے حد خوش ہیں۔''

اور میں نے ان کے اس فضول سے میسیج کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ میں تو اس موضوع پر کسی سے بات ہی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر جب سر فرید گھر چلے آئے تو مجھے بادلِ ناخواستہ انہیں ویل کم کہنا پڑا۔

''سر آپ چائے پئیں گے یا کافی......؟'' میں ان کی آمد کو سرسری سا لے رہی تھی۔

مگر وہ تو مجھ سے اچھی خاصی تعزیت کر رہے تھے۔

''میرا دوست بہت اچھا ہے، پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا؟ نظریۂ ضرورت کے تحت...... بہت سے لوگ وہ سب کچھ کر لیتے ہیں...... جو عام حالات میں وہ کرنا نہ چاہیں...... میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ منگنی کر کے بھی بھاگ جائے گا۔''

''سر...... منگنی تو ڈھکنی ہوا کرتی ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت تو نہیں ہوا کرتی۔'' میں اپنی چیخیں اپنے سینے میں سمو کر بڑے اطمینان سے بات کر رہی تھی۔

''مگر میرا یار ہرگز ایسا نہیں تھا......'' وہ بدستور اپنے موقف پر قائم تھے۔

''مگر اب ایسا، ویسا اور کیسا کی تو بات ہی ختم ہو چکی ہے۔''

''پھر بھی مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''اس افسوس کا کوئی فائدہ نہیں سر......''

''اس نے ایک اچھی لڑکی کو کھو دیا...... دیکھ لینا، وہ ضرور پچھتائے گا۔''

''آپ کو کیا پتا سر...... میں اب اچھی کے زمرے میں ہی نہ آتی ہوں۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''حالات نے تو مجھے یہی بتایا ہے کہ وہ مجھ سے پیچھا چھڑا کر باہر چلے گئے۔''

''دبئی میں اس کا اپنا اپارٹمنٹ ہے...... وہ اکثر وہاں جایا کرتا ہے۔''

''مگر اب ان کا وہاں قیام مستقل رہے گا اب وہ میرے لیے کبھی نہیں آئیں گے۔''

''سچ کہہ رہا ہوں مس صبا...... مجھے اب بھی حیرت ہو رہی ہے، وہ لڑکا جو کبھی کسی لڑکی سے متاثر نہیں ہوا کرتا تھا اسے میں نے تمہارے لیے اتاؤلا سا دیکھا ہے۔ وہ واقعی پاگل تھا تمہارے لیے......''

''سر...... آپ ماضی کی باتیں چھوڑیں...... وہ جیسے تھے اب ویسے نہیں رہے...... اور یقیناً انہیں مجھ سے بہت اچھی لڑکی مل گئی ہوگی...... سبین آپا نے بھی یہی میسیج کیا ہے مجھے۔''

''ہونہہ...... خاک اچھی ہوگی...... دیکھ لینا...... وہ ایک دن ضرور پچھتائے گا......'' سر فرید جاتے ہوئے بڑے ملول سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''نہیں سر...... ندیم بھی بہت خوش ہوں گے......'' میں زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجانے کہہ رہی تھی۔

''وہ کبھی نہیں پچھتائیں گے...... وہ ایک آئیڈیل پرسنالٹی ہیں...... ان کا ذوق بھی بہت اچھا ہے، انہوں نے یقیناً بہت اچھا انتخاب کیا ہوگا۔''

Downloaded From http://paksociety.com

اور سر فرید...... مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے خاموشی سے چلے گئے جیسے میں نے کوئی غیر متوقع بات کہہ دی ہو۔ میں اپنے دل کے اجڑنے کا غم منانا چاہتی تھی...... مگر...... ہونٹوں پر تالے پڑ گئے تھے۔

ان دنوں امی کی طبیعت بہت خراب تھی...... شوگر کا مسئلہ بھی تھا...... روزانہ ہی ان کو چکر آ رہے ہیں ایسے میں انہیں کوئی بھی ایسی بات نہیں بتائی جا سکتی تھی جس کی وہ ٹینشن لے لیں اور ان کی شوگر مزید بڑھ جائے۔

اسی طرح خالہ بھی کچھ سائیکی زیادہ ہو رہی تھیں...... ان کی بچپن کی دوست اچانک ہی ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئی تھیں...... جس کا انہوں نے اتنا اثر لیا تھا کہ گھر سے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اور میں اپنی آہیں دل میں گھونٹے بیٹھی تھی اور خالہ میرے احوال سے بے خبر تھیں۔

''ارے ندیم کا فون آئے تو کہنا...... گھر چکر لگائے...... کتنے دن ہو گئے وہ آیا ہی نہیں......'' ایک دن خالہ نے کہا۔

''میں نے آپ کو بتایا تو تھا...... ان کی پوسٹنگ باہر ہو گئی ہے جب وہ پاکستان آئیں گے تب آ جائیں گے۔''

''اوہو...... پھر تو دیر ہو جائے گی...... ندیم سے کہو ناں دو دن کے لیے آ جائیں اور تمہیں رخصت کرا کے لے جائیں......''

''فون آئے گا تو کہہ دوں گی......''

''کیا ان کی اماں اور بہن مان گئی ہیں......'' امی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں امی...... کیسے نہیں مانتیں وہ...... کیا آپ ندیم کو نہیں جانتیں'' اب میں کیسے یہ برملا بتاتی...... کہ ندیم کو تو میں بھی نہیں جان سکی تھی۔ میں تو ابھی ان کے شہد آگیں جملوں کے حصار میں ہی تھی۔

''صبو...... شادی کے بعد تم بالکل یہ ڈل کلرز نہیں پہنا کرو گی۔''

''آپ کو پتا ہے آف وائٹ میرا پسندیدہ رنگ ہے۔''

''مجھے بالکل نہیں پسند...... سمجھیں......'' انہوں نے محبت سے سرزنش کی تھی۔

اپریل 2017ء کا شمارہ...... بدلتے موسموں کا اظہار

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

جواز

دوستی، دشمنی اور نفرت و چاہت کے جذبات کے درمیان کشمکش اور نیکی و بدی کے درمیان معرکہ آرائی کی دلچسپ داستان......
آخری صفحات پر...... **نعمان اسحاق** کے قلم کا جادو

آتش خاموش

ابتدائی صفحات پر دلچسپ تاریخی واقعات اور حقیقی رموز سے آگاہ کرتا **الیاس سیتا پوری** کا منفرد انداز

شیش محل

لٹے پٹے خاندانوں کا تباہ کن حال...... قیام پاکستان کے خونی واقعات کی شمولیت...... **اسماء قادری** کے خیالات کی پرواز

وقت

وقت اپنی رفتار سے چلتا ہے۔ یہی وقت کی خوبی ہے اور شاید کچھ کے نزدیک ظلم بھی...... کہ وہ کبھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا......
حسام بٹ کے قلم سے تلاطم خیز واقعات کا نیا سلسلہ

مزید

خطوط کی محفل، محفل شعر و سخن اور ملک صفدر حیات کی جستجو

اس کے علاوہ

تنویر ریاض، اختر علی، ڈاکٹر شیر شاہ سید، سلیم انور اور ثمر عباس کی تحریریں آپ کی منتظر

Downloaded From http://paksociety.com

ایک شام جب ہم چائے پینے ان کے پسندیدہ ریستوران گئے تھے۔ وہ میرا سمپل سا سوٹ دیکھ کر بلاوجہ منہ بنا رہے تھے۔

''میری بات تم گرہ میں باندھ لو..... شادی کے بعد تم صرف میرے پسندیدہ کلرز پہنا کرو گی۔''

''مگر کیوں.....؟'' میں نے مسکراہٹ داب کر پوچھا تھا۔

''وہ اس لیے کہ یہ ڈل کلرز تمہارے لیے نہیں ہیں.....''

''ہاں آپ کا بس چلے تو میں اب بھی صرف لال، پیلے اور کاسنی جوڑوں میں ملبوس رہا کروں۔''

''کیا مضائقہ ہے..... صرف ریڈ کلر میں ہی بارہ شیڈ ہوتے ہیں تم اس کا ہر شیڈ پہنو.....''

''اور جب میں بوڑھی ہو جاؤں تب بھی.....''

''ہاں جب بھی.....''

''چاہے لوگ مجھے بوڑھی گھوڑی لال لگام کے نام سے پکاریں.....'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی تمہاری طرف کوئی بری بات تو کیا ٹیڑھی نظر سے بھی دیکھے گا تو اس کی آنکھیں نوچ لوں گا.....''

''آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں.....'' میں نے یہ جملہ آنکھیں بند کر کے کہا تھا۔

''ہاں..... اتنی محبت کہ شاید تمہیں بھی مجھ سے ایسی محبت نہ ہو.....''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' تڑپ کر میں نے انہیں دیکھا تھا۔

''وہ اس لیے کہ میں تمہیں اتنا چاہتا ہوں کہ ایسا تو میں نے کسی کو چاہا ہی نہیں..... شاید اپنے آپ کو بھی نہیں.....''

''اور اگر کبھی زندگی میں کوئی بدمزگی سر اٹھائے ہمارے مابین آ گئی تو.....؟''

''میں اس سے کہوں گا جاؤ..... اور دفع ہو جاؤ..... تمہارا راستہ ہماری شاہراہِ حیات سے نہیں گزرتا.....''

''اور وہ تمہاری بات مان لے گی۔''

''بالکل کہ جب میں نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تو کوئی میرے ساتھ برا کیسے کر سکتا ہے۔''

اس کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''مگر میرا دل ہمہ وقت سہما سہما سا کیوں رہتا ہے۔''

''تم تو سدا کی ڈرپوک سی لڑکی ہو..... اس لیے تیز ہوا بھی چلے تو ڈری، ڈری سی رہتی ہو۔''

''اور تم کیا کسی سے نہیں ڈرتے.....؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''ہاں نہیں ڈرتا میں..... ماہر ریاضی دان بھی ہوں ناں اس لیے..... اپنے حساب کتاب سے چلا کرتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں تو فکی سی تھی۔

جیسے اسے نہ کوئی ڈرا سکتا ہو اور نہ ہی کوئی اسے ہرا سکتا ہو۔

''ندیم..... وہ حساب کا اصول ہوتا ہے کہ دو میں سے ایک نکالو تو ایک بچتا ہے۔''

''ہاں محبت کے اصول اس سے قطعی جدا ہوتے ہیں، یہاں دو سے ایک نکالو تو ایک بھی نہیں بچتا..... مگر میری محبت کی طاقت سے تم ابھی واقف نہیں ہو۔'' وہ مسکرائے اور بولے۔

''تم تو دو میں دو جمع کرو گی..... تو چار ہوگا اور میں دو میں دو شامل کروں گا تو وہ بائیس ہو جائے گا۔''

''ہاں، میری شخصیت میں نہ ایسی برق رفتاری ہے اور نہ ہی میرے روزمرہ کے احوال میں ایسی سرعت موجود ہے.....''

''میں جانتا ہوں..... میری صبو..... گھبرا کر آنکھیں بند کر لینے والی ہے.....'' اُن کے لہجے میں، میرے لیے ڈھیروں پیار رچا ہوا تھا۔

(جاری ہے)

www.paksociety.com

اِحسان

عقیلہ حق

Downloaded From paksociety.com

''احمد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، تم چلوگی؟''

میں جو آج ہی دبئی سے شاپنگ کر کے کراچی اپنے گھر پہنچی تھی آپا کے فون پر چونکی۔

''کون احمد صاحب آپا؟'' میں نے بالوں سے کلپ نکال کر بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اُن سے پوچھا۔

کئی منٹ اپنی یاد داشت کو ٹٹولنے کے باوجود مجھے احمد صاحب... نام کی کوئی شخصیت یاد نہیں آئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

''ارے حد کر دی...... بھول گئیں تم......'' آپا جھنجلائیں۔

''تو آپا زندگی اتنی مصروف ہے میں کس، کس کو یاد رکھوں......؟'' مجھے آپا کا لہجہ اور انداز دونوں ہی برے لگے۔

''ارے بھئی تمہاری دوست صائمہ کے ابا......''

''صائمہ! صائمہ کون؟'' میں نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا...... اور پھر جیسے مجھے سب کچھ یاد آ گیا اور کڑواہٹ میرے حلق کے ساتھ، ساتھ میرے پورے وجود میں پھیل گئی۔

''میرا کیا تعلق... میں کیوں جاؤں؟'' میں نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

''میں نہیں جاؤں گی آپا......'' میرا لہجہ مضبوط تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو اب کیا موت، زندگی کے لیے بھی تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ تم کو چلنا چاہیے...... میں آ رہی ہوں تمہیں لینے۔'' آپا نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔

☆☆☆

''صائمہ...... یہ ماریہ ہے میری چھوٹی بہن......''

سرخ و سفید رنگت، گہرے براؤن کمر تک لہراتے بال، خوب صورت کشادہ مسکراتی، ذہین آنکھیں، گلابی مسکراتے ہونٹ، میک اپ سے...... بے نیاز، صاف شفاف گلابی چہرہ، صراحی دار گردن پر جگمگاتا خوب صورت تل...... خوب صورت سڈول کلائیوں میں سجی سیاہ شیشے کی چند چوڑیاں...... سیاہ افغانی سوٹ میں ملبوس مسکراتی نرم، نرم سی لڑکی۔

صائمہ نے بغور ماریہ کا جائزہ لیا اور بے ساختہ دوستی کے لیے ہاتھ بڑھا دیا...... جسے ماریہ نے خلوص سے تھام لیا۔

☆☆☆

احمد ٹیکسٹائل مل سے کون واقف نہیں تھا۔ حیدر عباس ان کی مل میں ڈیزائننگ کے شعبے سے منسلک تھے۔ احمد صاحب ذاتی طور پر حیدر عباس کو پسند کرتے تھے سو کبھی، کبھی حیدر عباس، احمد صاحب کے گھر بھی آ جاتے اور پھر ان کی بیگم ثوبیہ حیدر جب ایک دفعہ محفلِ میلاد میں احمد صاحب کے گھر آئیں تو پھر اپنی پُرخلوص طبیعت اور اچھے اخلاق کی وجہ سے احمد صاحب کے گھر میں ان کی ایک خاص جگہ بن گئی......

☆☆☆

''چلو تم بھی چلو... بہت مزہ آئے گا۔'' ثوبیہ نے ماریہ سے کہا۔ احمد صاحب کی بیٹی کی سالگرہ تھی اور ثوبیہ وہاں ماریہ کو بھی لے جانا چاہ رہی تھی۔

''میں وہاں جا کر کیا کروں گی آپا، مجھے تو وہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔'' ماریہ کا قطعی دل نہیں تھا کہ وہ جائے ویسے بھی دوسرے دن اس کا فزکس کا ٹیسٹ تھا اور فزکس سے تو اس کی جان نکلتی تھی۔

''تو بھئی کیا ہوا، پہلے مجھے بھی وہاں کوئی نہیں جانتا تھا اور اب...... اب تو ایسا لگتا ہے جیسے میرے بغیر تو مسز احمد کے حلق سے نوالہ بھی نہیں اترتا...... تم چلو تو سہی ان کی بیٹی تمہاری ہی ہم عمر ہے...... سات بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے، بہت سادہ اور اچھی لڑکی ہے...... تم ملوگی تو تم کو بھی اچھا لگے گا۔''

ثوبیہ نے الماری کھول کر اس کے کپڑوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے اس کے انکار کے راستے بند کر دیے۔

☆☆☆

''اماں اتنے اچھے لوگ ہیں جبکہ حیدر بھائی صرف ان کی فیکٹری میں منیجر ہیں، اس کے باوجود ایسا وی آئی پی پروٹوکول دے رہے تھے ہمیں کہ کیا بتاؤں...... صائمہ بھی بہت اچھی ہے، میری تو اس سے بہت دوستی ہوگئی ہے۔'' ماریہ نے کہا۔

''اماں صائمہ اتنی خوب صورت نہیں ہے لیکن اماں خوب صورتی سے کیا ہوتا ہے...... گھر میں صائمہ سب سے چھوٹی ہے، سب اس سے اتنی محبت کرتے ہیں، اتنے لاڈ اٹھاتے ہیں، دولت، خاندان، محبت کیا

Downloaded From http://paksociety.com

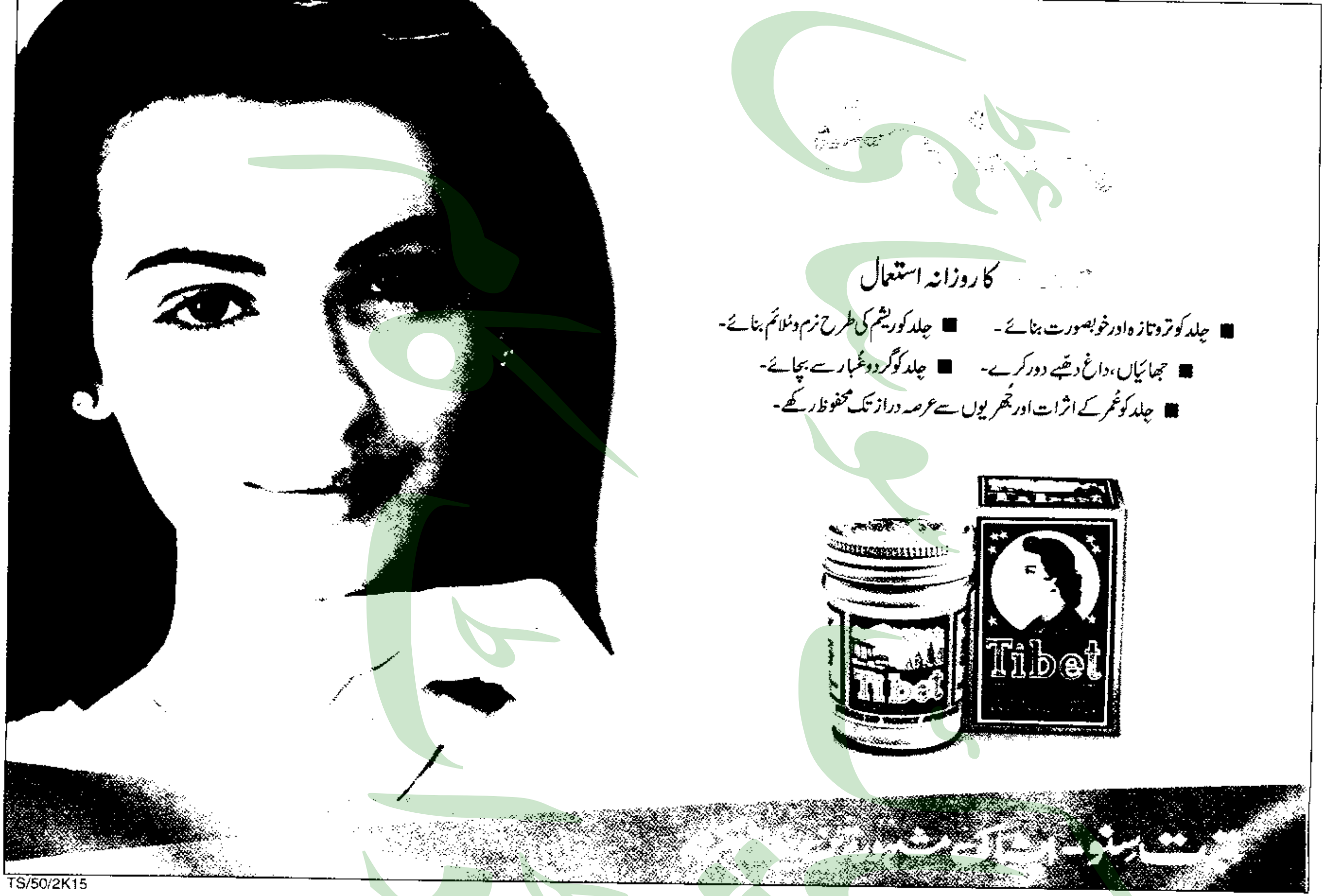

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

ہے جو اس کے پاس نہیں ہے مجھے تو اس کی قسمت پر رشک آرہا تھا، پتا ہے اماں اس کے بھائی اس سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اس کے لیے چلغوزے تک چھلے ہوئے لاتے ہیں تاکہ اس کو اتنی سی بھی زحمت نہ ہو۔“ وہ بولی۔

”کوئی بھائی سوٹ لا رہا ہے تو کوئی میک اپ......کوئی آئس کریم تو کوئی اسے ہنسانے کے لیے الٹے سیدھے جوک سنا رہا ہے......اماں اس کا نصیب تو قابلِ رشک ہے......اور......“ وہاں سے آکر وہ مسلسل صائمہ، صائمہ کی گردان کر رہی تھی۔

”چلو بس کرو......نصیب کسی کا......کسی نے کب دیکھا ہے، نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے، مجھے بھی نماز پڑھنے دو اور خود بھی نماز پڑھو۔“ اماں بی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا کیونکہ ماریہ کا انداز بتا رہا تھا کہ ابھی اس کا خاموش ہونے کا کوئی ارادہ نہیں......

☆☆☆

مرزا بیگ اور خدیجہ بیگم کی دو ہی تو بیٹیاں تھیں ثوبیہ اور ماریہ......ثوبیہ کی شادی خدیجہ بیگم نے اپنے بھانجے حیدر عباس سے کردی تھی...اور ماریہ......وہ سیکنڈ ائیر کی طالبہ تھی......مرزا بیگ کا گھرانا ایک سفید پوش گھرانا تھا جہاں ساری زندگی چادر کی کھینچا تانی میں گزری کہ سر ڈھانپتے تو پیر ننگے ہو جاتے اور پیر ڈھانپتے تو سر......ننگا ہو جاتا۔

خدیجہ بیگم کو ماریہ کی صائمہ سے دوستی زیادہ پسند نہیں آئی تھی......کیونکہ جب سے ماریہ کی صائمہ سے دوستی ہوئی تھی......انہیں ماریہ کی آنکھوں میں بہت سی خواہشوں کی پرچھائیاں آنکھ مچولی کھیلتی نظر آتی تھیں......ماریہ کم عمر تھی لیکن وہ تو اپنی چادر کی پیمائش جانتی تھیں......لیکن ماریہ......

☆☆☆

سارے گھر میں ایک روتی بلکتی ہوئی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سفید چادر پر دانے بکھرے ہوئے تھے......سب لوگ خاموش تھے......کچھ عورتیں کانا پھوسی کر رہی تھیں اور کچھ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھیں۔

اس نے گھر کے اندر داخل ہو کر ایک نگاہ در و دیوار پر ڈالی......کتنے برسوں بعد وہ آج اس گھر میں داخل ہوئی تھیں......جس گھر میں......اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی کہ بہت مشکل سے دل کو سمجھایا تھا۔ وہ خاموشی سے سر کو دوپٹے سے ڈھانپتے ہوئے ایک طرف بیٹھ گئی......اس کی نگاہیں کسی کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر اس کی آنکھیں جیسے ایک وجود پر جا کر ٹھہر گئیں۔

گلابی رنگ کا ریشمی کامدار دوپٹا شانوں پر پھیلائے وہ اپنے ہاتھوں کی کلائیوں میں بھری چوڑیوں سے کھیل رہی تھی......اس کے چہرے پر خوب گہرا اور بے ڈھنگا سا میک اپ تھپا ہوا تھا۔

اس ماحول میں اس لڑکی کو اس حلیے میں دیکھ کر اسے ایسا لگا جیسے ساتوں آسمان ایک ساتھ اس پر آگرے ہوں، اس کا وجود لرز کر رہ گیا......اس نے گھبرا کر اپنے برابر میں بیٹھی اپنی بہن کو دیکھا......ان دونوں کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے اس سے ٹکرائیں......اور پھر اس کی آنکھیں ضبط کھونے لگیں......اس کے ہاتھ سے دانے چادر پر بکھر گئے......وہ ایک ہپناٹائزڈ سی کیفیت میں اٹھی......اور اس لڑکی کی طرف لڑکھڑاتے قدموں سے چلی جو پیلے جوڑے اور گلابی کامدار دوپٹے میں کسی بات پر زور، زور سے ہنس رہی تھی......اس نے ہتھیلی کی پشت سے ضبط کی دیواروں کو توڑتے آنسوؤں کو بہت بے دردی سے چہرے پر رگڑا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس افسردہ ماحول میں، اس ہنستی مسکراتی، اپنے اوپر ٹوٹی قیامت سے بے خبر اس لڑکی کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے......اس کے منہ سے کپکپاتا ہوا نکلا تھا......

☆☆☆

”صائمہ......یقین کرو، آپا بہت دفعہ مجھ سے تمہارے گھر آنے کے لیے کہتی تھیں لیکن میں سوچتی

Downloaded From http://paksociety.com

تھی نہ جانے تم کس مزاج کی ہوگی اور کیسی ہوگی۔“ ماریہ نے آئس کریم کھاتے ہوئے صاف لہجے میں کہا۔

”اور اب......؟“ صائمہ مسکرائی۔

”اور اب سوچتی ہوں میں بالکل احمق تھی کہ اتنے عرصے تمہاری دوستی سے محروم رہی۔“ ماریہ کے لہجے میں اپنائیت تھی...... خلوص تھا، پیار تھا۔

”ماریہ تم بہت پیاری ہو...... بہت اچھی ہو، میری تو کوئی بہن بھی نہیں ہے، بس اب ہم ہمیشہ دوست نہیں بہنوں کی طرح رہیں گے، تم میری بہن بنوگی ناں؟“ صائمہ نے ماریہ کے نرم ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت سے دباتے ہوئے کہا۔

اور ماریہ مسکرادی...... کہ بہت سے سوالوں پر ہم اتنے خوش ہوتے ہیں کہ جوابوں کے لیے ہمارے پاس لفظ ہی نہیں ہوتے۔

صائمہ اور ماریہ...... ماریہ اور صائمہ...... بہت جلدی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوگئیں...... بنیادی طور پر ماریہ ایک ریزورطبیعت رکھنے والی لڑکی تھی، اتنی کم عمری میں بھی وہ بہت سنجیدہ اور سمجھدار تھی...... وہ اپنی چادر کی پیائش سے بھی واقف تھی...... لیکن صائمہ کے خلوص اور محبت نے اس کے بہت سارے اصول بھلادیے تھے، صائمہ اکثر گاڑی بھیج کر ماریہ کو بلوالیتی پھر دونوں سارا، سارا دن گپ شپ لگاتیں، انجوائے کرتیں اور پھر شام کو صائمہ خود ڈرائیور کے ساتھ اسے اس کے گھر چھوڑنے آتی۔

خدیجہ بیگم کو بھی احمد صاحب کا گھرانا بہت پسند آیا تھا بہت خاندانی اور مالدار ہونے کے باوجود ان لوگوں میں بہت اپنائیت اور سادگی تھی۔

کیا واقعی ان لوگوں میں اپنائیت تھی......؟

☆☆☆

ہنستی مسکراتی خوب صورت، تراشیدہ بالوں میں وہ لڑکی بڑی نزاکت سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔

”یہ کون ہیں؟“ ماریہ نے صائمہ کے کان میں سرگوشی کی۔

”ارے ایسے ہی ہیں، ہر روز چلی آتی ہیں، دراصل میرے سات، سات بھائی ہیں ناں تو سب لڑکیاں اسی چکر میں ہمارے گھر کے چکر لگاتی ہیں کہ شاید کسی کی لاٹری لگ جائے۔“ صائمہ نے منہ بناتے ہوئے ماریہ سے کہا۔

”اور بھئی میری بھابی تو وہ لڑکی بنے گی جو مجھے پسند ہو، جو مجھے اچھی لگتی ہو۔ اور ماریہ تم مجھے بہت پسند ہو۔“ کہتے ہوئے صائمہ شرارت سے ایک آنکھ دبا کر ہنسی۔

اور ماریہ جیسے سن سی ہوگئی۔ اور صائمہ...... صائمہ نے انجانے میں ایک معصوم دل میں خواہش کا بیج بونے کی کوشش کی۔

☆☆☆

ماریہ اور صائمہ کے کالج تو الگ تھے لیکن کلاس اور سبجیکٹ ایک جیسے ہی تھے...... اب ماریہ اپنے اسائنمنٹ تو بناتی ہی تھی لیکن صائمہ کے جرنلز بھی وہی تیار کرتی...... بعض اوقات ماریہ کا اسائنمنٹ لیٹ ہوجاتا لیکن صائمہ کا ہر کام وہ وقت پر کردیتی تھی...... صائمہ بہت خوش ہوتی تھی کہ اسے پڑھنا نہیں پڑھتا۔ بنیادی طور پر وہ پڑھنے لکھنے والی لڑکی تھی ہی نہیں...... کبھی، کبھی خدیجہ بیگم ماریہ کو ٹوکتی بھی تھیں کہ وہ صائمہ کے اسائنمنٹ کیوں بناتی ہے۔ لیکن ماریہ ہنس کر کہتی۔

”کیونکہ صائمہ مجھ سے محبت بہت کرتی ہے......“

☆☆☆

”مجھے تم سے محبت ہے۔“ تیمور کے منہ سے نکلنے والے اس چھوٹے سے جملے نے ماریہ کو جیسے پتھر کا کردیا۔

اسے صائمہ نے گاڑی بھیج کر بلوایا تھا۔ اور جب وہ اس کے گھر پہنچی تو صائمہ کی جگہ تیمور نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے حیران نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا۔

دراز قد اور کشادہ سینے اور براؤن آنکھوں

Downloaded From http://paksociety.com

والا......نرم مزاج ٹھہرے ہوئے لہجے میں گفتگو کرنے والا تیمور اسے اچھا تو ضرور لگتا تھا لیکن کسی دن اس کا راستہ روک کر وہ یہ جملہ کہہ دے گا، یہ ماریہ نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ صائمہ کے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھا۔ اکثر جب ماریہ آئی ہوتی تو نہ جانے کیسے وہ جلدی گھر آجاتا اور پھر بہانے، بہانے سے وہ صائمہ سے بات کرتا اور صائمہ کے ساتھ ماریہ تو ضرور ہوتی تھی۔

ماریہ کے دل کے دروازے ابھی کسی کے لیے نہیں کھلے تھے ویسے بھی وہ ان تمام باتوں سے دور رہنے والی لڑکی تھی......لیکن اس لمحے اسے احساس ہوا کہ دل کے کسی گوشے میں تیمور موجود ہے۔ لیکن وہ اس آفاقی جذبے کو دل میں پروان چڑھانا نہیں چاہتی تھی......لیکن وہ بھول رہی تھی کہ محبت کی نہیں جاتی، ہوجاتی ہے......

"صائمہ کہاں ہے؟"

"تمہارے دل میں، میرے لیے کچھ جگہ بن سکتی ہے۔" اس کے سوال کو نظر انداز کر کے اس نے پوچھا تھا۔

"چلیں، آپ میرے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتیں تو کوئی بات نہیں، میں انتظار کرسکتا ہوں اور میں انتظار کروں گا......رہی صائمہ......تو وہ ابھی آتی ہے، وہ تھوڑی دیر کے لیے امی کے ساتھ قریبی میڈیکل اسٹور تک گئی ہے۔"

تیمور نے اس کی پسینے سے شرابور پیشانی کو دیکھتے ہوئے رسان سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

اور وہ......اس کے قدموں کے نشان دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"ارے یار......اس جرنل کو تو تم پلیز آج رات مکمل کردینا۔ اور تم کو پتا ہے ماریہ، آج کل میں ایک بات نوٹ کررہی ہوں۔" صائمہ نے شرارت سے چاروں طرف آنکھیں گھماتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما کر عجیب پُراسرار سے انداز میں کہا۔

زمانۂ سن یاس کو دشوار نہ جانیں

سن یاس کے زمانے میں خواتین کو چند مخصوص دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ بصارت کے آگے روشنی کے جھماکے ہوتے ہیں اور طبیعت میں یک سوئی نہیں رہتی۔ موڈ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ ہوجاتا ہے۔ خواتین اسے مشیت سمجھ کر قبول کرلیتی ہیں۔ اس زمانے میں پیش آنے والی دشواریوں کا ان کے پاس کوئی حل نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کی خواتین اپنے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتی ہیں اور اس کی پردہ پوشی کرتی ہیں، اس لیے ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کا کوئی طریقہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے لیے انہیں بلا جھجک باقاعدگی سے اپنی ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا چاہیے۔

ساری دنیا میں خواتین رحم کے سرطان سے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ ہلاک ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہڈیوں کا بھر بھرا پن بھی لاحق ہوجاتا ہے اس کے لیے اپنی غذا کا بھرپور خیال رکھیں۔

اکثر و بیشتر خواتین کے جسم میں حیاتین "ڈ" وٹامن D کی کمی ہوجاتی ہے۔ یہ جسم کے لیے نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ اس سے کیلشیم بنتا ہے۔ جسم میں حیاتین "ڈ" کی کمی ناکافی دھوپ جذب کرنے سے بھی ہوتی ہے، جس کے سبب ہڈیاں کمزور ہوجاتی ہیں۔ حیاتین "ڈ" دل کی بیماریوں کا تدارک کرتی ہے اور عمر رسیدگی میں بینائی کو بھی تقویت دیتی ہے۔ اس کی کمی کو صبح یا شام تیس منٹ کے لیے دھوپ میں بیٹھ کر پورا کیا جاسکتا ہے۔ حیاتین "ڈ" کی کمی کے سلسلے میں اگر ٹیسٹ کرانا ہو تو معالج سے مشورہ ضرور کیجیے۔

چالیس برس سے زیادہ عمر والی خواتین کو چھاتی کے سرطان سے آگاہ ہونے کے لیے ہر برس میموگرافی کرانا چاہیے۔ اپنی صحت کے لیے فکر کرنا غیر ضروری امر نہیں مگر اس سے فرار اختیار کرنا آپ کے اپنے لیے نقصان دہ ہے۔

مرسلہ: ڈاکٹر نفیسہ نہال، لاہور

Downloaded From http://paksociety.com

اس کے انداز پر ایک لمحے کے لیے ماریہ کا دل زور سے دھڑکا......

''میں نے نوٹ کیا ہے۔'' صائمہ کہتے، کہتے رکی۔

''میں نے نوٹ کیا ہے کہ......''

''پلیز صائمہ...... کہہ دوناں......'' ماریہ جز بز ہوئی۔

''میں نے نوٹ کیا ہے کہ آج کل تیمور بھائی کچھ زیادہ ہی گنگنانے لگے ہیں اور کھلکھلانے لگے ہیں بلکہ سورج مکھی کا پھول بن گئے ہیں، جہاں تم نظر آتی ہو وہیں کھل جاتے ہیں، جھک جاتے ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس دن تم ہمارے گھر آتی ہو وہ نہ جانے کیسے جلدی آ جاتے ہیں اور جس دن مجھے تمہارے گھر آنا ہوتا ہے اس دن وہ خود ڈرائیور بن جاتے ہیں، مجھے دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے بلکہ ساری دال ہی کالی لگتی ہے۔ کیوں مائی ڈیئر ماریہ؟'' صائمہ نے شرارت سے کہتے ہوئے اپنی جگہ پتھر بنی ماریہ کو کندھا ہلا کر پوچھا تھا۔

ماریہ جو محبت جیسے آفاقی جذبے سے اپنے آپ کو بچا رہی تھی، تیمور کی بولتی آنکھوں کو نظر انداز کر رہی تھی۔ صائمہ کے بے جھجک سب کچھ کہہ دینے پر جھینپ سی گئی۔ واقعی محبت شور مچاتی ہے، اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے...... محبت انسان کو طاقتور بھی بناتی ہے اور بزدل بھی...... محبت دنیا کا وہ واحد جذبہ ہے جو لاکھ چھپانے کے باوجود مہکتا ہے...... جس کے اظہار کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی...... محبت بس محبت ہوتی ہے۔

''ارے یار تم شرما کیوں رہی ہو؟'' صائمہ نے پسینے سے شرابور ہوتی، گھبرائی، گھبرائی سی ماریہ کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم...... تیمور بھائی کو بہت اچھی لگتی ہو، مجھ سے خود تیمور بھائی نے کہا ہے۔''

صائمہ نہ جانے کیا، کیا کہہ رہی تھی...... ماریہ کی شور مچاتی دھڑکنیں، کچھ سن ہی نہیں رہی تھیں......

☆☆☆

''لیکن آپ کے اور ہمارے درمیانی بہت بڑا طبقاتی فرق ہے۔'' ماریہ نے تیمور کو ایک بہت بڑی حقیقت دکھانی چاہی...... کہ وہ جو محبت کو فضول سمجھتی تھی اب تیمور کی محبت اس کے دل میں اتر چکی تھی...... اکثر ایسا ہوتا جب وہ صائمہ سے ملنے آتی تو صائمہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی، اور پھر تیمور چلا آتا...... ماریہ جانتی تھی، اتفاق ہمیشہ نہیں ہوتا یہ ملاقاتیں صائمہ کرواتی ہے...... اس کے دل میں صائمہ کے لیے محبت اور گہری ہو جاتی......

''میں کیسی طبقاتی فرق کو نہیں مانتا اور ماریہ تم تو بہت پیاری ہو...... اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ صائمہ تم کو بہت چاہتی ہے...... اور ہمارے گھر میں وہ ہوتا ہے جو صائمہ چاہتی ہے اور صائمہ تم کو چاہتی ہے، صائمہ کی جان ہو تم ماریہ......''

تیمور کے لفظوں نے اس کے دل میں صائمہ کے لیے محبت اور گہری کر دی......

☆☆☆

''صائمہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیمور کو پسند کرتی ہوں، محبت اتنی آسانی سے مل جائے گی یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا...... قرآن میں ہے اور احسان کا بدلہ کیا ہے بجز احسان کے...... انشاء اللہ صائمہ کا یہ احسان میں ہمیشہ یاد رکھوں گی...... اور زندگی میں اگر کبھی اسے میری ضرورت پڑی تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' عشا کی نماز کے بعد جائے نماز تہ کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے عہد کیا......

یہ جانے بغیر کہ صائمہ آئندہ اس کے ساتھ کیا احسان کرنے والی ہے۔

☆☆☆

محبت بہت عجیب سا جذبہ ہے...... جب عورت محبت کرتی ہے...... تو سب کچھ بھول جاتی ہے اور بس محبتوں کے حصار میں زندہ رہتی ہے...... وہ اپنی حیثیت کو بھول کر، اپنے محبوب کے پیروں میں جا بیٹھتی ہے...... عورت محبت میں بلی بن جاتی ہے، بس وہ اپنے

Downloaded From http://paksociety.com

محبوب کے پیروں میں ہی لوٹتی رہتی ہے.....تیمور کی محبت میں وہ ایف ایس سی سے ایم ایس سی میں آ گئی اب تیمور کی محبت اور صائمہ کی دوستی اس کی زندگی کے روشن پہلو تھے۔

ماریہ کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اس کے لیے کئی رشتے آئے لیکن اس کی نہ ہاں میں نہ بدلی۔

☆☆☆

''بیٹی ماریہ تم کو 50,000 روپے حق مہر کے عوض ڈاکٹر شہریار کے نکاح میں دیا جاتا ہے.....بولو کیا تم کو قبول ہے۔'' اس کا وکیل اس کے ماموں، دو گواہوں کی موجودگی میں سوال کر رہے تھے اور وہ ......سن دماغ کے ساتھ سننے پر مجبور تھی.....

☆☆☆

''لو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے تیمور بھائی کا، امی آپ خود سوچیں ہم اپنے شہزادے جیسے بھائی کی بارات ان تنگ گلیوں میں لے کر جائیں گے، حد ہوتی ہے کسی بات کی بھی.....لوگ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں، خواب دیکھنے سے پہلے لوگوں کو آئینہ دیکھ لینا چاہیے.....میرا بس نہیں چل رہا کیا کروں؟'' صائمہ نے سختی سے ماریہ کو ریجیکٹ کرتے ہوئے کہا۔

صائمہ کی شادی اس کے ہم پلہ خاندان میں ہو چکی تھی.....دونوں بڑے بھائی شادی کے بعد الگ گھروں میں شفٹ ہو چکے تھے اور آج کل تیمور کی شادی کا مسئلہ اٹھا ہوا تھا۔

''صائمہ ہمارا اتنا چھوٹا سا گھر ہے تم کو عجیب سا لگتا ہوگا۔'' ایک شام جب صائمہ، ماریہ سے نوٹس لینے آئی تو اس کو دروازے پر رخصت کرتے ہوئے.....ماریہ نے تکلفاً کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی، مکانوں، گھروں، گلی، محلوں سے کیا ہوتا ہے... میری جان میں ان چیزوں کی پروا بھی نہیں کرتی اور سنو جس گھر میں تم جیسی حسینہ رہتی ہو وہ گھر بکنگھم پیلس سے کم نہیں سمجھیں! خاص کر میرے لیے اور آئندہ پلیز ایسی بات نہیں کرنا.....تم نہیں جانتیں تم میرے لیے اور.....'' صائمہ کہتے، کہتے رکی اور ماریہ بے اختیار مسکرا دی کیونکہ دوسرا نام وہ جانتی تھی جو صائمہ کے لبوں پر آنے کے لیے مچل رہا تھا۔

''لیکن بیٹا.....'' مسز احمد کی آواز اسے حقیقت میں واپس لے آئی۔

''لیکن بیٹا، ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے، وہ اچھی لڑکی ہے اور پھر تیمور بھی.......'' مسز احمد کہتے کہتے رکیں۔

''کیا اچھی، ایسی چھتیس اچھی، اچھی لڑکیاں ان چھوٹے، چھوٹے گھروں میں رہتی ہیں اور پھر ان ہی جیسے گھروں میں بیاہ کر چلی جاتی ہیں.....ویسے بھی خواب انسانوں کو اپنی اوقات میں رکھ کر دیکھنا چاہیے۔''

صائمہ تکبر کی آخری سیڑھی پر جا کھڑی ہوئی اور جب آپ نقطۂ عروج پر پہنچ جاتے ہیں تو دراصل وہی آپ کا نقطۂ زوال ہوتا ہے.....لیکن انسان......

''لو جب تیمور نے ماریہ کا نام تجویز کیا تھا تو میں اور تمہارے ڈیڈی فوراً راضی ہو گئے کیونکہ ماریہ تو تمہاری دوست ہے ناں.....'' مسز احمد کو صائمہ کا رویہ حیرت میں ڈال رہا تھا۔

''ارے ممی آپ تو مجھے اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کس قدر کلاس کانشس ہوں، کوئی دوست 'دوست' نہیں بس وہ پڑھائی میں اچھی تھی، ویسے بھی ان غریب گھروں کی لڑکیاں پڑھائی میں اچھی ہوتی ہی ہیں کیونکہ پڑھائی میں اچھا ہونا ان کی مجبوری ہوتا ہے، بیچاریوں کو نوکریاں کرنی ہوتی ہیں ناں.....تو اسی لیے میں اسے اتنی لفٹ کرواتی تھی کیونکہ اس کے بنائے ہوئے اسائمنٹ اور نوٹس مجھے بغیر کسی محنت کے مل جاتے تھے ورنہ آپ تو جانتی ہیں کہ نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ ہی شوق تھا تعلیم حاصل کرنے کا.....تو بس اسی

Downloaded From http://paksociety.com

لیے میں اسے اتنی لفٹ دیتی تھی...... اور ذرا سوچیے تو سہی زمین پر دستر خوان بچھا کر آلو کی ٹکیاں اور روٹی کھانے والی محترمہ تیمور بھائی کی دلہن بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ حد ہوتی ہے خوش فہمی کی......'' صائمہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''لیکن تیمور......'' مسز احمد کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''تیمور بھائی کی فکر چھوڑیں، ان سے تو میں ابھی اچھی طرح پوچھ لیتی ہوں، میں نے ان سے تفریح لینے کو کہا تھا تاکہ خوش گمانیاں اور خوش فہمیاں محترمہ کو میرے پیروں میں بٹھائے رکھیں...... اور وہ محترم سیریس ہی ہو گئے حد ہو گئی بھلا...... پستی کی...... کم از کم تیمور بھائی کو اپنی کلاس کا تو خیال رکھنا چاہیے تھا۔'' وہ نہایت سفا کی سے کہہ رہی تھی۔

''بس میں نے جو لڑکی تیمور بھائی کے لیے پسند کی ہے آج وہاں چلتے ہیں اور ماریہ...... ماریہ کا تو دیکھیے میں کیسے آرام سے پتا کاٹتی ہوں۔''

وہ جو بہت خوشی، خوشی صائمہ سے ملنے آئی تھی...... باہر اپنی جگہ ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ لفظوں کے دھماکے اس کے چاروں طرف گونجنے لگے۔ لفظ تھے یا بھالے...... لہجہ تھا یا آگ...... اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے زمین میں آدھا گاڑ دیا گیا ہو اور پھر چاروں طرف سے اس پر پتھروں کی بارش کر دی گئی ہو...... اس کے وجود کو بیچ چوراہے پر سنگسار کر دیا گیا ہو۔

اور پھر وہ خاموشی سے اپنے وجود کو گھسیٹتی واپس پلٹ گئی، کبھی نہ آنے کے لیے......

''تکبر اللہ کی صفت ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے۔'' اور تکبر کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے شاید صائمہ نہیں جانتی تھی......

☆☆☆

''اچھی خاصی معصوم سی شکل کی لڑکی تھی، کتنے کام کی تھی وہ...... میں صائمہ کو کیا بتاتا...... سوچا تھا نام نہاد شادی کر کے اب سارے ٹرپ اسی سے لگواؤں گا لیکن صائمہ نے میری ساری پلاننگ خراب کر دی۔''

تیمور نے سفید پاؤڈر، پیکٹ میں رکھ کر کارٹن کے خفیہ خانوں میں چھپاتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا کہ ان کی فیکٹری کا مال اب ایکسپورٹ بھی ہوتا تھا۔

☆☆☆

''بہت مالدار عورت ہے، بہت بڑے ڈاکٹر کی بیوی ہے، میری بیٹی جانتی ہے ان کو...... میاں لاس اینجلس کا بہت بڑا نیورو سرجن ہے اور وہاں کے سینٹ کا ممبر بھی ہے...... آج کل شاید پاکستان آئی ہوئی ہے...... ابھی چند دن پہلے میں نے اخبار میں تصویر دیکھی تھی، یہ لوگ کراچی میں ایک بہت بڑا اسپتال بنوا رہے ہیں۔'' ایک خاتون نے خاموشی سے آنسو پیتی ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے برابر بیٹھی خاتون سے سرگوشی میں کہا......

☆☆☆

''قبول ہے......'' اس کی یونیورسٹی کی پروفیسر اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لیے بہت ارمانوں اور خواہشوں کے ساتھ اسے بیاہ کر لے جا رہی تھیں۔

وقت اور کلاس بدلنے میں صرف چند سیکنڈز ہی لگے۔

☆☆☆

''صائمہ......'' اس کے لب کپکپائے......

صائمہ کی آنکھوں میں اجنبیت تھی، اس نے بھاری کامدار دوپٹا سر پر اچھی طرح جماتے ہوئے...... ماریہ کی طرف اجنبی اور حیران آنکھوں سے دیکھا۔

''کون......؟'' صائمہ کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

''ماریہ میں ماریہ......'' ماریہ سے ضبط مشکل تھا۔

''ماریہ......'' صائمہ جیسے کچھ سوچنے لگی، اس کے چہرے پر الجھن تھی اور پھر الجھن بے چینی میں بدل گئی۔

''ارے ماریہ تم......'' صائمہ بے اختیار ماریہ سے لپٹ گئی......

''تم کہاں چلی گئی تھیں ماریہ...... میں ساری

Downloaded From http://paksociety.com

دنیا کو بھول گئی بس تم ہی یاد رہ گئیں...... تم کیوں ناراض ہوگئی تھیں...... ماریہ، تمہارا صبر ہمارے پورے گھر کو لے ڈوبا...... دیکھو مجھے طلاق ہوگئی...... میں بانجھ ہوں ناں......'' وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہماری چاروں فیکٹریوں میں آگ لگ گئی...... ہم کروڑوں کے قرض دار ہوگئے...... تیمور بھائی پولیس مقابلے میں مارے گئے...... امی مرگئیں...... ابا کے پارٹنر نے ہر چیز پر قبضہ کرلیا۔''

''تیمور پولیس مقابلے میں مارے گئے......؟'' ماریہ کے لب تھرتھرائے۔ ''یا اللہ تیرے راز تو ہی جانے، بعض اوقات ہم ایک پھول کی ضد لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور تو نے ہمارے لیے سارا باغ رکھا ہوتا ہے۔ یا اللہ اگر میری شادی تیمور سے ہوجاتی۔ صائمہ نے انجانے میں مجھ پر کتنا بڑا احسان کردیا...... ورنہ...... اُف میں سوچنا بھی نہیں چاہتی......'' ماریہ کو کپکپی سی لگی۔

''پتا ہے ماریہ......'' صائمہ نے جیسے اس کے پورے وجود کو جھنجوڑ دیا...... اور وہ واپس حقیقت کی دنیا میں آگئی جہاں صائمہ اپنے باپ کے جنازے پر گلابی کام والا دوپٹا اوڑھے گہرے میک اپ میں بیٹھی تھی۔

''ماریہ میرے پاس گھر نہیں ہے، میرے بھائی مجھ سے نہیں ملتے...... وہ کہتے ہیں میں پاگل ہوں...... میں پاگل نہیں ہوں ماریہ...... اللہ کی قسم میں پاگل نہیں ہوں...... بس تھوڑی سی سنکی ہوں پر میں سب سمجھتی ہوں، سارے بھائی مجھ کو بوجھ سمجھتے ہیں...... میں تو بوجھ ہوں لیکن میں بہت سمجھدار ہوں، دیکھو آج ابا مر گئے، ابا کی جان چھوٹ گئی سب غموں سے...... تو یہ تو خوشی کی بات ہوئی ناں...... جبھی تو میں نے یہ جوڑا پہنا ہے...... پتا ہے ماریہ...... مجھے کتنی بھی بھوک لگے میں روتی نہیں ہوں...... کیونکہ اگر میں رووں گی تو بھابی ماریں گی......'' کہتے، کہتے صائمہ رو پڑی...... کمرے میں موجود ہر عورت کی آنکھ اشکبار تھی کہ اس لڑکی کی زندگی سب نے دیکھی تھی۔

''تم نہیں جانتیں صائمہ، انجانے میں تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ تم نے تیمور سے میری شادی نہیں ہونے دی...... اور میں شہریار جیسے نفیس اور شریف آدمی کی ہوگئی...... تمہارا یہ احسان جو مجھے اس وقت ظلم لگا تھا، میں کبھی نہیں اتار سکتی...... اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور احسان کا بدلہ کیا ہے بجز احسان کے......'' ماریہ نے اپنے آپ سے کہا...... اور لپک کر صائمہ کو گلے لگالیا۔

''نہیں تم پاگل نہیں ہو، تم میری دوست صائمہ ہو...... اب تم میرے پاس رہو گی...... اب تم کو کوئی نہیں مارے گا، اب تم کبھی بھوکی نہیں سوؤ گی...... میں تمہارا علاج کراؤں گی......'' ماریہ نے اپنے سینے میں منہ چھپائے روتی صائمہ کی کمر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

اصل نیکی تو یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کریں...... جنہوں نے ہمارے ساتھ برا کیا ہو، جو ہوتا ہے اس میں اللہ کی رضا شامل ہوتی ہے، ہم تو اپنی نیتوں کی بنیاد پر جزا اور سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

جو مل گیا وہ اللہ کی نعمت، جو نہیں ملا اس میں اللہ کی مصلحت اور جو دے کر واپس لے لیا وہ آزمائش...... آج تینوں باتیں اس کے سامنے حقیقت کا روپ دھارے کھڑی تھیں۔

تیمور ہیروئن اسمگل کرتا تھا، اس کی زندگی کم تھی...... نیکیوں کے لیے نیک اور بروں کے لیے برے، یہ اللہ کا قانون ہے...... بس ہم ہی ناسمجھ ہیں۔

تکبر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر انجانے میں صائمہ نے جو اس پر احسان کیا تھا...... اب اسے اس احسان کا بدلہ چکانا تھا۔

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

ناولٹ

من جانبازم

سحر ساجد

چھٹا حصہ

گل ساکت کھڑی اسے اور سرخ گاڑھے بھل بھل بہتے خون کو دیکھ رہی تھیں اور سعد..... اسے پہلے تو سمجھ نہ آیا مگر جب مومی لڑکھڑائی اور شیلف سے ٹکرائی تو اس کا خون آلود بازو سعد کی گرفت میں آیا تھا۔

''خون.....؟'' وہ حیران ہوا..... اور اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ''یہ..... یہ کہاں سے آ گیا۔''

''آہ.....'' مومی کراہی..... اور اس کی کراہ نے سعد کو ہوش میں لانے کا کام کیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا گل کے گلے میں پڑا دوپٹا کھینچ کر اسے مومی کی کلائی پر مضبوطی سے باندھا۔ مومی کے ہونٹ کپکپا رہے تھے..... آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔ تکلیف کی شدت سے اس کی گردن پر ابھری رگیں کھنچ سی گئی تھیں اور وہ سعد کو دیکھ رہی تھی اسے دیکھنے کی کوشش میں تھی۔ گل دونوں ہاتھ منہ پر رکھے ابھی تک شاکڈ کھڑی تھیں۔ سعد نے مومی کو اٹھانا چاہا تو نظریں مومی سے جا ملیں..... وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی، ہونٹ لرز رہے تھے یوں جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو اور..... وہ کہہ رہی تھی

''س..... س..... سعد..... نے اُز..... فف..... فف''

سعد دم بخود ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ اسے اٹھا کر باہر کو بھاگا تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

مجیب عالم کی پشت تھی اس نے پکارا......
''بابا...... بابا......'' آواز گونج کر پھیلی اور پھیل کر گونجنے لگی۔ وہ خود کو محض ساڑھے تین سال کی عمر میں دیکھ رہی تھی۔ وہ منظر دھوئیں میں بدلا اور...
''اسے لیبل کرو......''
اور اس نے خود کو جہاز کے مختلف حصوں کو لیبل کرتے ہوئے دیکھا۔ نقش پھر سے بگڑنے لگے اور اب وہ منہ بسور کر بابا کو دیکھ رہی تھی۔ اسے چوڑیاں چاہیے تھیں...... یہ منظر بھی دھواں بن کر تحلیل ہوا۔
''ناظرین ایک افسوس ناک خبر آپ کو دیتے چلیں کہ پاک فضائیہ کا C-130 طیارہ انجن میں آگ بھڑکنے سے تباہ ہوگیا ہے۔ طیارے کو اڑانے والے پائلٹس کے نام......'' اس کا دل پوری قوت سے سکڑا اور پھر بے حد زور سے پھیلا...... کوئی انجانا سا شور جاگنے لگا...... کسی کے رونے کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ آواز اس قدر کریہہ تھی کہ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے...... مگر وہ بین کرتی آواز اس شور پر حاوی ہوتی چلی گئی اور...... اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ شور غائب ہوا رونے کی آواز یک دم خاموشی میں بدلی تھی۔ وہاں گہرا سکوت تھا اوپر سفید روغن والی چھت......
اتنی خاموشی اور سکوت تھا کہ مومی کو محسوس ہوا کہ اس کی سانس کی آواز بھی شور پیدا کررہی ہے۔ بے حس و حرکت لیٹے وہ چھت کو دیکھتی رہی اور پھر اس نے ذرا سی گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا ایک اسٹینڈ تھا جس کے ساتھ سرخ محلول سے بھرا ایک پلاسٹک بیگ لٹک رہا تھا۔ بیگ کے ساتھ منسلک نالی کے ساتھ، ساتھ اس کی نظریں پھسلیں۔
اختتام ایک سرنج پر ہوا تھا جو کہ اس کے بازو میں گھپی ہوئی تھی۔
''کیوں......؟'' وہ چند لمحے غائب دماغی سے اس سرنج کو دیکھتی رہی اور پھر اس کی نظریں کلائی پر پڑیں۔ سفید پٹی وہاں پہ بندھی ہوئی تھی۔ وہ اسی ناسمجھ کیفیت میں اپنی کلائی کو دیکھتی رہی۔
کلائی سے پھسل کر نظریں اپنے پیروں تک گئیں۔ وہاں سے ہوتی ہوئی سیدھی جانب آئیں جسم سے اٹھ کر نظروں نے اوپر کا سفر کیا تھا اور وہ اب ارد گرد دیکھ رہی تھی۔
''وہ کہاں تھی؟'' زور سے آنکھیں بند کرکے اس نے سوچنے کی کوشش کی اور جب دوبارہ کھولیں تو وہ ایک دم ڈر گئی تھی۔ ایک نرس اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔
''مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے خود کو سوال کرتے ہوئے پایا تھا۔

☆☆☆

گل نے سوپ کے باؤل میں سے چمچ بھرا اور اس کے منہ کے آگے کیا۔
وہ جو تکیوں کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی...... دونوں ہاتھ گود میں، نظریں ہاتھوں پر اور لب بالکل خاموش...... نہ کسی نے کچھ پوچھا...... نہ اس نے کچھ کہا...... اور جب اس نے سوپ سے بھرا چمچ اپنے منہ کے آگے دیکھا تو چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اور پھر منہ کھول دیا تھا۔ گل نے چمچ منہ میں ڈالا۔
چند چمچ لینے کے بعد اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کردیا۔ گل نے بھی اصرار نہیں کیا وہ خاموشی سے اٹھ کر برتن سنبھالنے لگی تھیں اور پھر کمرے سے باہر چلی گئیں۔
وہ کتنی ہی دیر یوں ہی اسی ایک پوز میں بیٹھی رہی، کمرے کا دروازہ چرر کی آواز کے ساتھ کھلا۔ وہ متوجہ نہیں ہوئی۔
قدموں کی چاپ عین اس کے بیڈ کے پاس آکر رک گئی۔ اس نے تب بھی زاویۂ نگاہ نہیں بدلا تھا۔
''اپنی ممی کا کچھ تو خیال کرتیں۔'' وہ حسیب عالم تھے۔
''یہ کیا تھا مومی......؟'' پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی اور پھر نظریں اٹھا کر چاچو کو دیکھا اور دیکھتی رہی۔

Downloaded From http://paksociety.com

"ممی......! کیوں میرا احساس نہیں کرتیں چاچو......؟" پھر......اس نے نہایت سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ حسیب عالم کو کرنٹ سا لگا۔ انہوں نے بے حد بے یقینی سے موی کا چہرہ دیکھا تو وہ اب بھی خود کو...... اپنے اٹھائے جانے والے قدم کو غلط نہیں سمجھ رہی تھی......وہ بے یقینی سے موی کا چہرہ دیکھ رہے تھے اور موی ایک ہی تاثر کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی......اس کا پورا چہرہ ایک سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

☆☆☆

یہ سی ایم ایچ میں اس کا دوسرا دن تھا......سعد سے ابھی تک اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ کوئی بھی اس سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا......جو کچھ پوچھا جاتا...... جواب دے دیا جاتا......کچھ کھانے کو دیا جاتا تو وہ تھوڑا سا کھا لیتی......

باقی سارا وقت گود میں ہاتھ رکھے کمرے کی واحد کھڑکی کے باہر دیکھتی رہتی۔

حسیب نے اپنے اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے اس معاملے کو دبایا تھا......اب بھی وہ گردن موڑے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔

کوئی بیڈ کے پاس اسٹول کھینچ کر بیٹھا تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر آواز کی سمت دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور اس نے پھر سے رخ بدل کر کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"میرے فیوچر کا سوال ہے موی...... ایسا مت کریں۔" اس کی آواز نم تھی۔

"مرنے دیتے مجھے...... کیوں بچایا؟ میں اپنی آنکھوں کے سامنے تو یہ ہوتے دیکھ نہیں سکتی...... میرے بعد تم آزاد ہوتے۔" اسی طرح رخ موڑے سرد لہجے میں جواب آیا تھا۔

"موی......" وہ شاکڈ ہوا۔

معلوم نہیں یہ موی کے گھر والے آخر کب حیران ہونا چھوڑیں گے۔

"اگر اب بھی میں یہ ہی کہوں کہ میں پاک ائر فورس کو ہی جوائن کروں گا تو؟" چند لمحے اس کو دیکھتے ہوئے، سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

موی نے رخ بدلا اسے دیکھا اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر دائیں سے بائیں پھیلی تھی۔ اس کے چہرے پر طنزیہ عکس جھلکنے لگا۔

"میں نے کہا ناں......میری آنکھوں کے سامنے یہ نہیں ہوسکتا۔" اس نے یوں مسکرا کر کہا جیسے کسی بچے کو جواب دیا جاتا ہے۔

سعد نے بے اختیار ہونٹ بھینچے تھے۔ آنکھوں میں خفگی جھلکنے لگی...... غصے سے اس کے ناک کے نتھنے پھڑپھڑائے تھے۔

"آپ میری زندگی کیوں برباد کرنا چاہ رہی ہیں۔" اور وہ پھٹ پڑا۔

"حادثہ کسی کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، کوئی ایک وہ مزدور جو کسی بلڈنگ کی تعمیر کے دوران گر کر مر جاتا ہے اور وہ اکیلا خاندان کے دس افراد کو کھلانے والا ہوتا ہے۔ اس کے خاندان کے دس افراد کے لیے کیا یہ حادثہ نہیں ہے موی......؟" وہ بہت زور سے بول رہا تھا۔

"کیا یہ المیہ نہیں ہے؟ المیہ کیا صرف مومنہ مجیب عالم کی زندگی میں ہی ہے۔ بچوں کا باپ تھا وہ بھی...... تو کیا اب اس کا کوئی بھی بچہ مزدور نہیں بنے گا؟ ہوسکتا ہے وہ تو باپ کے قتل کے بعد ہی مزدوری کرنے جا پہنچے۔ موی پلیز......! حادثات ہو جایا کرتے ہیں کسی کے ساتھ...... کبھی بھی...... کہیں بھی...... یہ ہو جاتے ہیں، ہو سکتے ہیں۔"

"اس مزدور کے خاندان کا شجرۂ نسب کھنگالنا کبھی سعد...... وہ ان کی نسلوں کا پہلا حادثہ ہوگا......اور کسی دن ذرا اپنا شجرۂ نسب کھنگال کر تو دیکھو سعد......شہید بن......شہید بن شہید بن...... کہاں تک جاؤں؟ بولو کہاں تک......؟ بس کر دو اب، اب بس کر دو......" موی نے بھی طیش سے جواب دیا تھا۔

"یہ ہمارا فخر ہے موی...... ہماری نسل کا امتیاز ہے۔"

Downloaded From http://paksociety.com

''مجھے نسلوں کے امتیاز کا سبق مت پڑھاؤ......''
اس نے بھڑک کر بات کاٹی تھی۔ وہاں ایک دم ایک ناگوار سی خاموشی اٹھی، دھوئیں کی طرح پھیلی اور آنکھوں، ناک کے نتھنوں میں وہ دھواں گھسنے لگا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا...... مومی تیز، تیز سانسوں کے ساتھ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔

''تم لوگ بچے پیدا کرتے ہو...... انہیں پروان چڑھاتے ہو اتنا پیار، اتنی محبت دیتے ہو کہ وہ انسان سے پیراسائٹ میں بدل جاتے ہیں...... اور پھر...... پھر ایک دن انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔'' وہ سیدھا، کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بول رہی تھی۔
آخری جملے پہ اس نے سعد کو دیکھا تھا۔

''پیراسائٹس اپنے host سے محض خوراک ہی نہیں لیتے سعد...... وہ اس سے زندگی کشید کرتے ہیں اور اگر host ہی نہ رہے تو؟ تو...... پھر زندگی کہیں نہیں ملتی سعد......! کہیں نہیں ملتی...... کیا چاہتے ہو تم؟ ایک اور مومی...... ایک اور سعد......''

سعد نے تکلیف سے اسے دیکھا اور دیکھتا رہا۔
اس کی آنکھوں میں اچانک نمی ابھری تھی...... وہ صحیح معنوں میں آج مومی کا دکھ، اس کا نقصان سمجھ سکا تھا۔
وہ آج ہی تو مومی کو سمجھ سکا تھا۔

اس نے کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی کلائی پر بندھی پٹی کو دیکھتا رہا۔
ایک قطرہ...... ضبط کے باوجود چھلک پڑا تھا۔
اور پھر اس نے اپنی آنکھوں کے ساتھ اس کی کلائی لگائی تھی۔ وہ یونہی آنکھوں سے اس کی کلائی لگائے کتنی دیر بیٹھا رہا تھا اور مومی نے بے حد سکون کے ساتھ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے پیچھے تکیوں کے ساتھ ٹیک لگائی...... تو وہ ناکام نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

بے حد دل گرفتگی کے ساتھ وہ اسپتال سے نکلا تھا۔ وہ اتنا بوجھل دل اور رنج میں مبتلا تھا کہ بے اختیار اسے شکوہ ہوا...... اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ جہاں رات اپنے پر پھیلائے پھیل چکی تھی۔

''بابا...... آپ کیوں چلے گئے...... کیوں؟ مجھے پاک ائرفورس میں جانا تھا بابا...... پائلٹ بننا تھا...... کیوں چلے گئے آپ' کیوں؟'' سر اٹھائے نظروں سے سوال کیا گیا اور پھر...... پہلے سے بھی زیادہ دل گرفتہ ہو کر اس نے سر جھکایا تھا وہ اس وقت دُہری تکلیف سے گزر رہا تھا۔ اپنے جنون، اپنی خواہش سے ہاتھ دھونا کب آسان ہوتا ہے...... کب آسان ہوا یہ...... یہ ایسا ہی تھا کہ جیسے جیتے جی پورے ہوش وحواس میں اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر اس سے الگ کیا جارہا ہو...... اور وہ...... وہ رو پڑا......

منہ کو حتی الامکان جھکا کر اس نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا...... دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے اپر کا ہُڈ سر پر گرائے...... وہ سڑک کنارے چل رہا تھا......

زندگی میں یہ دوسری بار تھا جب وہ ایسے رو رہا تھا۔ اس کے لیے دروازے بند ہو چکے تھے۔ کئی سالوں سے...... کئی سالوں سے وہ جس کے انتظار میں تھا تو وہ چیز...... وہ راہ اس کی قسمت میں ہی نہیں تھی۔ تو اسے وہ ''صبح'' دیکھنی ہی نہیں تھی۔ جس نے رسالپور کے اوپر طلوع ہونا تھا...... ایسا کوئی دن اس کی زندگی میں نہیں تھا...... ایسی کوئی صبح نہیں تھی، نہیں تھی ایسی کوئی رات بھی...... جس میں طلوع ہوتے چاند کو وہ رسالپور کے کسی کمرے کی کھڑکی سے دیکھتا......

کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی تو نہیں...... سترہ سال پورے سترہ سال...... یک دم فضا میں کسی چیز کے چیرنے کی آواز آئی۔ اس کے چلتے قدم بے اختیار ساکت ہوئے، اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا...... کوئی پسینجر طیارہ تھا۔ وہ منہ اٹھائے اسے دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ بلندیوں میں کہیں کھو گیا...... اس نے دل آزردہ ہو کر سر جھکایا۔ تکلیف نے چاہا کہ اس کے وجود کو کاٹ کر رکھ دے اور وہ کاٹ ہی تو رہی تھی۔

وہ ہونٹ بھینچ کر اب جسم میں اٹھنے والی لہر کو برداشت کرتا رہا...... مگر یہ ناقابلِ برداشت تھا......

Downloaded From http://paksociety.com

ناقابلِ برداشت ہوتا جارہا تھا......موسم سرد تھا اور سرد ہوا کے جھونکے جسم کو ٹھٹھرانے پر مجبور کررہے تھے۔
شاہراہ پر معمول کا رش تھا۔
وہ پھر سے چلنے لگا......کہیں سے ایک کاغذ اڑتا ہوا آیا اور اس کے قدموں کے ساتھ الجھ گیا...... وہ ٹھٹک کر رکا......اسی کاغذ کو دیکھتا رہا۔
یہ آج ہر چیز ہی اس کے لیے دکھ کا عنوان کیوں بن کر رہ گئی تھی؟ کیوں......؟ جھک کر نم آنکھوں کے ساتھ اس نے وہ کاغذ اٹھایا......سیدھا کیا اور پھر وہ......وہی سات سال کا سعد بن گیا......اس کے ہاتھ اب کاغذ کا جہاز بنارہے تھے لیکن نہ جانے کیوں وہ کپکپارہے تھے۔
اور یہ وہ سردی تو ہرگز نہیں تھی۔
جہاز بنانے کے بعد وہ اسے دیکھتا رہا......بچپن کی طرح اس نے جہاز کو منہ کے قریب لے جا کر پھونک ماری اور پھر پوری قوت سے اڑایا تھا۔
جہاز ایک حد تک بلندی کی طرف گیا اور پھر جھول کر بل کھا کر نوک کے بل زمین پر گرا تھا۔
یہ مستی بھری اڑان تو نہیں تھی...... بالکل بھی نہیں...... ہرگز بھی نہیں...... وہ کچھ اور دل برداشتہ ہوا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا رہا، زمین پر گرا جہاز اس کی نگاہوں کا جیسے مرکز بن گیا تھا۔ اور پھر......اور پھر وہ اس کاغذ کے جہاز پر پاؤں رکھ کر گزر گیا تھا۔ سمجھو کہ خود اپنی ہی شہ رگ کو کچل کر گزر گیا تھا۔ اب رونا تو نہیں آرہا تھا۔ بس خموشی مکڑی کے جالے کی طرح اس کے وجود کے اردگرد جال بُنتی چلی جارہی تھی اور وہ چلتا رہا چلتا رہا تھا۔ سڑک کے کنارے پر بنی دکانوں میں رونق ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔ روشنیاں ابھی گل نہیں ہوئی تھیں۔ زندگی کا شور گونجتا تھا ابھی......لوگ اس کے دائیں، بائیں سے آجارہے تھے۔ وہ تھا، رات کی سرد ہوا تھی اور سڑک کا کنارہ......سر جھکائے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے شل ہوتی ٹانگوں کے ساتھ چلتے، چلتے وہ پتا نہیں کس جذبے کو تھکا دینا چاہتا تھا۔

غزل

جو تم نے مجھ سے کیے ہیں سوال جانے دو
ہے ہجر راس ہمیں تو وصال جانے دو

یہ فیصلہ ہے مرا آج تم بھی سن جاؤ
کبھی نہ ہوگا تعلق بحال جانے دو

مجھے بلانے کی باتیں ہزار کرتے ہو
جواب جان کے ہوگا ملال جانے دو

عداوتیں بھلا میرا بگاڑ لیں گی کیا
محبتوں کا بھی دیکھا ہے حال جانے دو

تمہارے بارے میں کیا سوچتے رہے ہیں ہم
نہ پوچھو ہم سے ہمارا خیال جانے دو

یہ لوگ مجھ پہ بھلا اس قدر ہیں کیوں مرتے
خدا نے مجھ کو دیا ہے کمال جانے دو

تمہیں تو اپنی ہی شہرت عروج سے غرض
ملے شگفتہ کو چاہے زوال جانے دو

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

''لوٹ رہے ہیں پاکستان کو......'' وہ فوج کے خلاف غلط زبان استعمال کررہے تھے۔ وہ جھٹکا کھا کر ساکت ہوا آواز اس کے پیچھے سے ابھری تھی۔ اور مڑ کر از حد حیرت سے پیچھے دیکھا۔
''سب سے زیادہ کرپٹ یہ آفیسرز ہی ہوتے ہیں، حساب لگاؤ ذرا تعلیم کا بجٹ مرکر 28 فیصد اور دفاع کا 50 فیصد یہ تو حال ہے اس ملک کا اور اس 50 فیصد سے یہ اپنوں کا ہی پیٹ بھرتے ہیں۔'' وہ کوئی دو نوجوان تھے جو آپس میں بات کرتے ہوئے اس کے پیچھے آرہے تھے۔
بات کرتے، کرتے وہ اس کے پاس سے ہوکر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

گزر گئے تھے۔ اور سعد کی نظریں ان پر سے ہٹ نہیں سکی تھیں۔

''میرے بابا نے ان لوگوں......ان لوگوں کے لیے جان دی؟'' حیرت بھی تھی اور دکھ بھی...... کتنے ہی لمحے وہ یوں ہی بت بنا کھڑا......ان خوش پوش دو نوجوانوں کو جاتا دیکھتا رہا۔

''مومی ٹھیک کہتی ہے، اب بس......'' آخری ابھرنے والی سوچ یہی تھی۔ جو فیصلہ اتنی دیر سے ہو نہیں پا رہا تھا وہ یک دم اِک لمحے اِک ساعت میں پلک جھپکنے کے سے وقفے میں ہو گیا تھا......اب بس......بس اب......

☆☆☆

''اب کیا سوچا ہے سعد؟'' مومی گھر آ چکی تھی...... انٹر کا رزلٹ آؤٹ ہوتے ہی داخلے شروع ہو چکے تھے۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا جب گل نے اس سے پوچھا۔

اس نے گہری سانس بھر کر رخ موڑ کر انہیں دیکھا۔

''کیا ہو سکتا ہے اب ممی......؟'' اور اس کے لہجے سے لاچاری ٹپکتی تھی۔

''تم، تم......'' گل کے منہ سے مارے شاک کے بات ہی نہیں نکل سکی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے ناخن سے کھڑکی کی چوکھٹ کا پینٹ کھرچنے لگا تھا۔

''پاکستان کی عوام کو لگتا ہے کہ ہم کرپٹ ہیں سویلینز کا حق مارتے ہیں، غاصب ہیں......ہم......ہم ملک کو کھاتے........'' وہ بولتا جاتا تھا اور ناخن سے پینٹ کھرچنے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

گل نے ذرا ٹھہر کر اس کے اس عمل کو دیکھا اور دیکھتی رہیں۔ اور پھر آگے بڑھ کر انہوں نے یک دم اس کے حرکت کرتے انگوٹھے پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''نہیں! ہم جانیں قربان کرتے ہیں......لہو دان کرتے ہیں......اس ملک کو اپنے بیٹے، باپ اور شوہر دیتے ہیں...... یہ ہمارا امتیاز ہے، ہماری پہچان ہے غلط اور صحیح الٹ ہونے کے باوجود ساتھ، ساتھ چلتے ہیں......کالی بھیڑیں، سفید بھیڑوں کے ریوڑ میں ہی ہوتی ہیں......ہمارا کام احتساب نہیں...... ہمارا کام اس سے افضل ہے......پاک ائرفورس کا حق ہے تم پر......''

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولتی گئیں اور وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

"remember! it's in blood in flesh"

اور پھر انہوں نے ہونٹ اس کے کان کے پاس لے کر سرگوشی کی اسے سنایا گیا تھا، یاد کروایا گیا تھا۔

"remember! it's in blood ...in flesh"

''اور یہ کیسے ممکن تھا اب بھلا؟'' گل کی جذباتی تقریر تو اس نے سن لی تھی۔ مگر اب یہ کیسے ممکن تھا۔ مومی کے ہاتھوں وہ سب ایموشنل بلیک میل ہونا نہیں چاہتے تھے......مگر پھر بھی ہو رہے تھے۔

وہ سب بہت اچھی طرح سے جان گئے تھے کہ وہ دوبارہ بھی اپنی کلائی کاٹنے سے دریغ نہیں کرے گی۔ ہو سکتا ہے اب کی بار اپنے پیٹ میں ہی چھری دے گھونپے۔ ایک دفعہ جان بچ گئی بار... بار نہیں بچتی......زندگی یوں روز، روز نہیں ملا کرتی...... سعد ایک دفعہ پھر ڈگمگا گیا تھا......راتوں کو سوتے میں...... جاگتے میں......ایک ہی آواز، ایک ہی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔

"it's in blood...in flesh"

دوسری طرف ان نوجوانوں کی کٹیلی باتیں...... ان کا وہ نفرت بھرا لہجہ بھی بھلا نہیں پا رہا تھا۔ فیصلہ کر لیا تھا اس پر قائم رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

پتا نہیں قدرت نے اس کے لیے کیا چن رکھا تھا......کیا؟

☆☆☆

چکلالہ میں ان کا آبائی گھر تھا، جو کہ اب کافی پرانا ہو چکا تھا۔ کچھ آبادی بڑھنے کے ساتھ، ساتھ

Downloaded From http://paksociety.com

وہاں کا ماحول بھی اچھا نہیں رہا تھا۔ وہ کافی بڑا گھر تھا۔ جس کا ایک حصہ بیچ کر حسیب نے کافی سالوں پہلے چکلالہ اسکیم III میں پلاٹ لیا تھا اور وہاں اب گھر تقریباً مکمل ہونے والا تھا۔ حسیب چاہتے تھے کہ یہ والا گھر بیچ کر اب وہ گھر مکمل کیا جائے کیونکہ اسکیم III والے گھر کا آدھا حصہ مجیب عالم کی فیملی کے نام تھا۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ اس علاقے کو چھوڑ کر وہاں رہائش پزیر ہوا جا سکے...... مومی کے ٹھیک ہوتے ہی حسیب نے گھر بیچنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

''ممی یہ گھر بیچ رہے ہیں آپ لوگ.....؟'' وہ از حد حیرت سے سوال کر رہی تھی۔

گل کتاب پڑھ رہی تھیں۔ اس سوال پر عینک اتار کر اسے دیکھا۔

''ہاں......''

''کیوں......؟''

''کیوں کا کیا مطلب ہوا...... اب سعد کی تعلیم کے لیے کچھ بندوبست تو کرنا ہے ناں...... تم تو کلائی کاٹ کر بیٹھ گئیں...... اس کے فیوچر کی پروا کیے بغیر...... ہمیں تو کرنی ہے ناں پروا...... کچھ رقم سے اسکیم III والا گھر مکمل ہوگا اور باقی کی سعد کے ایجوکیشن کے لیے...... اب گورنمنٹ کالج لاہور جا رہا ہے پڑھنے کے لیے...... اخراجات تو ہوں گے...... ہاسٹل میں رہنا ہے اسے...... فٹ پاتھ پر تو رہنے سے رہا۔'' گل نے اس کے چودہ طبق روشن کیے تھے۔

''وہ لاہور جا رہا ہے۔'' خیر سے یہ اطلاع بھی ابھی ابھی اسے ملی تھی۔

''ہاں......''

''کیوں یہاں بھی تو اتنے اچھے، اچھے کالجز ہیں۔''

''اس کی مرضی......''

''یہ کیا بات ہوئی...... میں پوچھتی ہوں اسے۔'' وہ الٹے قدموں مڑی تھی۔

''مومی......'' گل نے سختی سے اسے پکارا۔

اس کے قدم یکلخت رکے...... پلٹ کر ممی کو دیکھا۔

''تم اب اس سے کچھ پوچھو گی نہ کچھ کہو گی...... تم نے جو کرنا تھا کر لیا...... اب بس کر دو......'' سرد اور کرخت لب و لہجہ...... بات ختم کر کے انہوں نے عینک لگائی اور دوبارہ سے کتاب پڑھنے لگی تھیں۔

مومی نے ہونٹ بھینچ کر انہیں دیکھا، کچھ کہنا چاہا مگر پھر رک گئی۔

اس نے اپنی منوالی تھی...... یہی بہت تھا اور اس دن کے بعد وہ جیسے آزاد ہو گئی تھی...... آزاد اور ہلکی...... بے پروا...... سب بوجھوں سے آزاد...... اب مومی کو غرض نہیں تھی اور اب سعد بھی تو بچہ نہیں رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ سعد کو اپنے فیوچر کی فکر ہے...... اور کیسے نہیں ہوتی...... وہ لاابالی یا غیر ذمے دار لڑکوں میں سے نہیں تھا...... مومی کو اعتراف تھا کہ لوئر ٹوپا میں گزارے جانے والے سالوں نے اسے کتنا گمبھیر کر دیا تھا۔ وہ ایک نہایت سلجھا ہوا انسان تھا۔

اور بس مومی آزاد ہو گئی تھی۔ مطمئن ہو گئی تھی کہ ایک نارمل زندگی ان کے انتظار میں تھی...... ویسی ہی زندگی جیسی کے ساری عوام گزارتی ہے تو اس نے مات دے دی...... ہرا دیا...... اسے کوئی نسلی امتیاز نہیں چاہیے تھا۔ اسے نہیں بننا تھا گل جیسی عظیم عورت...... وہ ایسے ہی ٹھیک تھی...... ایک عام سی...... سادہ سی...... جنگلی سی...... بے پروا سی، لاابالی سی لڑکی اور ایک اس طرزِ زندگی کے لیے اس نے بڑی لڑائی لڑی تھی۔

مومی پہلے بھی نارمل نہیں تھی...... وہ اب بھی نارمل نہیں رہی تھی...... یہ جو جذباتی افراد ہوتے ہیں یہ کبھی معتدل نقطے پر نہیں ٹھہر سکتے...... یہ انتہاؤں کو ہی چھوتے ہیں...... پہلے محبت کی کہانی تھی...... اور اب نفرت کی...... اور اسے لگا اب یہ نفرت کی کہانی بھی جیسے اختتام کو پہنچی...... ان کے خاندان کا آخری شہید ہونے والا انسان مجیب عالم ہی تھا...... اب اور کوئی نہیں، کوئی بھی تو نہیں......

Downloaded From http://paksociety.com

☆☆☆

''مومی کے بارے میں کیا سوچا ہے اب آپ نے؟'' حسبِ معمول عائلہ، گل اور حسیب لاؤنج میں بیٹھ کر شام کی چائے پی رہے تھے۔ مومی حسبِ معمول اپنے کمرے میں ......اس سوال پر گل کے چہرے پر ایک افسردہ سا تاثر ابھرا تھا۔

یہ سوال تو وہ اکثر خود سے بھی کرتی تھیں۔ کہ مومی کا اب کیا، کیا جائے......کیا شادی......؟ تو کون کرے گا اس سے شادی......'' شکل صورت کے حساب سے ٹھیک تھی مگر تعلیم نہ سلیقہ...... بھابی کو یوں افسردہ سوچ میں گم ہوتے دیکھ کر حسیب نے ایک گہری سانس بھری......وہ ان کی پرابلم سمجھ سکتے تھے۔

''مومی کے لیے پروپوزل آیا ہے بھابی......''

گل نے بے یقینی سے حسیب کو دیکھا......چونکی تو عائلہ بھی تھی۔

''ذاکرہ ہے ناں......'' حسیب نے گل کی کزن کا نام لیا تھا۔

''ان کے سسر کا فون آیا تھا مجھے، وہ تیمور کے لیے پوچھ رہے تھے۔''

''واقعی؟'' عائلہ نے بے قابو ہوتی مسرت سے پوچھا تھا۔

گل نے آہستگی سے کپ سامنے موجود ٹیبل پر رکھا۔

''بھابی......'' انہوں نے ہلکے سے، افسردگی سے مسکرا کر حسیب کو دیکھا۔

''اللہ کا احسان ہے۔'' اور پھر مدھم لہجے میں کہا تھا۔ ''تیمور تو آرمی میں ہوتا ہے، مجھے یاد ہے کہ کچھ سال پہلے وہ pma لانگ کورس میں تھا۔'' ان کی انہی باتوں کے دوران عائلہ اٹھ کر جا چکی تھی۔

''آپ مومی سے بات کرلیں۔'' حسیب اب کہہ رہے تھے۔ گل نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''مومی......'' اس چہکتی آواز پر اس نے یک دم مڑ کر دیکھا۔

''آپ کو کیا ہوا ہے؟'' عائلہ دروازے میں کھڑی تھی اور اس کے چہرے سے ہی مسرت ٹپکتی تھی...... آنکھیں بے تحاشا چمک رہی تھیں۔ وہ دروازے سے اندر آئی اور پھر مومی کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے گلے سے لگایا اور اس کے بعد فرطِ جذبات سے اس کا منہ چوما تھا۔

''عائلہ آنٹی......کیا ہوگیا ہے؟'' وہ چڑی تھی۔

عائلہ بے وجہ ہنسی......

''تمہارا پروپوزل آیا ہے......''

''ہیں......'' اور مومی نے یوں آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا......کیا آیا ہے؟'' عائلہ پھر سے بے وجہ ہنسی......

''پروپوزل بھئی......'' اور پھر اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر اونچی آواز سے کہا۔

مومی کے ماتھے پر بے اختیار بل پڑے، چہرے پر خواہ مخواہ خفگی چھلکنے لگی۔

''مجھے نہیں کرنی شادی وادی......''

''بکو مت......'' عائلہ بے ساختہ سنجیدہ ہو کر ناراضی سے بولی تھی۔

''کیوں نہیں کرنی شادی......؟'' اب کہ وہ اس کے کندھے پر دھپ مار کر بولی۔

مومی ناخوش تھی چہرے پر صاف لکھا تھا۔

''ہمیں سعد کا گھر بسانا ہے......جب تک تمہیں فارغ نہیں کریں گے ......اس کا گھر کیسے بسے گا؟''

عائلہ کا انداز پھر سے شرارت لیے ہوئے تھا۔

''کوئی الو کا...... ہوگا جس نے میرے لیے پروپوزل بھجوایا۔''

''مومی......فضول مت بولو...... ذاکرہ باجی کا دیور ہے وہ......'' اور مومی اس بات پر چونکی تھی۔

''کون؟ وہ تیمور؟''

''ہاں......'' وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔

''آرمی میں ہوتا ہے ناں وہ......؟'' مومی کی

Downloaded From http://paksociety.com

جانب سے سوالیہ انداز تھا۔

''ہاں......'' عائلہ نے بے فکری سے جواب دیا تھا۔ اور مومی کے اندر سے کوئی لہر پوری شدت کے ساتھ اٹھ کر اس کے سارے وجود میں زہر بن کر پھیلی تھی۔ سانسوں میں کوئی آگ سی بھڑک اٹھی تھی، بھڑکنے لگی تھی۔ عائلہ کچھ اور بھی بول رہی تھی مگر وہ...... وہ خشمگیں نگاہوں سے چچی کو گھورتی رہی۔

☆☆☆

گل اسی رات اس کے پاس آئی تھیں...... جب سے عائلہ گئی تھی وہ کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے یوں کھڑی تھی جیسے ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے کا چلّہ کاٹنا ہوا ہے۔

''مومی......'' گل نے پیچھے سے جا کر بے حد شفقت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

وہ چونکے بنا مڑی۔

''کھانا نہیں کھایا......''

''بھوک نہیں تھی۔''

''سعد سے بات ہوئی۔''

''آپ بھول رہی ہیں کہ وہ صرف ویک اینڈ پر کال کرتا ہے۔''

''اوہ!'' گل ذرا سا کھسیا گئی تھیں۔

جو بات کہنے آئی تھیں وہ گلے کی ہڈی بن کر چبھ رہی تھی۔

''آپ پروپوزل کا پوچھنے آئی ہیں؟'' ماتھے پر بل لیے ناراض نظروں سے ممی کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

گل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں......''

مومی کے ماتھے کے بلوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ گوری چہرے پر درج نظر آئی لیکن وہ ناگواری ایسی تھی کہ جو غصہ ہی لگتی تھی۔

''آپ لوگوں کو کیوں ایک بات سمجھ نہیں آتی......؟'' کچھ غصے سے کچھ زچ ہو کر اس نے کہا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' گل کا حیران ہونا بنتا تھا۔

''ممی میں نے کلائی کاٹ لی تھی۔'' اس نے زخم کے نشان والا بازو آگے کیا۔ ''اس لیے کہ میرا بھائی ائر فورس نہ جوائن کرے......اور آپ، آپ اب میرے پاس ایک ملٹری مین کا پروپوزل لے کر آ گئیں......'' وہ اپنے طیش کو دباتے ہوئے بول رہی تھی۔

''تو......'' گل اب بھی سمجھ نہ سکی تھیں۔

مومی نے تلملا کر انہیں دیکھا۔

''تو......؟'' اور پھر بے حد طنزیہ انداز میں دُہرایا تھا۔

''آپ میری شادی کرنا چاہتی ہیں او کے فائن......ضرور کریں مگر ایک بات میں صاف، صاف کہہ دوں۔ وہ اسی تلملاہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔''

''مجھے کسی ملٹری مین سے شادی نہیں کرنی......'' تیکھے انداز میں کہا گیا۔

اور گل کے لیے اس کی یہ بات بے خبری میں منہ پر پڑنے والے طمانچہ تھی، وہ گھونسا تھی جو کوئی پوری قوت سے پیٹ میں دے مارے۔

مومی کسی لڑکی کا نام نہیں تھا وہ شاید جنّات کے قبیلے سے ہو گئی تھی۔

☆☆☆

3 جولائی سے لے کر 10 جولائی 2007ء تک......یہ ہفتہ کیسا تھا...... یہ سات دن کیسے گزرے تھے......حیدر آن ڈیوٹی تھا......گو کہ وہ بتا کر نہیں گیا تھا مگر اس کا دل کہتا تھا کہ وہ بھی اسی آپریشن میں شامل ہے۔

وہ سات دنوں سے آگ کے شعلوں پر کھڑی تھی اور ننگے پاؤں تھی...... دعائیں مانگ، مانگ کر تھک چکی......آنکھیں بھی اب تھکاوٹ کا شکار تھیں......

ایک امید کا دیا......بے حد نیچی لو کے ساتھ......من کے اندر کہیں......گھپ اندھیرے میں ٹمٹماتا تھا۔

''ہو سکتا ہے وہ اس آپریشن میں شامل نہ ہو...... وہ اس سب کا حصہ نہیں بن سکتا...... وہ کیسے اتنا ظالم

Downloaded From http://paksociety.com

ہوسکتا ہے......'' مگر حقیقتیں وہ اس دیے کی لو پہ چاروں طرف سے حملہ آور ہوئی تھیں۔

دل بہلانے کو خیال تو بہت ہی اچھا تھا...... ایک طرف یہ احساس...... دوسری طرف اس کی سلامتی کے اندیشے...... اسے کہتے ہیں، گلے کی پھانس...... دل دھڑکتا نہیں تھا...... بھاگتا تھا...... عنبرین اس کی حالت دیکھ رہی تھیں مگر وہ بھی اسے کیا کہتیں...... وہ تو خود زیادہ وقت مصلّے پر گزار رہی تھیں باقی گھر کے افراد تو کھانا کھا ہی لیتے تھے...... مگر وہ ....

''امی......'' اور اس دن وہ ماں کے گلے لگ کر بلک، بلک کر رو پڑی۔

''دعا کریں، وہ خیریت سے ہو۔'' اس نے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بے حد بے بسی سے کہا تھا۔

انہوں نے گہری سانس بھر کر اس کے آنسو صاف کیے......

''ہمت کرو ہنیا...... اس طرح کے حالات تو آگے زندگی میں اور بھی آئیں گے...... تم ایسے ہلکان ہوتی رہیں تو گزر چکی زندگی......'' وہ اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''مجھے نہیں پتا تھا...... یہ اتنی مشکل ہوگی کسی فوجی کے ساتھ زندگی گزارے نہیں گزرے گی...... آئی سوئیر مجھے نہیں پتا تھا۔'' ان سے لپٹ کر وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''رونے سے کام بن جاتے ہیں کیا......؟''

زبردستی خود سے الگ کر کے انہوں نے اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا۔

''جاؤ وضو کرو...... نفل پڑھو...... اللہ پر بھروسا رکھو...... یقیناً وہی کارساز ہے۔'' اس کا گال تھپتھپا کر انہوں نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ اٹھ کر دروازے تک آئی تو چوکھٹ میں... ذوالفقار صاحب کھڑے تھے۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ اور وہ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہنیا خاموشی سے ان کے پاس سے گزر گئی تھی اور وہ انہی سنجیدہ نظروں سے اسے جاتا دیکھتے رہے تھے۔

یہ ٹھیک نہیں تھا...... بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا۔ تو کیا ساری عمر وہ یوں ہی ری ایکٹ کرتی رہے گی...... یونہی...... اس کی تو جاب ہی یہی تھی تو پھر......

ذوالفقار صاحب کے سامنے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان منہ کھول کر آن کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

اس نے دیکھا کہ وہاں ہریالی تھی اور ہریالی میں جابجا اُگے ہوئے سفید پھول......

''وہ کون سے پھول تھے؟'' وہ اندازہ نہیں لگا سکی تھی...... وہ سدا بہار کے پھول کے سائز کے تھے اور یوں لگتا تھا کہ لمبی گھاس کے ہر سر کنڈے پر وہ موجود تھے۔ کسی پھولوں کا کھیت تھا شاید......

سورج چمک رہا تھا...... حدت راحت بخش تھی، ہوا کے جھونکے ایک لہر کی صورت میں کھیت کو لہلہانے پر مجبور کرتے تھے۔

وہ کھیت کے بالکل کنارے پر کھڑی، اس دل فریب منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ یک دم اس کی پشت کے پیچھے ایک آواز ابھری تھی۔

''ہنیا......'' اور بازگشت کی صورت چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

وہ حیدر تھا...... وہ دل کشی سے مسکرائی۔ وہ ذرا فاصلے پر کھڑا، مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہنیا کو اپنی طرف آنے کا کہا۔

وہ مڑی اور قدم آگے بڑھائے...... مگر اچانک اس کے جسم کا بایاں حصہ جیسے وزنی ہوا تھا۔ اس نے حیران ہو کر اپنے بائیں بازو کو دیکھا...... حرکت دینی چاہی مگر وہ موو نہیں کر پایا تھا...... وہ کچھ خوفزدہ ہوئی...... اس نے بھرپور طاقت لگا کر قدم آگے بڑھانے چاہے اس کا سیدھا پاؤں حرکت میں تھا مگر بایاں پاؤں...... وہ جیسے زمین میں گڑ کر رہ گیا تھا۔

وہ اور خوفزدہ ہوئی...... اس نے لاچاری سے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ حیدر کو دیکھا۔ اس نے پھر

Downloaded From http://paksociety.com

سے ہنیا کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا تھا۔

ہنیا نے پھر پوری قوت لگا کر اپنے جسم کو ہلانا چاہا...... لیکن...... اس کا بایاں حصہ...... اب کہ اس نے دہشت زدہ ہو کر اپنے جسم کے اس حصے کو دیکھا تھا......

اس کا بایاں ہاتھ...... بایاں پاؤں، پاؤں کے اوپر ذرا سی نظر آنے والی پنڈلی...... بازو، اچانک کالا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ سیاہی حرکت کرتے ہوئے اس کے پورے بائیں حصے کو ڈھانپ رہی تھی مگر دائیں حصے کی جانب نہیں جا رہی تھی۔

''حیدر......'' اس نے چیخ کر پکارا اور سامنے دیکھا اور وہ دم بخود رہ گئی...... وہاں...... وہاں کوئی بھی تو نہیں تھا کوئی بھی نہیں...... اس کی نظریں پھر سے جسم کے اس حصے تک گئیں اور وہ خوفزدہ ہو کر پوری قوت سے چیخی تھی۔ اس کے جسم کا بایاں حصہ اب جھڑ رہا تھا یوں جیسے وہ بھر بھری کالی مٹی ہو اور وہ کالی مٹی فضا میں بکھرتی جا رہی تھی۔

''آہ......!'' وہ درد سے کراہی اور اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے اردگرد دیکھا...... تو وہ خواب تھا۔

چہرے پر پسینہ...... بری طرح سے گھبراہٹ کا شکار...... اس تنفس کی رفتار بگڑی ہوئی۔

''وہ خواب تھا۔'' ایک اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے اس نے اٹھ کر کراؤن سے ٹیک لگائی تھی کہ شکر تھا وہ خواب تھا...... لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بے چین ہو گئی تھی۔

''یہ کیسا خواب تھا؟'' وہ مضطرب تھی۔ اچانک سیل فون کی بیل گونجی۔ وہ بے طرح سے ڈری تھی...... ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل اٹھایا تھا۔

''منزہ کالنگ......'' کے الفاظ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

''ہیلو......'' کانپتی آواز میں اس نے کہا۔

''حیدر ٹھیک ہے۔''

''آں......'' اس کے ہونٹ کپکپائے...... دل میں اتنا سارا سکون اترا اور اس نے تھک کر کراؤن سے ٹیک لگائی تھی۔

وہ چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔

''کہاں ہے؟'' تھوڑی دیر بعد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''آجاؤ...... اِدھر گھر ہی......'' منزہ نے جواب دیا تھا۔

''اوکے!'' کہہ کر اس نے بے حد تھکے ہوئے انداز میں سیل فون سائڈ پر رکھا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ سر کو دونوں ہاتھوں پر گرائے بیٹھی رہی تھی۔ یہ کئی دنوں کی اذیت تھی...... تکلیف تھی اور پھر جا کر اک پل راحت کا آیا تھا۔

☆☆☆

وہ امی کو بتانے آئی تو انہیں بھی تیار دیکھا...... وہ لوگ بھی حیدر سے ملنے جا رہے تھے۔ ایک ہی گاڑی میں سوار وہ لوگ گھر سے نکلے تھے۔ بیک سیٹ پر پُشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی......

نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ بار، بار اونگھ رہی تھی۔ وہ اب غنودگی میں تھی کہ گاڑی کو ایک جھٹکا لگا۔ چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں۔ شاید کوئی اسپیڈ بریکر تھا...... سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ بلاارادہ کار ونڈو سے باہر پڑی تھی اور......

''امی......'' اس نے بے ساختہ عنبر ین کو پکارا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ ذرا سی حیران تھی۔

یہ حیدر کے گھر کا راستہ تو نہیں تھا۔

اس سوال پر عنبرین نے ذوالفقار صاحب کو دیکھا۔ نظروں کے خاموش ڈائیلاگ کا تبادلہ ہوا اور عنبرین نے گلا کھنکھار کر بیک ویو مرر میں سے اسے دیکھا۔

''حیدر تھوڑا ٹھیک نہیں ہے۔''

اور اس کی سانس اوپر آئی نہ نیچے گئی۔ وہ سینے میں ہی کہیں پھنس گئی تھی۔ اسے کھانس کر سانس کو بحال کرنا

Downloaded From http://paksociety.com

پڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' سرسراتی آواز میں پوچھا گیا۔

''سب خیریت ہے ہنیا......! بس معمولی سے کچھ زخم ہیں۔'' اب کہ ذوالفقار صاحب نے اسے تسلی دی تھی۔

لیکن......اس کے لیے ساری تسلیوں کے مفہوم.. ناآشنا ہو چکے تھے......چھن کرکے وہ خواب......یک دم......بے ساختہ......بے اختیار آنکھوں کے آئینوں میں ابھر کر آیا تھا۔

دل ڈوب رہا تھا شاید......یا کہ ڈوبنے والا تھا......یا پھر ڈوب چکا تھا۔ ہمت کو جمع کیے بظاہر وہ پُرسکون لگتی تھی مگر......درحقیقت وہ مجسمہ تھی جس کے ہر ہر انچ میں دراڑ پڑ چکی تھی کہ جس کو ٹوٹنے کے لیے بس اِک آخری ضرب کی دیر ہو اور بس پھر اتنے ٹکڑے کہ شمار نہ ہو سکیں......تو وہ ایک ایسا......دراڑوں سے پُر مجسمہ بن چکی تھی۔

گاڑی سی ایم ایچ کی پارکنگ میں جا رکی تھی۔ وہ اسی حالت میں گاڑی سے باہر آئی تھی۔ استقبالیہ سے گزر کر مختلف بل کھاتے راستوں سے ہوتے ہوئے وہ جا رہے تھے۔ آگے، آگے ذوالفقار اور عنبرین......شانہ بشانہ چلتے ہوئے......پیچھے، پیچھے وہ چلتی مگر گھسٹتی ہوئی......کوئی نادیدہ قوت اسے کھینچ رہی تھی۔ کوئی نادیدہ طاقت اسے چلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ جہاں، جہاں اور جیسے، جیسے اس کے ماں، باپ چلتے ہوئے مڑتے جا رہے تھے وہ بھی وہاں، وہاں اور ویسے، ویسے ہی اک عالمِ بے خودی میں مڑتی جا رہی تھی۔

اس کے امی اور ابو یک دم ایک کمرے کے باہر جا رکے تھے۔ اس کے قدموں کی حرکت بھی اسی طرح سے رکی تھی۔ اب کے دونوں نے مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو اور پھر ذوالفقار صاحب.... آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئے تھے۔ عنبرین ان سے ایک قدم کے فاصلے پر تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی اندر کا منظر ایک لمحے کو آشکار ہوا اندر چند لوگ تھے۔ ایک بیڈ تھا......اس پر کوئی لیٹا تھا۔ اور کچھ آپس میں گڈمڈ ہوتی آوازیں تھیں۔ اور دروازہ پھر سے بند ہو گیا تھا۔ ہنیا نے بے اختیار پیشانی کو مسلا تھا......وہ اب کہ اسی خود فراموشی کی حالت میں......اپنے ماں، باپ کو قابو کرتے ہوئے اندر نہیں جا سکی تھی......کسی چیز نے اسے روک دیا تھا۔ پیروں کو باندھ دیا تھا۔

وہ گم صم سی حالت میں عین دروازے کے باہر کھڑی تھی......اِک ناسمجھی سی کیفیت کا شکار ہو کر کہ اب کیا کرے......؟

یک دم ایک بالکل ہی غیر متوقع بات ہوئی تھی۔ اندر سے ایک قہقہہ لگانے کی آواز آئی تھی۔ ہنیا نے بے حد......بے یقینی سے دروازے کے پار اس ابھرنے والی آواز کے چہرے کو دیکھنا چاہا......وہ قہقہہ اس ماحول......اس منظر میں بے حد ان فٹ تھا......وہ حیدر تھا......شک کی گنجائش ہی نہیں تھی، وہ اتنی بری حالت میں تھی اور اب سے نہیں تھی......پچھلے دس دنوں سے تھی اور اندر ......اندر کیا ہو رہا تھا۔ قہقہے لگائے جا رہے تھے......وہ بے حد بے یقینی سے دروازے کو دیکھ رہی تھی کہ......

''ہنیا......وہاں کیوں کھڑی ہو......کم آن......''

وہ منزہ تھی، دروازہ کھول کر جھانکتے ہوئے نرمی اور شفقت سے بول رہی تھی۔

ہنیا ٹس سے مس نہیں ہوئی......اختیار میں ہی نہیں تھا تو......

''آ جاؤ......'' اب کہ منزہ کمرے سے باہر آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی تھی۔

وہاں حیدر کی پوری فیملی تھی......

کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی اس کے اندر ایک آتش فشاں پھٹ چکا تھا اور لاوا بہہ پڑنے کو.... بے تاب تھا۔

اس کی رنگت بتدریج سرخ ہو رہی تھی۔ ضبط کرنے کی وجہ سے۔

وہ سامنے بیڈ پر تو نہیں دیکھ رہی تھی......ہاں البتہ

Downloaded From http://paksociety.com

بیڈ والے کی نظریں خود پر فوکس ہوتے ہوئے ضرور محسوس کررہی تھی۔ انکل، آنٹی سے ملتے ہوئے، ان کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے وہ ایک کونے میں سائڈ پہ ہوکر کھڑی ہوگئی تھی۔ یہ اس کے چھپنے کی ایک بھونڈی سی کوشش تھی۔

عادل مسلسل اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ سر جھکائے خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حیدر مسکرا رہا ہوگا۔

اور یہی چیز...... ٹھیک بالکل یہی چیز اسے رونے پر مجبور کررہی تھی...... وہاں یکسر مختلف ماحول تھا۔ کسی کو پروا ہی نہیں تھی اس کی...... اس کی تکلیف کی' انکل اور ابو باتیں کرتے ہوئے باہر چلے گئے تھے...... عادل اور منزہ پہلے ہی گھر واپس جانے کی تیاریوں میں تھے...... آنٹی اور امی...... صوفے پر ساتھ، ساتھ بیٹھی محوِ گفتگو تھیں۔ تھوڑی دیر بعد عادل اور منزہ بھی چلے گئے......

وہ خاموشی سے ایک سائڈ پر دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے سر جھکائے بیٹھی رہی...... یوں محسوس ہورہا تھا جیسے، جیسے کمرا افراد سے خالی ہورہا ہے ویسے، ویسے وہ کچھ اور نمایاں ہوتی جارہی تھی...... اور وہ کم از کم ابھی تو چھپ ہی جانا چاہتی تھی۔

آنٹی نے یک دم باتوں کے دوران ہنیا کو دیکھا...... انہیں اچنبھا ہوا...... پھر حیدر کو دیکھا...... ابرو کے اشارے سے پوچھا کہ ''اسے کیا ہوا؟''

اس نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے...... یوں جیسے کہتا ''ہو نہیں معلوم......''

''مسز ذوالفقار، آئیں ذرا باہر چلتے ہیں۔''

''ارے نہیں بس یہیں ٹھیک ہے۔'' عنبرین اس وقت بے حد معصوم سی محسوس ہوئیں۔

انہوں نے ذرا سا آگے جھک کر عنبرین کو کچھ کہا تھا۔ عنبرین نے مڑ کر حیران نظروں سے ہنیا کو دیکھا...... اور پھر حیدر کو......

حیدر نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سر جھکایا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی تھیں...... چلیں باہر چلتے ہیں۔'' وہ اپنا پرس سنبھال کر اٹھتے ہوئے جب بولیں تو ان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی...... کمرے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور وہ دونوں خواتین اب بھی باتیں کررہی تھیں۔

دروازہ بند ہونے کی آواز گونجی...... ان دونوں کی آوازیں اب بھی سنی جاسکتی تھیں...... کمرے کی فضا میں انہی آوازوں کا معدوم ہوتا شور پھیلا ہوا تھا۔ رفتہ، رفتہ آوازیں آہستہ سے آہستہ تر ہوتے ہوئے بالکل ہی ختم ہوگئی تھیں۔

اور وہاں اب ایک گھڑی کی ٹک، ٹک تھی...... سانسوں کا ردھم تھا۔ اور دو وجود......

حیدر نے اسے دیکھا...... وہ اب اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''ہنیا......'' اور جب وہ بولا تو آواز میں ایک مخصوص سی نرمی گھلتی گئی تھی......

رسپانس کے طور پر ہنیا نے ہونٹ بھینچے تھے۔ وہ یونہی کچھ دیر ہونٹ بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی...... گلے سے نیچے کچھ اتارتی رہی......

''حال نہیں پوچھوگی......'' نرمی پہلے سے بھی کچھ اور بڑھی۔

ہنیا کے گلے کو کوئی چیز کاٹنے لگی۔

ذرا سے وقفے کے بعد وہ اٹھی اور چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی تھی۔ اس کو نہ دیکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے۔ وہ اس کے برہنہ بازو کے مسل پر بندھی پٹی دیکھ سکتی تھی جہاں اب بھی کچھ تازہ خون رِسا ہوا تھا۔ وہ ایک بلاسٹ انجری تھی...... بنیادی طور پر وہ 0.5 انچز ڈایا میٹر کا 1.5 انچ گہرا زخم تھا۔ باقی خراشیں یا بے حد معمولی چوٹیں تھیں۔ ہنیا نے چاہا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس زخم کو دیکھ سکے...... مگر وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔

''کیا حالت بنائی ہوئی ہے یار......'' وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے افسوس سے بولا تھا۔

اب ہنیا نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا...... اور اس کے دل کو دھکا لگا تھا۔ وہ کتنا زرد اور کمزور

Downloaded From http://paksociety.com

لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں پھسل کر زخم تک گئی تھیں۔

"did it hurt you?" ٹکٹکی باندھے نم گالوں کے ساتھ پوچھا گیا۔ اس کی آواز ہموار نہیں تھی...... کانپی تھی۔

''نہیں......'' وہ مسکرایا۔

"it hurts" اس کی ٹھوڑی سے نیچے گر پڑنے کو بے تاب قطرے تلے انگلی کی پور کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ہنیا نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکی کو دبایا اور وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"oh you big cry baby" وہ اب سر کو جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا...... اسے بے حد برا محسوس ہوا۔ وہ رو رہی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

''شرم تو نہیں آتی۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں خفگی سے بولی۔

''نہیں آتی پھر......'' حیدر نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے ڈھٹائی سے کہا۔

ہنیا کا دل کچھ اور بھر آیا۔

''ایسا دوبارہ تو نہیں ہوگا؟'' سوں، سوں کر کے آنسو صاف کرتے ہوئے گیلی آنکھوں اور بھاری آواز کے ساتھ سوال کیا گیا۔

اور حیدر بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

کون کہہ سکتا تھا کہ ایسا دوبارہ نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی ہی ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہو...... کون کہہ سکتا ہے ......کون؟ یہ قسمت ہے، تقدیر ہے...... نصیب ہے ...... no guess...no prediction...no fluke... یہ قسمت ہے مکمل طور پر اندھی......

☆☆☆

ثنا کی شادی تھی...... یہ ایک برے دھچکے کے بعد اچھی خبر تھی۔

حیدر کے زخم مندمل ہو رہے تھے...... وہ تیزی سے رو بہ صحت تھا...... ہنیا ان دنوں ثنا کے ساتھ مصروف تھی لیکن پھر بھی حیدر کو دیکھنے آجایا کرتی تھی۔

حیدر کو اس دفعہ وہ معمول سے زیادہ خاموش لگی اور یہ اس حادثے کا اثر نہیں تھا...... یہ کچھ اور تھا...... وہ اس کچھ اور کو محسوس تو کر سکتا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ کیا تھا......؟

یہ اس کے سمجھنے کی کوشش سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں تھی۔

یہ ابھی آشکار ہونے والی چیز بھی نہیں تھی۔

یہ وہ چیز تھی جس نے ان دونوں کی زندگیوں کو °180 کے درجے پر رکھ کر بدل دینا تھا۔

اس دن ثنا کی مہندی تھی...... ایک ٹیبل کے گرد وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے مگر خاموش تھے...... ثنا نے حیدر کو بھی انوائٹ کیا تھا۔

وہ رخ موڑے سائیج پر ہونے والی رسموں کو دیکھ رہی تھی۔

حیدر کی نظریں بھی اُدھر ہی تھیں۔ اس نے ذرا سے توقف کے بعد گردن موڑ کر ہنیا کو دیکھا۔ وہ یقیناً ان رسموں کو دیکھ رہی تھی مگر سنجیدہ نظر آتی تھی۔ ذہن اور نظروں کا ربط نہیں تھا، میک اپ میں کی تہ کے نیچے سے بھی اس کی بدلی ہوئی رنگت اور آنکھوں کے حلقے محسوس کیے جاسکتے تھے۔ وہ ہلکے میک اپ میں تھی مگر فریش بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی اس کے برعکس حیدر زیادہ تر و تازہ دکھ رہا تھا۔

''ہنیا! واٹس رانگ یار؟'' حیدر نے مدھم مگر نرم آوز میں پوچھا تھا۔ اس نے چونکے بنا رخ موڑا اور پھر اسے دیکھا۔

''کچھ خاص نہیں، ایسے ہی......'' وہ بہانہ تھا یہ اس کے منہ پر صاف لکھا تھا۔

''میرے سامنے، میری بات کے جواب میں بہانوں اور جھوٹ کی ضرورت کب سے پڑ گئی تمہیں ہنیا؟'' شرمندہ کرتا ہوا لہجہ تھا۔

وہ تردید نہیں کر سکی تھی۔

''مسئلہ کیا ہے آخر؟'' وہ اب چڑ کر بولا۔

اس نے نظریں اٹھا کر حیدر کو دیکھا اور دیکھتی رہی...... پس منظر میں ڈھول کی تھاپ تھی...... ثنا کے کزنز اب ڈانس کر رہے تھے...... وہ سب دائرے میں گھومتے ہوئے رقص کر رہے تھے...... ان کی ہاؤ ہو

Downloaded From http://paksociety.com

سنی جاسکتی تھی۔

حیدر کو ہنیا کی نظریں کچھ اچھا پیغام نہیں دے رہی تھیں۔

''ہنیا......؟'' سوالیہ سا انداز......

''تم ایسا کیسے کرسکتے ہو؟ کیسے...... ؟ یہ ظلم ہے۔'' ڈھول کی تھاپ اور بلند ہوئی۔

''واٹ......واٹ؟'' وہ ناسمجھی سے حیرانی سے زور سے بولا۔

''وہاں بچے تھے، معصوم......عورتیں......وہ مسجد تھی حیدر......'' ڈھول بج رہا تھا اور وہ دکھ اور رنج سے پُر تھی۔ حیدر کو سانپ سونگھ گیا۔ اس نے سانس روک کر ہنیا کو دیکھا تھا۔

''کیا تم مسلمان ہو؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ بخدا وہ الفاظ نہیں تھے زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے۔ حرف نہیں تھے......کرچیاں تھیں...... برچھیاں تھیں۔ حیدر کی رنگت یک دم بدلی تھی۔ وہ غیر متوقع طور پر ایک دھچکے کا شکار ہوا تھا۔

چہرہ مارے ضبط کے سرخ اور جبڑے بھنچے ہوئے...... اس کے چہرے پر سختی اتنی شدت کے ساتھ موجود تھی۔ وہ اپنی beloved کے منہ سے کم از کم یہ سننے تو نہیں آیا تھا......؟ اور آج تو ہرگز نہیں......

تکلیف کتنی تھی؟ کاش کہ ناپی جاسکتی....

کیسی تھی تکلیف......؟ کاش کہ بیان کی جا سکتی...... اس نے ایک تیز نظر سے ہنیا کو دیکھا۔

نم آنکھوں کے ساتھ رخ بدلے وہ ہونٹوں کو سختی سے دبائے ہوئے تھی۔ اور پس منظر میں ڈھول کی تھاپ بلند سے بلند ہوتی جارہی تھی۔ لڑکے اور لڑکیوں کی پُر مسرت آوازیں گونج رہی تھیں...... رقص جاری تھا۔ حیدر نے اچانک اپنی سیٹ چھوڑ دی تھی۔ زور سے کرسی کو پیچھے کرتے ہوئے وہ لمبے، لمبے قدموں کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اور ہنیا......

وہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے جاتا دیکھتی رہی......

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ مارچ 2017ء کی جھلکیاں

شاعر اطاق
اس باکمال شاعر کا زندگی نامہ جس نے دلِ اطفال میں جگہ بنائی تھی

مردِ آہن
اس نے بساط سے باہر سیاست کا کمال دکھایا

وہ ایک تارا
ایک معروف صحافی کی سرگزشت جو بلاوجہ قتل ہوئی

سچا لیڈر
اپنے ملک کو اوجِ ترقی پر پہنچانے والے کا تذکرہ

بے چارہ
اس نے فلمی دنیا میں کمال کر دکھایا تھا مگر افسوس

طرنم کی چال
ہمارے معاشرے میں کیسے کیسے منفی ذہن کے لوگ رہ رہے ہیں

الس ایم ظفر

بھی بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے، تاریخی واقعات

Downloaded From http://paksociety.com

اور ڈھول بجتا رہا، رقص ہوتا رہا، پرمسرت آوازیں بلند ہوتی رہیں کون جانتا تھا کہ یہ آج ہونا تھا اور اسی موقع پر ہونا تھا۔

☆☆☆

وہ بہت غصے کی حالت میں وہاں سے اٹھ کر آیا تھا۔ پارکنگ میں آتے ہی اس نے ایک بھرپور ٹھوکر گاڑی کے ٹائر پر لگائی تھی۔

”ڈیم اِٹ!“ زہرخند سا لہجہ تھا۔ لاک کھولتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور......

اور بس...... اس نے آنکھیں میچ کر اندر اٹھتی غم و غصے کی لہروں پر قابو پانا چاہا...... بازو پر مندمل ہوتا زخم...... جیسے پھر سے ہرا ہو گیا تھا۔ دہک اٹھا تھا...... جلنے لگا تھا۔ تکلیف نئے سرے سے اٹھی...... درد آج ہی تو ہوا تھا...... اور یہ سب شاید میڈیا کا کمال تھا......

عوام کا ایک بڑا حصہ اس آپریشن کے بعد فوج کا مخالف بننے لگا تھا۔ ان کی نظر میں فوجی گندے تھے، (brutal) ظالم تھے۔ وہ بالکل وضاحت نہیں دینا چاہتا تھا اس کا یہ اسٹائل نہیں تھا...... مگر کچھ باتیں، کچھ لوگوں کے سامنے کلیئر کرنا بے حد ضروری ہو جایا کرتا ہے۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور بہت ریش انداز میں بیک کرتے ہوئے پارکنگ سے نکالی...... اس کے ہاتھ تیزی سے اسٹیئرنگ کو گھما رہے تھے اور گاڑی کے پہیوں کی موومنٹ سے خاک بے طرح سے اڑتی تھی۔ اور پھر وہ زن سے گاڑی اڑا لے گیا تھا پیچھے غبار تھا اور بے تحاشا گرد......

☆☆☆

یہ اچانک نہیں ہوا تھا۔ یہ بات تو ہونی ہی تھی...... مگر بڑے ہی غلط موقع پر وقوع پزیر ہوئی تھی۔ وہ دونوں خاندان اب ان دونوں کی شادی کر دینا چاہتے تھے...... ڈیٹ فکس ہونے کی باتیں ہونے لگیں...... شاپنگ، ویڈنگ پلانز، کلر تھیم...... یہ سب ڈسکس ہونے لگا...... کب کرنا ہے، کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے سب کچھ طے ہونا شروع ہو چکا تھا۔ لیکن

سوال یہ کہ اس سب میں غلط کیا تھا...... ہاں کچھ غلط تھا اور یہ تھا کہ حیدر یہ سب ابھی نہیں چاہتا تھا اگر ہنیا نے اس روز وہ بات اس کے منہ پر نہ کہی ہوتی تو یقیناً حالات مختلف ہوتے مگر اب......

حیدر کو لگتا تھا کہ ہنیا کو خود کچھ اور ٹائم لینا چاہیے اسے یہ سوچ لینا چاہیے تھا کہ واقعی کیا واقعی وہ ایک ملٹری مین سے شادی کرنا چاہتی ہے؟ اور اگر کرنا چاہتی ہی ہے تو کیا اسے فوجیوں کے ساتھ جڑے pros and cons (فوجی قاعدے طریقے) بھی قبول تھے یا کہ نہیں......

آخر وہ چاہتی کیا تھی؟ یہ اب واضح ہو جانا چاہیے تھا...... ساری ٹین ایج فوجیوں پر مرتے ہوئے گزاری تھی اور اب...... اب جبکہ قسمت سے واقعی ہی اسے ایک ملٹری مین مل گیا تو...... تو اسے یاد آ گیا کہ یہ فوجی لوگ کس قدر غلط کرتے ہیں...... کتنے بروٹل ہیں، یہ مسلمان بھی ہیں کہ نہیں...... وغیرہ، وغیرہ...... اس دن سے حیدر جس تکلیف میں تھا...... کاش کہ وہ تکلیف ایک اور زخم کی صورت میں جسم پر نمودار ہوتی تو یہ دکھ نہ ہوتا، اس کے بازو کے زخم کی پٹی روز بدلی جاتی تھی...... مرہم لگایا جاتا...... دوا دی جاتی تھی...... زخم مندمل ہو رہا تھا۔

کاش کہ دل کے زخموں کو بھی ایسے ہی ٹریٹ کیا جا سکتا کوئی اِک دوا تو ہوتی...... اور سب ٹھیک...... بات اسے چھوڑنے یا رشتہ ختم کرنے کی نہیں تھی...... وہ جانتا تھا...... یہ مشکل تھا...... کم از کم اب تو بالکل ہی ناممکن سا تھا۔ بات محض اتنی تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ ہنیا خود سے فیصلہ کرے اور سمجھے...... ٹائم لے...... وہ اپنے اور اس کے درمیان موجود رشتے کو...... تعلق کو...... تھوڑا اور وقت دینا چاہتا تھا...... اتنا کہ ہنیا ”سمجھدار“ ہو جائے۔ ایک ہوتی ہے محبت...... اور ایک ہوتے ہیں اس کے تقاضے......

محبت آسان ہے، اس کے تقاضوں کو نبھانا مشکل، ہنیا کو حیدر سے محبت تھی...... یہ نہیں تھا کہ نہیں تھی...... مگر اس محبت کے تقاضے، جان لیوا تھے...... ہاں یقیناً یہ جان لیوا تھے۔

(باقی آئندہ)

www.paksociety.com

Downloaded From paksociety.com

دیر ہو جاتی ہے

اسما صدیقہ

"امی، امی آنکھیں کھولیں، دیکھیے آپ کو کیا ہو رہا ہے، اٹھیے ناں...... امی جی......" اس کی سہمی، سہمی لرزتی آواز میں ہچکیوں کے درمیان درخواست تھی۔ چھ سالہ معصوم واصف کی فریاد تھی جس کی ہر تڑپ بھی

خدا سے التجا کرتے ہوئے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ کبھی ماں کے مرجھائے بیمار چہرے پر جا کر اٹک، اٹک جاتی۔ واقعی زندگی میں یہ کیسا وقت ہوتا ہے آس و نراس کے سنگم پر ڈولنا کتنا کٹھن ہوتا ہے، وہ بھی ایک ننھے سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

معصوم بچے کا......

بہر حال یہ تو حقیقت تھی کہ اس کی ماں پچھلے کئی ماہ سے بہت بیمار تھی، اس کی سماعتوں سے ڈاکٹرز کے وہ جملے دہشت ناک انداز سے ٹکرا چکے تھے کہ

”خون بہت بہہ چکا ہے۔ اس میں اب کیا رکھا ہے فوراً جا کر خون کا بندوبست کرو، اس کو تو غذا کی بھی کمی ہے، ایک تو تم لوگ مریض کو لانے میں اتنی دیر کر دیتے ہو۔“ یہ جاگیردارانہ قسم کے تبصرے بھی بڑے سفاکی سے کیے جا رہے تھے۔ چھ سالہ واصف کے لیے یہ باتیں سمجھنا بہت نہیں تو کچھ مشکل ضرور تھا۔ مگر اس پر آئے برے وقت نے ننھے سے ذہن کو بہت بڑا کر دیا تھا، یا ہر نیچ پر اس کی نانی سورۂ یٰسین پڑھنے میں مصروف تھیں یقیناً وہ اللہ سے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔

اس کے والد اس سرکاری اسپتال میں نرسوں، وارڈ بوائے اور جونیئرز کی منتیں کرتے پھر رہے تھے کہ کسی طرح خون کا انتظام ہو جائے، گروپ کا ٹیسٹ تو ہو چکا تھا ڈونرز بھی مل گئے تھے ابھی واصف کے باپ احمد علی کو بلڈ بینک کی طرف بھی دوڑنا تھا۔

ان سارے انتظامات کے دوران اس کے منہ پر ایک ہی جملہ تھا۔ ”وہ میرے معصوم بچے کی ماں ہے اس کو بچالو کسی بھی طرح بچالو خدا کے واسطے بچالو۔“

زرینہ اس کے بچے کی ماں تھی اور یہی وہ جملہ تھا جو واصف کی ماں کی قیمت تھا کم از کم اسے قیمتی تو بناتا تھا یہی جملہ کسی عورت کی گری ہوئی ساکھ کو مضبوط سہارا دیتا ہے۔ ورنہ عورت! وہ بھی غریب کی عورت کیا چیز ہے آخر......؟ کیا چیز......؟ یہ احساس اس کو دوپہر سے ہوا تھا کافی دیر سے، اس نے شاید اسی بات یا پھر...... ہمارے لوگوں میں عورتیں مُر مر کے ہی جیتی ہیں، سوچ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

مگر واصف کو اس معاشرے کی سفاکی کا کیا اندازہ...... وہ تو صرف چھ سال کا تھا۔ ابھی تو اسے محض اتنا ہی پتا تھا کہ بس اس کا سب کچھ اس کی ماں ہے، ماں نہیں تو کچھ نہیں ہے دنیا خالی جگہ ہے بالکل خالی......

وہ خوف و دہشت اور غم کی ملی جلی کیفیت میں رو رہا تھا۔

”جاؤ بچے تم اپنی نانی کے پاس جاؤ۔ وہ تم کو کب سے بلا رہی ہیں۔“ وہ اس کو تھام کر اس کی نانی کے پاس لے گئی، جہاں اس کی نانی اس کو بھینچ کر اس کے آنسو پونچھتی رہی اور ان کے اپنے آنسو لڑیوں کی طرح گرتے رہے انہیں کون پونچھتا۔

”زری میری بچی! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، تمہارے ساتھ بہت برا ہوا ہے میری بچی......“ وہ سسک رہی تھیں۔

”مولا مجھے آنے میں دیر ہو گئی، مجھے معاف کر دے اور اپنے حبیبﷺ کے صدقے اس کے معصوم بچے کی خاطر اس کو بچالے، ابھی تو وہ بہت کم عمر ہے۔“ وہ اتنی بھی تاخیر سے نہیں آئی تھیں مگر نادم تھیں مگر تاخیر تو ہو ہی گئی تھی۔

اِدھر گائنی وارڈز کی تمام ڈاکٹرز ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے وی آئی پی روم میں جمع تھیں شاید کوئی اہم بات تھی مگر ایک ماں کی زندگی بچانے سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟

”دیکھو کل سیمینار میں ٹھیک ٹھاک انتظام ہونا چاہیے میرے تھیسس کے ساتھ تم لوگوں کو بھی اپنی رائے دینا ہوگی۔ مگر صرف 2+2 منٹ ٹاپک تو تم لوگوں کو پتا ہے ناں قبل از وقت بچے کی پیدائش سے نوجوان ماؤں کی شرح اموات......“

”میڈم...... باہر شور بہت ہو رہا ہے کوئی سیریس کیس ہے شاید......“ یہ ہاؤس جاب کرنے والی ڈاکٹر بے تابی سے کہہ رہی تھی۔

”ارے یہ لوگ روز ہی ایسے دماغ کھاتے ہیں جاہل گنوار......“ دوسری سینئر نے بات کو دبانا چاہا۔

”بھئی دراصل یہ ان پڑھ لوگ بہت دیر کر دیتے ہیں مریض کو یہاں لانے میں۔ ایک تو صفائی اور

Downloaded From http://paksociety.com

خوراک کا انتظام بھی نہیں کرتے اوپر سے ان کی .... بے پروائیاں......'' ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر تنزیلہ حقارت سے ناک سکوڑتے ہوئے بولیں۔

''لیکن میڈم...... مہنگائی بھی تو دیکھیں کہاں جارہی ہے، جب ہم اتنے پریشان ہیں تو یہ بیچارے تو......'' ایک جونیئر ڈاکٹر میڈم کو گھورتے دیکھ کر صفائی دیتے، دیتے جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

''تم لوگ اب ہمدردی دکھا کر ان کو سر نہ چڑھاؤ سمجھیں، ابھی نئی، نئی ہو ایسے بہت سے روز آتے ہیں اپنی بے پروائیاں ہمارے سر ڈالنے کے لیے۔'' ایک سینئر ڈاکٹر نے ڈانٹ پلا کر میڈم کی خوشامد ظاہر کی۔

''ارے میں کہتی ہوں اس غربت میں ایک بچہ ہی کافی ہے ان کے لیے مگر ہمارے لوگوں کو بھی تو شوق ہے غول کے غول پیدا کرنے کا۔'' ڈاکٹر تنزیلہ شاید سیمینار کے ٹاپک کے لیے دلائل دے رہی تھیں۔

''مگر میڈم اس کیس میں تو پہلے بچے کے بعد وقفہ اچھا خاصا لمبا رکھا گیا ہے، یہیں سے تو اس کا علاج ہوا تھا یہ شاید un wanted چائلڈ ہے مگر جو خدا کو منظور ہو۔'' ایک سینئر ڈاکٹر کو کیس بگڑنے کا خدشہ تھا' وہ اس کو بچانا چاہ رہی تھی۔

''ارے نہیں بس یہ میٹنگ ختم ہولے، میڈم خود ہینڈل کریں گی، موت کے منہ میں جاتی عورت اور بچہ دونوں زندگی کی طرف آنے لگیں گے...... بس تھوڑی دیر میں چلتے ہیں۔'' دوسری سینئر ڈاکٹر نے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے والا فارمولا اپلائی کرنے کی کوشش کی۔

''ارے یہ جن لوگوں کو الیکٹ کرتے ہیں، رات دن ان کے لیے کام کرتے ہیں، ان کو پکڑیں ناں ساری ذمے داری ہماری تو نہیں۔'' ڈاکٹر تنزیلہ رعونت سے بولیں۔

کتنی سستی ہوتی ہے غریب عورت کی زندگی، زندگی جس کا کوئی مول نہیں، وہ بھی ایک چھوٹے بچے کی ماں کی زندگی......

زندگی دینے والا خدا کسی کی بھی زندگی کو چاہے امیر ہو یا غریب لمحوں میں موت میں بدل سکتا ہے پتا سب کو ہے مگر محسوس کون کرے...... پھر ڈاکٹر تنزیلہ شام کے وقت ایک پرائیویٹ اسپتال چلا رہی تھیں جو ایک پوش علاقے میں واقع تھا.... چیف گیسٹ سے ان کو گرانٹ ملنے کی گہری توقع تھی۔ وہ دل ہی دل میں کامیابی کے منصوبے بنا رہی تھیں کسی کی زندگی سے کھیل کر مگر یہ بھی تو غریبوں کے لیے ہی تھا ناں......

شور مزید بڑھتا گیا۔

''دروازہ کھولو، دروازہ کھولو۔'' خون تو کسی نہ کسی طرح فراہم ہو ہی گیا تھا مگر کوئی ڈاکٹر تو آتا' نرسیں آخر کہاں تک؟ کب تک کیا کیا سنبھالیں گی یہی کہنا تھا احمد علی کا اس کا احساس پوری آب و تاب کے ساتھ جاگ گیا تھا۔

''اے یہ کمرا کب کھلے گا، کب تک یہ میٹنگ چلے گی جب باہر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

مگر واقعی دیر کی جا چکی تھی، ہوئی نہیں تھی لوگ اس کو پکڑ کر دلاسا دے رہے تھے کچھ پانی پلا رہے تھے۔ کچھ جوشیلے گالیوں پر اتر آئے تھے، عجب افراتفری مچی تھی۔

''ارے یہ لوگ اپنی عورتوں کو وقت پہ اسپتال لے جایا کریں تو ایسے حادثے کیوں ہوں؟'' ایک تبصرہ اسٹاف کی طرف سے آیا تھا۔

''مگر یہ ظلم تو ڈاکٹرز کی طرف سے ہے' یہ لوگ کھیل رہے ہیں جانوں سے...... ان کو سزا ملنی چاہیے۔'' بھیڑ میں سے کسی نے آواز لگائی۔ سب اپنی، اپنی بولیاں بول رہے تھے مگر اب کیا...... دیر تو ہو چکی تھی۔

بس تھوڑی ''دیر'' ہو گئی تھی پتا نہیں کیوں دیر ہو جاتی ہے کسی کی دنیا لٹ جاتی ہے مگر اکثر یہ دیر ہو جاتی ہے۔

◆◆

Downloaded From http://paksociety.com

......یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان بہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 8

''کم آن بیٹا...... پرنس آرٹسٹ بندہ ہے......اور آرٹسٹ پبلک پراپرٹی ہوتا ہے۔''

''انکل پرنس پبلک پراپرٹی ضرور ہیں مگر ان کا گھر تو اُن کی پراپرٹی ہے اور کسی کے گھر میں بغیر اجازت نہیں جانا چاہیے......'' حماد حسین نے ہلکے پھلکے انداز میں مذاق کیا اور لطافت سے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس پر سفینہ لاجواب ہونے کے بجائے برجستہ بولی تھی۔

"oh my sweet daughter,I am proud of you"

حماد حسین، سفینہ کی برجستگی سے متاثر بھی ہوئے اور لطف اندوز بھی......

''تھینک یو انکل......!'' سفینہ نے خوش ہو کر شکریہ ادا کیا اور اندر سے لاشعوری طور پر تمنا کی کہ کاش انکل کسی مضبوط دلیل سے اسے قائل کر لیں اور وہ بڑے اعتماد سے ڈنر میں شرکت کرے......اسے فون بند کرنے کی ذرا سی بھی جلدی نہیں تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

''بھئی اب تو تمہیں ہمارے ساتھ ہی جانا پڑے گا...... تم اتنی اچھی گفتگو کر سکتی ہو کہ پرنس کے گھر میں خوب رونق لگے گی......''

''نہیں انکل......'' سفینہ نے مایوسی سے پھر انکار کر دیا...... حماد حسین نے دلیل دینے کے بجائے صرف اس کی تعریف کی تھی...... اور وہ خود کو ڈیکوریشن پیس ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''بیٹا...... پرنس میرا بزنس پارٹنر ہے، ہم اکثر بزنس ڈنرز میں ملتے ہیں، یہ ہماری روٹین کا حصہ ہے کوئی تکلف والی بات نہیں...... ماہین تمہارے بغیر وہ خوب صورت ماحول انجوائے نہیں کر سکے گی...... وہاں تم ایک بہت شاندار گریس فل دادی سے بھی ملو گی...... فل فینٹیسی...تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کیا خاتون ہیں وہ...... پوری یونیورسٹی، ایک تاریخی کتاب، دنیا کے تیئس ممالک میں اکیلی تنہا گھومی پھری ہیں۔ ان کے پاسپورٹ بھی دیکھنا...... کسی کی wedding البم سے زیادہ دلچسپ لگیں گے تمہیں...... ہر پاسپورٹ میں لگی تصویر کا نیا اسٹائل......''

''دادی......!'' حماد حسین بہت مزے لے لے کر بولتے جا رہے تھے اور سفینہ ایک دریائے حیرت میں غوطہ زن تھی۔

''تم دونوں فرینڈز پرنس کی دادی سے فرینڈ شپ بناؤ...... تمہارا آئی کیو لیول کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ گارنٹی سے کہہ رہا ہوں...... تم آج تک پرنس کی دادی جیسی خاتون سے نہیں ملی ہو گی۔'' حماد حسین نے تو ایک آتشِ شوق بھڑکا دی تھی...... سب تکلفات بھول بھلا کر وہ تو بس دادی کو تصور میں لانے کی کوشش کر رہی تھی...... کہ کیسی ہوں گی وہ خاتون جو انکل اتنے پُرجوش انداز میں تصویر کشی کر رہے ہیں۔

''ٹھیک ہے انکل اب ایک دفعہ تو جانا بنتا ہے......'' سفینہ ایک نوجوان لڑکی ہی تو تھی، تہذیب و آداب، تربیت خون میں تھے...... مگر بہت سے رویے تجربات بناتے ہیں۔

بڑی سادگی سے ہامی بھر لی...... یہ بھی خیال نہ رہا کہ ابھی ماں سے اجازت لینے کا مرحلہ تو باقی ہے۔

''گڈ، تم ٹھیک آٹھ بجے تیار رہنا ہم تمہیں پک کر لیں گے......'' حماد حسین بیٹی کی فرمائش کی تکمیل پر ہلکے سے ہو گئے۔

درحقیقت ماہین کے حوالے سے سفینہ انہیں بہت عزیز ہو چکی تھی...... وہ اس دوستی سے بہت مطمئن اور خوش تھے۔ ان کے حساب سے ایک بہت ذہین، مہذب، سمجھدار لڑکی ان کی بیٹی کی بہترین دوست تھی۔ ایک صحت مند رفاقت اسے میسر تھی۔

حماد حسین کی طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا مگر وہ ابھی تک ان کے الفاظ کی بازگشت کے حصار میں تھی۔

''پرنس کیا کم ہے...... جو اب دادی بھی...... کمال لوگ ہیں...... یار...... کون لوگ ہیں...... چاند سے اترے ہیں؟ مریخ سے آئے ہیں؟ آسمان کے ستارے تھے جو ٹوٹ کر گرے ہیں...... اور ہاں...... ایک اُڑن طشتری بھی تو ہوتی ہے، کہیں کسی......'' وہ تاجور کی جستجو میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے ہی خیالات پر مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

پرنس ظہر کی نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آیا تو لاشعوری طور پر اس کی نگاہ ثوبان کے گھر کی سمت اٹھ گئی...... وہ بچہ ایک پل کے لیے بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی مدھم مدھم سسکیاں ہمہ وقت کانوں میں نیزے کی انی بن کر اترتی رہتی تھیں۔ ایک لاحاصل اور مضحکہ خیز تجسس لاحق رہنے لگا تھا۔

وہ اس معصوم اداسی کو اوڑھے پہنے چند قدم آگے بڑھا تو دیکھا ایک کار ثوبان کے گھر کے گیٹ کے باہر آکر رکی اور زور، زور سے ہارن دینے لگی۔ پرنس کے بڑھتے قدم رک گئے، کار کی بیک سیٹ پر اسے ثوبان کھڑکی سے جھانکتا نظر آ گیا۔ کار ڈرائیور چلا رہا تھا۔ اسی اثنا میں گیٹ کھلا اور کار اندر چلی گئی۔ پرنس نے قدم آگے بڑھا دیے...... مگر چار قدم چل کر رک گیا۔

Downloaded From http://paksociety.com

پھر بے اختیاری کیفیت میں اس نے سمت تبدیل کرلی..... اب اس کا رخ ثوبان کے گھر کی طرف تھا۔

اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ بس ثوبان پر نظر پڑتے ہی دل کو کچھ ہوا تھا۔

گیٹ پر پہنچ کر اس نے انٹر کام کا بٹن دبایا اور اندر سُریلی سی گھنٹی گونجتی محسوس ہوئی۔

''کون.....؟'' انٹر کام پر ایک مردانہ آواز ابھری جو کسی نوکر کی محسوس ہوتی تھی۔

''جی..... ثوبان کا دوست.....''

کون کے جواب میں یہی برجستہ الفاظ اس کے منہ سے نکل سکتے تھے۔

ایک منٹ کے توقف سے گیٹ کا ذیلی دروازہ وا ہوا اور نوکر نے سر باہر نکال کر جھانکا۔

پرنس کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں مقدور بھر حیرانی ظاہر ہوئی۔

''چھ فٹ سے اونچا ثوبان کا دوست.....!''

''جی آپ.....؟'' نوکر جو حلیے سے بنگالی خانساماں ظاہر ہوتا تھا بڑی شائستگی سے سوال کر رہا تھا۔

''میرا نام پرنس شہپر علی خان ہے..... اس گھر میں ایک پیارا سا بچہ ہوتا ہے، اس کا نام ثوبان ہے، میری اس کی ملاقات مسجد میں ہوئی تھی۔'' پرنس کی سمجھ میں جو آیا بولتا چلا گیا.....

Downloaded From http://paksociety.com

’’لیکن صاحب آپ تو چھوٹے صاحب کو دوست بول رہے ہیں۔ وہ تو بچہ ہے اور آپ......؟‘‘ بنگالی لہجے میں بولتا ہوا... نوکر مشکوک نظروں سے پرنس کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

’’دوستی کے لیے عمر کی پابندی ہے؟‘‘ وہ بولا۔

’’آپ پریشان نہ ہوں...... میں اس سے تھوڑی سی ہیلو ہائے کر کے چلا جاؤں گا۔‘‘ پرنس نے نوکر کے تفکرات کو معنی پہنا کر اس کی تسلی کرنے کی کوشش کی۔

’’لیکن صاحب......‘‘

’’عبدالحنان کون ہے؟ کس سے باتیں کر رہے ہو؟‘‘ ایک کھنکتی سُروں میں ڈھلی نسوانی آواز پرنس کی سماعت سے ٹکرائی۔

’’بیگم صاحبہ......ایک صاحب......چھوٹے صاحب سے ملنے آئے ہیں......‘‘ نوکر نے پلٹ کر جواب دیا۔

’’ثوبان سے......؟‘‘ آواز میں تحیر تھا۔

اس سے پیشتر کہ نوکر مزید کچھ وضاحت کرتا......ایک ہوش رُبا خوشبو کا جھونکا گیٹ سے باہر آ کر پرنس سے لپٹ گیا......اور فوراً ہی ایک تناسب میں ڈھلا وجود نظر کے سامنے تھا۔

یورپین لڑکی کا سا ہیئر اسٹائل......بلیک اور گولڈن دائروں کے ڈیزائن کی کُرتی ہ سگریٹ پینٹ، گلے میں جھولتے گاگلز، لپ گلوز سے چمکتے ہونٹ، میک اپ کی ہلکی ہلکی چمکدار گلابیاں......مسکرا رہے نمایاں پلکیں......اور سب سے بڑھ کر توبہ شکن، آزمائشِ ایمان، قیامت خیز پرفیوم کی مہک......وہ حیرت کی انتہا پر پرنس کا جائزہ لے رہی تھی۔

سفید کرتے پاجامے میں ملبوس ٹوپی ہاتھ میں لیے ایک جوان مرد جس کی مردانہ وجاہت کسی صورت نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھی۔ جو خود کو ثوبان کا دوست کہہ رہا تھا......سرو قد اس کے سامنے کھڑا تھا۔

’’بیگم صاحبہ چھوٹے صاحب پتا نہیں کب مسجد گئے تھے، یہ صاحب بولتے ہیں چھوٹے صاحب مسجد میں ملے تھے۔‘‘

’’اوہ مائی گاڈ......!‘‘ لڑکی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ ’’آئی ایم سو سوری... میں آپ کو نہیں جانتی، میں ایک (اجنبی) stranger کو کیسے allowed کر سکتی ہوں کہ وہ میرے بیٹے سے فرینڈ شپ بنائے۔‘‘ لڑکی نے پرنس کے جادو سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بڑے بے مہر اور سرد انداز میں جواب دیا۔

’’بیٹا......؟‘‘ اب پرنس نے لاشعوری طور پر سامنے کھڑی لڑکی پر نظر ڈالی جیسے اس کی عمر کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہو......سات آٹھ سال کی عمر کے بچے کی ماں کی عمر اندازاً تیس کے لگ بھگ تو ہو سکتی ہے جبکہ سامنے کھڑی ثوبان کی ماں چوبیس، پچیس سال سے زیادہ کی لگ ہی نہیں رہی تھی۔

’’میں stranger تو ہرگز بھی نہیں ہوں، آپ کا پڑوسی ہوں...... یہ اور بات کہ ہم لوگ جس سرکل میں موو کرتے ہیں اس میں تو ایک پڑوسی کو اپنے برابر والے گھر کے بارے میں بھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔‘‘ پرنس کی مردانہ... بھرپور نپی تلی آواز میں اتنی کشش تھی کہ کسی پردہ دار عورت کا دل بھی اتھل پتھل کر سکتی تھی یہاں تو براہِ راست مکالمہ تھا۔

’’آپ کہاں رہتے ہیں؟‘‘ لڑکی نے اب قدرے مہربان لہجے میں سوال کیا۔

’’C-38......‘‘ پرنس نے بتاتے ہوئے اپنے گھر کی سمت کی طرف انگلی سے اشارہ بھی کر دیا۔

’’اوہ......‘‘ C-38 تو C-51 سے زیادہ دور نہیں تھا۔ لڑکی کے منہ سے اوہ نکلنے کا مطلب تھا کہ وہ قدرے مطمئن ہو گئی ہے مگر اس نے فوراً ہی اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نگاہ کی۔

’’ایکچوئیلی، میں ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں۔ ثوبان بھی ابھی اسکول سے آیا ہے، آپ شام چھ بجے آ جائیں۔ ثوبان کا پلے ٹائم ہوتا ہے، اس وقت آپ اس سے مل سکتے ہیں۔‘‘ لڑکی نے ملنے سے انکار نہیں کیا مگر

Downloaded From http://paksociety.com

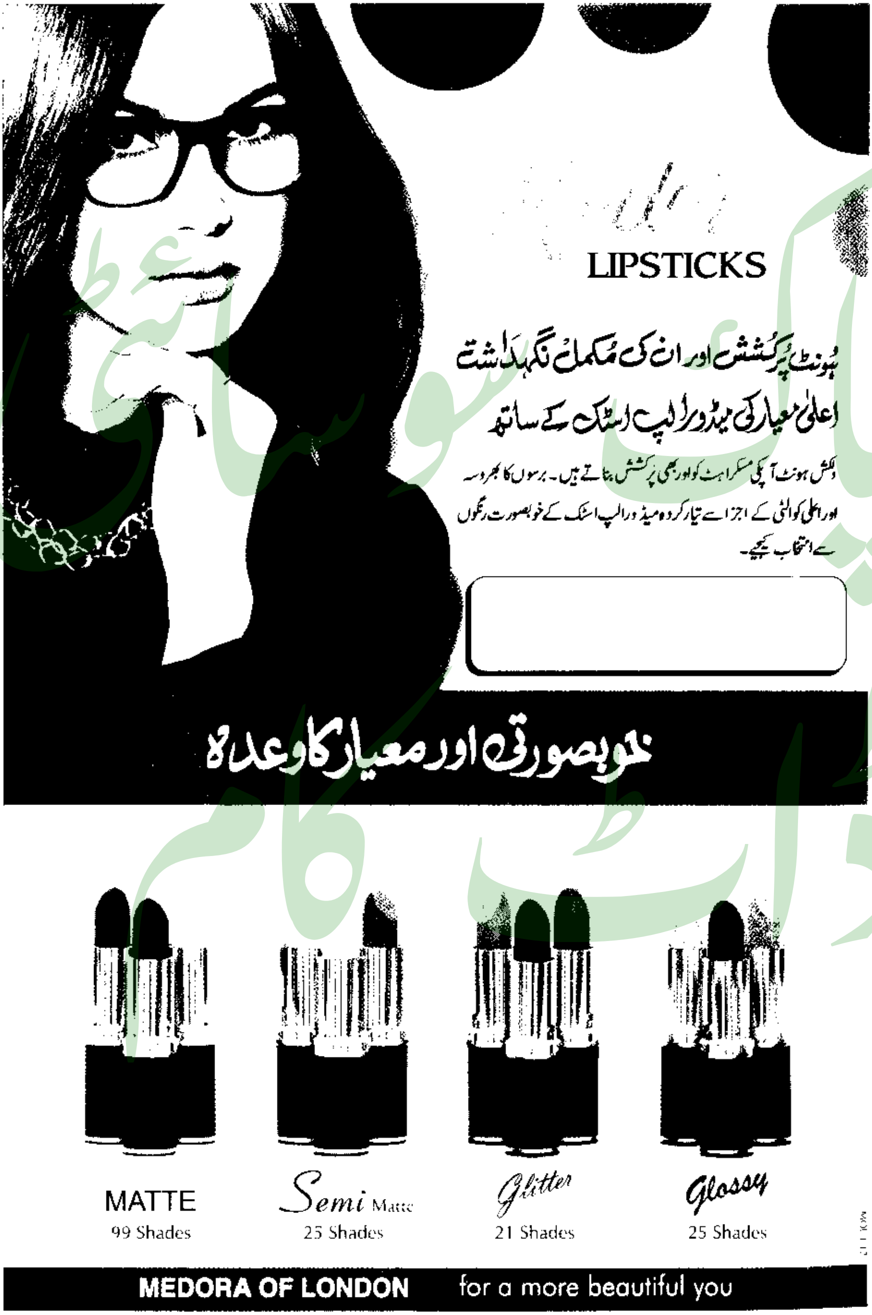

Downloaded From http://paksociety.com

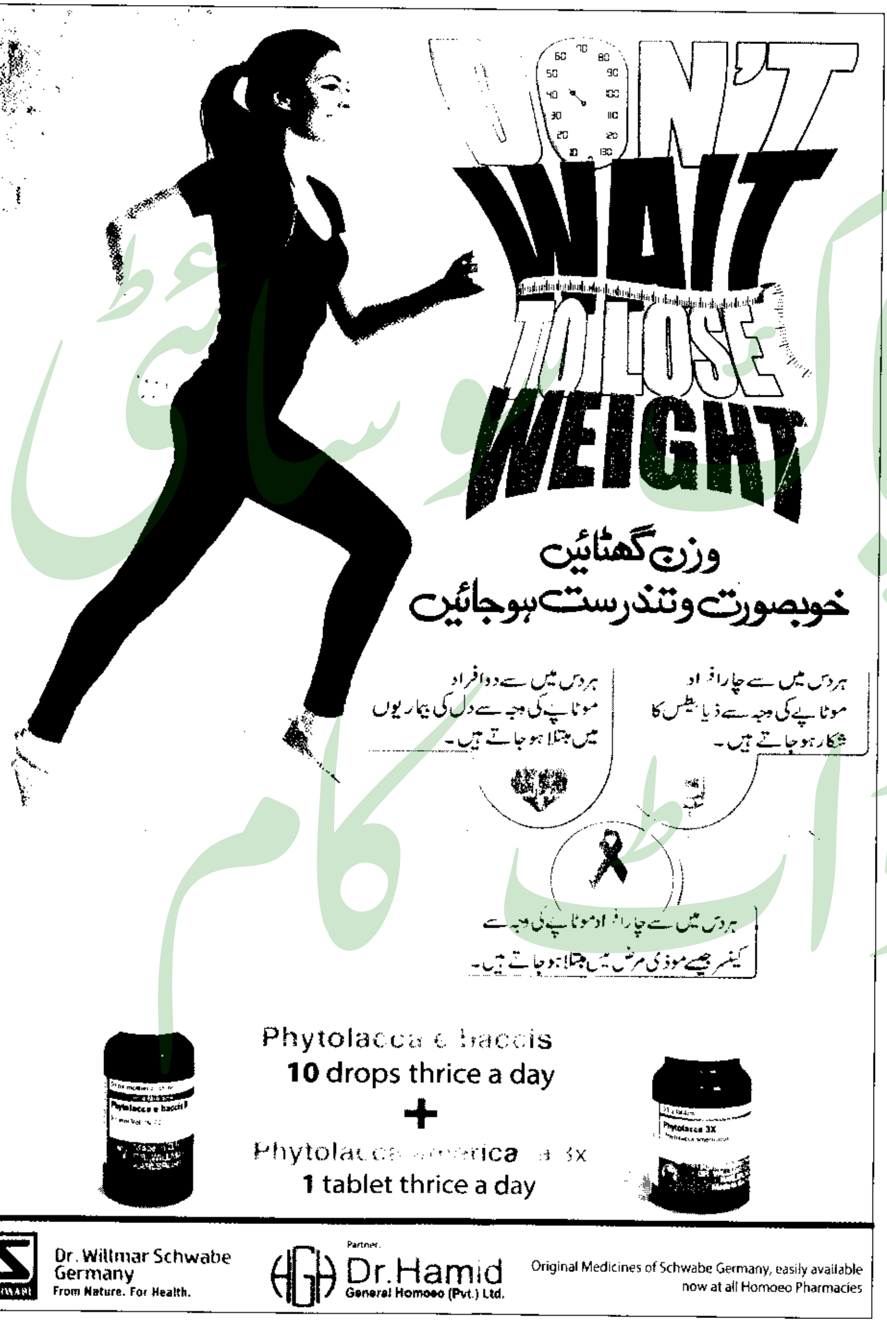

Downloaded From http://paksociety.com

انداز میں بہت تردد تھا...... جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اسے اخلاقیات نبھانا پڑ رہی ہوں......

''تھینک یو......'' پرنس جانے کے لیے پلٹا مگر لڑکی کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیے۔

''سنیے......'' پرنس نے پلٹ کر دیکھا مگر فوراً ہی نظر جھکالی...... ایک شادی شدہ لڑکی کو دیکھتے ہوئے نظر کو دیکھنے کے ... آداب کی آگہی ہر باوقار مرد کو ہوتی ہے۔

''میں کنفیوزڈ ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''معاف کیجیے گا مجھے یہ فرینڈ شپ کچھ سمجھ نہیں آرہی...... مگر میں ایک بار ضرور allowed کروں گی۔ کیونکہ آپ پڑوسی ہیں اور چل کر آئے ہیں۔''

لڑکی کا انداز ہنوز مہذبانہ تھا مگر اب صاف گوئی کا پتھریلا پن بھی نمایاں تھا۔ خانساماں تو بیگم صاحبہ کو بات کرتا پا کر وہاں سے جاچکا تھا البتہ ایک اور نوکر گیٹ کھولنے آچکا تھا کیونکہ ڈرائیور کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرچکا تھا اور کار کی بیک لائٹس روشن تھیں۔

پرنس آداب بجالا کر وہاں سے چل پڑا تھا...... اسے اندازہ نہیں تھا کہ دو آنکھیں ابھی تک اس کے تعاقب میں ہیں۔

☆☆☆

''اماں...... میں نے تو پہلے ہی منع کردیا تھا مگر ماہین نے انکل سے فون کروادیا......'' سفینہ نے متردد انداز میں تاجور کو جواب دیا۔ وہ ابھی تک الجھن میں تھی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے...... چلی جاؤ...... مگر خالی ہاتھ نہ جانا...... دادی کے لیے کوئی چاکلیٹ پیک لے لو اور نوکروں کے لیے کیک لے جانا...... اس طرح کسی کے ہاں ڈنر کرنا اچھا نہیں لگتا......'' تاجور نے سوچتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔

''تھینک یو اماں...... ایک فلاور باسکٹ بھی لے لوں گی۔'' سفینہ نے اب خود کو قدرے مطمئن محسوس کیا...... درحقیقت تحفے کے ساتھ کسی کے گھر جانا خود کو اپنی ہی نظر میں باوقار بنادیتا ہے اور کسی کے گھر میں کھانا، کھانا اچھا لگتا ہے۔

فون بند کر کے اب وہ اپنے لباس کے انتخاب میں مصروف ہوگئی...... وارڈ روب کھول کر اس نے کپڑوں کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا...... پرنس کے طرزِ زندگی سے اس کے گھر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ اس ماحول کے حساب سے ہی لباس بھی ہونا چاہیے تھا۔

خاصی دیر کی سوچ بچار کے بعد بہر حال اس نے ڈارک پرپل کلر کے لباس کا انتخاب کرلیا جس پر زرد ریشم کا کام تھا اور زرد جالی کا دوپٹا تھا۔

ہم رنگ سینڈل اور ہلکی پھلکی جیولری کا انتخاب کرنے کے بعد وہ چاکلیٹ اور کیک کے لیے سپر اسٹور چلی گئی تاکہ پہلے سے لاکر فریج میں رکھ دے کیونکہ ماہین نے اسے اپنی ٹائمنگ کے حساب سے پک کرنا تھا...... اور مشکل تھا کہ اتنا وقت مل سکے کہ وہ راستے میں رک کر خریداری کرسکیں۔

شام چار بجے تک وہ اپنی ہر طرح کی تیاری سے مطمئن ہوچکی تھی۔

☆☆☆

''مسٹر اور مسز حماد حسین کے علاوہ دو لڑکیاں بھی ہیں اور لڑکیوں کو چٹپٹی چیزیں بہت پسند ہوتی ہیں اس لیے میں نے خاص طور پر ماش کی دال کے دہی بڑے بھی بنوائے ہیں۔''

پرنس جاگنگ سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آیا تو لیڈی صوفیہ کو نوکروں کے ساتھ مصروف پایا...... فروٹ کاک ٹیل تیار تھا وہ کافی ٹیبل کے قریب کرسی پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ اور لیڈی صوفیہ اسے ڈنر کا مینیو بتانے لگیں۔

''افغانی پلاؤ...... مٹن بریانی، کُنّا، شاشلک، اینگلو انڈین چٹنی، سویٹ میں کھیر، دودھ دلاری اور پائن ایپل

Downloaded From http://paksociety.com

کیک...... یہ ٹھیک ہے...... یا کچھ اور بھی ہونا چاہیے۔''

لیڈی صوفیہ بلیک جارجٹ کی ساڑی کا آنچل سنبھالتی پرنس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

''اس مینیو میں باربی کیو کی کمی ہے گرینڈ مام......'' پرنس نے بڑی نفاست سے چیری کانٹے میں پھنساتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... یس......'' لیڈی صوفیہ نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا جس کی انگلیاں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیوں سے مزین تھیں۔

''بوڑھی ہوگئی ہوں...... بہت بھولنے لگی ہوں...... اسی لیے کہتی ہوں اب اس گھر میں تمہاری بیوی کو ہونا چاہیے...... اس عمر میں یہ ڈیوٹیز انجام دینا میرے ساتھ ظلم ہے...... اور تم ہو کہ اس لڑکی سے ملاقات تک نہیں کراتے......'' وہ جاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتے میں اس سے ملنے کے لیے کتنی بے چین ہوں۔'' اس جملے کے ساتھ ہی وہ منظر سے غائب ہو چکی تھیں۔

پرنس نے کھل کر سانس لی...... اب تو یہ عالم تھا کہ ہر بات پر دھڑکا ہوتا تھا کہ کب جھوٹ بولنا پڑ جائے...... اور پھر جھوٹ کا سلسلہ دراز ہو جائے...... اسے تھوڑی دیر پہلے ہی حماد صاحب نے فون پر بتایا تھا کہ ان کے ساتھ ماہین کی ایک دوست بھی آ رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشہور و معروف مصور سے ملنا چاہتی ہے، اس کا اسٹوڈیو دیکھنا چاہتی ہے۔

یہ پیغام سنتے ہوئے یونہی دل نے کہا تھا کہ اگر یہ...... وہ دوست ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا......

روشنیوں میں نہائے ائر پورٹ پر ہونے والی ملاقات...... حماد حسین کے گھر کی تقریب میں ہونے والی ملاقات سے کہیں زیادہ یادگار اور مؤثر تھی...... اس دن تو اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ ایک بھرپور زندگی میں کوئی بہت بڑی کمی سی ہے۔

وہ چہرہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہی آج تک ایک خالی پن محسوس ہوتا تھا۔ جو اس ملاقات سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

ماہین سے بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں...... سب سے خاص یہ کہ وہ کہیں انگیجڈ تو نہیں ہے کیونکہ ماہین کے بارے میں تو حماد حسین نے ایک بار باتوں، باتوں میں ذکر کیا تھا کہ ماہین بھی شادی کے بعد آسٹریلیا چلی جائے گی۔ اس کا منگیتر higher studies مکمل کرنے کے بعد وہیں سیٹل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس یادداشت کے ساتھ مختلف اندیشوں نے سر اٹھایا تھا۔

ہو سکتا ہے وہ بھی انگیجڈ ہو...... پھر کیا ہوگا......؟ اسے دادی کی خواہش تو بہر صورت پوری کرنا ہوگی...... شادی تو ایک نہ ایک دن کرنا ہوگی...... جو لڑکی بھی اس کی بیوی بنے گی وہ تو اپنا چہرہ باپ کے گھر میں ہی چھوڑ آئے گی...... اس کے چہرے میں تو ہمہ وقت وہی چہرہ دکھائی دے گا جو اس کے دل کے آئینے میں عکس بن کر اتر چکا ہے یہ تو ایک خوب صورت حادثہ ہے...... جس کے نقش ان مٹ ہیں...... وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا...... کوئی چہرہ اس کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے اسے تو اپنی آزادی پر ناز تھا...... صبح، دوپہر، شام، رات چار پہر اس کی مرضی اور خواہش کے سامنے کوئی روک نہیں آتی تھی...... لیکن اب بہت تبدیلی آ چکی تھی خاص طور پر مراقبے اور نیند سے پہلے اچھی خاصی جنگ چھڑ جاتی تھی...... ارتکاز مشکل سے قائم ہوتا تھا...... نیند بہت تنگ کر کے آنے لگی تھی۔

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

Downloaded From http://paksociety.com

براہِ راست تعلق بنانے سے پہلے سو بہانے ڈھونڈنے ہوں گے...... وہ اپنے دل کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا، کسی سے پیار کا احساس ہی زندگی کو خوب صورت بنانے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک اسے اتنا چاہا اور سراہا گیا تھا کہ چاہت و ستائش اپنا حق محسوس ہوتی تھی۔

لیکن کچھ دنوں سے صورتِ حال تبدیل ہو چکی تھی...... وہ جسے دل طلب کر رہا ہے اگر اس دل میں اس کی تمنا نہیں تو یہ بے حساب ستائش کس کام کی......؟

اس نے پائن ایپل کا آخری ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے سوچا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ سفینہ سے ہونے والی دو ملاقاتوں کے بعد وہ بالکل نارمل تھا...... سب کام بخیر و خوبی ہو رہے تھے...... یہ تو اس کی شادی کی باتوں میں سنجیدگی آنے کے بعد انکشاف ہوا کہ وہ کہیں رہن رکھا گیا ہے...... آزادی سلب ہوگئی ہے...... نادیدہ زنجیر کا ایک سرا اس کے پاؤں میں اور دوسرا سرا کسی کے ہاتھ میں ہے...... اب وہ اپنی مرضی سے کسی بھی راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

''پھر سہانے خواب دیکھ رہا ہوں
منزل قریب آتے دیکھ رہا ہوں
وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی ہو جیسے
حقیقت ہے یا خواب دیکھ رہا ہوں
کوئی لاٹری نکلنے والی ہے کیا
سپنوں میں ریل پیل دیکھ رہا ہوں
چند دنوں کی محنت و مشقت ہے
پھر پاؤں پھیلائے سوتا دیکھ رہا ہوں
پیارا سا بنگلا ہے بنگلے میں گاڑی ہے
سارے خواب پورے ہوتا دیکھ رہا ہوں''

''ویل ڈن...... آج تو آپ صبح سے خوب دل لگا کر کام کر رہے ہیں۔ اتنا سیریسلی کام کرتے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔'' سیتا نے اپنا کام مکمل کر کے سر اٹھایا تو ساحل کو بہت تندہی سے کاغذ پر قلم چلاتا دیکھ کر بولی۔

''محنت میں عظمت ہے......'' ساحل نے جلدی سے کاغذ پر بازو رکھتے ہوئے کہا جیسے کوئی چوری چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''ویسے آج آپ بہت فریش لگ رہے ہیں...... کوئی خاص بات......؟ نئی بائیک لی ہے شاید؟'' سیتا نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔

''اب تو سیدھے، سیدھے کار لیں گے...... فور ویل ڈرائیو کا اپنا مزہ ہے......'' ساحل نے یوں کہا جیسے پیدا ہونے کے بعد سے ہی فور ویل ڈرائیو شروع کر دی ہو۔

''God willing'' (انشاءاللہ) سیتا نے بڑے خلوص سے کہا...... اور اپنے کاغذ سمیٹنے لگی۔

''لگتا ہے پروموشن ہوگئی ہے، اسی لیے کار لینے کا پروگرام بن رہا ہے۔'' سیتا نے کاغذات فائل کرتے ہوئے کہا۔

''اگر نہیں ہوئی تو بہت جلد ہو جائے گی...... اور یہ خبر آپ سے چھپی تو نہیں رہے گی۔'' اب کوئی فکر کی بات نہیں، اس نے یہ جملہ خود سے کہا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حنا ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

''congratulation'' سیتا نے پیشگی مبارک باد دے ڈالی۔
''تھینک یو......'' ساحل کے انداز میں شاہانہ بے نیازی تھی...... سیتا نے اب کے بہت غور سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

☆☆☆

سفینہ نے تیار ہو کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔
وہ ناقدانہ نظر نہیں ڈال رہی تھی وہ کسی کی جادو اثر نگاہ سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ دھیمی، دھیمی مسحور کن مہک کے حصار میں الوہی روحانی مسرت سے سرشار خود کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہوئے آنے والے لمحات کا بھی سوچ رہی تھی۔
''گھر کیسا ہوگا...... ماحول کیسا ہوگا...... دادی کیسی ہوں گی...... اور...... وہ کس ادا سے ملے گا...... مل بیٹھیں گے تو بات کیا کریں گے...... مجھے تو زیادہ بات کرنا بھی نہیں آتی...... دو تین مشہور مصوروں کے نام یاد ہیں یا کچھ نئے انگلش گیتوں کی معلومات ہیں۔ البتہ مارکیٹنگ، بزنس، اسٹاک ایکس چینج، بینکنگ پر نان اسٹاپ بات کر سکتی ہوں۔ مگر جس کو اتنا سارا سوچنے کے بعد ملتے ہیں اس سے اکنامکس تو شیئر نہیں کرتے...... یہ تو پریکٹیکل لائف کے بعد شروع ہوتی ہے۔ پریکٹیکل لائف......''
چھم سے ایک سبزے میں گھرا گھر سامنے آ گیا...... نوکر، چاکر، بچے، میاں کی ٹائیاں، موزے، جرابیں، رومال، نوکروں کی کام چوریاں...... بچوں کے مسئلے، آفس پرابلمز کی وجہ سے میاں کا صبح، صبح موڈ آف...... ہر طرح کی احتیاط کے باوجود کہیں کا غصہ کہیں اتارنا...... چائے کی پیالی پٹخ کر چلے جانا، لنچ ٹائم میں سوری کا فون کرنا......
جب چھوٹی تھی تو یہ مناظر اپنے گھر میں دیکھتی تھی...... جو کزنز سر منڈاتے ہی اولے پڑنے کے مصداق انٹریا اولیول کرتے ہی بیاہی گئی تھیں...... ان سے بھی اس طرح کے دکھڑے سننے کو مل جاتے تھے۔
پرنس کا چہرہ نظر کے سامنے آیا تو بے ساختہ مسکرا پڑی...... پہلے، پہلے سب ایسے ہی ہوتے ہیں...... پرنس ہو یا کوئی عام دکاندار کا بیٹا......
اپنا کلچ ہاتھ میں لیے خیالوں میں گم مسکراتی بیڈروم سے باہر آئی تو ایک دم رکنا پڑا...... سامنے زارا اسے بڑی تولتی نظروں سے گھور رہی تھی......
''ہائے زارا......'' وہ مسکرانا بھول کر بڑی سنجیدگی سے اس کے قریب چلی آئی۔
''ہائے...... بڑی زبردستی تیاری ہے، کسی پارٹی میں جا رہی ہو؟'' وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں بڑے سلیقے سے بات کر رہی تھی۔ بڑا سادہ اور عام سا سوال تھا مگر سفینہ یوں ہو گئی گویا چوری کرتی پکڑی گئی ہو......
زارا ٹکٹکی باندھے تک رہی تھی...... سفینہ نے نظر چرائی ذرا سا مسکرائی جیسے اچھی سی مہلت لے رہی ہو۔
''وہ...... پرنس کے ہاں ڈنر پر جا رہی ہوں...... ماہین پک کرنے آ رہی ہے بس پہنچنے والی ہے۔ ایکچوئیلی تم سے آج ملاقات ہی نہیں ہوئی ورنہ اپنا آج کا پروگرام بتا دیتی۔''
دونوں اپنی، اپنی جگہ معمول کے انداز میں بات کر رہی تھیں مگر درمیان میں کدورت کی ہلکی سی سرد ہوا بھی ہلارے لے رہی تھی...... محسوس ہونے والے فاصلے درمیان میں اچانک آ گئے تھے۔
پرنس کا نام سن کر زارا بری طرح چونکی تھی...... دل پر چھائی کدورت کی جگہ انتہائی حیرت نے لے لی تھی۔
اس نے غیر ارادی جانچتی تولتی نظروں سے سفینہ کی طرف دیکھا تھا۔ زرد ریشم کی کشیدہ کاری سے مزین پر بل لباس اور زرد جالی کے دوپٹے میں وہ اور دنوں سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی...... ہلکا میک اپ اور نازک جیولری نے کمال دکھایا تھا۔ وہ بے انتہا دلکش و پرکشش محسوس ہو رہی تھی۔
''دراصل میں تو خود زبردستی کی مہمان ہوں...... ورنہ سب سے پہلے تمہیں وہاں چلنے کی آفر کرتی......'' سفینہ

Downloaded From http://paksociety.com

نے اس کی کیفیات کو نہ سمجھتے ہوئے بڑے مہربان انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''مجھے پتا ہے تم پرنس کی فین ہو......''

''اٹس او کے......'' زارا نے آہستگی سے سفینہ کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا...... حالانکہ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ''زبردستی کے مہمان'' سے اس کا کیا مطلب ہے؟

اسی وقت گارڈ تیز، تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا تھا۔

''میرا خیال ہے ماہین آگئی ہے، گارڈ یہی بتانے آرہا ہے۔'' سفینہ پر گارڈ کو دیکھتے ہی عجلت سوار ہوگئی...... پیار سے زارا کا گال چھو کر تیز، تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

نرم خو سفینہ نقصان زدہ ہونے کے باوجود خود کو سمجھاتی آرہی تھی کہ زارا نے جان بوجھ کر تو یہ نقصان نہیں کیا۔

اس نے تو ڈاکوؤں کو اپنے پیچھے نہیں لگایا تھا...... پندرہ سال کی عمر سے بہترین ڈرائیو کرتی ہے۔ آج تک کوئی چھوٹا سا ایکسیڈنٹ بھی نہیں کیا...... وغیرہ، وغیرہ...... مگر زارا ماں کی لعن طعن اور سفینہ کی محتاط تنقید معاف نہیں کر پارہی تھی۔ ستم بالائے ستم...... سفینہ کو پرنس کے ساتھ ڈنر کرنے کا بھی موقع مل گیا تھا...... جس کی وہ پرستار تھی...... اور سفینہ کو تو پینٹنگ وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں تھی۔

حادثے اکثر تبدیلی کا باعث بنتے ہیں......

کار چھن جانے والے حادثے نے اپنائیت کا وہ احساس بھی چھین لیا تھا جو اس کی بے پروائیوں و روحانی مسرتوں کا باعث تھا۔

ایک بغض اور کدورت نے دل میں ڈیرے ڈال دیے تھے۔ ماں فرق کرتی ہے، ایک بیٹی کو زیرو میٹر کار کا تحفہ دیتی ہے دوسری کو چلانے کی بھی اجازت نہیں......

''سفینہ کو Lums میں پڑھا کر investment کررہی ہیں کہ کل کو وہ یہ ''بزنس ایمپائر'' ہیڈ کرے گی...... چار سے چودہ بنائے گی......'' اب اس پر اسی طرح کے منفی خیالات یلغار کرتے تھے۔

''پرنس کے گھر ڈنر......'' اب دل و دماغ اس نکتے میں اٹک گئے تھے...... وہ پرنس جو شاید ہر اس لڑکی کی آنکھوں کا خواب بن جاتا تھا جو اسے ایک بار دیکھ لے یا مل پائے......

''کیا کریں گی اماں اتنے مال و دولت کا...... سات پشتیں انہی کی محنت کھائیں گی...... خود کچھ نہیں کریں گی...... کار چھن گئی دوسری لے آئیں...... آپ کے پاس پیسہ ہے، باہر شوروم میں کاریں بھری پڑی ہیں۔ صرف بیس بائیس لاکھ کی وجہ سے اتنا ہرٹ کیا ہے مجھے...... اب بہت مسکرایا جارہا تھا...... حالانکہ دل میں تو وہ منحوس کار ہی گھسی ہوئی ہوگی۔''

زارا کی سوچ کو ارتکاز نہیں تھا ڈپریشن میں یہی ہوتا ہے، گڑے مردے اکھڑتے ہیں...... پارینہ دکھ بلاؤں کی طرح نازل ہونے لگتے ہیں، درگزر کی ہوئی باتوں پر رہ رہ کر غصہ آنے لگتا ہے۔ کبھی گدھے کے کان اینٹھے جاتے ہیں۔ کبھی بندر کی بلا طویلے کے سر جاتی ہے۔ بغض، حسد کی مضبوط بنیاد ہوتا ہے...... پھولوں کی سرزمین لال آندھی کی زد میں آچکی تھی۔

☆☆☆

پرنس ڈنر کے لیے تیار ہو کر بیڈ روم سے باہر آیا تو خیال تھا کہ لیڈی صوفیہ اسے منتظر ملیں گی...... مگر حیرت ہوئی کہ وہ ابھی تک بیڈ روم سے باہر نہیں آئی تھیں، سوزین سمیت تمام نوکر مکمل طور پر چاق و چوبند اور احکامات کے منتظر تھے۔ سارا لاؤنج تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ روشنی کا فنکارانہ زاویوں سے اہتمام تھا...... شیڈز، لیمپس،

Downloaded From http://paksociety.com

وکٹورین اسٹائل کی برقی لالٹینیں ہر شے نمایاں تھی مگر روشنی نگاہ کو گراں نہیں تھی۔
وسیع و عریض لاؤنج سے ملحق تقریباً اتنے ہی رقبے پر پھیلے ڈرائنگ روم میں ایک وقت میں پچاس، ساٹھ مہمانوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔
سات نشستوں کا ایک طرف اہتمام تو اس کے مقابل پانچ افراد کے بیٹھنے کا انتظام...... چند گز کے فاصلے پر چھ افراد کے بیٹھنے کا بندوبست، تین نشستیں ایک طرف تین نشستیں اس کے سامنے درمیان میں شیشے کی خوش رنگ میز کئی چار، چار نشستوں کے سیٹ تھے......
دو افراد کے بیٹھنے کا بھی انتظام تھا۔ اٹالین ونڈو کے ساتھ اونچی نشستوں کی سنہری کرسیاں درمیان میں چھوٹی سی گول میز......
ڈرائنگ روم پر پہلی نظر ڈال کر کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے لاؤنج کا منظر نگاہ میں گھومنے لگتا تھا۔
سائے میں پروان چڑھنے والے پودوں کے سرخ گملے...... دروازوں، کھڑکیوں کے فریم پر چڑھی قیمتی ہری بھری بیلیں...... اسٹینڈ لیمپس کے رومانوی اجالے......
بالکل آخری سرے پر بارہ نشستوں کا کارنر صوفہ سیٹ تھا جو باقی فرش سے ایک فٹ نیچے فرش پر لگایا گیا تھا۔ ان نشستوں پر بیٹھنے کے لیے دو قدم نیچے اترنا پڑتا تھا۔
مختلف تعداد اور تعلقات کے حساب سے نشستوں کا انتخاب کرنے کی تمام سہولت اس ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔
ایک دیوار پر لیڈی صوفیہ کے شوہر، بیٹے، پوتے اور پرنس شہپر کی تصویریں ہاتھی دانت کے ایک جیسے فریم میں آویزاں تھیں۔ اس کے مقابل دیوار پر پانچ فٹ لمبا تین فٹ چوڑا لیڈی صوفیہ کا پورٹریٹ تھا جو پرنس کے فنِ مصوری کے شاہکاروں میں سے ایک تھا۔
لاؤنج اور ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے کے بعد اس نے لیڈی صوفیہ کے بیڈروم کا دروازہ ناک کیا۔
عین اسی لمحے لیڈی صوفیہ کی ذاتی خادمہ بن بوتل کی ''جنّی'' کی طرح حاضر ہوگئی۔
''سر...... لیڈی صاحبہ لائبریری میں ہیں۔'' سوزین نے مؤدبانہ عرض کیا۔
''لائبریری میں...... ؟ اس وقت......؟'' وہ الجھا پھر چمکدار فرش پر تیز قدم دھرتا لائبریری کی طرف بڑھ گیا...... اس نے دستک دیے بغیر آہستگی سے ہینڈل گھما کر دروازہ تھوڑا سا وا کیا اور اندر جھانکا۔
لیڈی صوفیہ بک شیلف کے قریب ایک کتاب ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں۔ نظر کی عینک ناک پر دھری تھی۔
"may I come in" پرنس نے ہلکا سا کھنکھار کر اندر آنے کی اجازت مانگی......
"oh yes" لیڈی صوفیہ نے چونک کر دیکھا اور عینک اتار دی جو اکثر ان کے گلے میں جھولتی رہتی تھی۔
''گرینڈ مام آپ اس وقت لائبریری میں...... گیسٹ بس پہنچنے والے ہیں...... آپ ویلکم کے لیے ریڈی ہیں؟'' پرنس نے لیڈی صوفیہ پر ایک جانچتی نگاہ دوڑائی۔
''اوہ یس...... آف کورس...... کیا میں اچھی طرح تیار دکھائی نہیں دیتی؟'' انہوں نے مخمصے میں پڑتے ہوئے قدرے متفکر انداز میں پوچھا تھا۔ گرے شیفون کی ساڑی اور نیلم جڑے نیکلس اور ٹاپس میں وہ ہمیشہ کی طرح بہت پُروقار اور شاندار نظر آرہی تھیں۔
''آپ تو انی ٹائم بہت شاندار لگتی ہیں...... اس وقت بھی آپ کا جواب نہیں......'' پرنس نے آگے بڑھ کر اُن کے دائیں ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔
لیڈی صوفیہ بڑے تفاخر سے مسکرائیں۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اگر اس وقت وہ آرہی ہوتی تو تمہیں گرینڈ مام کا ہوش نہیں ہوتا......نہ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں آتے......شاید گیٹ کے پاس ہی کھڑے رہتے۔کاش کہ آج کے ڈنر میں وہ بھی ہمیں جوائن کرتی۔'' تعریف سن کر لیڈی صوفیہ کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا تھا......لطیف انداز میں گویا وہ پرنس کو کچھ یاد دلا رہی تھیں۔

وہ کہنے جا رہا تھا کہ آپ بھول جاتی ہیں، وہ مجھ سے عشق کرتی ہے، میں نہیں مگر اس نے خود کو روک لیا۔

''یہ کیا......پھر جھوٹ کا سلسلہ دراز کرنے چلا ہے۔ واٹ نان سینس......'' اس نے خود کو ملامت کی......اور جلدی سے بات کا رخ موڑ دیا......

''آپ اس وقت لائبریری میں کیوں آئی ہیں......؟ ایسا کیا ضروری تھا؟'' پرنس کے لیے اس وقت ان کا لائبریری میں آنا اچنبھے کی بات تھی......وہ ڈنر ٹائم میں کبھی لائبریری میں وقت نہیں گزارتی تھیں۔

''کم آن' میں گیسٹ کا ہی انتظار کر رہی ہوں......ٹائم پاس کر رہی ہوں......بکس کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا......ایسے ہی لائٹ سی اسٹڈی کر رہی تھی۔

HG WELLS جسے سائنس فکشن کا فادر بھی کہتے ہیں، میں نے اسکول لائف میں اس کی ٹیکسٹ بکس بھی پڑھی ہیں......یہ مجھے کبھی نہیں بھولتا......پاکستان بننے سے ایک سال پہلے ہی تو اس کی ڈیتھ ہوئی تھی۔'' لیڈی صوفیہ، پرنس کے ساتھ چل پڑی تھیں اور اب مڑو بہک گئی تھیں۔غالباً اسکول کے کسی گوشے میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔

"history is a race between education and catastrophe .let us learn the truth and spread it as far and wide as our circumstances allow-for the truth is the greatestweapon we have..."

(تاریخ، تعلیم اور بلائے ناگہانی (آفت) کے درمیان کی دوڑ ہے، ہمیں چاہیے کہ سچائی کا دامن پکڑیں اور سچ کو دور دراز تک پھیلائیں جہاں تک ہمارے حالات ہمیں اجازت دیں......ہمارے پاس سچائی کا بہت بڑا ہتھیار موجود ہے......)

کاریڈور میں خوابیدہ روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔لیڈی صوفیہ کا نرم ملائم ریشمی نازک سا ہاتھ پرنس کے ہاتھ میں تھا۔

اچانک پرنس کو لگا جیسے لیڈی صوفیہ کا ہاتھ بہت گرم ہو گیا ہو......مگر فوراً ہی احساس ہوا کہ اس کا اپنا ہاتھ سرد ہو گیا ہے......اس کی حالت میں تغیر واقع ہوا تھا......گویا لیڈی صوفیہ نے مجبوری میں بولا گیا جھوٹ کھڑے، کھڑے پکڑ لیا ہو......

اس لڑکی کی بات کرتے، کرتے وہ ایک دم HG wells کو کیوں کوٹ کرنے لگیں؟

پرنس کی دھڑکنیں چند ثانیے کے لیے بے ترتیب ہوئیں......

یہ میں نے کیا کیا......؟

کاش جو اس وقت آرہی ہے یہی گرینڈ مام کا دل جیت لے......اگر ایسا کوئی معجزہ ہو جائے تو پھر آخری اور واحد جھوٹ بولنا پڑے گا کہ اس لڑکی کی بہت ایمرجنسی میں شادی ہو گئی......اور یہ کہ تھینک گاڈ مجھے اس سے محبت نہیں ہوئی تھی۔

''ماں، خدا کا تعارف اور دکھ سب سے بڑی سچائی ہے......ایک بار اچھا سا مل جائے تو گلے کا ہار ہی بن جاتا ہے......خوشی اور تتلی کے پروں کے رنگ تو کچے ہوتے ہیں......''

وہ خود کلامی کرتی پرنس کے ساتھ، ساتھ چلتی اب لاؤنج میں داخل ہو گئی تھیں۔چاندی اور ہاتھی دانت سے بنی مضبوط چھڑی بائیں ہاتھ میں تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

اسی لمحے انٹر کام پر مہمانوں کی آمد کی اطلاع موصول ہوئی تھی۔

یوں لگا تاریک سرنگ کے دہانے پر سورج کی آمد کی خبر ہوئی...... تاریکیوں میں اجالے سے اترے......قدم روانی سے اٹھنے لگے۔

وہ لیڈی صوفیہ کے ہمراہ پورچ میں آیا تو حماد حسین کی پراڈو سے ماہین اور سفینہ اتر رہی تھیں۔ حماد حسین پہلے ہی اتر چکے تھے ڈرائیور اور گن مین بھی پراڈو سے باہر تھے اور دروازے بند کر رہے تھے۔

ماہین کا انداز لاابالی اور سفینہ کا محتاط تھا......

جو دل میں چھپ کر بیٹھا ہوا سے آنکھ بھر کر کب دیکھتے ہیں...... سارے حواس سفینہ کی طرف متوجہ تھے مگر اخلاقیات کا تقاضا تھا کہ پہلے حماد حسین کا استقبال کیا جائے...... دونوں نے پُر تکلف انداز میں ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔

حماد حسین کی طرف بڑھتے ہوئے جو مہلت ملی تھی اس سے فائدہ اٹھا کر پرنس نے کن انکھیوں سے سفینہ کی طرف دیکھا تھا کہ دیکھے بغیر چارہ نہ تھا......

حماد حسین سے مصافحے کے بعد اس نے سر کو ہلکا سا خم کر کے ماہین اور سفینہ کو خوش آمدید کہا اور پھر لیڈی صوفیہ کی طرف متوجہ ہوا جو حماد حسین کے مؤدبانہ سلام کا جواب دے رہی تھیں۔

''ارے آپ کی مسز تشریف نہیں لائیں......؟'' معاً لیڈی صوفیہ کو حماد حسین کی بیگم کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

''وہ ممی کی این جی او کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔ عین دو گھنٹے پہلے ان کا پروگرام چینج ہو گیا۔''

ماہین نے حماد حسین سے پہلے اپنی فطری برجستگی سے جواب دیا تھا۔ وہ بہت شوق و دلچسپی سے لیڈی صوفیہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایسی بنی سنوری بوڑھی خاتون جو صرف بوڑھی نہیں تھیں بے حد بوڑھی تھیں اس نے شاید زندگی میں پہلی بار دیکھی تھیں۔

ماہین کے بولنے کی وجہ سے وہ حماد حسین سے توجہ ہٹا کر ماہین کی طرف دیکھنے لگیں۔ سفینہ، ماہین کے بالکل ساتھ لگی کھڑی تھی۔ لہٰذا اس کا نگاہ میں آنا بھی عین فطری تھا۔

لیڈی صوفیہ کو اپنی طرف دیکھتا پا کر سفینہ نے جلدی سے اپنی پیشانی چھو کر انتہائی ادب سے سلام عرض کیا۔

''یہ میری بیٹی ماہین ہے اور یہ اس کی بیسٹ فرینڈ سفینہ...... یہ دونوں اسکول سے Lums تک ساتھ ساتھ ہیں...... اس لیے آج آپ کے دولت کدے پر بھی ساتھ، ساتھ ہی نظر آ رہی ہیں۔''

''اوہ...... گڈ گاڈ......'' لیڈی صوفیہ بنی سنوری مہذب خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر بے اختیار فرطِ مسرت سے مسکرانے لگیں۔

''I glad to meet both of you'' لیڈی صوفیہ نے دونوں کو باری، باری گلے سے لگایا۔

''یہ تو بہت...... انٹیلی جنٹ اور قابل بچیاں ہیں...... Lums میں بزنس پڑھ رہی ہیں...... ماشاءاللہ......''

لیڈی صوفیہ نے دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے تعریف کی۔

''اللہ کا بہت احسان ہے...... میری بیٹی کو تو بڑے بہن، بھائیوں نے لاڈ پیار میں بگاڑنے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی...... بس اس کو ایک اچھی دوست کی کمپنی مل گئی، اسے بھی آپ میری بیٹی ہی سمجھیں۔''

حماد حسین نے سفینہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔

''میں آج اپنے گھر میں بہترین مہمانوں سے مل کر بہت خوش ہوں......'' لیڈی صوفیہ نے اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے مہمانوں کی عزت افزائی کے ضمن میں کہا تھا۔ پرنس اس وقت ڈارک بلیو تھری پیس سوٹ اور سرخ ٹائی

Downloaded From http://paksociety.com

میں اتنا وجیہہ اور پُرکشش نظر آ رہا تھا کہ سفینہ اپنے دل کی کیفیت چھپانے کی کوشش میں بہت زیادہ ریزرو نظر آ رہی تھی جیسے اسے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہو۔

دوسری طرف پرنس خود کو کنٹرول رکھنے کی کوشش میں بس حماد حسین ہی کو توجہ کا اعزاز بخش رہا تھا۔

ایک باوقار، خوش رو، خوش ادا دوشیزہ کھڑے، کھڑے اس پر حکومت کر رہی تھی۔ مگر وہ آداب غلامی کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

پانچوں چلتے ہوئے لاؤنج سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے...... ماہین جو خود پوش ایریا کے سپر لگژری گھر کی مکین تھی دولت کا یہ عظیم الشان مظاہرہ دیکھ کر مبہوت تھی۔

جبکہ سفینہ جو ماہین ہی کے برابر سماجی مرتبہ رکھتی تھی نہایت ذہنی پختگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اس کے خیال میں پرنس جس کا ٹشو پیپر بھی اس کا سیکرٹری سنبھالتا تھا۔ اس کا گھر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

ڈرائنگ روم کی آرائش و وسعت مکینوں کی دولت کی وسعت کے ترجمان تھے، ان کے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی لیڈی صوفیہ کی خادمۂ خاص اپنی معاون کے ساتھ مشروبات سمیت داخل ہوئی تھی۔

ماہین اور سفینہ کے گھروں کے ڈرائنگ روم بھی پچاس گز چوڑے اور پچاس گز طویل تھے اسی حساب سے نشست کا اہتمام تھا مگر پرنس کا ڈرائنگ روم دیکھ کر انہیں اپنے ڈرائنگ روم یوں لگ رہے تھے گویا اکیسویں گریڈ کے افسر کے بنگلے میں موجود سرونٹ کوارٹر۔

دولت اس مادی دنیا کی بہت بڑی سچائی ہے۔

دولت کا مظاہرہ ابتدائے آفرینش ہی سے بہت باقوت رہا ہے...... ناپختہ شخصیات دولت کو قوت کا نشان مانتی ہیں۔

اور آدم کی سرشت میں ہے کہ وہ طاقت حاصل کرنے کے لیے سرگرم رہتا ہے...... طاقت کے اس نشے کا سرور

Downloaded From http://paksociety.com

اسے بے حساب دولت کے نشے میں ملتا ہے۔ اپنی اور اپنی نسلوں کا تحفظ وہ دولت کے ڈھیر میں ڈھونڈتا ہے...... اور ڈھیر لگانے کے جنون میں بے حساب حق تلفیوں کا مجرم بنتا ہے...... بہت کم انسان اس راز تک پہنچ پاتے ہیں کہ روحانی مسرتیں دولت کی محتاج نہیں ہوتیں...... یہ تو بلند نصیب لوگوں پر ابرِ رحمت کی طرح برستی ہیں۔

خود غرضی، سسکتی زندگی کے راستے کا رہرو بنا دیتی ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات سے گھبرانے والے زندگی بچانے کے لیے اپنی ساری دولت دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

جدید ترین طبی سہولتوں سے مزین شفا خانے...... لاکھوں کی ادائیگی لے کر سفید چادر ڈال کر مردہ جسم لواحقین کے حوالے کر دیتے ہیں......

جس دولت کے ڈھیر میں حق تلفیوں کی چنگاریاں دبی ہوئی ہوں وہ دولت برباد ہونے کے لیے جمع ہوتی ہے۔

مگر انسان کی فطرت کہ وہ مادی مظاہروں سے بہت متاثر ہوتا ہے...... حالانکہ متاثر ہونے والے کو کسی کی دولت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی قسم کا کوئی فیض نہیں پہنچ رہا ہوتا...... اکثر تو ان کو ہی فیض نہیں پہنچتا جن کا دین کی رو سے اس دولت میں حق بن رہا ہوتا ہے۔ غیر حق داروں کی تو بحث ہی نہیں......

سفینہ متاثر تھی مگر خود پر قابو تھا۔

ماہین بچوں کے سے اشتیاق کے ساتھ ہر طرف نظر دوڑا رہی تھی...... کیونکہ یہ ڈرائنگ روم بہت منفرد تھا...... یہاں کی آرائشی اشیا گزری ہوئی صدی کی بڑی منفرد نشانیاں تھیں۔

حتیٰ کہ تصویروں کے فریم تک انیسویں اور بیسویں کے سنگم کا حسین امتزاج پیش کر رہے تھے۔

''دور کونے میں پڑی چمکدار سیاہ آبنوسی میز کرسیاں تو شرطیہ ابتدائی بلیک اینڈ وہائٹ فلموں میں بطور props استعمال ہوئی ہوں گی۔'' ماہین سوچ رہی تھی۔

''وہ ڈارک چیئرز اور ٹیبل تو بہت یونیک ہیں...... کمال ووڈ ورک ہے......'' ماہین کے منہ سے بے ساختہ چند الفاظ پھسل ہی گئے......

''اوہ تھینک یو......'' لیڈی صوفیہ خوش ہو کر بولیں۔

''یہ میری ماں کی نشانی ہے...... پیور صندل ووڈ کی بنی ہیں...... فرسٹ ورلڈ وار سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں...... آج ہمارے گھر میں ان کا اسٹیٹس ''کافی ٹیبل'' کا ہے...... کیونکہ ٹیبل ذرا اونچی مگر چھوٹی ہے۔'' سفینہ نے آہستگی سے ماہین کا ہاتھ دبایا گویا اشارہ کیا کہ ''بس اب مزید کچھ نہ بولنا۔''

پرنس کی نظر بظاہر ہر طرف تھی مگر دل کی نظر صرف سفینہ پر تھی...... اس نے سفینہ کا لطیف اشارہ بھی دیکھ لیا تھا مگر طرح دے گیا......

سفینہ کی خاموشی، متانت، خود پر کمال قابو، اعتماد اس کا حقیقی حسن تھا۔ جس کو پرنس نے پہلی ملاقات میں ہی آنکھ کے کیمرے میں محفوظ کر لیا تھا۔ آج اسے اپنے گمان کو یقین میں بدلنے تک کا بہت مختصر و آسان سفر کرنا پڑا۔

پہلا تاثر آج کی ملاقات نے مزید مستحکم کیا تھا۔

تازہ رس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے حماد حسین مکمل طور پر لیڈی صوفیہ کی طرف متوجہ تھے جو وکٹورین لب و لہجے کی انگریزی بولتی ہوئی کوئی ماورائی داستان کا کردار محسوس ہو رہی تھیں۔

''آپ کو یاد ہے کہ ہمیں آپ کا اسٹوڈیو بھی دیکھنا ہے؟'' سفینہ نے پہلی بار اپنی طرف سے بات چیت کا آغاز کیا کہ اپنی خاموشی سے خود ہی پریشان ہو گئی تھی۔

غیر ضروری خاموشی بھی بہت بدزبان ہوتی ہے...... بنا الفاظ و آواز کے وہ کچھ بھی کہہ دیتی ہے جو دیوار پر

Downloaded From http://paksociety.com

چسپاں کسی اشتہار کے مصداق ہوتا ہے۔

''اوہ شیور... let's go'' پرنس آنے والے کسی خوب صورت امکان کے تحت فوراً ہی کھڑا ہوگیا......

''ساتھ، ساتھ ہم قدم ہو کر کچھ وقت چلیں......وصل کی حسرتوں کو حسین یاد سے معمور کر کے گزشتہ بنائیں پھر فردا کے تصور کو رنگوں سے سجائیں۔''

''بھئی آپ لوگ اسٹوڈیو کا وزٹ کریں۔ میں تو پہلے لیڈی صاحبہ کی لائبریری دیکھنا چاہتا ہوں......کلاسیکل کتابوں کے فرسٹ ایڈیشن کے نمونے......میں نے پرنس سے لیڈی صوفیہ صاحبہ کے کلاسک کلیکشن کے بارے میں بھی بہت کچھ سنا ہے......''

''oh so nice of you stay blessed always میرے لیے وہ لوگ بہت اہم ہیں جو کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔'' لیڈی صوفیہ کا چہرہ مسرت سے تمتمانے لگا......کمزور اعصاب ہونے کی وجہ سے وہ خوشی اور غم دونوں کیفیات کی شدت سے ہلکا ہلکا کانپنے لگتی تھیں۔

جھٹ اپنا چاندی جڑا ہاتھی دانت کا مضبوط عصا تھام کر کھڑی ہوگئیں۔

پرنس نے احتراماً پہلے دادی اور حماد صاحب کو باہر جانے کا عندیہ دیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

ان دونوں کے باہر جاتے ہی سفینہ اور ماہین کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی شائستگی سے قدم بڑھانے کا اشارہ کیا۔

ماہین نے پرنس کی نظر بچا کر سفینہ کو شرارت سے آنکھ ماری تھی۔

☆☆☆

''آپا......شادی بھی ہو جائے گی پہلے ڈھنگ کا ٹھکانا تو بنالوں......'' ساحل اپنے پرانے میٹریس میں دھنسا اس وقت بڑی بہن سے فون پر بات کر رہا تھا جس پر کروٹ بدلنا ایسا ہی تھا جیسے دلدل میں پہلو بدلنا......

''آپ آرام سے سو جائیں......زیادہ ٹینشن نہ لیا کریں......فی الحال بہت مزے میں ہوں......'' اس نے بہن کو تسلی دی......کانوں میں ہینڈ فری لگائے پلیٹ سے بچے ہوئے فرائز کھا رہا تھا جو ٹھنڈے ہو کر لکڑی بن رہے تھے۔

''ارے تم محل دو محلے کے چکر میں پڑ کر عمر نہ گنوا دینا......آنے والی اپنے نصیب کا رزق خود ساتھ لاتی ہے......ہم تو یہی سنتے آ رہے ہیں'اولاد' مرد کے نصیب کی اور 'پیسہ' عورت کے نصیب سے......کیا خبر آنے والی کے ساتھ خوشحالی بھی ٹوٹ کر آئے۔ کب تک ہوٹلوں کے کھانے کھاتے رہو گے......دو نمبر گھی، تیل، ملاوٹ والے مرچ مسالے......پرانی ڈبل روٹیاں، سوڈے والی چپاتیاں صحت برباد کرتی ہیں......گھر کی دال، سبزی باہر کے بریانی، قورمے سے لاکھ درجے اچھی ہوتی ہے۔'' وہ سمجھانے لگیں۔ ان کے خیال میں بھائی اچھی خاصی ہینڈسم سیلری لے رہا تھا۔

''اتنے پیسوں میں تو اچھا بھلا گھر چلتا ہے۔''

''کس دنیا میں ہیں آپا......آج کل کی لڑکیاں بھٹیارن بننے کے لیے تیار نہیں......شادی کے بعد تو چاہتی ہیں میاں روز، روز کھانا کھلانے باہر لے جائے......آپ صبح صبح باہر نکل کر دیکھا کریں......اچھے خاصے معقول لوگ حلوا پوری لینے کے لیے قطار بنا کر 'اچھے بچوں' کی طرح کھڑے نظر آتے ہیں......صبح حلوا پوری منگاتی ہیں، رات کو باہر جا کر کھانا کھانا چاہتی ہیں......میں نے قسطوں پر اپارٹمنٹ بک کرایا ہوا ہے، ہر تین مہینے بعد ایک بڑا اماؤنٹ جمع کرانا پڑتا ہے، وہ قسطوں کے علاوہ ہے......گھر کا کرایہ......لانڈری، بل، مشکل سے آخری تاریخوں میں جیب میں صرف تین چار ہزار پڑے ہوتے ہیں......ہزار دو ہزار بائیک کے علاج معالجے کے لیے تو رکھنا ہی ہوتے ہیں......'' اس نے بڑی بے جگری سے نقشہ کھینچا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''بیوی آگئی تو مہینے میں دو بار تو شاپنگ کے۔ لیے جایا کرے گی...... پیسے نہیں ہوں گے تو چخ، چخ ہوگی...... چخ، چخ کے بعد وہ ماں کے گھر چلی جایا کرے گی...... ہاتھ پیر جوڑنے کے علاوہ ایکسٹرا خرچہ بھی کرنا پڑے گا......اور اس طرح قرضہ چڑھنا شروع ہوجائے گا اور قرضہ زیادہ ہوگیا تو پھر لڑائی......طلاق بھی ہوسکتی ہے......''

''توبہ توبہ......استغفار......زبان کے آگے خندق ہے......بولے چلے جاتے ہو۔'' آپا نے گھبرا کر قطع کلامی کی تھی اور خدا حافظ کہہ کر فون ہی بند کردیا تھا۔

''ایک تو خواتین کے ہاتھ فون کے پیکج لگ گئے ہیں......فون ہاتھ میں پکڑا اور ہوگئیں شروع...... پانچ سو روپے میں پانچ کروڑ باتیں کرتی ہیں۔'' ساحل نے ہینڈ فری کانوں سے الگ کیا سیل اٹھا کر دوسری طرف پٹخا......

''وہی غریبانہ سوچ......شادی پر صرف دو لاکھ کا خرچہ کرنے والے کو لڑکی بھی غریب ہی ملتی ہے......جس کو پورے خاندان والے چندہ کرکے بیاہتے ہیں......جو ہر وقت مزید غریب ہونے سے ڈرتی رہتی ہے۔ تقدیریں اس طرح تو نہیں بدلتیں......تقدیر بدلنے کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ jump مارنے کے لیے موقع دیکھنا پڑتا ہے۔ بس شادی کرلوں......کمیٹیاں ڈالتا رہوں......دھت ترے کی......'' جل بھن کر دو تین مرتبہ اضطراری انداز میں بڑی دھوم دھام سے کروٹ لی۔ اسے ہر اس شخص پر شدید غصہ آتا تھا جو اسے اسی مقام پر دیکھ کر خوش تھا اور اس کو مستقبل کے کسی رئیس آدمی کی حیثیت میں دیکھنے کا خواہش مند نہیں تھا۔

''غریب یا سفید پوش ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہمارے رئیس ہونے پر کوئی بین لگا ہوا ہے۔ حضرت انسان نے پتے پہننے کے بعد ہی کمخواب پہنا تھا۔ ماں کے پیٹ سے پہن کر تو نہیں آیا تھا۔'' آپا نے شادی پر اصرار کرکے سارے موڈ کا ہی ستیاناس کردیا تھا۔

☆☆☆

تاجور کے کہنے سے یا بلوانے سے زارا ڈائننگ میں آتو گئی تھی مگر موڈ بہت خراب تھا۔ آتے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

تاجور کی طرف ایک نگاہِ غلط بھی نہ کی......نہ یہ دیکھا کہ تاجور کھانا شروع کرچکی ہیں یا اس کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔

''یہ کیا طریقہ ہے......'' تاجور کا ضبط جواب دے گیا۔

''کھانا کھا رہی ہوں، سکینہ نے کہا تھا کہ اماں کھانے پر انتظار کررہی ہیں۔'' زارا نے چپاتی ہاٹ پاٹ سے نکالتے ہوئے قدرے اکھڑ پن سے جواب دیا۔

''وہی تو میں دیکھ رہی ہوں......کیا طور طریقے ہوگئے ہیں تمہارے......ماں سامنے بیٹھی ہے، نہ سلام نہ دعا......نہ یہ خیال کہ کھانے کی میز پر بیٹھنے کے کیا مینرز ہوتے ہیں۔'' تاجور نے اب قدرے صبر و ضبط اور نرم و پست آواز میں اس کی بدتمیزی جتائی اور پلیٹ میں سالن نکالنے لگیں۔

''کھانے کی میز پر کھانا کھایا جاتا ہے اماں، اسنوکر تو نہیں کھیلتے......'' زارا نے نوالہ توڑ کر زہر مار کرنے کی کوشش کی۔

''بی ہیو یور سیلف......'' تاجور نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا اور چند لمحے اس کی طرف گھورتی رہیں۔

اب زارا جواب میں خاموش رہی......احساسِ جرم کی بھاری زنجیر نے اسے قید کیا ہوا تھا ورنہ شاید بولے چلی جاتی۔

''سفینہ، پرنس کے گھر شاندار ڈنر کررہی ہوگی......کتنی رونق ہوگی......پرنس اس کی طرف دیکھتا بھی ہوگا......کانشس تھی تب ہی تو اتنا اچھا تیار ہوکر گئی ہے۔ پرنس کو کوئی اندھی لڑکی ہی اگنور کرسکتی ہے......'' وہ جل بھن

Downloaded From http://paksociety.com

کرخاک ہورہی تھی۔
تاجوراس کا ذہن نہیں پڑھ سکتی تھیں ان کے خیال میں وہ ہر طرف کی لعن طعن سن کر ''ایگزاسٹ'' ہوچکی ہے......اس لیے مارجن دینا چاہیے......کہ بہت ہوگیا یقیناً آئندہ احتیاط کرے گی۔
اس کی بے پروائی اور لاابالی پن نے ہی تو یہ دن دکھایا تھا کہ اس کم عقل لڑکے پر اپنا قیمتی وقت خرچ کرنا پڑا تھا......اتنی دیر میں وہ اپنے آفس کے دس ضروری مسئلے نمٹا لیتی ہیں۔
''اپنا موڈ ٹھیک کرو......جو ہوا سو ہوا......بس غلطی کو دُہرانا نہیں چاہیے......سفینہ دو چار دن کے لیے گھر آتی ہے۔تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے......اسٹریس دینے کی ضرورت نہیں......وہ اسٹڈی کو بہت سیریس لیتی ہے......تمہاری طرح کیئرلیس نہیں ہے۔'' تاجور نے سبزی کا ڈونگا اٹھا کر بہت احتیاط سے تھوڑی سی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اسے معمول کے لہجے میں تاکید کی۔
''اماں اٹس ٹو مچ......اب کوئی مجھ سے کار کی بات نہ کرے، ہماری دولت میں جو بھی میرا حصہ بنتا ہے اس میں سے آپ کار کے پیسے مائنس کردیجیے گا۔جب جرم کی سزا مل جاتی ہے تو مجرم کی جان چھوٹ جاتی ہے......'' زارا نے نوالہ دوائی کی طرح منہ میں رکھتے ہوئے بپھرے ہوئے انداز میں کہا تھا۔
''میں نے اس وقت تم سے کار کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی......تمہارے اندر خود گلٹ موجود ہے، تم خود کار کو ٹاپک بناتی ہو......ہم نے تو صبر کرلیا......حالانکہ بیس بائیس لاکھ روڈ پر پڑے نہیں ملتے......کل کو جب اپنا گھر بار سنبھالو گی تو تمہیں کرنسی کی ویلیو کا اندازہ ہوگا۔'' یہ سنتے ہی زارا کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔
''کیا ہوا......؟'' تاجور نے چہرہ اٹھا کر اس کی شکل دیکھی۔
''میں کھا چکی......پلیز آپ کھائیں......'' یہ کہہ کر وہ زینے کی طرف چل پڑی......تاجور کو اس کا کھانا چھوڑ کر جانا بہت محسوس ہوا......مگر وہ اس صورتِ حال کو بہت صبر و تحمل سے نمٹانے کا تہیہ کرچکی تھیں۔
وہ جو سمجھ رہی تھیں معاملہ وہ نہیں تھا۔
ٹھاٹھیں مارتی جوانی بادبانی کشتی کی طرح حالات کے گہرے سمندر کے بیچ ہچکولے کھا رہی تھی......خطرناک موسم کی آگہی ہونے کے بعد بادبان کھول دیے جاتے ہیں تاکہ کشتی جس طرف راہ پائے نکل جائے......
پرنس جیسے نوجوان مرد کی تمنا کرنا اس نے اپنا حق سمجھا تھا......یہ الگ بات وہ خود سے نظر چرا رہی تھی، اس کی خود پسندی اس کو اجازت دیتی تھی وہ جو مرضی تمنا کرے......
خوب صورت، جوان، خوشحال......آخر اس میں کمی کیا ہے؟ وہ کیوں اس کے خواب نہیں دیکھ سکتی......؟ کیوں اس کی تمنا نہیں کرسکتی......؟
لیکن یہ سفینہ جو اس کے سامنے جا کر بیٹھ گئی ہے۔وہ لاشعوری طور پر تلملا رہی تھی......کم عمری کے سبب اور محدود سوچ و تجربے کے باعث یہ سوچنے سے قاصر تھی کہ پرنس تو ہر دوشیزہ کا خواب بننے کی اہلیت رکھتا ہے......کوئی اس کا اپنا بھی دل ہے......اپنی بھی سوچ ہے......اپنے بھی خواب ہیں......اور دل کا معاملہ بھی عجب ہے کبھی صورت پر آجاتا ہے۔کبھی کسی ادا پر......دل کے بارے میں پیش گوئی تو کوئی مقرب ترین فرشتہ ہی کرسکے تو کرسکے کسی بشر کے بس کی تو بات نہیں......
اس وقت اس کا وجود اپنے گھر کی چہار دیواری میں موجود ضرور تھا......مگر روح نرم ہوا کے سنگ پرنس کے آشیانے میں سیر کناں تھی۔

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

بڑے سے اسٹوڈیو میں انسانی تخیل کے موثر ترین رنگ بکھرے ہوئے تھے...... پینٹنگز دیواروں پر بھی آویزاں تھیں اور قیمتی لکڑی کے ریکس میں بھی سجی ہوئی تھیں...... ایک بلوریں ٹرالی میں رنگ و برش وغیرہ بہت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے...... مختلف سائز کے ایزلز بھی موجود تھے۔ چاروں کونوں میں جدید ترین ٹیکنالوجی کے مظہر اسپیکرز بھی لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے ماحول میں خوش کُن موسیقی بکھری ہوئی تھی۔

سفینہ اور ماہین گندھارا تہذیب کی ایک گھریلو عورت کا پورٹریٹ بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ جو بڑے سے صحن میں بچہ گود میں لیے کھانا پکا رہی تھی اور ایک بچہ زمین پر خالی برتن لیے بیٹھا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ کب ماں ہانڈی سے سالن نکال کر اس کے برتن میں ڈالے گی۔

صحن کے ایک کونے میں گدھا اور بکری بندھے ہوئے تھے...... ذرا فاصلے پر پتھر کے برتن بکھرے ہوئے تھے اور بلی برتنوں کو سونگھ رہی تھی۔ فنِ مصوری اپنے کمال پر تھی...... وہ تو جیسے کھڑے، کھڑے گندھارا تہذیب کے دور میں پہنچ گئی تھیں۔

عورت اور کھانے کا انتظار کرنے والے بچے کے چہرے کے تاثرات اتنے جاندار تھے گویا جیتے جاگتے انسانوں کو کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کیا ہو، پرنس نے موقع غنیمت جان کر جلدی سے سفینہ کا اسکیچ تو شیٹس کے نیچے دبا دیا تھا مگر زارا کے اسکیچ کی اس نے پروا نہیں کی تھی۔ اور دونوں کے سوالوں کے جواب دینے کے بہانے ان کے قریب جا کھڑا ہوا کہ قرب کے یہ لمحے کسی مقبول دعا کا اعجاز تھے......

''آپ کو ایک پورٹریٹ کمپلیٹ کرنے میں کتنے دن لگ جاتے ہیں؟'' سفینہ نے پشت پر کھڑے پرنس سے پلٹ کر سوال کیا۔

''کبھی، کبھی صرف ایک گھنٹے سے بھی کم...... کبھی دس منٹ، کبھی ایک سال......'' پرنس نے سفینہ کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی ایک پینٹنگ پر نظر جما کر جواب دیا تھا...... جن کو ہر پل دیکھنے کی چاہ ہوتی ہے انہی کو دیکھنا تو اصل میں ایک ''کام'' ایک مرحلہ ہوتا ہے۔

''بس آپ کو یونہی چلتے پھرتے آئیڈیاز آتے رہتے ہیں...... اور آپ پینٹ کرتے رہتے ہیں......؟'' ماہین نے ایک اور پینٹنگ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا، اس پینٹنگ میں موسمِ خزاں کی ترجمانی تھی......

''اکثر نیند سے جاگ کر پینٹ کرتا ہوں۔''

''خواب میں دیکھتے ہیں کیا......؟'' ماہین نے فطری برجستگی کا مظاہرہ کیا اور اپنے سوال پر خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اکثر......'' جواب بھی برجستہ آیا۔

جس پر دونوں نے حیرت سے پرنس کی طرف دیکھا تھا۔

اسی وقت انٹرکام پر رنگ ہوئی تھی۔ پرنس نے معذرت خواہانہ انداز میں اشارہ کیا اور انٹرکام کی طرف بڑھ گیا۔

سفینہ اپنے دھیان میں چلتی اب ایزل کی طرف آ گئی تھی کیونکہ ماہین ایک شیشے کے جار میں بھرے ہوئے قدیم سکوں کو دیکھنے لگی تھی...... سفینہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ آج کل پرنس کیا پینٹ کر رہا ہے...... ایزل پر کچھ نہیں تھا البتہ ٹیبل پر کچھ شیٹس رکھی ہوئی تھیں...... اس نے ایک نظر پرنس پر دوڑائی جس کی سفینہ کی طرف پشت تھی اور ریسیور کان سے لگائے دوسری جانب کی بات سن رہا تھا۔

شیٹ کی پشت سے ہی پتا چل رہا تھا کہ وہ blank نہیں ہے۔ اس نے بڑے پُر اشتیاق انداز میں شیٹ اٹھائی تو سات اعشاریہ سات صفر کا زلزلہ آیا تھا...... فرش سے گویا قدم اکھڑ گئے...... اس کے سامنے زارا کا اسکیچ تھا۔

(جاری ہے)

Downloaded From http://paksociety.com

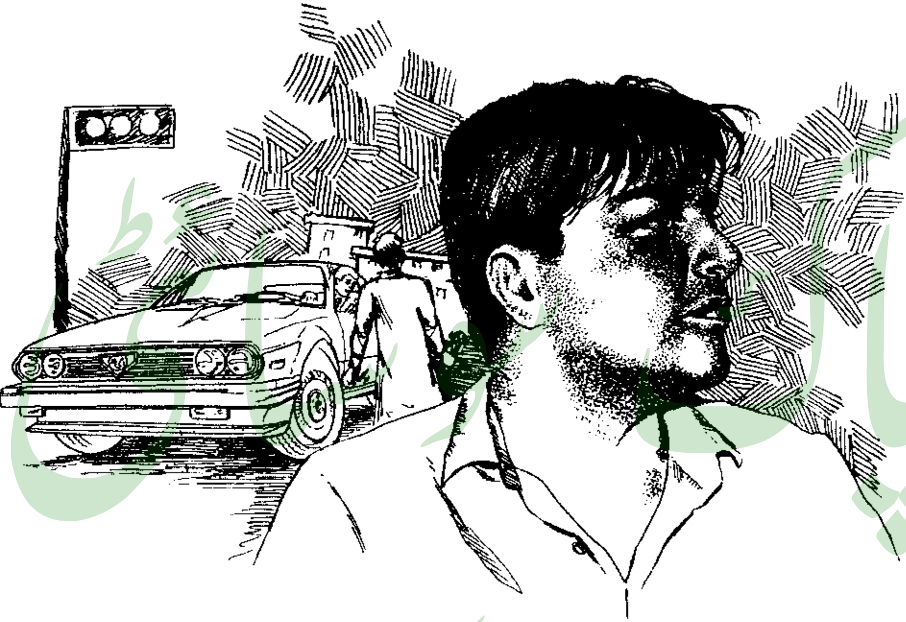

مجھے رنج ہے یہ برا ہوا

سمیرا یونس ہارون

وہ آج بھی معمول کی طرح ہی سرخ بتی پر رکا تھا جب وہ گجرے لیے چلا آیا اور کھڑکی پر جھکتے ہوئے گاڑی سے بالکل لگ کر کھڑا ہوگیا یوں کہ اگر گاڑی اس وقت حرکت میں آجاتی تو اسے ضرر پہنچانے کا باعث بھی بن سکتی تھی۔

''ایک تو یہ جاہل، اجڈ، گنوار لوگ..... مریں گے اپنی ہی غلطی سے مگر دوسروں کی زندگی عذاب کرجائیں گے۔'' اس نے طیش کے عالم میں شیشہ

Downloaded From http://paksociety.com

نیچے گرایا، موسم کی ساری حدت، ٹھنڈی گاڑی کا درجۂ حرارت بڑھا گئی اور اسی حساب سے اس کے مزاج کا درجۂ حرارت بھی بڑھا۔

کچھ سخت کہنے کے لیے وا ہوتے لب اس وقت باہم پیوست ہوگئے جب اس کی نگاہیں اس شخص کی نظروں سے ٹکرائیں۔

کیا تھا ان بھوری نگاہوں میں؟ اسے لگا جیسے وہ مکمل طور پر ہپنا ٹائز ہوگیا ہو یا...... یا پھر شاید وہ ساحر تھا، جس نے لمحوں میں اسے مسحور کردیا تھا۔ کچھ اس طرح کہ اس کی زبان کچھ بھی نازیبا کہنے سے ایک دم قاصر ہوئی۔ اور وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔

''گجرے لیں گے سائیں......؟'' اس بیں، بائیس برس کے لڑکے کی بھوری نگاہیں اس وقت امید کی ایک ننھی کرن کی بدولت کسی شفاف کانچ کے مانند چمکنے لگی تھیں۔

احمد نے گہری سانس لے کر موتیے، چنبیلی اور گلاب کی ملی جلی کو شبو کو اپنے اندر اتارا اور بے اختیار کہہ اٹھا۔

''سارے دے دو۔''

''جی......؟'' اس نے بے یقینی سے اس کی سمت دیکھا۔

''میں نے کہا سارے دے دو۔'' احمد نے اپنے الفاظ دُہرائے۔

وہ ایک دم بے یقینی کی کیفیت سے باہر آکر کن کیفیات میں گھرا تھا؟ احمد نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھا...... خوشی، مسرت، اطمینان اور ممنونیت کا حسین ملاپ اس نے پہلے کبھی کسی کی نگاہوں میں یوں اکٹھے نہیں دیکھا تھا۔ سو وہ مبہوت ہوا اور اپنے مبہوت ہونے پر حیران بھی۔

وہ عام سے نقوش والا لڑکا جس کی رنگت دھوپ کی تمازت سہہ، سہہ کر سنولا گئی تھی۔ اپنی بھوری چمکیلی آنکھوں کے سوا کوئی چیز مبہوت کردینے والی نہیں رکھتا تھا سو اس کا حیران ہونا بجا تھا۔ اور وہ اپنے اس عمل پر اور زیادہ حیران ہوا جب اس نے نوٹس کیا کہ وہ ڈھیر سارے پھول اور گجرے فقط اس سانولے لڑکے کو طمانیت پہنچانے کے لیے خریدنا اپنا معمول بنا چکا ہے، ورنہ پھولوں کا وہ ننھا ڈھیر تو ڈیش بورڈ پہ پڑا گاڑی کو مہکاتا رہتا اور اگلے دن علی الصباح کوڑے دان کی زینت بن جاتا۔

☆☆☆

گاڑی اسی چورنگی پر پہنچ گئی تھی۔ اشارہ سبز ہی تھا سو اسے رکنے کا موقع نہیں ملا...... مگر اس کی نگاہیں اسے دیکھ چکی تھیں۔ سو اس نے اسے اشارہ کیا اور چوراہا کراس کرکے گاڑی آگے جا کر سائڈ پر روک دی۔

''کیا ہوا؟'' اچانک گاڑی کو اس طرح روک دینے پر اس کے ساتھ بیٹھے اس کے کزن اور دوست مومن نے کسی قدر حیرت سے استفسار کیا۔

''گجرے لینے ہیں۔'' احمد نے اطمینان سے کہا۔

''گجرے......؟'' وہ مزید حیران ہوا...... ''پر کس لیے......؟'' وہ اس کی ان حرکتوں سے ناواقف تھا۔

احمد نے تین ماہ قبل ہی تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے باپ کا آفس جوائن کیا تھا جبکہ اس کے تایازاد مومن کا آج پہلا روز تھا سو وہ مکمل طور پر لاعلم تھا۔

احمد نے کوئی جواب نہیں دیا اور بیک ویو مرر پر نگاہیں جمادیں۔ وہ بھاگتا ہوا ہیں آرہا تھا۔ باہر سخت گرمی تھی، وہ پسینے سے شرابور ہانپتا ہوا اس کی گاڑی کے پاس آرکا۔

''السلام علیکم......'' احمد نے شیشہ نیچے کیا۔

''وعلیکم السلام......! میں کب سے آپ کا انتظار کررہا ہوں، آج شاید آپ کچھ لیٹ ہوگئے......'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ٹریفک معمول سے زیادہ تھی، اسی لیے لیٹ ہوا۔'' اس نے جواب دیا اور والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

''یہ سارے پھول ڈیش بورڈ پہ رکھ دو عثمان......'' اس نے پیسے بڑھاتے ہوئے کہا۔

Downloaded From http://paksociety.com

"سارے......؟" مومن حیرت سے چیخا......

"اتنے سارے کس کے لیے؟"

"اپنی منگیتر کے لیے...... اسے پھول بہت پسند ہیں۔" اس نے کسی قدر شرارت سے کہا اور مسکرا کر پہلے مومن اور پھر عثمان کی سمت دیکھا تو جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔

"اچھا میں چلوں اب۔" عثمان نے مصافحہ کیا اور چل دیا تو اس نے فوراً گاڑی آگے بڑھائی۔

"تم نے جواب نہیں دیا احمد...... میں تو حیران ہوں کہ یہ اتنے سارے پھول تم نے کس کے لیے خریدے ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"اسی لڑکے کے لیے جس سے خریدے ہیں۔" اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

""کیا مطلب اسی کے لیے خریدے ہیں؟ تم جانتے ہو اسے؟ لگتا ہے کافی واقفیت ہے، نام بھی معلوم ہے اس کا۔" وہ چڑا......

"بھئی مجھے یہ لڑکا بہت ضرورت مند لگتا ہے سو میں اس کی مدد کے خیال سے یہ کام کرتا ہوں...یوں باتوں، باتوں میں نام بھی پتا چل گیا۔" اس نے ڈرائیونگ پہ توجہ مرکوز رکھتے ہوئے بنا اس کی سمت دیکھے جواب دیا۔

"واہ بھئی! یعنی نیکی کی طرف مائل ہو! ورنہ کسی ضرورت مند کی مدد کرنے جیسا عمل پہلے تو کبھی تم سے سرزد نہیں ہوا۔" مومن نے طنز سے کہا۔ بچپن کا ساتھ تھا سو وہ بخوبی واقف تھا۔

احمد نے جواب دینا ضروری نہ جانا تو قدرے توقف کے بعد مومن پھر گویا ہوا۔

"ویسے تم سے بات وہ اس طرح کر رہا تھا جیسے بہت پرانی شناسائی ہو۔" اس نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"زیادہ نہیں، فقط ڈیڑھ ماہ پرانی ہے۔"

"واہ کیا بات ہے میری......!" مومن نے دائیں ہاتھ سے اپنے ہی بائیں کندھے پر تھپکی دی۔

"کس قدر درست اندازے لگاتا ہوں میں۔" وہ چڑ ہوا تھا اور مسلسل طنزیہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔

"یعنی تم پچھلے ڈیڑھ ماہ سے اسی طرح اس "ضرورت مند" کی "مدد" کرتے چلے آ رہے ہو؟" اس نے ضرورت مند اور مدد پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں......" مومن کا ردِعمل اسے حیران نہیں کر رہا تھا۔ وہ خود بھی انہی خیالات کا حامل تھا مگر عثمان کے معاملے میں اس کے خیالات یکسر بدل گئے تھے او یہ بات اسے ضرور حیران کرتی تھی۔

"مطلب بے وقوف بنتے چلے آ رہے ہو؟" اس نے اب کی بار صاف لفظوں میں کہا تو اس نے لب بھینچ لیے۔

"یار کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" احمد نے کسی قدر...... بے بسی سے کہا۔

"اول درجے کے فراڈیے ہوتے ہیں ایسے لوگ۔" مومن نے اسے بے وقوفانہ عمل سے باز رکھنے کی سعی کی۔

احمد نے لب بھینچ کر اپنی ناگواری کو روکا۔

"دوسروں کی کمائی اور روپے پیسے پر حریصا نگاہیں رکھنے والے۔" مومن اپنے خیالات کا اظہا کیے گیا۔ عثمان کے خلاف اس قسم کے الفاظ اسے ناگوا گزر رہے تھے۔

"آج پھول فروخت کر کے تمہیں ٹھگ رہا ہے، کل ساری محنت مشقت چھوڑ کے، محض جھوٹے قصے سنا ک تمہیں لوٹے گا۔" اس کا پارہ بتدریج چڑھتا جا رہا تھا۔

"وہ اس طرح کا لڑکا نہیں ہے۔" اس قسم کی گفتگو سہنا کچھ ایسا سہل نہیں تھا سو وہ قدرے تلخ لہجے میں کہہ اٹھا۔

"وہ اسی قسم کا لڑکا ہے۔" اس نے اپنی بات پ زور دیتے ہوئے کہا۔

"لالچی اور ہڈ حرام...... میری بات لکھ لو چند دنوں میں ہی یہ پھول وول بیچنا چھوڑ کر تمہاری ہمدردی اور خدا ترسی کو ایکسپلائٹ (ناجائز فائدہ اٹھانا) کر شروع کر دے گا۔ بھکاری ہی ہوتے ہیں یہ لوگ مگران

Downloaded From http://paksociety.com

کے بھیک مانگنے کا انداز ذرا جدا ہوتا ہے۔'' وہ تلخی میں حد سے گزر گیا۔

''مومن پلیز! خاموش ہوجاؤ۔'' اسے ضبط کرنا انتہائی دشوار لگا سو وہ لب کاٹتے ہوئے کہہ اٹھا۔ مومن نے اس کی ضبط سے سرخ پڑتی رنگت دیکھی اور بادلِ ناخواستہ خاموش ہوگیا۔

مگر اگلے روز آفس جانے سے قبل احمد اس کے گھر پہنچا تو مومن نکل چکا تھا۔ احمد ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ اس سے ناراض ہوگیا تھا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ مومن برہم ہو کر اس بات کے خلاف خوب بولے گا۔ سوا سے یہ بھی یقین تھا کہ اب مومن کا روزانہ اس کے ساتھ آفس آنا جانا اسے اس حوالے سے بہت محتاط کردے گا۔

وہ پہلی بار مومن کے اس طرح ناراض ہونے پر خوش ہوا...... کم از کم ایک روز کی آزادی تو اس نے اسے دے ہی دی تھی۔

وہ مخصوص چوراہے پہ سرخ اشارے پر رکا اور دائیں، بائیں تلاش شروع کردی۔

وہ عقب سے آرہا تھا۔ عقبی شیشے میں اس کی شبیہہ ابھری۔ اس نے نظریں شیشے پہ ہی مرکوز رکھتے ہوئے ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل اٹھائی اور لبوں سے لگائی۔ اس میں سے چند بوندیں ہی نکل سکیں۔ جس نے اس کے حلق کو بہ مشکل ہی تر کیا...... وہ آج پانی ساتھ لینا بھول گیا تھا۔ سو اس نے جھنجلا کر خالی بوتل کو ساتھ والی نشست پر پھینکا۔

دفعتاً اس نے دیکھا کہ عثمان اس طرف بڑھتے، بڑھتے اچانک مڑا اور مخالف سمت پر تیز قدموں سے بڑھنے لگا۔

احمد نے قدرے حیرت سے اس کی اس حرکت کو نوٹ کیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ کچھ سوچتا اشارہ کھل گیا۔ اس نے گاڑی آگے جا کر اگلی سڑک پر روک دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔ چند منٹوں بعد عقبی شیشے میں ایک بار پھر وہی سین چلنے لگا تھا۔ وہ ہلکے قدموں سے بھاگتا ہوا اسی سمت آرہا تھا مگر اس بار اس کے ہاتھ میں منرل واٹر کی بوتل بھی تھی۔

''السلام علیکم......!'' قریب پہنچ کر اس نے مسکراتی آنکھوں اور پھولی سانسوں کے ساتھ ٹھنڈی بوتل اس کی سمت بڑھائی۔

''وعلیکم السلام! تم نے کیسے اندازہ لگایا عثمان کہ میں آج پانی لینا بھول گیا ہوں؟'' وہ متحیر ہوا۔

''آج کل آپ کی وجہ سے میں اس سڑک سے گزرنے والی ہر سلور گرے گاڑی کو نہایت توجہ دینے لگا ہوں۔ اور اگر وہ سلور گرے گاڑی آپ ہی کی ہوتی ہے تو میں خود سراپا توجہ بن جاتا ہوں۔'' وہ محض میٹریکولیٹ تھا مگر اس کے بات کرنے کا انداز اور خوب صورت لب و لہجہ اسے کافی پڑھا لکھا ثابت کرتے تھے۔

''میں نے آپ کی گاڑی کے شیشے سے ہی آپ کو پانی پیتے اور پھر غصے سے بوتل کو سائڈ پر پھینکتے دیکھا تھا۔'' احمد حیرانی سے اس کی صورت تکنے لگا۔ اتنی دور سے، گاڑیوں کے ہجوم میں یوں باریک بینی سے جائزہ لینا بھلا اتنا آسان کب ہوتا ہے؟

''یہ واقعی میرے لیے سراپا توجہ بن جاتا ہے۔'' وہ اس کی اس بات پر دل و جان سے ایمان لے آیا۔

''اس لیے میں پانی لینے کے لیے واپس مڑ گیا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ کے تاثر پر کمزوری اور نقاہت کے تاثرات حاوی ہو رہے تھے۔ وہ کافی مضمحل لگ رہا تھا۔

''تم آج پھول نہیں لائے؟'' اس نے بوتل لبوں سے لگاتے ہوئے اس کے خالی ہاتھوں کی سمت دیکھ کر استفسار کیا اور اپنے سوال پر خود ہی چونک اٹھا۔

''آج پھول فروخت کرکے تمہیں ٹھگ رہا ہے، کل ساری محنت مشقت چھوڑ کے محض جھوٹے سچے قصے سنا کر تمہیں لوٹے گا۔'' کل گزر جانے والے لمحے آج پھر اس کی نگاہوں کے آگے سے گزرنے لگے۔ اس نے سر جھٹک کر سوچیں جھٹکیں۔

''نہیں......'' وہ بائیں ہاتھ سے گاڑی کی کھڑکی

Downloaded From http://paksociety.com

کا سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔

''کیوں......؟'' اس نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے استفسار کیا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں...... اماں نے کہا آج چھٹی کرلو...... میں گھر پہ ہی تھا۔ یہاں صرف آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' اس کے تفصیلی جواب پر ایک بار پھر مومن اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

''میری بات لکھ لو...... چند دنوں میں ہی وہ یہ پھول وول بیچنا چھوڑ کر تمہاری ہمدردی اور خدا ترسی کو ایکسپلائٹ کرنا شروع کردے گا۔''

''نہیں...... یہ ایسا نہیں ہے۔'' اس نے بہت بے چین ہوکر عثمان کا گاڑی کی کھڑکی پر دھرا ہاتھ تھاما اور ایک دم پُرسکون ہوگیا۔

اس کا ہاتھ کسی انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ وہ پریشان ہونے کے بجائے مطمئن ہوگیا۔

وہ واقعی ایسا نہیں تھا جیسا مومن اسے سمجھ رہا تھا۔

''تمہیں تو بڑا تیز بخار ہے عثمان...... ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟''

''جی......!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کس ڈاکٹر کے پاس......؟'' اسے اس کے جواب پر غلط بیانی کا شبہ ہوا تھا سو وہ جرح کرنے لگا۔

''اماں......'' اس نے سادگی سے کہا تو وہ چونک اٹھا۔

''تمہاری ماں ڈاکٹر ہے؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''مگر وہ بخار کا علاج جانتی ہے۔''

''اچھا......! کیا تجویز کرتی ہیں وہ بخار کے مریض کے لیے؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پیناڈول۔'' وہی سادگی بھرا جواب...... احمد گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''چلو آؤ...... بیٹھو گاڑی میں۔'' اس نے حکم صادر کیا۔

''نہیں سائیں...... میں اب چلوں گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کا سہارا چھوڑا۔

''عثمان!'' اس نے مصنوعی ناراضی سے اس کی سمت دیکھا۔ ''منتیں کروانا چاہتے ہو کیا؟'' اس نے جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا لیا۔

''نہیں سائیں! مگر......''

''تو پھر آجاؤ......'' اس نے اس کی بات قطع کی اور مزید کچھ نہ سننے کے لیے اپنے برابر کی نشست کا دروازہ کھول کر سیدھا ہو بیٹھا۔

وہ متذبذب سا اس کے برابر آبیٹھا۔

''آپ اتنا کچھ کیوں کررہے ہیں میرے لیے......؟ میں آپ کے احسان تلے دبا جارہا ہوں، کیسے اتار پاؤں گا میں ان سب کا قرض؟'' ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائیں خریدنے کے بعد جب احمد اس کے لیے پھل خریدنے لگا تو وہ کہہ اٹھا۔

احمد کو اس کا غیرت بھرا جملہ افسردہ کر گیا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ کسی کے احسان کا بدلہ احسان کے ذریعے ہی چکایا جاتا ہے؟'' وہ گاڑی کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

عثمان خاموش ہی رہا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے۔'' وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''لیکن اگر تم پھر بھی ایسا سمجھتے ہوئے قرض اتارنا چاہتے ہو تو مجھ پر یہ احسان کرکے اتار سکتے ہو کہ آئندہ اس بات کا ذکر کبھی نہ کرنا...... تم ان سب باتوں کو خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ کیونکہ ہر بار تمہاری زبان سے اس بات کا ذکر مجھے افسردہ کرنے کا باعث بنے گا۔'' اس نے باور کروایا۔

''چلیں ٹھیک ہے۔'' عثمان مسکرایا۔ ''احسان کا قرض اترا، اب پیسوں کی بات ہوجائے۔'' اسے یوں کسی کا زیر بار ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا اور وہ اسے ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''اس کی گنجائش رہتی تو نہیں مگر پھر بھی بولو۔''
اس نے گہری سانس بھر کے اجازت دی۔ وہ جان گیا تھا کہ اسے یوں کسی کی مدد لینا مناسب نہیں لگ رہا۔ اسے اس کی گاڑی میں بیٹھنا نامناسب لگ رہا تھا۔ وہ ایک خوددار لڑکا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ مومن کو بتائے کہ دیکھو تم نے کتنے غلط اندازے لگائے تھے۔

''آپ ہر روز مجھ سے پھول خرید تے ہیں، کل رقم کی ادائیگی مت کیجیے گا۔''

''لیکن کل تو مجھے پھول چاہیے ہی نہیں ہوں گے۔'' اس نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے اس کے تاثرات نوٹ کرنا چاہے۔

''کیوں؟'' اس نے اپنے چہرے کو ہر قسم کے تاثرات سے عاری رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہنے کی سعی کی مگر اس کی آنکھیں ایسے کسی بھی معاملے میں اس کا ساتھ کبھی نہیں دے پاتی تھیں وہ ہمیشہ اس کے ساتھ دھوکا کر جاتی تھیں سو اس وقت بھی احمد نے اس کی آنکھوں میں امید اور آس کے ڈھیروں جگنوؤں کو مرتے دیکھا۔ جبکہ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ کی منگیتر اب آپ کی بیوی بن گئی ہے کیا؟''

''منگیتر......؟'' وہ پہلے حیران ہوا پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ اس نے کل اس کے سامنے ازرہِ مذاق مومن سے یہی کہا تھا۔ وہ ایک دم مسکرا دیا۔

''نہیں جگر......! چند روز کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں، آفس کے کام کے سلسلے میں۔'' بات کے اختتام پر احمد نے چند اور جگنوؤں کو اس کی آنکھوں میں تڑپتے دیکھا۔

''اچھا......'' اس نے لب بھینچے۔ ''لیکن کام دھندا تو چلتا رہتا ہے سائیں! آپ جب واپس آئیں گے تب لوٹا دوں گا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''یعنی لوٹاؤ گے ضرور؟'' اس نے گہری سانس لی۔ ''او کے ٹھیک ہے، چلو اب۔'' اس نے گویا ہار مان لی اور مڑ کر کار کا دروازہ کھولا۔

''آپ کو پتا ہے، میرے باپ کو مرے ہوئے چھ برس گزر چکے ہیں۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اچانک ہی ایک غیر متوقع بات کہی تو احمد نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

''یہ آج یوں اچانک اسے اپنا باپ کیوں یاد آ رہا ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گیا۔

''اس کی یاد تو مجھے روز ہی آتی ہے۔ میں انہیں بھولا نہیں ہوں۔'' اسے اس کی سوچوں تک رسائی نہیں تھی مگر وہ بے خبری میں ہی اس کی سوچ کا جواب دے گیا تھا۔

''مگر جب بھی میں ان سرخ سیبوں کو دیکھتا ہوں تو میری نگاہوں کے سامنے ان کی زندگی کا آخری دن پھر سے چلنے لگتا ہے۔'' اس نے ڈیش بورڈ پہ دھرے سیبوں کے لفافے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے کہا۔

''وہ بادشاہ نہیں تھا مگر مجھے شہزادوں کی طرح رکھتا تھا۔ اور جب مجھ سے دو سال بڑے میرے بھائی کو کسی اندھی گولی نے چاٹ لیا تو پھر اس کے بعد میں اس کے لیے اور بھی زیادہ قابلِ توجہ بن گیا۔'' سر جھکا کر، بنا اس کی طرف دیکھے کہتا ہوا وہ اسے کسی قدر افسردہ لگا۔ احمد نے لب بھینچے، اسے عثمان کی افسردگی مضطرب کر گئی۔

''وہ سبزی بیچا کرتا تھا مگر سرخ سیبوں کو دیکھ کر مجھے اس کا آخری دن اس لیے یاد آتا ہے کہ اس نے اس روز میرے لیے سیب خرید کر کچھ فاصلے پر موجود اپنے دوست کی دکان پر رکھوا دیے تھے کہ جاتے سمے لے، لے گا مگر اس سے قبل ہی بم نے اس کے پرخچے اڑا دیے۔ سیب مجھ تک صحیح حالت میں پہنچ گئے مگر میرا باپ نہیں۔'' اس نے سابقہ لہجے میں کہا۔

''میرے خدا......'' احمد سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ عثمان کا غم جیسے اس کے دل میں منتقل ہو گیا ہو۔

''یوں کسی کو اپنے بارے میں بتانا میری عادت کے خلاف ہے مگر پتا نہیں کیوں سائیں...... آپ کے سامنے میں بہت سے کام عادت اور مزاج کے برخلاف کر جاتا ہوں۔'' اس نے گویا اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔

Downloaded From http://paksociety.com

احمد محض مسکرا کر رہ گیا۔ وہ کہہ نہ سکا کہ......

"آج کل میں بھی ایسی ہی بے بسی تمہارے آگے محسوس کرتا ہوں۔"

عثمان کو چوک پہ اتار کر وہ قریب ہی واقع بینک گیا۔

"یار......! میرا ایک کام کر۔" اس نے اپنے منیجر دوست سے بعجلت کہا۔ "یہ لے پیسے......" اس نے والٹ سے پیسے نکال کر اس کی سمت بڑھائے۔

"میں تین روز کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں، میری غیر موجودگی میں تم روزانہ عثمان کے سارے پھول لے لینا۔" منیجر ظہیر بھی اس کی عثمان پھول والے کی قربت سے واقف تھا۔

"مگر اسے اس بات کی خبر... نہیں ہونے دینا کہ تم میرے کہنے پر پھول خرید رہے ہو۔" اسے آفس سے دیر ہو رہی تھی اور کچھ وہ ظہیر کے سوالات سے بھی بچنا چاہتا تھا۔ اس لیے بعجلت باہر کی جانب بڑھا۔

"اوئے ...... بات تو سن یار......" ظہیر نے عقب سے ہانک لگائی تھی۔

"باقی باتیں فون پر۔" بلند آواز میں کہتے ہوئے وہ نکل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ مومن کے ساتھ جب بینک سے باہر آیا تو اپنی گاڑی سے عثمان کو برآمد ہوتے دیکھ کر ایک دم حیران ہوا۔

"السلام علیکم۔" اس نے قدرے شرمندگی سے سلام کیا۔

"آپ کی گاڑی نو پارکنگ میں کھڑی تھی۔ میں اگر بروقت نہ بیٹھ جاتا تو لفٹر اسے اب تک کہیں کا کہیں پہنچا چکا ہوتا۔ وہ تو شکر ہے کھلی ہوئی تھی۔" اس نے اپنے فعل کی وضاحت شرمندگی کے احساس سے مغلوب ہو کر کی۔

"چور، اٹھائی گیرا......" مومن ناگواری سے کہتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھا۔ آواز اتنی پست نہ تھی کہ عثمان تک نہ پہنچتی۔

احمد نے چونک کر پہلے مومن اور پھر عثمان کی سمت دیکھا۔

"اوہ خدا! کہیں اس نے سن نہ لیا ہو۔" احمد نے بغور اس کی صورت دیکھی۔

اس کے چہرے سے کوئی سایہ تیزی سے گزرا اور آنکھوں کے ستارے بجھا گیا۔

احمد نے سختی سے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔ اسے مومن پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا، وہ آج ہی اسلام آباد سے لوٹا تھا۔ اور تین دن کے بعد وہ اس سے ایسی ملاقات تو ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

"میں تو صرف آپ کو خواہ مخواہ کی خواری سے بچانا چاہتا تھا۔" وہ بولا نارمل لہجے میں تھا مگر اس لہجے کو نارمل رکھنے میں اسے کتنی دشواری پیش آئی ہوگی، وہ بخوبی جانتا تھا۔

"چلتا ہوں......" دھیمی آواز میں کہہ کر وہ مڑا اور بتدریج دور ہوتا چلا گیا۔

احمد اسے روکنا چاہ رہا تھا مگر مارے شرمندگی کے آواز نے ساتھ دینا چھوڑا۔

شرمندگی، پچھتاوا اور غصہ یہ تین ایسے احساسات تھے جو انتہا کو پہنچتے تھے تو اسے بالکل گنگ کر دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی اس عادت سے بارہا نقصان اٹھانے کی وجہ سے حد درجہ عاجز آیا ہوا تھا مگر آج اس کی خاموشی عظیم نقصان کی وجہ بن جائے گی...! سے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا اسی لیے اسے جتنا آج اپنی اس عادت سے نفرت محسوس ہوئی اتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے بے بسی سے لب کچلتے ہوئے دور جاتے عثمان کو دیکھا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔

"گاڑی کو ایک بار چیک کر لو، کہیں کوئی قیمتی شے غائب ہی نہ ہو۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی مومن کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس نے لب بھینچ کر کچھ بھی سخت کہنے سے خود کو بہ مشکل روکا اور گہری سانس لی۔ نتیجتاً موتیے کی مہک اس کے اندر تک اترتی چلی گئی...... اس نے چونک کر ڈیش بورڈ کی طرف دھیان دیا، جہاں غصے کے عالم میں اس نے اب تک توجہ ہی نہیں دی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

وہاں پھولوں کے ساتھ کچھ نقدی بھی تھی۔

''لیکن کام دھندا تو چلتا رہتا ہے سائیں......! آپ جب واپس آئیں گے تب لوٹا دوں گا۔'' ذہن میں عثمان کے چند روز قبل کہے گئے الفاظ ابھرے اور اس کی پیشانی عرق آلود کر گئے۔

''اوہ خدا......!'' اس کا دل افسردگی کی اتھاہ گہرائی میں جاڈوبا۔

☆☆☆

''گاڑی صبا کے کالج کے آگے روکنا یار! اس کے پرنسپل سے کچھ کام ہے۔'' مومن نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی بہن کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''مومن......! کیا تمہیں پتا ہے کہ تم عثمان کے متعلق کتنے غلط مفروضے قائم کرتے رہے ہو؟'' کل جو کچھ ہوا تھا وہ ان خیالات سے اپنے ذہن کو آزاد نہیں کر پارہا تھا سو مومن کو دیکھتے ہی اس نے سوچا ضرور مگر کہہ نہیں پایا۔

''وہ شاید سوچ رہا ہوگا کہ میں بھی اس کے متعلق یہی خیالات رکھتا ہوں۔'' گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے اس نے سوچا۔

''اور اگر وہ یہی سمجھا ہوگا تو اس کا دل دکھ کی کن انتہاؤں کو پہنچا ہوگا؟'' کل سے وہ اس ایک بات کا اندازہ لگانے کی سعی متعدد بار کر چکا تھا۔

''اُف خدا......! شرمندگی کے مارے، میں تو اب اس کا سامنا کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔'' بےبسی کا ادراک بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا گیا۔

''اور وہ خود دار لڑکا...... کیا وہ اب مجھ سے ملنا چاہے گا؟'' ایک اور سوال اس کا امتحان لینے آ کھڑا ہوا۔

''شاید کبھی نہیں......'' جواب نے اسے مضطرب کردیا اور بےقراری سے اس نے سوچا۔

''یہ مومن...... آخر یہ میرے معاملات میں ٹانگ کیوں اڑاتا ہے؟'' بےبسی کی انتہا پر وہ ایک بار پھر اس پورے قصے کی بنیاد تک پہنچا۔

''مگر اب بہت ہوگیا......اس سے زیادہ میں اب مومن کی مداخلت برداشت نہیں کروں گا۔'' اس نے تہیہ کیا۔

''مگر جو کچھ کل ہوا، میں اس پر کیوں خاموش رہا؟'' ذہن ایک بار پھر کل کے واقعے میں الجھا تو اسے اپنی ایک اور کوتاہی نظر آئی۔

''مجھے کچھ تو بولنا چاہیے تھا۔'' اس کا پچھتاوا بڑھا۔

''عثمان سوچ رہا ہوگا کہ میں بھی شاید اس کو چور ہی سمجھتا ہوں اور وہ بیچارہ کتنا دکھی ہوا ہوگا۔'' ہر سوچ کا سرا اسی خیال سے ملتا اور اس کی بےچینی بڑھ جاتی۔ اس نے لب بھینچے اور سر جھٹک کر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی...... مگر ناکام ہوا۔ گاڑی اس مخصوص چوراہے پر پہنچ چکی تھی اور اس چوراہے کے چپے، چپے میں اس کی خوشبو رچی بسی تھی۔ کم از کم اسے تو یہی لگتا تھا۔

اس نے گاڑی کالج کے آگے روکی۔

''تم رکو......! میں بس ابھی آیا۔'' مومن گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔

''وہ شاید یہیں کہیں ہو......'' اس نے اردگرد نظر دوڑائی مگر اسے پانے میں ناکام ہوا۔

''شاید مجھے امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اب بھی پہلے کی طرح میری گاڑی کو دیکھ کر کھنچا چلا آئے گا۔'' وہ گویا خود کو ہی باور کروا رہا تھا۔

''اور اگر وہ آ بھی گیا تو کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ اس کا سامنا کرسکوں؟'' اس نے خود کو ٹٹولا۔

''نہیں۔'' چند لمحوں میں ہی وہ فیصلے تک پہنچا......''شاید ابھی مجھے چند دن لگیں اس قصے کو بھولنے میں۔ سو میں فی الحال تو اس کا سامنا کر ہی نہیں سکتا۔'' وہ خود اپنے آپ کو سمجھنے میں حد درجہ کنفیوزڈ ہو رہا تھا مگر درحقیقت وہ شرمندہ تھا اور اس کا سامنا کرنے سے خائف بھی......سو وہ گاڑی سے اترا اور اس سمت بڑھ گیا جہاں مومن گیا تھا۔

وہ فقط عثمان کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے یہاں آیا تھا اسی لیے وہ صدر دروازے سے گزر کر قریب ہی رکھی ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔

Downloaded From http://paksociety.com

فضا میں حد درجہ حبس تھا۔ اس نے رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور آستین فولڈ کرتے ہوئے بیزاری بھری سانس لی۔

''آج موسم کس قدر اکتا دینے والا ہے۔'' اس نے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''اور خدا جانے یہ اتنا اکتا دینے والا ہے بھی یا صرف مجھے ہی لگ رہا ہے۔'' اس کی نگاہ ذرا کی ذرا آسمان کی جانب اٹھی۔

''شاید آج موسم ہی بڑا سخت ہے۔'' درخت کی شاخوں پر دو کوے منہ کھولے یوں بیٹھے تھے جیسے پیاس سے بے حال ہوں۔ ''ورنہ یہ پرندے اس قدر... بے حال دکھائی دیتے کیا؟'' وہ گویا خود کو بہلا رہا تھا۔

''یہ لوگ بھی بڑے عجب ہوتے ہیں۔'' اس نے کالج گیٹ کے پاس کھڑے چوکیدار کو دیکھتے ہوئے سوچا جو دھوپ سے بے نیاز کسی پروفیسر کی گاڑی کے لیے گیٹ کھولے کھڑا تھا۔

''سختیاں اور مشکلات تو گویا ان کی دوست ہوتی ہیں...... انہیں کچھ کہتی ہی نہیں۔'' دھیان بٹانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلا مقصد ہی ہر کسی کو سوچنے لگ جائے۔

''گرمی......؟'' مگر دھیان بٹانا اس کے لیے اتنا آسان نہیں تھا سو ہر سوچ اس کی یاد سے جڑتی چلی جارہی تھی۔

''اس کا ہمیں تب پتا چلتا ہے جب لوگ سوئیٹر پہننا چھوڑ دیتے ہیں۔'' ایک بار اس کے کسی سوال کے جواب میں عثمان نے کہا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی......؟ گرمی تو ہر انسان کو ہی لگتی ہے۔'' اسے اس کا جواب قدرے عجیب لگا۔

''ہر انسان کا تو نہیں پتا مگر مجھے اگر لگتی بھی ہو گی تو محسوس نہیں ہوتی۔'' اس نے بے پروائی سے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

آسائشوں میں پلے بڑھے شخص کے لیے یہ بات اس وقت ضرور کچھ عجیب تھی مگر بہت بعد میں......اس کی زندگی کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ جان

لیمن گراس نہایت کار آمد پودا

جھاڑی نما اس پودے کا اصل وطن چین اور اس کے گردونواح کے علاقے ہیں۔ اس کی خوشبو سے مچھر بھی نہیں آتے۔ طبی نقطۂ نظر سے لیمن گراس کے بے شمار فائدے سامنے آرہے ہیں۔ سرطان جیسے مرض میں بھی مفید ہے۔ اس کا قہوہ سبز الائچی کے ساتھ بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے جسم کی تھکن دور ہو جائے گی، کھانا ہضم ہو گا۔ منہ میں اس کا ذائقہ کافی دیر تک رہے گا۔ لیمن گراس کا قہوہ چڑچڑا پن، دماغ پر بوجھ، تناؤ، پریشانی دور کرتا ہے پیٹ سے گیس کم کرنے اور مزید آنتوں میں گیس کی تشکیل کو روکنے کے لیے مدد کرتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر کو کم کرنے کے لیے لیمن گراس کا جوس استعمال کیا جاتا ہے۔ کیل مہاسوں کو کم کرنے میں ایک ریفریشر کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس کا جوس پیشاب کی نالی میں انفیکشن اور زخموں کے علاج میں مفید ہے۔ خواتین کی صحتِ جلد اور جسم کی بدبو جیسی بیماریوں کے علاج میں مدد ملتی ہے۔ چہرے کے کیل مہاسے ختم ہو جاتے ہیں، چہرہ خوب صورت و شاداب ہو جاتا ہے۔ لیمن گراس کا تیل گرم اثر دینے کے لیے پورے جسم میں مساج کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تیل جوڑوں کا درد اور پٹھوں کے درد کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ لیمن گراس کی چائے پینے سے حیض درد اور متلی کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ عام طور پر باورچی خانے میں مچھروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خوشبو دار پودا ہے۔ اس کے قہوے میں چینی کے بجائے شہد ملا کر پینے سے فلو، بخار میں فائدہ ہوتا ہے، کھانسی کم ہو جاتی ہے۔ چاولوں کو دم دیتے وقت لیمن گراس کے پانچ چھ پتے ڈالنے سے جب ڈھکنا ہٹتا ہے تو خوشبو پھیل جاتی ہے۔

مرسلہ: بنین عباس، کراچی

Downloaded From http://paksociety.com

گیا تھا کہ وہ حالات کی اتنی سختیاں جھیل چکا ہے کہ اب موسم کی سختیاں تو اس کے آگے کچھ معنی ہی نہیں رکھتیں۔ سو محسوس بھی نہیں ہوتی تھیں۔

''مگر کل مومن کے الفاظ کی سختی اس نے بخوبی محسوس کی تھی۔'' اس نے اس بات کا اندازہ عثمان کی اڑتی رنگت سے لگایا تھا۔

''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ایسا رویہ اس نے پہلی بار سہا ہو۔'' وہ پھر اپنی سوچوں کے آگے بے بس ہوا۔

گزرے کل کا واقعہ اسے اپنی بہت سی کوتاہیوں کی یاد دلائے جاتا تھا جو اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر رہا تھا۔ سو ذہن کو پُرسکون رکھنے کے لیے وہ شعوری طور پر اپنا دھیان بٹانے کی سعی کرتا رہا۔

''میرے خدا......!'' اس نے لب بھینچ کر بالوں میں ہاتھ چلایا۔ ''میں اس قصے کو بھول بھی جاؤں گا یا نہیں؟'' اس نے بے بسی سے کسی قدر جھنجلاتے ہوئے سوچا۔

''یوں بلاوجہ اس بات پر کڑھنے کے بجائے مجھے اس سے معافی مانگ لینی چاہیے۔'' اس نے بڑے جتنوں سے اپنے دل کو اس کا سامنا کرنے پر آمادہ کیا۔

''اور اسے بتا دینا چاہیے کہ وہ فقط مومن کے الفاظ تھے میرا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔'' وہ بڑی دیر میں اس نتیجہ پر پہنچا، جہاں بہت پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔

وہ اٹھ کر گیٹ کی سمت بڑھنا چاہتا تھا مگر اسی پل مومن آتا دکھائی دیا تو اسے بادلِ ناخواستہ رکنا پڑا۔

وہ جب کالج گیٹ سے نکلے تو دیکھا کہ لوگوں کی بڑی تعداد ہجوم کی صورت کوئی مفت کا تماشا دیکھنے میں محو تھی۔ وہاں شور تھا، بے انتہا شور......

چند پولیس والے ایک چور کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اب اسے سزا کے حق سے چند لمحے بھی محروم نہیں رکھنا چاہ رہے تھے اور مسلسل لاٹھی چارج کر رہے تھے۔

''چور بھلا کون تھا؟'' احمد نے چند فٹ کے فاصلے سے وہیں کالج گیٹ کے پاس کھڑے رہ کر دیکھا اور دنگ رہ گیا۔

''عثمان......؟'' بے یقینی سے اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

وہ نقدی سے بھرا ہوا بیگ چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ لاٹھی ایک بار پھر اٹھی اور پوری قوت سے گردن کے پچھلے حصے پر آ کے رکی تھی۔ وہ بلبلا کر پیچھے مڑا، درد کا ایک طوفان تھا جسے دوری کے باوجود بھی وہ اس کی آنکھوں میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ وہی طوفان اس نے اپنے سینے میں بھی اٹھتا محسوس کیا۔ سو نہایت ہی بے قراری سے وہ بے اختیار ہی اس کی سمت بڑھنے لگا مگر دو قدموں کے بعد وہ تیسرا قدم نہ اٹھا سکا اس کا ہاتھ مومن کی مضبوط گرفت میں آ چکا تھا۔

وہ ٹھٹک کے مڑا، ایک نظر مومن کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔

''آخر تم ایک چوری کی طرف داری کیسے کر سکتے ہو؟'' مومن نے اس کا ہاتھ چھڑانے کی کوشش پر چڑتے ہوئے کسی قدر غصے سے کہا۔

''مومن......!'' وہ اب کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا مگر پست آواز میں اس نے کچھ کہنے کی سعی کی۔

''مجرم کی حمایت کا مطلب، جرم کی حمایت ہے۔'' مومن نے اس کی بات قطع کی اور اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔

احمد نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا اور بے بسی سے پہلے مومن اور پھر عثمان کو دیکھا۔ جسے بری طرح دھکیلتے ہوئے پولیس موبائل میں بٹھایا جا رہا تھا۔ لاٹھی بدستور چل رہی تھی جس کا ہر وار عثمان اپنے جسم پر اور وہ اپنے دل پر سہہ رہا تھا۔

موبائل گزر گئی، بھیڑ چھٹ گئی مگر اس کی دل کی سرزمین پر چھائے افسردگی کے بادل نہ چھٹے۔

باہر کی فضا جتنی حبس زدہ تھی اندر کی اس سے کئی گنا بڑھ کے۔

وہ آفس آ گیا مگر سوچوں کو بے لگام چھوڑ دینے کی وجہ سے سوائے پیپر ویٹ گھمانے کے اور کوئی کام نہ کر سکا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''عثمان نے ایسا کیوں کیا؟ مجھ سے رقم لینا اسے شرمناک حرکت لگتی تھی تو پھر یہ......'' اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔

''میں چند روز ... اس سے نہیں مل سکا، خدا جانے کیا ایسی مجبوری آن پڑی ہوگی کہ وہ یہ حرکت کر بیٹھا۔'' اس کا دل یہ ماننے پر آمادہ ہی نہیں تھا کہ اس نے ایسی حرکت بغیر کسی مجبوری کے کی ہوگی۔

''اول درجے کے فراڈیے ہوتے ہیں یہ لوگ......'' مومن اس کے پچھلے خیال کی نفی کرتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

''مگر اس نے آج تک میرے ساتھ تو کوئی فراڈ نہیں کیا۔'' اگلے خیال نے مومن کے خیال کی نفی کردی۔

''تم ایک مجرم کی طرف داری کیسے کرسکتے ہو؟''

پیہم سوچنے سے اس کا ذہن بھی پیپر ویٹ کی طرح گول، گول گھومنے لگا اور اس کی نگاہوں میں لاٹھی چارج کا منظر گھوم گیا۔

''میرے خدا......!'' وہ بے قراری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب تک تو وہ لوگ اسے مار، مار کے حال سے بے حال کرچکے ہوں گے۔'' اسے یہ خیال اتنی دیر میں پہلی بار آیا تھا۔ سو وہ بے تابی سے گاڑی کی چابی لے کر دروازے کی سمت بڑھا۔

''مجرم کی حمایت کا مطلب، جرم کی حمایت ہے۔'' مومن کا خیال ایک بار پھر اس کی راہ روکنے کے لیے آکھڑا ہوا۔

''یوں ہے تو یوں ہی سہی......'' اس نے جھلا کر سوچا۔

''میرے دل میں خدا نے اس کی محبت پیدا کردی ہے اور محبت یہ کبھی نہیں دیکھتی کہ جس سے محبت کی جارہی ہے وہ چور اچکا، ڈاکو، لٹیرا ہے یا کسی ریاست کا شہزادہ۔'' وہ تیزی سے پارکنگ کی طرف بڑھا۔

''اب اگر وہ چور ہے تو میری محبت کا تقاضا ہے کہ میں اسے مشکلات سے نکالوں۔'' دل اب ضد پر اتر آیا تھا۔

☆☆☆

اس کے چھریرے بدن پر مشقِ ستم کی گئی تھی۔ مار، مار کے نیم جاں کردیا گیا تھا۔ چال میں واضح لنگڑاہٹ آگئی تھی۔

احمد کا سہارا لے کر تھانے کی حدود سے نکلتے ہوئے بے تحاشا تکلیف میں بھی اس کے چہرے پہ اطمینان کا تاثر بڑا واضح تھا۔

''آپ کو کیسے خبر ہوئی؟'' اس نے سکون سے پوچھا تو احمد نے اس کے چہرے پر شرمندگی کے کسی تاثر کو پانے کی کوشش کی اور ناکام ہوا۔

''میں اس وقت وہیں تھا۔'' احمد نے چند لمحوں کے توقف کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

''آپ اس وقت وہیں تھے؟'' اب کے اس کے چہرے پر حیرت ابھری۔

''مجھے پتا نہیں ایسا کیوں لگتا تھا کہ اگر آپ کو خبر ہوگئی تو پھر آپ دیر نہیں کریں گے۔'' اس کے جملے میں آس ٹوٹنے کی خبر ملتی تھی۔

احمد نے بغور اس کی صورت دیکھی۔

''کیا ہے یہ شخص......؟ اپنی حرکت پر نادم ہونے کے بجائے میرے لیٹ آنے پر شکوہ کناں ہے۔'' اسے افسوس نے آن گھیرا۔

''تم نے ایسی حرکت کیوں کی عثمان؟'' اس کے استفسار پر عثمان نے چونک کر اس کی سمت دیکھا اور تھک کر کار کے بونٹ پر ٹک گیا۔

''تمہیں اگر رقم کی ضرورت تھی تو مجھ سے کہتے......مگر یوں......'' عثمان کی صورت دیکھ کر وہ اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا۔

آج صبح جب پولیس کی لاٹھی وہ اپنی گردن پر سہہ کر مڑا تھا تو اس وقت احمد کو لگا جیسے وہ درد کی انتہا چھو آیا ہو مگر اب اس کی صورت دیکھتے ہوئے اسے لگا جیسے درد کی انتہا وہ اب سہہ رہا ہو۔

''مجھے خدا جانے ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ پوری دنیا مجھے چور سمجھے بھی تو میری ماں اور آپ...... وہ دو

Downloaded From http://paksociety.com

لوگ ہوں گے جو ان کی بات کا اعتبار کبھی نہیں کریں گے۔'' اس نے اپنے لہجے میں عود کر آنے والے دکھ کو چھپانے کی سعی کی مگر وہ اپنی ایسی کوششوں میں پہلے بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکا تھا سو اب بھی ناکام ہی رہا۔

''میں نے زندگی میں کبھی کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں بہہ رہے تھے مگر احمد کو شک گزرا کہ وہ رو رہا ہے۔

''کوئی مجھے برا سمجھتا ہے تو سمجھے...... مجھے کبھی اس چیز کی پروا نہیں رہی۔'' وہ لب کچل کر کچھ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا......؟ دکھ، آنسو یا درد......؟

''انہوں نے مجھے بے تحاشا مارا......'' اس نے اپنی کلائی پر موجود زخم کو دیکھ کر کہا۔

''مگر میں نے انہیں نہیں کہا کہ آپ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔'' اس نے اداسی سے کہا۔

''کچھ فائدہ بھی تو نہیں تھا۔ وہ کون سا یقین کر لیتے میری بات کا...... انہیں تو یقین تھا کہ میں ہی مجرم ہوں۔ سو مجھ سے میرے دوسرے ساتھیوں کا پتا پوچھتے رہے۔'' آنسو اس کے اب بھی نہیں بہہ رہے تھے مگر اب احمد کو یقین تھا کہ اس کا دل رو رہا ہے۔

''اس بات پر تمہارا اتنا دکھی ہونا بنتا نہیں عثمان۔'' احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آنکھوں دیکھی حقیقت کو بھلا کس بنیاد پر جھٹلایا جاسکتا ہے۔'' وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا مگر بجائے نادم ہونے کے وہ خود کو مظلوم سمجھ رہا تھا۔ سو وہ اپنے لہجے میں در آنے والی کاٹ کو روک نہ پایا اور اگلے ہی پل بے طرح پچھتایا بھی۔

اس نے کرلاتی نگاہوں سے احمد کی سمت دیکھا تھا۔ اور نچلا لب سختی سے دانتوں تلے دبایا۔ اس لمحے احمد نے اس کی بھوری، روشن آنکھوں کے تمام جگنوؤں کو پل کی پل میں مرتے ہوئے دیکھا۔ اور اپنے وجود کو آن کی آن میں بے کلی کی زد میں آتے۔

یکلخت خاموش ہو کر اس نے نگاہیں جھکائیں تو اردگرد سناٹوں نے ڈیرا جمالیا، تیزی سے گزرتا ٹریفک، لوگوں، گاڑیوں کا شور، کچھ بھی تو اس سناٹے کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ فضا میں موجود حبس ایک دم ہی انتہا کو پہنچا۔

احمد نے بے قراری سے بالوں میں انگلیاں چلائیں اور اس کے برابر آکر گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اردگرد کا سناٹا دھیرے، دھیرے اس کے اندر اترنے لگا۔

''اُف خدا......!'' اس نے آستین سے ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھا۔

''فضا میں حبس بڑھ گیا ہے کہ مجھے ہی کچھ زیادہ محسوس ہو رہا ہے؟'' اس نے نگاہیں آسمان کی جانب اٹھائیں۔

برسات کے بادلوں نے آسمان کو مکمل طور پر ڈھانپ رکھا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، آنکھوں دیکھی حقیقت کو جھٹلانا قدرے دشوار ہوتا ہے۔'' وہ اپنے احساسات چھپانے کے فن سے قطعی ناواقف تھا۔ سو کافی دیر بعد جب وہ بولا تو لہجے میں دکھ کی آمیزش بڑی واضح تھی۔

''مگر نہ جانے کیوں؟ اِک امید سی تھی کہ میرے حوالے سے آپ کے لیے یہ اتنا دشوار نہیں ہوگا۔'' لہجہ ہموار رکھنا اسے اس وقت انتہائی دشوار امر لگ رہا تھا۔

''میں نے آپ کو بتایا ناں کہ مجھے اس بات کی کبھی پروا نہیں رہی کہ کوئی مجھے بھلا سمجھتا ہے یا برا...... سو اسی سبب میں نے اپنے کسی بھی عمل کی کسی کے بھی آگے کبھی کوئی صفائی پیش نہیں کی۔'' وہ جھکی نگاہوں سے کہے گیا۔

''مگر اس دنیا میں دو لوگ ایسے ضرور ہیں جن کی مجھے پروا ہے، وہ میرے متعلق کچھ غلط سوچیں مجھے گوارا نہیں...... سو ان کے آگے اپنے کسی بھی عمل کی وضاحت دینا پڑتی ہے۔'' ہونٹ بھینچ کر وہ یکلخت خاموش ہوا۔

فضا میں حبس بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ احمد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''آج پولیس کے آدمیوں کو میں نے ایسے شخص

Downloaded From http://paksociety.com

کے پیچھے بھاگتے دیکھا جس کے ہاتھ میں کالا تھیلا تھا۔ وہ شخص پولیس کے ہتھے چڑھ ہی جاتا۔ مگر اس نے گھبراہٹ میں وہ تھیلا پاس کھڑی سلور گرے گاڑی کے کھلے شیشے سے اندر پھینک دیا۔'' اس نے صاف لفظوں میں نہیں بتایا کہ وہ دو لوگ کون ہیں جن کی اسے پروا ہے مگر وہ اپنے عمل کی وضاحت دینا شروع ہو گیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ شخص تھیلا کسی کا چوری کر لایا تھا، کسی سے چھینا تھا یا ڈاکا ڈالا تھا۔ مگر اس کالے تھیلے نے اس وقت میرے حواس کھو دیے تھے۔'' گاڑی کے بونٹ پر بیٹھے ہوئے اس نے دائیں ٹانگ اوپر کرنے کی کوشش کی تو تکلیف کے مارے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ اس نے لب بھینچ کر تکلیف سہی اور گہری سانس لے کر ایک دم موضوع سے ہٹا۔

''جسم پر آنے والے زخم بھر جائیں گے۔ مگر سوچتا ہوں، اس واقعے سے جو زخم دل پر لگے ہیں کیا وہ بھی کبھی بھر پائیں گے؟'' وہ اسے کچھ جتا رہا تھا مگر نہیں...... اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ فقرہ سرگوشیانہ انداز میں نہ کہتا وہ خود کلامی تھی سو اس کے کانوں تک بڑا دھیان لگانے کے بعد پہنچی۔

عثمان سر جھٹک کر جس طرح موضوع سے ایک دم ہٹا تھا ویسے ہی اچانک دوبارہ موضوع کی طرف آیا۔

''میرا بھائی گولی کا نشانہ بن کے مرا تھا اور میرا باپ بم دھماکے میں...... سو اس سیاہ تھیلے نے میرے حواس چھین لیے...... میری نگاہوں کے سامنے میرے باپ کی موت کا منظر گھوم گیا۔ اس کے ٹھیلے پر بھی تو ایسا ہی تھیلا رکھا گیا تھا۔ میں ایک دم حواس باختہ ہو گیا۔ مجھے نہیں خبر تھی کہ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ میں تو فقط یہ چاہتا تھا کہ اب ایسا کوئی بھی منحوس تھیلا میرے کسی پیارے کی گرد تک کو نہ پہنچے...... سو گلے لگے وہ تھیلا آپ کی گاڑی کے بجائے میرے ہاتھ میں تھا اور میں اسے اتنی دور لے جانا چاہتا تھا کہ جہاں سے اس کی آواز بھی آپ تک نہ پہنچے......'' اس نے تھکے، تھکے لہجے میں کہا۔

''وہ میری غلطی تھی، نادانی یا کچھ اور...... مگر لوگ مجھے اس چور کا ساتھی سمجھنے لگے تھے۔'' نہ جانے کس اندیشے کے تحت وہ احمد کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھا۔

''مگر میں نے بتایا ناں کہ مجھے لوگوں کی کبھی پروا نہیں رہی سو کوئی مسئلہ نہیں...... مگر جس کی پروا تھی اسے حقیقت بتا دی۔ مگر اسے سچ مانا جائے گا، اس کی امید اب رہی نہیں۔'' اس نے نہایت افسردگی سے دھیمے لہجے میں کہا۔

شرمندگی، ندامت، پچھتاوا...... نہ جانے کون سا احساس غالب تھا جس نے اس کی قوتِ گویائی سلب کر دی تھی۔

پانی کی ایک موٹی بوند آسمان سے گری اور پھر اس کے بعد جھڑی لگ گئی۔ عثمان نے نگاہیں اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا اور ہونٹ بھینچ کر تکلیف کو ضبط کرتے ہوئے بونٹ سے نیچے اترنے لگا۔ پھر دانستہ لہجے کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

''شکر ہے بارش ہو گئی، کچھ امید تو ہوئی حبس ختم ہونے کی۔'' اسے بھی شاید اپنے دل کو بہلانے کے لیے اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتوں میں الجھانا پڑ رہا تھا۔ مگر وہ احمد کی طرف دیکھنے سے مکمل گریزاں تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ احمد کی نگاہوں میں اس کے لیے اب بھی بے اعتباری ہی ہو گی۔

''عثمان رکو! میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' اس نے لڑکھڑا کر دھیرے، دھیرے چلتے ہوئے عثمان کو دیکھ کر کہنا چاہا مگر زبان تعاون کرنے سے انکاری ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل تک نہیں سکا اور بے بسی سے اسے جاتا دیکھنے لگا۔

''عثمان!'' اس نے آواز دینا چاہی۔ مگر زبان نے ہٹ دھرمی دکھائی اور یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ ہر بار پچھتاوے اور ندامت کی انتہا پر وہ یوں ہی اپنی قوتِ گویائی سے محروم ہو جاتا تھا۔

''عثمان! مجھے تمہارے ایک، ایک حرف پہ اعتبار ہے۔'' اب کی بار اس کے لب تھوڑے سے وا ضرور ہوئے مگر ندامت کی انتہا نے اسے دوبارہ بے بس کر دیا۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ کا ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Downloaded From http://paksociety.com

عثمان کے لڑکھڑاتے قدم ان کے درمیان دوری بتدریج بڑھاتے جا رہے تھے۔ مگر نہ جانے وہ کون سی ان دیکھی قوت تھی جس نے اسے ہلنے تک سے محروم کر دیا تھا۔

''عثمان!'' اب کی بار اس کا دل چلایا۔ ''میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں عثمان! پلیز! مجھے معاف کر دو'' مگر لب اب بھی خاموش تھے۔ اس نے بیچارگی سے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

''عثمان! رکو پلیز......'' اس کو گلی کا موڑ مڑتے دیکھ کر اس نے کہنا چاہا مگر وہ گلی کا موڑ مڑ چکا تھا۔ اس نے بے بسی سے بری طرح لب کچلے۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔ فضا میں حبس کے خاتمے کی امید پیدا ہو گئی تھی مگر اس کے اندر حبس بتدریج بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

عثمان نے ایک بار بھی اس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

''شاید میری آنکھوں میں بے اعتباری دیکھنا اس کے بس سے باہر کی بات تھی۔'' اس نے سوچا۔

''مگر کاش وہ ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ لیتا تو اسے پتا چل جاتا کہ میں کچھ کہنے کی کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا ہوں مگر کہہ نہیں پا رہا۔'' اس نے افسردگی سے بھیگے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''شاید ندامت اور شرمندگی کا احساس ابھی تازہ ہے اسی لیے میں اس کے آگے کچھ کہہ نہیں پایا۔'' اس نے اندازہ لگایا۔

''چند روز بعد میں اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا اپنے غلط الفاظ کی۔ اسے بتاؤں گا کہ تم ایک نہایت اچھے انسان کی طرح اب بھی میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہو۔'' اس نے گویا خود کو تسلی دی اور کسی قدر اطمینان پا کے گاڑی میں جا بیٹھا۔

اس کا مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا منتشر ذہن اس قابل ہی نہیں تھا کہ وہ یکسو ہو کر ڈرائیونگ کر سکے..... مگر اس نے سر جھٹک کر گویا سوچیں جھٹکیں اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

گاڑی مین روڈ پر آتے ہی نگاہوں کی زد میں جو منظر آیا تھا اس نے اس کے حواس اڑا دیے۔ نہایت گہری سوچوں میں مستغرق، اردگرد سے بے نیاز عثمان! لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا، اچانک کسی تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر کسی فٹ بال کی طرح کئی قدم دور جا گرا۔ بہت سی گاڑیوں کی طرح اس کی گاڑی کے ٹائر بھی اچانک بریک لگنے کی وجہ سے چرچرائے۔

''عثمان......!'' اس کی زبان کی ضد ٹوٹی تھی۔ مگر آواز بارش، ٹریفک اور لوگوں کے شور کے باعث دور تک سفر نہ کر سکی۔ وہ پاگلوں کی طرح گاڑی سے اتر کر اس کی سمت بھاگا۔

اس کا زخموں سے چور وجود کسی گہری چوٹ سہنے کے قابل ہی کب تھا۔ سو چند ثانیوں میں ہی مٹی کا ڈھیر ہوا۔

اس کا خون میں لت پت وجود گیلے فرش پر...... بے حس و حرکت پڑا تھا...... مگر اس کی کھلی بے جان آنکھوں میں کسی گہرے دکھ کا احساس اب بھی زندہ تھا۔

''جسم پر آنے والے زخم بھر جائیں گے مگر سوچتا ہوں، اس واقعے سے جو زخم دل پر لگے ہیں کیا وہ بھی کبھی بھر پائیں گے؟'' احمد نے کرب سے مٹھیاں بھینچیں اور دوزانو اس کے قریب بیٹھا۔

وہ جان گیا تھا جسم پر آنے والے زخم اس حادثے کا باعث نہیں بنے...... یہ دل کے زخم تھے جو سوچوں کی صورت میں اس کے دل و دماغ پر چھا کر اسے اردگرد سے بیگانہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنے حواسوں میں ہی کب تھا جو ٹریفک اور شاہراہ پر چلنے کے اصولوں کو...... مدِنظر رکھتا۔

درد کا ایک جہاں تھا جو اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا۔

وہاں لوگوں کا ہجوم تھا، شور تھا، بھیڑ تھی مگر اس کے اندر جو صفِ ماتم بچھی تھی وہاں کوئی ماتم کرنے والا نہیں تھا۔ بس ایک سناٹا تھا، پُرہول، قبرستان جیسا سناٹا۔

Downloaded From http://paksociety.com

اطمینانِ قلب

عذرا آفتاب

آج سینٹ میری کونوینٹ اسکول مری میں سارہ کا آخری دن تھا۔ اس نے اولیول کے امتحان کا آخری پیپر دیا تھا۔ باہر آکر سب لڑکیاں امتحان میں آنے والے سوالوں پر تبصرہ کررہی تھیں۔ ایک دوسرے سے فون نمبر، ایڈریس لیے اور دیے جارہے تھے۔ سارہ بھی ہاسٹل کے کمرے میں گئی۔ مختصر سا سامان تھا۔ دو اٹیچی کیس میں بند کیا۔ اور لنچ کے لیے ڈائننگ ہال میں چلی گئی۔ کھانا کھایا، کھانا محض اس لیے کھایا کہ بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن کچھ

Downloaded From http://paksociety.com

مزہ نہیں آیا۔ کہاں تو امتحان ختم ہونے اور اپنے گھر جانے کی خوشی تھی، انتظار تھا لیکن اب عجیب ہی کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ اپنے اسکول کے ہر، ہر کونے میں گئی جہاں وہ سہیلیوں کے ساتھ فارغ وقت میں بیٹھ کر گپیں لگایا کرتی تھی۔ وہاں کچھ منٹ الوداعی گزارے اور پھر لان میں جا کر ٹہلنے لگی۔ وہاں بھی دل نہیں لگا تو پھر کامن روم میں جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ ایسا احساس تھا جو وہ سمجھنے سے قاصر تھی، اس لیے مضطرب تھی۔ کچھ دیر بعد اٹھی اور باہر کے بڑے برآمدے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ دور سے مما کی کار گیٹ کے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ وہ بچوں کی طرح دوڑی اور کار سے اترتی ہوئی ماں کے گلے سے لپٹ گئی۔

”مما پھر لیٹ آئیں...... میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”سوری بیٹے......“ مما نے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ڈرائیور سے گاڑی میں سامان رکھواؤ میں پرنسپل سے مل کر آتی ہوں، آج تو تمہارا آخری دن ہے اس اسکول میں۔“

”ہاں، مما یہ سوچ کر میں بھی بہت اداس ہوں۔“

”ارے بیٹا تم اداس کیوں ہو...... اس اسکول نے ہی تو تم کو اتنا کچھ دیا ہے، یہاں سے تم علم کی دولت سے مالا مال ہوئی ہو اور اب تم کالج جاؤ گی پھر یونیورسٹی...... مستقبل میں ایک پُروقار خاتون بن جاؤ گی پھر یہ اداسی کیسی......؟“ انہوں نے اس کے سر کو پیار سے چھوا اور پرنسپل کے کمرے میں چلی گئیں۔ سارہ نے ڈرائیور کے ساتھ مل کر سامان رکھوایا اور گاڑی میں بیٹھ کر مما کا انتظار کرنے لگی۔ شام ہونے والی تھی۔ گاڑی مری سے تھوڑا ہی آگے نکلی تھی۔ راستے میں ایک قبرستان آتا تھا۔ سارہ نے خاموشی کو توڑا۔

”مما، میں جب بھی یہاں سے گزرتی ہوں میرا دل ایک دم ہی اداس ہو جاتا ہے، نہ جانے یہاں کون، کون سویا ہوا ہے۔ معلوم نہیں ان میں سے کتنے لوگ ایسے ہوں گے جن کی کچھ خواہشیں ہوں گی جنہیں لے کر وہ ابدی نیند سو گئے .... میں یہاں سے جب بھی گزرتی ہوں تو ایک انجانے دکھ کی لہر مجھے چھوتے ہوئے گزر جاتی ہے اور میں بہت اداس ہو جاتی ہوں۔“ وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ مما نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

”مما...... کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ایسا میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے، کیا اور سب لوگ بھی یہاں سے گزرتے ہوئے ایسا ہی سوچتے اور محسوس کرتے ہوں گے؟“

اس کی مما ڈاکٹر رحیمہ خان گہری سوچ میں کھو گئیں، سارہ نے پھر سوال دُہرایا۔

”اچھا بیٹے میں سوچ کر بتاؤں گی، ابھی ایسا کرتے ہیں، کیوں نہ ہم آج کی شام مری میں ہی گزاریں...... بہت دن ہو گئے ہیں ہم دونوں کو اکھٹے سیر کیے ہوئے۔“

”ڈرائیور...... چلو آگے سے گاڑی واپس موڑ لو، آج کی رات ہم ہوٹل سیسل میں ٹھہریں گے اور خوب اچھی سی شام گزاریں گے۔“

”ڈاکٹر صاحبہ...... آج کی شام مریض آپ کا بہت انتظار کریں گے۔“ ڈرائیور نے یاد دلایا۔

”ہاں وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آج ہماری بیٹی کے اسکول کا آخری دن ہے، ہم اسے اکھٹے منائیں گے۔“

”اوہ مما...... تھینک یو...... یو آر ٹو گڈ...... میری بھی یہی خواہش تھی کہ میں اڑتے اور بھاگتے بادلوں کو پکڑنے کی کوشش کروں اور ان بادلوں کی ٹھنڈک کو اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کروں...... جب رات کو پہاڑوں پر بارش ہو تو ٹپ، ٹپ کی آواز کو دیر تک سنتی رہوں...... اور پھر جب نیند آئے تو آپ کے سینے میں منہ چھپا کر سو جاؤں...... مما آپ کتنی اچھی ہیں میرے کہے بغیر میری خواہش جان لیتی ہیں...... میں آج رات آپ کے ساتھ آپ کے بستر میں سوؤں گی۔“

”کیوں، یہ جو پچھلے دس سال اسی ماحول میں بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلی ہے، کتنی بارشیں دیکھی ہوں گی تم نے؟“

”پر مما آپ تو نہیں ہوتی تھیں ناں، آپ کے ساتھ وقت گزارنے میں کتنا مزہ آتا ہے، آپ کیسے جان سکتی ہیں آپ تو مما ہیں ناں...... آپ اس مزے کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

Downloaded From http://paksociety.com

''اوکے بیٹا اسی لیے تو رک گئی ہوں۔'' ڈاکٹر رحیمہ مسکرائیں اور گاڑی سیسل ہوٹل کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر رحیمہ کاؤنٹر پر گئیں اور ہوٹل کے سب سے خوب صورت کمرے کی چابی لے کر واپس آئیں۔ ڈرائیور کو چابی دے کر کہا۔ سامان جا کر کمرے میں رکھواور وہ سارہ کو لے کر لان میں جا کر بیٹھ گئیں۔

بیرے نے چائے لاکر ٹیبل پر رکھی۔ دونوں ماں، بیٹی نے خاموشی سے چائے پی، بادلوں کے ٹکڑے روئی کے گالوں کی طرح آکر رقص کرنے لگے۔ سارہ بچوں جیسی خوشی کے ساتھ اٹھی اور بھاگ، بھاگ کر بادلوں کو پکڑنے لگی۔ بھاگتی ہوئی، خوشی سے سرشار سارہ ایک خوب صورت پروں والی تتلی لگ رہی تھی۔

ڈاکٹر رحیمہ کچھ سوچنے لگیں، اس کی راستے والی خواہش پر وہ یہ سوچ کر آئی تھیں کہ اب وہ بڑی ہوگئی ہے اور زندگی کی تلخ حقیقت کا راز اس پر کھول دینا چاہیے تاکہ پھر کوئی تکلیف دہ احساس نہ ستائے۔ جس طرح راستے میں وہ محسوس کررہی تھی۔

لیکن پھر سوچا۔ ''یہ خوب صورت رنگ جو اس کی زندگی میں ہیں کہیں پھیکے نہ پڑ جائیں۔ میری بچی کے دل میں اداسیاں کہیں ہمیشہ کے لیے گھر نہ کرلیں...... نہیں، نہیں میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گی...... اس طرح مجھ سے بھی وہ دور ہوجائے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی شخصیت ہی بری طرح متاثر ہوجائے۔'' لیکن دوسرے ہی لمحے خیال آیا۔ ''اور اگر اسے کسی موڑ پر وہ سب معلوم ہوا تو پھر دور ہونے کا زیادہ امکان ہے، ابھی تو اس کے خیالات میں ایک بھونچال آئے گا اور کچھ دیر بعد پُرسکون ہوجائے گی' ہاں...... آج رات میں ضرور اسے سب کچھ بتاؤں گی پھر اسے اپنے سینے میں اسے چھپالوں گی۔ کچھ وقت کے لیے وہ مضطرب ضرور ہوگی مگر پھر میری پناہ میں اور مضبوط ہوجائے گی۔'' وہ سوچوں میں گم اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہیں۔

''مما آئیں ناں، دیکھیں...... میں بادلوں کو پکڑ رہی ہوں، آپ بھی میرے ساتھ انہیں پکڑیں ناں...... بہت مزہ آرہا ہے۔'' سارہ زور سے چیخ کر کہہ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے ڈاکٹر رحیمہ بادلوں کی اوٹ میں آگئیں...... بہت دیر تک ماں، بیٹی بادلوں سے آنکھ مچولی کھیلتی رہیں...... ہنستی رہیں...... تھوڑی دیر کے لیے وہ یہ بھول گئیں کہ وہ ایک میچور خاتون ہیں، بچپن کو یوں اگر کچھ لمحوں کے لیے پکڑ لیا جائے تو حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔

اب شام کے سائے بڑھ رہے تھے، پہاڑی علاقوں میں یوں بھی شام جلد ہی ہوجاتی ہے، اس وقت مال روڈ پر جانا انہیں ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ بادل گھرے ہورہے تھے پہاڑوں پر بارش ہونے والی تھی۔ ہلکی، ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔

دونوں ڈائننگ ہال میں چلی گئیں۔ ہلکی ہلکی موسیقی ماحول کو خوب صورت بنارہی تھی۔ ڈاکٹر رحیمہ نے اپنا کوٹ اتار کر آہستہ سے کرسی کی پشت پر رکھا اور بیٹھ گئیں۔

''مما، آپ ضرور کسی خیال میں ہیں، پلیز مجھ سے باتیں کریں ناں......'' سارہ شرارت سے مسکرائی۔

''یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ اب اتنی خوب صورت ہیں تو پہلے کتنی حسین رہی ہوں گی۔ اور یقیناً آپ پہلے بھی یہاں اپنے دوستوں کے ساتھ ضرور آئی ہوں گی، کوئی ایسی ایک یاد جسے بھلانا مشکل ہو، ہوسکتا ہے اس وقت وہ کچھ یاد آرہا ہو۔''

ڈاکٹر رحیمہ کی خاموشی دیکھ کر سارہ نے سوپ کا چمچ ہلکا سا بجایا پھر شرارت سے مسکرائی۔

''مما، مجھے بتائیں ناں، میں آپ کی بیٹی ہونے کے ساتھ آپ کی دوست بھی ہوں ناں...... اگر وہ یاد خوشی کی ہے تو میں انجوائے کروں گی اور اگر وہ بات سنجیدہ ہے تو میں ضرور آپ کو یہ بات کہوں گی کہ مما آپ کہاں غلط تھیں اور کہاں ٹھیک...... اس طرح یہ ہوگا کہ آپ کو اپنی سوچ میں ایک ساتھی مل جائے گا۔ اور میں بھی آپ کے اس تجربے سے کچھ سیکھ لوں گی......'' وہ کافی سمجھداری سے بات کررہی تھی۔

''اور بیٹے یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہوکر دور ہوجاؤ...... اور میں آج سے بھی زیادہ تنہا ہوجاؤں......''

Downloaded From http://paksociety.com

''مما...... پلیز یہ آپ نے کیا کہا......'' سارہ نے بے اختیار ہو کر ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''میں تو آپ کی ذات کا ایک حصہ ہوں ایسے ہی جیسے کسی بڑے درخت کی چھاؤں میں اس کا ہی ایک چھوٹا سا پودا......'' اس نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا۔

''مما...... آپ تو میری آئیڈیل ہیں، آپ اس حد تک مکمل ہیں کہ میں بڑی ہو کر آپ کے جیسا بننا چاہوں گی۔ میں نے آپ کی ہی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا ہے۔''

''اچھا...... !'' ڈاکٹر رحیمہ نے سارہ کی طرف اعتماد سے دیکھا اور کہا...... ''فرض کرو اگر میں تمہاری مما نہ ہوتی اور تم مجھ سے ملتیں تو کیا پھر بھی ایسا ہی سوچتیں۔''

سارہ نے ایک منٹ تک سوچا اور بہت یقین کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

''پہلے تو مما آپ میری مما ہیں، اس لیے کچھ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن پھر بھی اگر فرض ہی کرنا ہے تو مما اگر ایسا ہوتا اور آپ مجھے اپنی مما سے زیادہ اچھی نظر آتیں تو بھی میں آپ کو اپنا آئیڈیل ضرور بنا لیتی اور آپ کے نقشِ قدم پر چلتی، آپ کی شخصیت کے ہر رنگ کو اپنی ذات میں سمو لیتی۔''

''اور جو تمہاری مما کہتیں کہ ماں تو میں ہوں...... پھر؟''

''تو میں سچائی سے کہتی میں آپ کی بیٹی ہوں اور اس پر میرا اختیار نہیں تھا۔ ماں اور آئیڈیل میں فرق ہوتا ہے۔ اللہ میاں تو ساری دنیا بناتے ہیں، وہ خالق ہیں اس پر کسی کا اختیار نہیں...... لیکن پسند ناپسند ہر ایک کی جدا، جدا ہوتی ہے۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

''پر مما...... اس وقت ہم اس بحث میں کیوں پڑ گئے، آپ میری ماں ہیں اور میں آپ کی اکلوتی بیٹی اور دوست...... جسے اب آپ کی خدمت کا موقع ملنے والا ہے ابھی تک تو میں تمام وقت ہاسٹل میں رہی صرف چھٹیوں میں ہی آپ کے پاس آیا کرتی تھی تو آپ اپنی مصروفیت کے باوجود زیادہ ٹائم مجھے ہی دینے کی کوشش کرتی تھیں۔ اور مما جب آپ دو سال کے لیے یو کے اپنی اسپیشلائزیشن کے لیے گئی تھیں تو وہ وقت بڑی مشکل سے گزرا تھا، میں ہر روز یاد کر، کر کے روتی رہتی تھی اور اب میں نے طے کر لیا ہے کہ اب کبھی ہاسٹل میں نہیں رہوں گی۔'' اس نے آخری جملہ لاڈ سے کہا۔

''اچھا بیٹے، آج رات میں تم کو ایک سچی کہانی سناؤں گی۔'' بہت پیار سے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر رحیمہ نے کہا۔

''کیا مما آپ کہانیاں بھی لکھا کرتی تھیں؟''

''ہاں بیٹا ایک کہانی ہے ایسی جو میں نے لکھی تو نہیں...... لیکن وہ میری بن گئی...... تو پھر یوں کرتے ہیں کہ پہلے کھانا کھائیں گے پھر کمرے میں جا کر ہیٹر کے سامنے کافی پئیں گے اور بہت دیر تک باتیں کریں گے چلو ابھی کھانا کھاتے ہیں۔''

دونوں ماں، بیٹی آہستہ، آہستہ کھانا کھاتی رہیں، میوزک کو انجوائے کرتی رہیں، رات دس بجے کے قریب وہ اٹھیں اور کمرے میں چلی گئیں۔ کمرے میں کافی ٹیبل پر منتظر تھی...... سارہ پوری تیاری کے ساتھ قالین پر کشن گود میں لیے بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر رحیمہ لیٹنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئیں...... سارہ نے کافی کا مگ ماں کے سامنے رکھ دیا اور اشتیاق بھرے لہجے میں بولی۔

''پھر کہانی شروع......''

ڈاکٹر رحیمہ ایک نامعلوم خوف سے ہلکی سی لرزیں...... پھر شال کو کندھوں پر درست کرتے ہوئے اعتماد کے ساتھ بولنے لگیں۔

''تو سنو ڈارلنگ...... ایک ایسی ہی حسین شام جیسے آج تھی میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر اپنا ایم بی بی ایس مکمل کر کے آئی تھی...... میرے بہنوئی یہاں ایک بینک میں تھے، میری انہی دنوں ہاؤس جاب مکمل ہوئی تھی، گھر والوں کا خیال تھا کہ میں اتنی لمبی اور تھکا دینے والی تعلیم کے بعد مری جا کر آرام کروں اور اس کے بعد مزید تعلیم کا سوچوں...... میری منگنی ہو چکی تھی اور وہ صاحب لندن میں رہتے تھے۔ گھر میں تکرار تھی پہلے شادی ہو جائے پھر باقی پڑھائی...... اور میرا اصرار تھا کہ فوراً نہ تو مزید پڑھائی ہونی چاہیے اور نہ شادی...... میں کچھ وقت کے لیے آپا کے پاس آ گئی میرا خیال تھا کہ میں کچھ آرام کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کروں گی۔

Downloaded From http://paksociety.com

اور اس کے لیے چاہے مجھے جو بھی قیمت دینی پڑے، میری زندگی پر صرف میرا اہنے نگلی اوروں کا بھی بلکہ بہت سارے لوگوں کا حق ہے اور اس ایک بات پر میں گھر والوں سے خفا ہو کر مری آ گئی۔ یہاں آکر میں گھر میں بیٹھی بور ہو رہی تھی کہ گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پرائیویٹ اسپتال تھا جو ایک خاتون چلا رہی تھیں، میں ان کے ساتھ کام کرنے لگی۔ آس پاس کے علاقوں سے عورتیں اکثر تکلیف میں آتیں، ہم ان کا علاج کرتے اور ہر سہولت دیتے۔ دن بہت اطمینان سے گزر رہے تھے جب کوئی عورت صحت یاب ہو کر جاتی تو میں خدا کا شکر ادا کرتی کہ میں کسی کے کام آ رہی ہوں۔

ایک دن شام ہو رہی تھی، ایک بہت ہی خوب صورت، کم عمر لڑکی انتہائی تکلیف میں میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے اسے دیکھا وہ کسی بھی لمحے بچے کو جنم دینے والی تھی۔ میں نے پرچی پر کچھ دوائیں اور سامان لکھ کر آیا کو دیا اور کہا اس کے ساتھ جو بھی کوئی ہے اس کو دو......اور کہو فوراً یہ چیزیں اسٹور سے لے آئے۔

نرس پرچہ لے کر باہر چلی گئی مگر فوراً ہی واپس آ گئی۔

''بی بی ایک آدمی جو اس کے ساتھ آیا ہے، وہ گھٹنوں میں سر دیے رو رہا ہے کوئی جواب نہیں دیتا۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔ میں صورتِ حال سے پریشان ہو کر باہر نکلی اور ذرا سخت لہجے میں بولی۔

''تم کیسے آدمی ہو، وہ لڑکی سخت تکلیف میں ہے' درد سے تڑپ رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے صرف رو رہے ہو، جاؤ جا کر دوائیں لے کر آؤ......اس وقت میرے پاس یہ دوائیں نہیں ہیں جلدی کرو کہیں اسٹور بند نہ ہو جائے۔'' وہ سارہ کو یہ کہانی سناتے، سناتے کچھ دیر کے لیے رکیں......

''پھر اس شخص نے منہ اوپر کیا...... میں اس کا چہرہ آج بھی نہیں بھول سکتی......کتنا کرب تھا اس کے چہرے پر......معصوم سا چہرہ سوجی ہوئی آنکھیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ مجھے معاف کر دیجیے...... میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے، میں بہت ہی بیکار اور بہت مجبور آدمی ہوں، یہ ہمارا بدقسمتی ہے کہ ہم دونوں دو مختلف قبیلوں سے ہیں، ایک دوسرے کے دشمن......ہم نے پیار کیا چھپ کر شادی کی اور یہ بھول گئے کہ پیار سے نہ تو پیٹ بھرتا ہے اور نہ ہی پناہ ملتی ہے، ہم چھپ کر رہتے رہے جو پیسے پاس تھے وہ ختم ہو گئے اور اب یہ صرف گھوڑا ہی ہے جس پر ہم نے ایک لمبا سفر طے کیا ہے۔'' اس نے باہر کی جانب اشارہ کیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ مہربانی کر کے آپ اسے اپنے پاس رکھ لیجیے......میری بیوی کی جان بچا لیجیے۔

اسے پناہ دے دیجیے آپ ڈاکٹر ہیں اس کی جان بچا سکتی ہیں۔''

''وہ کسی بھی لمحے ماں بننے والی ہے اسے دوا، غذا اور پناہ سب ہی کچھ چاہیے وہ اس قدر کمزور ہے کہ بروقت یہ سب کچھ میسر نہیں آیا تو وہ مر بھی سکتی ہے۔ رات قریب آ رہی ہے اور میرے پاس کلینک میں یہ سب کچھ نہیں ہے۔'' میں نے اس سے کہا۔ پھر میں نے اپنے پرس سے نکال کر اسے کچھ پیسے دیے اور کہا۔ ''جلدی جاؤ اور لے کر آؤ یہ دوائیں مجھے فوراً چاہئیں۔'' وہ اٹھ کر چپ چاپ چلا گیا۔

''بارش شروع ہو چکی تھی۔ میری مریضہ میرے سامنے ٹیبل پر لیٹی ہوئی تھی۔ سانس بھی مشکل سے لے رہی تھی۔ وقت بڑھتا جا رہا تھا۔ جو کچھ میں کر سکتی تھی وہ کر رہی تھی۔ اور خدا کا حکم ہوا اور ایک معصوم جان نے اپنے وجود کا احساس دلایا۔ نرس نے بڑھ کر بچی کو کپڑے میں لپیٹا، میں نے مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ وہ کمزور ہو رہی تھی پھر اس نے ایک لمبی سانس لی اور آنکھیں کھول کر حسرت سے دیکھا پھر دھیرے، دھیرے اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ میں کبھی روتی ہوئی بچی کو دیکھتی تھی تو کبھی اس معصوم چہرے کو جو بغیر کچھ کہے بغیر کوئی خواہش کیے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے بچی کو دیکھنے کی خواہش بھی نہیں کی کیونکہ اس میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ کچھ بول سکے۔ اس کی حسرت بھری نگاہیں آج بھی میرے سامنے آ جاتی ہیں تو مجھے مضطرب کر دیتی ہیں، کچھ ہی دیر بعد گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور وہ شخص بری طرح بھیگا ہوا میرے سامنے کھڑا تھا۔

''بی بی جی......'' اس کی آواز لڑکھڑائی۔ دواؤں کی

Downloaded From http://paksociety.com

دکان بند ہوگئی تھی یا پھر اس کی چھٹی حس نے اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اب دواؤں کی ضرورت نہیں رہی...... میں بہت دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ اسے کیسے بتاؤں...... میرے اپنے حواس گم تھے بہت مشکل سے میں نے کہا۔

”کیا نام ہے تمہاری بیوی کا......؟“

”جی مہرینہ......“

”تو سنو، مہرینہ اب نہیں رہی، میں اسے موت سے نہیں بچا سکی۔“ میں نے بدقت کہا۔

”تم نے بہت ظلم کیا اس معصوم کے ساتھ، یہاں لانا تھا تو کچھ وقت پہلے ہی لے آتے، اب بتاؤ کیا کرنا ہے اور کیا چاہتے ہو بہت تکلیف اٹھانے کے بعد وہ ایک بچی چھوڑ کر گئی ہے تمہارے لیے۔“

اس کی تو سانس جیسے رک ہی گئی تھی وہ پتھرائی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا اور گر کر زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

وہ تھوڑی دیر تک یوں ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر بہ مشکل اٹھا۔

”ڈاکٹر صاحبہ، خدا کے لیے آپ اس بچی کو اپنے پاس رکھ لیں، میرے پاس رہنے کے لیے کوئی بھی ٹھکانا نہیں ہے، مہرینہ کے بھائی میرے خون کے پیاسے ہیں، معلوم نہیں کب مجھے اور میری بچی کو موت کی نیند سلا دیں۔“

میں ابھی کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ وہ شخص بغیر کچھ کہے گھوڑے پر بیٹھا اور تیزی سے نکل گیا۔ میں اسے روک بھی نہیں سکی۔ بارش تمام رات بہت زور سے برستی رہی۔ لگتا تھا جیسے آسمان بھی رو رہا ہے، اگلی صبح گاؤں کے بہت سارے لوگ جمع ہوئے اور مہرینہ کو دفن کر دیا گیا لیکن ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اسے پہچان سکے...... سوائے ایک رات کی ننھی سی بچی کہ جو گہری نیند سوئی ہوئی تھی اور اسے کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ قدرت نے کیا کھیل کھیلا ہے، خدا کے حکم پر ماں کی نرم اور گرم آغوش سے محروم ہوئی اور باپ نے اسے دیکھے بغیر ہی منہ موڑ لیا۔“

ڈاکٹر رحیمہ ایک دم سے ہی خاموش ہوگئی تھیں۔

سارہ سانس روکے کہانی سن رہی تھی اس نے جو یوں مما کو خاموش دیکھا تو بے اختیار ہو کر اٹھی اور گلے سے لگ گئی۔ ”پھر مما کیا، کیا آپ نے......؟“ اس بے سہارا بچی کو گلے سے لگا لیا یا پھر دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔“

”بیٹے تم بتاؤ میں نے کیا، کیا ہوگا......؟“ انہوں نے سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یس مما...... مجھے یقین ہے کہ آپ نے ضرور اسے گلے لگا... کر پیار کیا ہوگا......“ سارہ نے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ اب ڈاکٹر رحیمہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہیں پھر اس کے ماتھے پر پیار کر کے بولیں۔

”تم نے ٹھیک کہا۔ میں نے ایسا ہی کیا...... اور آج وہی بچی میری بانہوں میں بانہیں ڈالے میرے سامنے بیٹھی ہے۔ وہی بچی جو قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے دکھ محسوس کرتی ہے صرف اسی لیے کہ وہاں اس کی ماں مہرینہ سو رہی ہے۔ جس نے اسے دیکھا تک نہیں...... صرف اس کی آواز سنی اور نہ جانے کتنی خواہشات لیے ہمیشہ کے لیے سو گئی...... نہ جانے اس نے کیا، کیا سوچا ہوگا...... آج وہ بچی یعنی تم ایک سمجھدار اور بڑی لڑکی بن چکی ہو...... اور ہر بات کو اور ہر حقیقت کو بہ خوبی سمجھ سکتی ہو۔ میں نے کئی بار پہلے بھی تم کو یہ سب بتانا چاہا لیکن یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ نہ جانے تم کیا اثر لو اور تمہارے اندر کوئی کمی رہ جائے۔“

سارہ بہت صبر سے بیٹھی رہی۔ ”پھر آگے کیا ہوا مما......“ کچھ دیر بعد وہ بولی۔

”کچھ عرصے بعد میں تم کو لے کر واپس اپنے شہر آ گئی۔ اکثر لوگوں کا کچھ دوستوں کا رشتے داروں کا خیال تھا کہ تم میری کسی غلطی کا نتیجہ ہو اور میں نے بھی کبھی کسی کو صفائی دینی ضروری نہیں سمجھی۔ میرا منگیتر بھی آیا اس نے مجھ سے کئی سوال کیے لیکن میں نے اسے بھی کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔“

”کیوں مما؟“ سارہ نے سوال کیا۔

”اس لیے کہ میرے لیے بہت سارے سوال کھڑے ہو چکے تھے۔ تمہارے لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی سوال اٹھائے، بس تم میری بیٹی اور میں تمہاری ماں...... اپنے نام کے ساتھ میں نے ڈاکٹر رحیمہ خان

Downloaded From http://paksociety.com

لگالیا.....لوگ بھی آہستہ، آہستہ خاموش ہوتے چلے گئے۔ آج بھی اس گاؤں کے اسپتال میں میرا ایڈریس موجود ہے، جہاں جہاں گئی وہاں سے اپنا ایڈریس ضرور بھیجتی رہی تاکہ اگر کبھی تمہارا باپ تمہاری تلاش میں آئے تو مایوس نہ ہو۔"

سارہ کہانی سنتے، سنتے سو گئی تھی اور ڈاکٹر رحیمہ خان بھی پُرسکون ہو کر اٹھیں۔ انہوں نے بہت پیار سے سوتی ہوئی سارہ کو ہلکا سا چوم لیا اور بہت پیار سے نرم گرم کمبل لاکر اوڑھا دیا۔ اور خود بھی کمبل لے کر اسی کے پاس لیٹ گئیں۔ آج وہ بہت ہلکی اور پُرسکون تھیں ایک بہت بڑا بوجھ انہوں نے اپنے کندھوں سے اپنے ذہن سے اتار دیا تھا۔

صبح اٹھ کر چہل قدمی کے لیے باہر نکل گئیں..... واپس آئیں تو سارہ تیار ہو کر لابی میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ مطمئن نظر آئی۔ انہوں نے دھیرے سے خدا کا شکر ادا کیا اور آکر ہمیشہ کی طرح سارہ کے ماتھے پر پیار کیا.....سارہ نے بھی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بولو بیٹا.....آج ہی واپس جایا جائے یا اور رکنے کا ارادہ ہے؟" ڈاکٹر رحیمہ نے کہا۔

"بس مما چلتے ہیں، آپ کے مریض بھی آپ کے منتظر ہوں گے.....اب واپس چلنا ہی چاہیے۔"

ناشتے کے بعد دونوں تیار ہو کر گاڑی میں آبیٹھی تھیں۔ ڈرائیور نے سامان گاڑی میں رکھ دیا تھا اور اب گاڑی ہوٹل کی حدود سے باہر نکال رہا تھا۔ جبھی ڈاکٹر رحیمہ نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"دیکھو راستے میں جو قبرستان آتا ہے وہاں کچھ دیر کے لیے گاڑی روک دینا۔"

"جی اچھا....." کہہ کر ڈرائیور سیدھا قبرستان لے گیا تھا۔

دونوں ماں بیٹی نے وہاں اتر کر فاتحہ پڑھی اور واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سارہ نے کہا۔

"مما بہت شکریہ، آج میری بے چینی ختم ہو گئی..... یہ الجھن مجھے بہت پریشان کرتی تھی ہر بار یہاں سے گزرتے ہوئے میں سوچتی تھی کون میرا اپنا یہاں سویا ہوا ہے جو میری روح تڑپ جاتی ہے، آج میں خوش ہوں۔ اور اپنے کو بہت خوش قسمت سمجھ رہی ہوں۔ آپ نے میری روح کو سکون دے دیا۔"

رات کو جب سارہ اپنے کمرے میں سونے جا رہی تھی تو ماں کے کمرے میں چلی آئی۔

"کیا بات ہے سارہ کوئی پریشانی......؟"

"مما اگر آپ اجازت دیں تو ایک سوال کروں......؟"

"کیوں نہیں میری جان......بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"مما پھر ایک نہیں دو سوال......"

"اچھا بھئی بولو اور جلدی بولو اس سے پہلے کہ یہ دو سے تین ہو جائیں۔" وہ مسکرائیں۔

"مما کیا پھر آپ اپنے منگیتر سے نہیں ملیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا؟"

"نہیں، اس نے مجھے نہیں چھوڑا وہ تو کئی بار آیا، میں ہی اس سے نہیں ملی۔"

"لیکن کیوں مما......؟"

"اس لیے کہ اس نے مجھے جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی کئی سوال کیے تھے اور جب درمیان میں شک اور سوال آجائے تو فاصلہ آجاتا ہے جو کبھی نہیں بھرتا، اس لیے میں نے ہی ملنے سے بھی منع کر دیا تھا۔ بیٹا کسی بھی موڑ پر یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہارے لیے قربانی دی ہے۔ بس یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا، تمہارے ملنے کے بعد میں مطمئن ہو گئی تھی۔ تمہاری ذمے داری میرے لیے بہت بڑا فرض تھا۔ آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ایک زندگی دوسری زندگی کو لے کر چلتی ہے، یہ خدا کی طرف سے ایک ذمے داری عائد ہوتی ہے جو خدا نے مجھے تمہاری شکل میں دی......آج میں بہت مطمئن ہوں نہ تو مجھے کسی سے کوئی شکایت ہے اور نہ ہی کوئی پچھتاوا میری زندگی کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوا۔ خدا کرے تم مستقبل کی ایک کامیاب ترین خاتون بنو......اور میں فخر کروں۔"

"الٰہی آمین......" سارہ اتنا کہہ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔

www.paksociety.com

ناولٹ

رانگ نمبر

محبتوں کے رنگ سے مرصع مصباح نوشین کی دل گداز تحریر

کہر میں لپٹی میکسیکو کی طویل راہیں سنسان تھیں مگر جگہ، جگہ سائن بورڈز روشن تھے۔ رات کا آخری پہر تھا، ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی شاید سب لوگ اپنی، اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ اور میں حسب معمول، حسب عادت ہاتھ میں بیئر کا کین تھامے انہی طویل اور سنسان راہوں کا مسافر تھا کہ جس کی کوئی منزل تھی نہ ٹھکانا...... جس کا کوئی میزبان تھا نہ منتظر...... جس کے پاس ایک عالیشان بنگلا تو ضرور تھا پر گھر نہیں...... نوکر

Downloaded From paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

جاکر، دھن دولت اختیار سب کچھ تھا پر میں پھر بھی مفلس تھا، میں اپنی تنہائی کے ساتھ پچھلے سات سال سے نبرد آزما تھا، بھلا میں کب اکیلا تھا ہاں اس کی یاد مجھے اکیلا ہونے ہی کب دیتی تھی جس کی کبھی فقط اتنی سی چاہ تھی کہ دنیا کا کامیاب ترین انسان بننے کے بعد بھی اپنے دل کے کسی کونے میں میری یاد کا دیا ہمیشہ جلائے رکھنا اس سے زیادہ کی مجھے چاہ نہیں اور حاصل وصول کی باتیں تو اسے کرنی آتی ہی نہیں تھیں، عجیب بے ریا لڑکی تھی...... ان دنوں جب میں بے حد الجھا سا رہتا تھا مجھے اس کی ایسی باتوں پر جی بھر کے ہنسی آیا کرتی، مجھے اکثر وہ بے وقوف لگتی، آج کل کے زمانے میں کوئی اتنا بھی بے لوث و بے غرض کسی رشتے یا تعلق کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ بغیر مطلب و مقصد اور صلے کے کوئی کسی کو اتنی محبت و چاہت بھی دے سکتا ہے مگر وہ ایسی ہی تھی اس نے مجھ سے تب محبت کی تھی جب میں کچھ نہیں تھا اور حسبِ دستور اپنے مسائل کی چکی میں پستے میرے پاس محبت کے لیے ٹائم ہی نہیں تھا اور آج میرے پاس سب کچھ تھا پر محبت نہیں...... ہاں میری زندگی میں محبت جیسی سحر نہیں تھی، میری زندگی میں خالی پن تھا، ویرانی تھی اداسی تھی پر وہ نہیں تھی جو میری پوری زندگی پر چھا گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک عام سی صبح تھی۔ میں حسب معمول نائٹ شفٹ کے بعد صبح سات بجے کے قریب گھر آیا تھا اور آتے ہی سو گیا تھا، اس روز تھکاوٹ حد سے سوا تھی۔ سارا بدن تھکن سے چور تھا دس ساڑھے دس کا عمل تھا جب میرا موبائل ایک تواتر سے بجنا شروع ہوا تھا۔ میں نے اپنا موبائل سائلنٹ پر کبھی نہیں لگایا تھا کیونکہ کراچی کے حالات ان دنوں خاصے خراب رہتے تھے اسی لیے ابا نہ جانے دن میں کتنی ہی مرتبہ میری خیر خیریت دریافت کرنے کو فون کیا کرتے...... اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی انہیں میرا موبائل آف ملتا تو ان کی حالت خراب ہوجاتی۔ انہی کی حالت و پریشانی کے پیشِ نظر میں موبائل آف یا سائلنٹ نہیں کرسکتا تھا اور یوں اکثر ہی اپنی نیند پوری نہ کرپاتا۔ کبھی آفس سے فون آجاتا تو کبھی دوست ڈسٹرب کردیا کرتے...... اور میری ہمسائی زبیدہ آنٹی تو مجھ سے سخت نالاں رہتیں کہ میں دن بھر پوستی بن کر پڑا سوتا رہتا ہوں، ان کے خیال میں آج کل کے نوجوان اس لیے ذہنی تنزلی کا شکار تھے کیونکہ وہ فطرت کے خلاف چلنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ میں مسکرا کر خاموش ہوجاتا اب انہیں کیا بتاتا کہ جو بندہ ساری رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے کے مترادف ڈیوٹی کرے وہ اگر دن بھر میں چند گھنٹوں کی نیند لے بھی لیتا ہے تو اسے کاہل یا پوستی تو نہیں کہا جاسکتا...... میں نے بند آنکھوں سے موبائل فون آن کیا۔ میری گہری نیند میں ڈوبی مخمور آواز دوسری جانب سننے کو ملی تھی۔ میرے ہیلو کے جواب میں لمحے بھر کو خاموشی چھا گئی تھی۔ میں نے دوبارہ استفسار کیا۔

''السلام علیکم جی...... مجھے عمران افضل صاحب سے بات کرنی ہے؟'' پُراعتماد، کھنکتے ہوئے لہجے میں دوسری جانب لڑکی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں میری نیند بھک سے اڑی تھی۔

''جی کہیے، میں عمران افضل ہی بات کررہا ہوں۔'' میں سدا کا نرم دل لڑکیوں کے معاملے میں فوراً کہہ اٹھا کہ میری لحظہ بھر کی دیر نہیں اسے مایوس و ناامید نہ کردے اسی لیے میں فوراً بولا تھا۔

''آپ واقعی میں عمران افضل ہی ہیں ناں؟'' دوسری جانب وہ لحہ بھر کو گڑبڑاتے، جانچتے ہوئے سوال کررہی تھی۔ جانے کیوں مگر اب کی بار میرا دل نہیں مانا اس سے جھوٹ بولنے کو اسی لیے فوراً سچ بتادیا۔

''نہیں، میں عمران افضل نہیں ہوں؟'' اب کی بار وہ شاید پہلے سے زیادہ حیران ہوئی۔

''تو پھر آپ کون ہیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت مترشح تھی، میں مبہم سے انداز میں مسکرایا۔

''چھوڑیں اس بات کو...... یہ بتائیں کہ آپ کو

Downloaded From http://paksociety.com

کس سلسلے میں عمران افضل صاحب سے بات کرنی ہے اور یہ صاحب ہیں کون؟'' میں نے جان بوجھ کے اپنا جواب گول کرتے اس سے نیا سوال پوچھا تھا اور مجھے اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ وہ کبھی مجھے نہیں بتائے گی میں لڑکیوں کی سائیکی بہت اچھے سے جانتا اور سمجھتا تھا مگر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا اس نے اگلے ہی لمحے بڑی روانی سے بتادیا تھا۔ عمران افضل صاحب کسی مشہور ڈائجسٹ کے ایڈیٹر تھے اور اسے اسی سلسلے میں ان سے کوئی ضروری بات کرنا تھی اور میں ادب اور ادبی سرگرمیوں کے امور سے قطعی نابلد اس سے کہہ رہا تھا۔

''تو تم مجھے بولو کیا کام ہے، میں بھی ایڈیٹر ہوں؟'' آپ سے تم تک کا فاصلہ میں ہمیشہ بڑی جلدی پاٹ لیا کرتا تھا۔

''اچھا......'' وہ ایک دم پُرجوش ہوگئی۔ ''کس ڈائجسٹ کے؟''

''ارے نہیں؟'' میں ہنسا۔ ''میں ویڈیو ایڈیٹر ہوں، ایک نجی چینل پہ ایڈیٹنگ ڈائریکٹر کے طور پر کام کرتا ہوں۔'' میں نے فوراً وضاحت کی جواباً وہ بڑی مدھر ہنسی، ہنسی تھی۔

''ارے نہیں صاحب! آپ میرا کام نہیں کرسکتے کیونکہ یہ کام آپ کے کرنے کا ہے ہی نہیں۔''

''چلیے کام نہ سہی لیکن اچھا دوست تو بن ہی سکتا ہوں۔'' اگلے ہی لمحے میں اپنی عادت سے مجبور اس سے کہہ رہا تھا۔

وہ گلا پھاڑ کر ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

''اللہ، اللہ اتنا اعتماد ہے خود پر۔'' ہنسی روکتے بہ مشکل تمام اس نے کہا تھا۔ میں ایک دم خجل سا ہوگیا۔

''ہاں...... مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے لیے ایک بہت اچھا دوست ثابت ہوں گا۔'' اور میں واقعتاً درست کہہ رہا تھا۔ میں اپنی پرسنالٹی اور اپنے اوصاف سے بخوبی واقف تھا، حقیقتاً میرے اوپر ہزاروں لڑکیاں مرتی تھیں اور میں ان کی محبت، جان نثاری اور وفا سے بھرپور فائدہ اٹھانے والوں میں سے تھا، غرور سے گردن کو کلف لگا کر اکڑا اور بد دماغ ہیروز کی طرح سے بالکل بھی نہیں تھا جیسا اکثر کہانیوں اور فلموں، ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے۔

''آپ بہت اسٹریٹ فارورڈ ہیں......'' تھوڑی دیر بعد اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''سو تو ہوں، آج کل کے زمانے میں جینے کے لیے ہونا پڑتا ہے؟'' میں نے فلسفہ جھاڑا۔

''ہاں...... مگر آپ بہت زیادہ ہیں؟'' وہ تھوڑا الجھی تھی۔

''آپ کو ایسا کیوں لگا؟'' میں نے لہجے کو گمبھیر کرتے اس میں گہری معنویت پیدا کرتے پوچھا تھا۔

''آپ نے اچھا دوست ہونے کا دعویٰ کردیا پر اپنا نام بتایا نہ ہی میرا پوچھا؟'' اور مجھ پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ اپنی حد سے زیادہ خود اعتمادی و جلد بازی والی عادت نے مجھے چند منٹوں میں شرمندہ کردیا تھا۔ میں خجل ہوکر مسکرا دیا تھا، وہ لڑکی خاصی ذہین اور حاضر جواب لگ رہی تھی۔

''میرا نام شاہ زیب خاکوانی ہے۔'' اگلے ہی پل میں اپنا نام بتا رہا تھا۔

''آپ کا نام بہت خوب صورت ہے؟'' ترنت اظہار ہوا۔

''میں خود نام سے بھی زیادہ خوب صورت ہوں، دیکھوگی تو اوئی اوئی کروگی۔'' میرے اندر کا مغرور اور خود پسند مرد بھرپور انگڑائی لے کر ایک مرتبہ بیدار ہوچکا تھا۔

''اللہ...... اللہ......'' وہ پھر ہنسی تھی بلاشبہ اس کی آواز بے حد خوب صورت تھی کھنکتی ہوئی، پُراعتماد اور کھنکتی چوڑیوں جیسی نقرئی ہنسی...... میں مبہوت ہوکر سنے گیا۔

''دیکھتے ہیں مسٹر شاہ زیب خاکوانی...... آپ اپنے دعویٰ میں کتنے فی صد پورا اترتے ہیں؟'' کچھ دیر بعد اپنی ہنسی روکتے اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''آپ کو ہنڈرڈ پلس رزلٹ ملے گا۔'' میں نے

Downloaded From http://paksociety.com

سرِتسلیم خم کیا تھا۔
''مجھے آپ کا اعتماد پسند آیا، چلیں پھر بات ہوگی۔'' اچانک اس نے فون رکھنے سے پہلے کہا تھا اور میں جیسے کسی گہری نیند سے جاگا تھا۔
''اپنا نام تو بتاؤ؟'' میں فوراً چلاّ اٹھا تھا مبادا کہیں فون بند ہی نہ کردے۔
''میرا نام...... وہ ایک مدھ بھری ہنسی ہنسی تھی۔
''رانگ نمبر!'' کہہ کر فون بند ہو چکا تھا گویا یہ اس نے نام بتایا تھا اور میں موبائل ہاتھ میں لیے ساکت بیٹھا رہ گیا تھا ارد گرد ایک دم ڈھیروں اداسی ڈیرا ڈالے رقص کرنے لگی تھی یوں جیسے بسترِ مرگ پر لیٹے مریض سے زندگی لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی ہو۔

☆☆☆

''تم فیس بک یوز کرتی ہو؟'' ایک روز باتوں ہی باتوں میں میں نے اس سے پوچھا تھا۔
''نہیں......؟'' یک لفظی جواب مجھے حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔
''کیوں؟'' غیر ارادی طور پر میرے منہ سے ادا ہوا۔
''بس...... میں ان کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتی بلکہ کتابیں شوق سے پڑھتی ہوں۔ اصل میں مجھے مطالعے کا بے حد شوق ہے اور میں نے تمام مشہور رائٹرز کی تحریریں پڑھ رکھی ہے۔'' جواباً اس نے تفصیلاً بتایا تو مجھے یاد آیا اس روز وہ کسی ڈائجسٹ کے ایڈیٹر کے متعلق ہی تو بات کر رہی تھی۔
''اوہ تو تم خود بھی رائٹر ہو؟'' میں نے اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑائے تھے مگر اس کا جواب مجھے پھر حیرت میں ڈال گیا تھا۔
''نہیں...... میں تو اسکیچز بناتی ہوں...... اکثر ڈائجسٹوں اور رسالوں کے لیے میرے ہی اسکیچز سلیکٹ ہوتے ہیں اور اس روز بھی مجھے عمران افضل صاحب سے اپنے انہی اسکیچز کے متعلق بات کرنا تھی جب غلطی سے آپ کا نمبر لگ گیا۔'' اس نے آہستگی سے تفصیل بتائی۔

''اور ابھی چند روز پہلے مجھے ان کی کال آئی تھی نمبر تو وہی تھا پر کوڈ غلط تھا۔'' اب کی بار ہم دونوں کا قہقہہ ایک ساتھ گونجا تھا۔
''پر میں شکر ادا کرتا ہوں کہ اس روز آپ کی کال میرے نمبر پر آ گئی۔ مجھے اتنی اچھی دوست مل گئی اور یہ اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے میرے لیے۔'' میرے لہجے میں سچائی تھی۔
''کچھ ایسے ہی خیالات مابدولت کے بھی ہیں آپ کے بارے میں......'' دوسری جانب اس نے بھی کھلکھلاتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو نہیں تھا پر اس کی سانسوں کے زیر و بم، کھنکتے ہوئے لہجے اور ہنسی کی جھنکار سے اکثر مجھے اندازہ ہوتا جیسے وہ کوئی موم کی گڑیا ہو...... بے حد اجلی شفاف رنگت والی، کالی آنکھوں اور ہلکے بھورے گھنگرالے بالوں والی سرو قد و قامت کی نفیس اور متین سی لڑکی...... جس کی آنکھیں بے حد چمکدار ہوں گی اور شرارت گلابی ڈوروں کے مانند ان خوب صورت آنکھوں میں اپنا ڈیرا جمائے ہو اور حیا و معصومیت کی شوخی چہرے پر سجائے دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتی ہوگی، ہاں وہ ایسی ہی ہوگی بالکل میرے تخیل کے پردوں پر لہرانے والے اس کے عکس کے جیسی...... وہ بے حد سادہ و معصوم سی تھی۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بھی بھولی بھالی ٹین ایج لڑکی ہو۔ وہ بلا تکان ہر ٹاپک پر گھنٹوں بول سکتی تھی۔ چونکہ میں خود بھی ایڈیٹنگ کا کام کیا کرتا تھا اور اس کا من پسند موضوع بھی ناولز اور ان پر بننے والے ڈرامے ہوا کرتے، میں اپنے کام میں پرفیکٹ تھا اس لیے ہر نئے بننے والے ڈرامے یا سوپ کے متعلق اسے معلومات دیتا۔

ہماری ہر روز بات ہونے لگی تھی۔ جس روز اس کی کال نہ آتی میں دن بھر مردنی و کسلمندی سے بستر پر اوندھے منہ پڑا رہتا...... یہ سچ تھا کہ اس کی باتیں میرے اندر ایک توانائی سی بھر دیتی تھیں، اس کی شوخ و قدرے نخریلی باتیں میرے اندر جینے کی، حالات سے

Downloaded From http://paksociety.com

لڑنے کی امنگ سی پیدا کر دیتیں...... میں نئے سرے سے تازہ دم ہو کر عازمِ سفر ہو جاتا...... میں جوان دنوں بے حد ٹوٹا بکھرا سا رہتا تھا مسائل کی چکی میں پستے، پستے میں جیسے اب تھکنے سا لگا تھا ایسے میں مجھے اس کا اپنی فکر کرنا، بے حد دلکش و منفرد محسوس ہوتا، کیوں کرتی تھی وہ میری اتنی فکر...... مادہ پرستی کے اس دور میں... کوئی کسی کے ساتھ اس قدر بھی مخلص ہو سکتا ہے وہ بھی کسی کو بغیر دیکھے، جانے، سمجھے کسی کی اتنی پروا کون کرتا ہے جتنی کہ وہ کیا کرتی...... میں کب اٹھتا ہوں، کب سوتا ہوں، آفس کس وقت جاتا ہوں، لوٹتا کب ہوں، نیند پوری لیتا ہوں یا نہیں...... ناشتا کیا یا نہیں...... دوپہر کا کھانا کیوں نہیں کھایا، رات کو ڈنر گول نہیں کرنا جیسی چھوٹی، چھوٹی باتوں کا اس قدر خیال وہ کیوں رکھا کرتی تھی۔ میں اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتا، میرے بہن، بھائیوں کو میرا کبھی خیال تک نہیں آیا تھا۔ میں کس حال میں ہوں انہوں نے کبھی یہ جاننے کی زحمت تک نہیں کی تھی، کبھی کبھار مہینے دو مہینے میں فیس بک پہ کوئی میسج یا چند منٹوں کی کال اور اس کے سوا کچھ نہیں اور یہ جس کا میں نام تک نہیں جانتا تھا وہ میرے لیے کس قدر فکرمند رہا کرتی...... کیا دنیا میں اس قدر بے غرض لوگ بھی ہیں، میں حیرت سے سوچتا۔

''تم میرا اتنا خیال کیوں کرتی ہو؟'' ایک روز میں نے اس سے پوچھا تھا۔

''آپ اپنا خیال خود جو نہیں رکھتے۔'' بڑی خوب صورتی سے کہتے اس نے مجھے لاجواب کیا تھا۔

''میں نے تو کبھی اپنا خیال نہیں رکھا نہ ہی کسی نے میرا رکھا، تم میری عادتیں بگاڑنے پر کیوں تلی ہو؟'' میرے لہجے میں انجانی سی خوشی اور یقین ہوتا جیسے کہیں نہ کہیں میں اس کے جواب سے واقف ہوتا تھا۔

''میں آپ کا خیال اس وقت تک رکھوں گی شاہ زیب! جب تک کوئی آپ کا خیال رکھنے والا آنہ جائے۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر خاموش ہوئی۔

''اتنی فکر کرتی ہو میری؟'' میں نے محبت کی تمام تر شدتیں اپنے لہجے میں سموتے استفسار کیا۔

''آپ کی سوچ سے بھی زیادہ......'' اس کی آواز بے حد... مدھم تھی مگر لہجہ جذبوں کی آنچ سے پگھلتا محسوس ہوا تھا۔

''تو پھر اعتبار کیوں نہیں کرتیں؟'' میرا لہجہ تھوڑا تلخ ہو گیا۔

''آپ سے کس نے کہا...... میں تو دنیا میں صرف آپ پر ہی سب سے زیادہ اعتبار کرنے لگی ہوں۔'' جواباً وہ بے حد حیرانی سے بولی تھی آواز اب بھی مدھم تھی مگر لہجہ ہنوز آنچ دیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''تم جھوٹ کہتی ہو، اعتبار کرتیں تو اپنا نام بتا دیتیں؟'' میرا لہجہ اب بھی تندی لیے ہوئے تھا۔ دوسری طرف یقیناً وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

''بتایا تو تھا آپ ہی بھول جاتے ہیں۔'' میرے اکثر استفسار پر وہ ہولے سے رانگ نمبر کہہ کر بات ختم کر دیا کرتی مگر میرے اندر ایک عجیب سا احساس جگا دیا کرتی، مجھے ایسا لگتا وہ میرے اوپر اعتماد نہیں کرتی اور یہی بات مجھے سب سے زیادہ ہرٹ کیا کرتی...... اکثر میں اس کے ساتھ تلخ ہو جایا کرتا تھا پر وہ بہت نرمی سے میری کڑوی کسیلی برداشت کرتی اور شکوہ تک نہ کرتی، میں اس کے رویّے سے خود کو نادم محسوس کرتا۔

''کبھی کبھار مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے تم جان بوجھ کر مجھے اپنا نام نہ بتا کر ہرٹ کرتی ہو۔ کسی کو اس بات کا احساس دلانا کہ آپ ہمارے لیے بہت غیر اہم اور.... بے اعتبار ہیں، بہت تکلیف دیتا ہے؟''

''بخدا ایسا نہیں ہے شاہ زیب...... اتنے بدگمان مت ہوں مجھ سے۔'' دوسری جانب وہ سسک اٹھی تھی۔

''ناموں میں کیا رکھا ہے شاہ زیب...... اصل بات تو انسان کا رویّہ ہوتا ہے اور میں نے آپ سے اپنے متعلق کچھ بھی نہیں چھپایا...... کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی مگر میں آپ سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتی...... میں آپ سے جھوٹ بول ہی نہیں سکتی۔''

''میرا بھی دل چاہتا ہے میں تمہیں، تمہارے نام سے پکاروں جیسے تم پکارتی ہو تو مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔''

Downloaded From http://paksociety.com

اس کی وضاحت پر میں تھوڑا نرم ہوا تھا۔

''آپ کو جونام سب سے زیادہ پسند ہو اسی سے مجھے پکار لیا کریں، مجھے بے حد خوشی ہو گی۔''

''یعنی نام پھر بھی نہیں بتاؤ گی؟'' میں نے دال نہ گلتی دیکھ کر ہتھیار پھینکے۔

''بتاؤں گی ناں...... بچھڑنے سے پہلے......''

ہولے سے کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ چار بہن، بھائیوں میں سب سے چھوٹی نخریلی اور بے حد لاڈلی تھی۔ بے حد نرم خو، حساس اور بے حد سمجھدار ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ بے حد خوب صورت عادات کی حامل لڑکی تھی۔ ایک عجیب سی مقناطیسی کشش تھی اس کی شخصیت میں...... نہ چاہنے کے باوجود بھی میں خود کو اس کے سامنے بے بس ولاچار محسوس کرتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ میری زندگی میں آنے والی کوئی پہلی لڑکی تھی۔ میری وجاہت، میری بے نیازی، غرور و تکبر سے اٹھی میری گردن پر ہزاروں لڑکیاں فدا تھیں اور میں بالکل بھی کوئی عابد و زاہد قسم کا انسان ہرگز نہیں تھا۔ میں اپنے اردگرد منڈلاتی رنگ برنگی تتلیوں کے پروں کی نرمی اور ان کے رنگ اپنی ہتھیلی پر ضرور چنا کرتا درحقیقت مجھے تتلیاں اور ان کے کچے رنگ بے حد مرغوب تھے اور میں ٹھہرا سدا کا نرم دل اپنی طرف بڑھتے کسی نسوانی وجود کے ہم قدم چلنے سے میں کبھی خود کو روک نہیں پایا۔ ہاں مگر...... وہ...... واقعی انوکھی لڑکی تھی...... میری زندگی میں آنے والی تمام لڑکیوں سے یکسر مختلف...... میں عورت ذات کے جس رخ سے واقف تھا اس میں صرف مفاد پرست، قربت کی شائقین اور مہنگے تحائف وقیمتی اشیا کی دلدادہ خواتین سے پالا رہا تھا مگر وہ ان سب خواہشات، تقاضوں اور مطالبات سے مبرا تھی۔ اسے واقعی ان چیزوں سے سروکار نہیں تھا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی عادات و اطوار، سوچ بہترین تربیت کی غماز محسوس ہوا کرتیں۔ وہ حد سے زیادہ خود دار اور انا پرست تھی۔ وہ اکثر کہا کرتی۔

''میں نے آج تک کبھی کسی کی سخت بات برداشت نہیں کی شاہ زیب......''

''اچھا تو پھر میری کیوں کرتی ہو؟'' میں اکثر ہنس کر پوچھتا۔

''یہی تو مجھے پریشانی ہے، مجھے آپ کی ہر سخت سست بات بری کیوں نہیں لگتی؟'' جواباً وہ لاچاری سے کہتی اور میری رگِ ظرافت پھڑک اٹھتی۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے شبو! میں ہوں ہی ایسا۔'' میں لہرا کر وحید مراد کے انداز میں کہتا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ میں اکثر مذاق ہی مذاق میں اس کے لیے اس قسم کے نام لیا کرتا مگر اس نے کبھی برا نہیں منایا تھا۔ وہ بہت کھلے دل و دماغ کی بزلہ سنج لڑکی تھی۔

''مجھے آپ کا شبو کہنا بہت یاد آئے گا شاہ زیب......'' اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔

اس کے کہنے پر میں چونک اٹھا تھا، یہ دوسری بار ہوا تھا جو اس نے بچھڑ جانے، چھوڑ جانے کے بارے میں بات کی تھی۔

''ایسی بات کیوں کہہ رہی ہو...... کہیں جا رہی ہو کیا؟'' میں نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''نہیں تو...... فی الحال تو نہیں پر ساری زندگی ساتھ بھی تو نہیں چل سکتے، ندی کے دو کناروں کے مانند......'' اس کے جواب پر میں چند لمحے خاموش رہا، وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی یہ ہم کس راستے پر چل نکلے تھے۔ جس کی کوئی منزل نہ تھی۔

ہماری بات چیت کو دو ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میرے بارہا اصرار اور کہنے کے باوجود بھی اس نے ابھی تک فیس بک پہ مجھے دیکھا تھا نہ ہی اپنی تصاویر اپ لوڈ کی تھیں۔

''آپ بہت خوب صورت اور اچھے ہیں شاہ......'' وہ اکثر اچانک مجھے مخاطب کر کے کہا کرتی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میری فوٹو دیکھ لی کیا.....؟'' میں مشتاق ہو کر پوچھتا، وہ دھیرے سے ہنس دیتی۔

''آپ کو جاننے اور پرکھنے کے لیے مجھے کسی تصویر کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے شاہ زیب..... آپ کا حساس دل اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ بے حد اچھے ہیں۔'' وہ کسی ناصح کے مانند مجھے سمجھایا کرتی۔

''ایک بار دیکھ تو لو یار..... قسم سے اوئی، اوئی کروگی۔'' میں نے اپنا من پسند جملہ بولا تھا حقیقتاً مجھے اپنی پرسنالٹی اور قدوقامت پر غرور کی حد تک فخر تھا۔

''میں آپ کو بغیر دیکھے بھی اوئی، اوئی کرتی ہوں شاہ زیب۔'' جواباً وہ شرارت سے کہتی اور یقیناً ایسا کرتے اس کے نچلے لب کا کونا دانتوں تلے دبا ہوتا ہوگا۔

''بناؤ تو مت یار.....!'' میں جھنجلا کر کہہ اٹھتا۔

''بنا کب رہی ہوں یار..... بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ میرے ہی انداز میں کہہ کے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیتی۔ اس کی ٹیلی فونک قربت میں، میں بہت خوش رہنے لگا تھا۔ میں غیر محسوس طریقے سے اس کا روز بروز عادی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کسی موذی نشے کے مانند میری رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی تھی..... میں اپنی کیفیت پر خود بھی حیران تھا میں نے اسے دیکھا تھا نہ ہی اس کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ پھر بھی میں اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتا، میں اکثر سوچا کرتا اگر وہ میری زندگی میں شامل ہو جائے تو زندگی کس قدر دلفریب ہو جائے..... وہ بن کہے مجھے سمجھنے لگی تھی۔ میری آواز کے اتار چڑھاؤ سے میرے موڈ کو بھانپ لیا کرتی تھی کبھی کبھار مجھے خود پر بے حد حیرت ہوتی اور اس سے خوف..... مجھے ایسا لگتا جیسے وہ کوئی ساحرہ ہے۔ میں اس کے سامنے خود کو بے بس پاتا تھا، میں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی زندگی کی وہ تمام محرومیاں اور دکھ کہہ جاتا جو میرے اندر بڑی گہرائی سے جڑ پکڑے مجھے احساسِ کمتری کا شکار کیے ہوئے تھے۔ میں تیرہ سال کا تھا جب میری ماں کا انتقال ہوا تھا۔ ابا بے شک بہت محبت کرنے والے سہی پر جی بھر کر عیاش اور نفس پرست انسان تھے، میرا شمار ان بچوں میں ہوتا تھا جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں مگر میری ماں کی موت جیسے ہمارے گھر سے رزق کی چاندی بھی چرا کر لے گئی تھی۔ ابا نے اپنی عیاش پرست عادت کے ہاتھوں سب کچھ لٹا دیا تھا۔ دادا ابا کے ساتھ، ساتھ وہ سب دیکھ کر میں بھی کڑھا کرتا پر انہی کی طرح بے بس ہونے کی بنا پر کچھ کر نہیں پاتا۔ جیسے تیسے کر کے .... میرے بڑے بھائی کی بدولت ہم ایک چھوٹی سی گھی کی مل بچانے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ حالانکہ ابا اس اقدام پر جی بھر کر تلملائے تھے اور بڑے بھائی سے وہ مل واپس لینے کی ہر ممکن کوشش بھی کی تھی پر دادا ابا کی مدد اور جذباتی سہارے نے بڑے بھائی کو ابا کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے بچا لیا تھا۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی تھے، بہنیں شادی شدہ اپنے گھر بار کی تھیں۔ بھائی روزگار سے وابستہ کھوئی ہوئی بلکہ ابا کی لٹائی ہوئی جاہ وحشمت کو دوبارہ پانے کی کوشش میں بیرون ملک مقیم ہو گئے کہ یہاں رہ کر تو کبھی اتنا نہ کما سکتے جتنا ابا نے اپنی عیاشیوں کے باعث ان چند سالوں میں لٹا دیا تھا۔

''کیا بے چینی ہے شاہ زیب..... مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ خود سے لڑ رہے ہیں، کچھ ایسا ہے جو اکثر آپ کو ڈسٹرب کر دیتا ہے۔'' اس روز جب مجھے ابا کی کال آئی تھی، میں بے حد غمزدہ تھا۔ سالوں سے پراپرٹی کے حصوں کے لیے لڑنے والا کیس اپنے آخری مراحل میں تھا، کیس کا فیصلہ بس ایک آدھ ساعتوں کا منتظر تھا۔ ابا کچھ زیادہ پُرامید نہیں تھے، گزرتے وقت نے ان کا سارا طنطنہ مٹا دیا تھا۔ ہمارا باپ جیسا سہی پر ان کی ایک خوبی ان کی تمام خامیوں پر حاوی تھی، وہ ہم سب بچوں سے بے حد محبت کرنے والے تھے ہماری خاطر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ ہماری بہترین پرورش کی تھی۔ بے تحاشا محبت دی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میں نے کچھ غلط پوچھ لیا شاہ زیب......؟''
تھوڑی دیر بعد اس کی آواز پھر اسپیکر پر ابھری تھی۔
''نہیں یار...... میں تو بس حیران ہو رہا تھا کہ تمہیں پتا کیسے چل جاتا ہے کہ میں کس وقت کیا محسوس کر رہا ہوں؟''
''مجھے الہام ہوتے ہیں آپ کے متعلق۔'' جواباً وہ دھیرے سے ہنسی تھی وہی اس کی نرم گرم چاندی کے گرتے سکوں جیسی جھنکار سی ہنسی، میرے کشیدہ اعصاب پر پھوار کے مانند برسی......
''زندگی کسی کے لیے بھی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی یار...... پر میرے لیے تو بالکل بھی نہیں ہے۔'' میں کرب سے مسکرایا۔
''آپ کو زندگی سے کیا چاہیے شاہ زیب...... محبت، اختیار، اقتدار یا دھن دولت، میرے خیال میں میرا آخری آپشن درست ہے...... ہے ناں؟'' وہ اپنی بات کے اختتام پر اپنے اندازے کی تائید چاہ رہی تھی۔ میں نے ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا اور دوسری جانب جیسے وہ سمجھ گئی ہو۔
''دیمپل...... آپ کو خود پر، اپنی محنت و لگن پر یقین ہونے کے ساتھ، ساتھ پروردگار کی ذات پر اعتبار ہے ناں...... آپ اپنے زورِ بازو سے کمائیں وہ برکت ڈالے گا وہ بہت عطا کرے گا، آپ مانگ کر تو دیکھیں......'' اس کے لہجے میں خدا کے قرب، اس کی عظمت اور اس کے بے حد عطا کرنے کا بھرپور یقین تھا۔
''پیسہ تو زندگی کا اہم جز ہے اور وہ تو سبھی کو چاہیے ہوتا ہے۔''
''ہاں پر مجھے بہت زیادہ چاہیے...... پتا ہے جب میں اپنے شہر کی مارکیٹ میں چلتا ہوں اور جب کوئی ابا کا واقف کار مجھے یہ بتاتا ہے کہ یہ مارکیٹ بھی آپ کی تھی، فلاں پلازہ بھی آپ کا تھا پر خاں صاحب نے بیچ دیا تو یقین جانو میرے اوپر کیا اذیت گزرتی ہے...... میں اپنے وجود کے ہزاروں ٹکڑے ہوتے محسوس کرتا ہوں...... اور ہر ٹکڑے سے جھلکتی بے بسی میرے اندر اضطراب کو جنم دینے لگتی ہے۔ اس سمے میں خود کو بہت بے بس محسوس کرتا ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے پاس الہ دین کا چراغ آجائے اور میں شام سے پہلے، پہلے اپنی تمام پراپرٹی واپس خرید لوں جو ابا نے کوڑیوں کے دام فروخت کردی تھی اور جانتی ہو ہمارا وہ گھر...... جو میری ماں نے بے حد چاؤ سے شہر کے سب سے مہنگے اور پوش ایریا میں بنایا تھا۔ ابا نے وہ بھی بیچ دیا۔ میرا خود سے وعدہ ہے جب بھی میرے ہاتھ پیسہ آیا میں سب سے پہلے اپنا وہی گھر خرید دوں گا جو میری ماں نے بڑے چاؤ سے بنوایا تھا پر اسے اس میں رہنا نصیب نہیں ہوا تھا۔'' میرے لہجے میں میری ماں کی محرومی کا دکھ ہلکورے لے رہا تھا، میں نے غیر محسوس سے انداز میں اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا میرا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔
''جو ہوا اسے بھولنے کی کوشش کریں شاہ زیب...... جو آپ کے ابا نے کیا وہ بھلے بجا نہ سہی پر اب لکیر پیٹنے کے بجائے اس کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے ابا کو وہ تمام جائداد اور کاروبار بنا بنایا، سجے سجائے آفس کے طور پر ملا تھا اور وہ اس کی قدر نہیں کر پائے مگر اب آپ کو اس کی قدر ہوگی کیونکہ اس میں آپ کی محنت کا خون پسینہ شامل ہوگا اور عین ممکن ہے کہ آپ کی اولاد کو اس کی قدر نہ ہو۔ وہ اسے فار گرانٹڈ ہی لیں گے جس طرح آپ کے ابا نے لیا۔ میرے کہنے کا مقصد آپ کو اپنے والد سے بدگمان کرنا ہرگز نہیں ہے بس اتنا سمجھانا چاہتی ہوں کہ اب...... ابا کو قصوروار سمجھنے کے بجائے خدا پر یقین رکھیں اور محنت کریں۔'' اس نے بہت سبک خرامی سے بے حد آہستگی سے میرے رستے زخموں پر پھاہے رکھے تھے۔ اس کے سمجھانے اور حوصلہ بڑھانے پر مجھے اپنی منزل بہت آسان لگنے لگی تھی۔
''ہاں، ایک اور بات......'' اچانک اس نے کہا تھا۔ ''بہت کامیاب ہونے کے بعد آپ کے دل کے کسی کونے میں میری یاد کا دیا ہمیشہ روشن رہے، یہ میری

Downloaded From http://paksociety.com

خواہش ہے اور میں ہمیشہ اللہ سے دعا کروں گی کہ میری خواہش ضرور پوری ہو۔'' اس نے بہت نرمی اور غیر محسوس سے انداز میں کہا تھا میں بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

''تم کوئی بھولنے والی چیز ہو....؟'' میں نے تصور ہی تصور میں اس کی ناک دباتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

''یاد رہنے والی بھی نہیں ہوں۔'' اس نے قدرے نروٹھے پن سے کہا۔

''میں تمہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گا۔'' بہت بے اختیار اور بلا ارادہ میرے منہ سے ادا ہوا تھا۔ چند ثانیے کو ہم دونوں کے درمیان میں دبیز خاموشی در آئی تھی بس ہم دونوں ایک دوسرے کی سانسوں کا زیروبم سن رہے تھے۔

''میں جہاں کہیں بھی ہوئی ہمیشہ مجھے آپ اپنے ساتھ ہی پائیں گے؟'' تھوڑی دیر سنبھلنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

''تم ہر وقت ساتھ چھوڑنے کی بات کیوں کرتی ہو؟'' ایک روز میں جھنجلا گیا۔

''حقیقت پسند ہوں اس لیے..... جانتی ہوں کہ آپ کا ساتھ فقط ایک دیوانے کے خواب جیسا ہے میرے لیے..... اور ہر خواہش پوری بھی ہو یہ ضروری تو نہیں اور میری زندگی کبھی میرے لیے من پسند اور آسان نہیں رہی.....'' پھیکے سے انداز میں اس نے اپنی بات مکمل کی تھی پہلی مرتبہ میں چونکا، وہ زندگی کی باتیں کرنے والی زندگی سے بیزار بھی ہوسکتی ہے؟ میرے لیے تعجب کی بات تھی۔ زندگی سے بھرپور باتیں کرنے والی اس لڑکی کو میں ہمیشہ بہت بلیسڈ سمجھا کرتا تھا۔ محبتوں کی بارشوں میں ہمہ وقت بھیگنے والی، خواہش کرنے سے پہلے پالینے والی..... کیا اسے بھی اس زندگی میں اپنی زندگی سے کوئی گلہ ہوسکتا ہے؟

''کیا بات ہے شبو! ایسی پھیکی، پھیکی باتیں کیوں کر رہی ہو؟'' میں نے اس کی یاسیت کم کرنے کے لیے پھر وحید مراد کا انداز اپنایا، حسب معمول وہ دل کھول کے ہنس پڑی تھی۔

''ایک بات کہوں شاہ زیب......؟'' میں فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔'' حالات چاہے جیسے بھی آئیں آپ کبھی مجھ سے بدگمان مت ہویئے گا۔ اگر کبھی میں رابطہ نہ کرپاؤں تو یہ مت سمجھیے گا کہ ٹائم پاس تھا۔ بلکہ میری کوئی مجبوری ہی ہوگی.....'' یہ تو میں جانتا تھا کہ سستے نیٹ ورک پیکجز نے جو لڑکے، لڑکیوں کو ٹائم پاس جیسی لت لگائی تھی ہمارا تعلق بہرحال ان میں شامل نہیں تھا۔

''کیسی مجبوری......؟'' میں نے چونکتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''مجبوری کا کوئی نام یا شکل نہیں ہوتی وہ کسی بھی وقت کسی بھی شکل میں آسکتی ہے پلیز..... مگر مجھے سمجھنے کی کوشش کریں ابھی فی الحال نہیں بتاسکتی......؟'' اس کے ٹالنے پہ میں نے گہری سانس بھری تھی۔

''تو تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتیں اور نہ ہی میرے اوپر اعتبار کرتی ہو؟'' میں ایک مرتبہ پھر سلگنے کی کیفیت میں جا اترا تھا۔ میرے اندر دھواں بھرنے لگا تھا۔ بے بسی کا..... یاسیت کا، بے اعتباری کا......

''اتنی جلدی بدگمان مت ہوا کریں شاہ......'' وہ اکثر بہت لاڈ میں مجھے شاہ کہہ کر پکارتی تھی۔

''تو پھر کیا کروں اگر بدگمان نہ ہوں تو...... اپنا نام تک تو بتاتی نہیں ہو...... مجبوری کہاں بتاؤ گی، میں بھی کتنا پاگل ہوں جو تم سے امید لگا بیٹھا......'' مجھے امید تھی وہ میری جذباتی بلیک میلنگ سے آج ضرور گھائل ہوجائے گی۔

''میرا نام کچھ اتنا خاص بھی نہیں......؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''عام ہی بتادو......'' اس کے جواب میں مجھے ہمیشہ کی طرح گرتے آبشار کے جھرنوں جیسی ہنسی کی جھنکار سننے کو ملی تھی دفعتاً کہتے اس نے فون بند کردیا تھا۔

''میرا نام ہے رانگ نمبر......'' اور میں ساکت بیٹھا فون کو گھورتا رہ گیا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

☆☆☆

''ایک بات پوچھوں شاہ زیب......؟'' اس روز اچانک اس نے پوچھا تھا، ایسا وہ تب کرتی جب اسے کوئی بہت ہی خاص بات پوچھنا ہوتی۔

''دس پوچھو......'' میں نے فیاضی دکھائی۔ وہ جواباً اپنی دلکش ہنسی ہنسی تھی۔

''آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔''

''ہاں، کئی بار......'' جتنا انکتے اس نے سوال کیا تھا میرا جواب اتنی ہی روانی لیے ہوئے تھا۔

مگر اسے یقین نہیں آیا میری بات کا جو میری ہر جھوٹی سچی بات کا یقین آنکھیں بند کر کے کیا کرتی تھی۔

''مذاق چھوڑیں، میں دل لگی کی نہیں دل کی لگی کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ تھوڑا خائف ہوئی۔

''ہاں تھی ایک......'' میں جیسے ماضی میں دفنائے یادوں کے اس تابوت کے سامنے کھڑا ہو گیا جسے کبھی نہ کھولنے کے لیے مٹی کے گہرے گڑھے میں دفنا دیا تھا۔ میں کتنی وارفتگی سے اسے سنا رہا تھا۔

وہ ساری باتیں
وہ سارے قصے
جو اس سے ملنے سے پیشتر
میری زندگی کی حکایتیں تھیں
میں کہہ رہا تھا
کہ اور بھی لوگ ہیں
جنہیں میری آرزو تھی، میری طلب تھی
کہ جن سے رہا میری محبتوں کا تعلق
کہ جن کی مجھ پر عنایتیں تھیں
میں کہہ رہا تھا
کہ ان میں سے کچھ کو تو میں نے جاں سے عزیز جانا
مگر انہی میں سے بعض کو
میری بے دلی سے شکایتیں تھیں
بس ایک، ایک بات
ایک، ایک جرم کی کہانی
دھڑکتے دل، کانپتے بدن سے سنا رہا تھا
مگر وہ پتھر بنی مجھے اس طرح سے سنتی رہی
کہ جیسے میرے لبوں پر
کسی مقدس ترین صحیفے کی آیتیں تھیں

''اس وقت میری عمر صرف اکیس برس تھی جب میری صوفیہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی ماں ایرانی تھی اور وہ سارا حسن و شباب ماں ہی کا چرالائی تھی۔ میں جب، جب اسے دیکھتا اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس کرتا...... وہ بے حد خوب صورت و دردمند دل رکھنے والی لڑکی تھی۔ وہ میری ہمسائی تھی، مجھے یاد ہے میں جب بیمار پڑتا تو وہ سارا، سارا دن میرے بستر کی پٹی سے لگی رہتی۔ یوں خیال کرتی جیسے میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں، میں پور، پور اس کی محبت میں ڈوب چکا تھا۔'' میں نے اِک گہری سانس فضا کے سپرد کی اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''اسے بھی آپ سے محبت تھی؟'' میرے خاموش ہونے پر اس نے استفسار کیا۔

''پتا نہیں شاید......'' میرا لہجہ دس سال بعد بھی بے یقین تھا اس تعلق کے معاملے میں......

''آپ کو اسے بتانا چاہیے تھا، اسے پروپوز کرنا چاہیے تھا، ایسا کیسے ممکن ہے کہ آپ جیسے پیارے انسان سے اسے محبت نہ ہوئی ہو۔''

''پیارا تو تمہیں لگتا ہوں اور پھر پروپوز کیسے کرتا وہ شادی شدہ ایک بچے کی ماں تھی۔'' میں نے آہستگی سے کہتے اس کے سر پر بم پھوڑا مگر وہ بالکل بھی نہیں چونکی۔

''پھر بھی آپ کو اسے بتانا تو چاہیے تھا ناں...... دل پر بوجھ تو نہ ہوتا۔'' وہ ابھی تک اسی ٹرانس میں تھی۔

''وہ جانتی تھی ساری حقیقت...... مگر وہ اپنی گھریلو زندگی، شوہر اور بچے کو چھوڑنے پر تیار بالکل بھی نہیں تھی سب سے بڑھ کر وہ لگژری لائف جو اسے ملی ہوئی تھی جبکہ میرے پاس کیا تھا۔ میرے پاس تو کوئی ڈھنگ کی نوکری بھی نہیں تھی جو آج بھی نہیں ہے میرے ساتھ بھلا کیسے کوئی لڑکی خوش رہ سکتی ہے۔'' میرے لہجے میں حسرتوں کے بین تھے، خواہشوں کی......

Downloaded From http://paksociety.com

گرلاہٹیں تھیں۔

''عورت جب محبت کرتی ہے تو دنیادی...... آسائشوں سے مبرا ہو جاتی ہے شاہ زیب...... دھن، دولت، لگژری لائف ایسی چیزیں کبھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ اسے کوئی اور مجبوری ہو گی...... شاید اس وقت اس نے ایک ماں بن کے سوچا ہو...... عورت بن کے سوچتی تو بھی یقیناً زمانے کا خوف، جگ ہنسائی دامن گیر ہوتی مگر اس کا مطلب یہ کہیں سے بھی نہیں نکلتا کہ اسے آپ سے محبت نہیں ہو گی، بدگمان مت ہوا کریں شاہ زیب......'' ایک عورت ہونے کے ناتے وہ ایک عورت کا ہی دفاع کرے گی یہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا میں نے سر جھٹک کے ہاتھ میں دبا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا مجھ سے تو میری زندگی نے کبھی کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا میں نے کرب سے سوچا۔

''ہوسکتا ہے تم صحیح کہہ رہی ہو پر میں اس سے اتفاق نہیں کرتا جہاں محبت ہو وہاں مجبوری نہیں ٹھہر...... سکتی۔'' میں نے اندر کی ساری کڑواہٹ اس جملے کے ذریعے باہر نکالی۔

''آپ محبت سے نہیں بلکہ عورت کے وجود سے خائف ہیں شاہ!'' وہ جیسے میرے اندر گھسن گھیریاں ڈالے رقص کر رہی تھی میرے وجود کے قفل زدہ کواڑ اس نے کس طرح سے کھولے تھے، مجھے خبر کیوں نہ ہو سکی...... اس کی بات کے جواب میں، میں جیسے سن پڑ گیا تھا، میرے ہونٹوں پر گہری چپ لگی تھی، میں چپ رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''میں اس کے وجود کا عادی ہو چکا ہوں۔'' میں نے سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتے خود سے اس بات کا اعتراف کیا۔

''یہ محض ایک وقتی کشش ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' میرے دماغ نے شاید اس بات کی تصحیح کرتے مجھے سمجھایا تھا، میں نے ایک نیا سگریٹ سلگایا۔

''افوہ......! کتنی سگریٹ پیتے ہیں آپ شاہ زیب......! مت پیا کریں، صحت کے لیے بے حد مضر ہے۔'' اکثر وہ جھنجلا کر مجھ سے کہا کرتی۔

''ارے یار میں سگریٹ کا دھواں ان ہیل تھوڑی کرتا ہوں جو نقصان دہ ہے، میں تو صرف پفنگ کرتا ہوں۔'' میں نے اسے ٹالا۔ ''اس سے کم نقصان ہوتا ہے پھیپھڑوں کو۔''

''نقصان، نقصان ہی ہوتا ہے شاہ زیب...... چھوٹا یا بڑا نہیں۔'' وہ کہاں ٹلنے والی تھی۔

''اچھا بابا وعدہ......! آئندہ نہیں پیوں گا بلکہ جلد ہی اسے چھوڑنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اس سے وعدہ کیا حالانکہ اس پر عمل درآمد کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس وقت میں چونک اٹھا۔ میں نے ایش ٹرے میں مسلے ہوئے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑوں کو بہ نظر غائر گنا، میں ڈیڑھ گھنٹے میں بیس سگریٹ پی گیا تھا میں نے غیر ارادی طور پر ہاتھ میں جلتے اکیسویں سگریٹ کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے بجھا دیا۔ لاشعوری طور پر ہی سہی پر میں نے اس سے وعدہ کیا تھا اور وعدہ خلاف تو میں بالکل بھی نہیں تھا۔

''ہر چیز میں اپنا عکس چھوڑ کر جانے کہاں غائب ہو گئی ہو یار......!'' میں نے تصور کے پردے پر لہراتے اس کے عکس سے ہمکلام ہوتے شکوہ کیا، اسی پل نزدیک رکھا فون بج اٹھا۔ حسبِ منشا دوسری جانب وہی تھی۔

''کہاں گم تھیں اتنے دنوں سے! حد ہے...... بے پروائی کی بندہ بتا تو دیتا ہے مگر نہیں...... تمہیں کیا تمہاری بلا سے...... جائیں سب بھاڑ میں۔'' میں چھوٹتے ہی برس پڑا تھا۔

''شاہ زیب......! ایسی کوئی بات نہیں آپ میری با......''

''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بھی بات کوئی وضاحت......'' میں بپھر رہا تھا جانے کیوں مجھے اس قدر غصہ آ رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر دوں۔

''میری کوئی مجبوری تھی شاہ زیب......'' دوسری جانب جیسے وہ تھکن زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''مجبوری، مجبوری، مجبوری...... آخر کیا ہے تمہاری مجبوری یا تو بتادو یا پھر آج ہمیشہ کے لیے مجھ سے ناتا توڑ لو......'' میں چلّا اٹھا صوفیہ کے بعد پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں کسی لڑکی کے لیے پریشان ہو رہا تھا، اس کے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے فرق پڑ رہا تھا ورنہ ان دس سالوں میں میرے بے تحاشا افیئرز رہ چکے تھے میں کسی کے لیے بھی فکر مند نہیں ہوا تھا۔ میں اندر سے محض عورت ذات ہی سے نہیں بلکہ محبت سے بھی خائف رہتا تھا، میرے نزدیک یہ انسان کا سب کچھ چھین لیتی ہے...... چین، آرام، نیند، سکون اور اپنی ذات کا اعتماد بھی۔

''مجبوری جاننے کے بعد آپ رشتہ توڑ دیں گے؟'' اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے برآمد ہوئی۔

''میری شادی ہو رہی ہے؟'' الفاظ تھے یا بم میں پل بھر میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''پرسوں میرا نکاح تھا۔'' اس کی آواز پہلے کے مقابلے میں اس مرتبہ زیادہ مدھم تھی۔

''میں اس شادی سے ہرگز خوش نہیں ہوں، یہ رشتہ میری مرضی کے خلاف طے ہوا ہے۔'' اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی کڑوی کسیلی بات کہتا وہ فوراً بول اٹھی تھی دوسری طرف وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

''زندگی کسی کے لیے بھی آسان نہیں شاہ زیب......! آپ کے نزدیک من کی شانتی اور خوشی کی اہمیت نہیں کیونکہ آپ کے پاس اس کا اختیار ہے پر نہیں، میرے نزدیک دولت و اسٹیٹس نہیں من کی خوشی اور سکون اہم ہے کیونکہ میرے پاس اس کی کمی ہے......میرے پاس میری رضا نہیں، اختیار نہیں، میں اپنی زندگی، اپنی مرضی سے نہیں جی سکتی...... کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں، کمزور اور دبو لڑکی...... ایک فرمانبردار بیٹی اور ایک اچھی بہن...... اور میرے والدین کو لگتا ہے کہ ہماری بیٹی کو کبھی ہمارے کیے اس فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور میں نہ چاہنے کے باوجود بھی ان کا مان نہیں توڑ سکتی، یہ مجبوری ہے میری...... ایک لڑکی یا عورت کی مجبوری جسے آپ مرد کبھی نہیں سمجھ سکتے؟'' وہ سسکی تھی اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''تو تم انکار کر دیتیں......'' میرا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

''کس کی خاطر......؟'' اس کے سوال نے مجھے لمحے بھر کو پتھرا دیا تھا۔ میرے پاس فی الحال اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ پراپرٹی کا کیس ہم ہار چکے تھے کہ کوئی امید ہوتی، لے دے کے ایک نوکری ہی تھی۔ چالیس ہزار ماہانہ کی...... اور اس میں گھر کا خرچ چلانا آسان بات نہیں اور پھر شادی کا خرچ وہ الگ سے...... میں فی الحال ایسی پوزیشن میں بالکل بھی نہیں تھا کہ اسے اپنے ساتھ کا یقین دلاتا حالانکہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اپنے پیروں پہ کھڑا ہوتے ہی میں اسے پروپوز کروں گا۔ مجھے اس جیسی بہترین لڑکی ہی شریکِ سفر کے طور پر چاہیے تھی۔ یہی ساری بات میں نے حرف بہ حرف اسے بھی کہہ دی تھی۔

''ایک بات کہوں شاہ زیب......؟ آپ کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے تب بھی ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے تھے۔ ہاں پر ان چند دنوں میں، میں نے پوری زندگی جی لی ہے اور اس بات کا یقین کہ اس دنیا میں کوئی تو ایسا شخص ہے جس کو...... میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑتا ہے، جس کے لیے میرا وجود اہم ہے یہی احساس بہت قیمتی ہے میرے لیے اور یہی احساس میری زندگی کا حاصل بھی ہے۔ اب مجھے زندگی سے کوئی گلہ نہیں......'' اس نے آنسو پونچھتے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑتے مجھ سے کہا تھا مگر میں جواب میں کچھ کہہ بھی نہیں سکا۔

☆☆☆

پھر اس روز کے بعد دوبارہ کبھی ہماری بات نہیں ہو سکی تھی۔ شاید اس کی شادی ہو چکی تھی مگر میں اسے بھول نہیں پایا۔ وہ ہر، ہر بات میں اپنا عکس چھوڑ گئی تھی۔ اپنی یاد کا عکس، اپنی بات کا عکس...... پھر میں بھی زیادہ دن کراچی میں نہیں ٹکا۔ کیس ہارنے کے بعد

Downloaded From http://paksociety.com

میں ابا کے ساتھ میکسیکو چلا آیا۔ ابا نے دوست کی بیٹی سے میرا رشتہ طے کردیا۔ میں نے بھی انکار نہیں کیا ابا کی خواہش کو میں کبھی ٹال ہی نہیں سکا۔ کچھ عرصہ میری سیما کے ساتھ منگنی رہی مگر بات شادی تک نہیں پہنچ سکی۔ بقول اس کے میں جذبات سے عاری ایک پیسہ کمانے کا روبورٹ تھا۔ اس کے نزدیک میرے ساتھ رہ کر جذبات و احساسات سے گندھی کوئی لڑکی خوش نہیں رہ سکتی۔ اس کے نزدیک میں جذبات و احساسات جیسے الفاظ کے معنی سے نابلد انسان تھا۔ ایک طرح سے اس کا تجزیہ درست بھی تھا۔ زمانے کی سختی، تنگی، ترشی کے ساتھ اپنوں کے رویوں نے مجھے کٹھور بنا ڈالا تھا ہاں ایک وقت تھا جب میں بے حد حساس ہوا کرتا تھا۔

آج میں ایک کامیاب انسان ہوں، میکسیکو کے جانے مانے امرا میں میرا شمار ہونے لگا ہے۔ ابا اس دنیا کی بھیڑ میں مجھے دو سال پہلے ہی چھوڑ گئے تھے۔ تنہا تو پہلے ہی تھا اب اکیلا بھی ہوگیا۔ میں خود بھی کسی کا سہارا نہیں بن سکا اب کون مجھے آسرا دیتا...... کسی مخلص کی آس و امید کو تو خود میں نے ہی بے دردی سے روندا تھا۔

مجھے یاد ہے اس کے نکاح کے بعد میرے ہی کہنے پر اس نے اپنی نکاح والے روز دلہن بنی ہوئی تصویر بھیجی تھی۔ جس روز مجھے اس کا پارسل ملا اسی روز میری اور ابا کی میکسیکو کی فلائٹ تھی۔ میں اپنا سامان ڈرائیور سے گاڑی کی ڈگی میں رکھوا رہا تھا۔ جبھی چوکیدار نے مجھے وہ پارسل لاکر تھمایا تھا۔ میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا لفافے کے باہر بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا تھا۔ میں نے جلدی سے کھول کر دیکھا اندر صرف ایک ہی تصویر تھی۔ زرتار دوپٹے کے ہالے میں رویا رویا چہرہ...... میک اپ سے مبرا...... یاقوتی گداز ہونٹ، بھیگی مڑی ہوئی پلکیں، ساحر آنکھوں پہ سایہ فگن تھیں۔ گلابی عارض کے ابھار، چہرے پر بے حد واضح تھے۔ لمحے بھر کو میں گڑبڑا سا گیا سود و زیاں کا حساب...... میں نے بڑی دیر میں لگایا تھا کسی نے کند چھری سے میرا کلیجا نوچا تھا۔ میں نے تصویر کو پلٹا، پیچھے اس کا نام لکھا تھا...... اس کا

اصلی نام...... اس نے ٹھیک ہی کہا تھا، اس نے بچھڑ
سے پہلے ہی مجھے اپنا نام بتادیا تھا، میں نے دیوا
سہارا لیا۔ مجھے یاد ہے اس کے نکاح کے بعد بھی وہ
سے رابطہ رکھنے کی خواہشمند تھی۔ مگر میں اذیت
جانے کس سرحد پر کھڑا تھا، میں نے از خود بغیر
سنائے رابطہ اچانک ہی منقطع کردیا تھا۔ وہ سارا
دن مجھے فون پر فون کرتی میں ریسیو نہ کرتا، وہ پاگلوں
طرح میسجز کرتی، میں اگنور کردیتا۔

"مجھے میرا قصور تو بتادیں شاہ زیب......! ا
بڑی سزا کس جرم میں؟ جس سے زندگی کی خوشیاں
بھر کے لیے روٹھ چکی ہوں...... کیا آپ اس سے زندگ
کی واحد اور آخری خوشی بھی چھین لیں گے...... آ
کے ساتھ ہونے سے ہی تو مجھے آسرا ملتا ہے۔ مجھ سے
آخری اور واحد احساس مت چھینیں پلیز......" اس
اس آخری میسج نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے اب
دفعہ اس کی کال پک کرلی تھی۔

"ذرا آسرے کا مطلب تو سمجھاؤ مجھے......" میر
لہجہ تندی لیے ہوا تھا۔

"شاہ زیب......" میرا نام ایک کراہٹ ک
صورت اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"اس رشتے کا اینڈ کیا ہے؟ اس کی منزل ک
ہوگی...... حاصل حصول کیا ہوگا اس تعلق کا......؟ جواب
دو مجھے؟" اس کی گہری و جامد خاموشی میرے اندر الا
دہکا رہی تھی۔ مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ میں اتنا تلخ
کیوں ہو رہا ہوں۔

"میں نے تو کبھی حاصل حصول کے بارے میں
کچھ سوچا ہی نہیں تھا شاہ زیب......" ایک طویل خاموشی
کے بعد بہت آہستگی سے اس نے جیسے اپنے جرم کا
اعتراف کرتے کہا تھا۔

"مگر میں سوچتا ہوں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں
تمہیں دنیا میں واحد بے وقوف نظر آتا ہوں جسے تم نہ
جانے اپنی کس تسکین کی خاطر رابطے میں رکھے ہوئے
ہو...... تم نے مجھے اپنا نام تک نہیں بتایا۔ ملنے سے انکار

Downloaded From http://paksociety.com

کر دیا، اعتبار جیسا ہمارے درمیان جب کوئی رشتہ ہی نہیں تو پھر اس تعلق کا فائدہ......؟ میں تنگ آ گیا ہوں تمہارے اس آنکھ مچولی والے کھیل سے۔ مجھے کتابی باتیں آتی ہیں نہ ہی پسند ہیں کیونکہ میں خوابوں میں رہنے والا بندہ ہوں ہی نہیں...... مسائل کی چکی میں پستے، پستے میرے جذبات سرد پڑ گئے ہیں، مجھے تمہاری منطق سمجھ میں نہیں آ سکتی، یہ بھرے پیٹ کے مشغلے ہیں اور مجھے جان سے زیادہ روٹی کے لالے پڑے ہیں، میری زندگی میں کہیں بھی ان سب باتوں کی گنجائش نہیں نکلتی......'' میں چیخ اٹھا چلا اٹھا تھا۔ دوسری جانب وہ یقیناً بے آواز رو رہی ہوگی مگر میں نے بالکل پروا نہیں کی۔

''میں یہ سمجھتی تھی شاہ زیب......! کہ ہمارا تعلق ان سب چیزوں سے ماورا ہے مگر میں غلط تھی مگر میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا...... کبھی آپ کو استعمال نہیں کیا کبھی آپ سے کوئی امید یا توقعات وابستہ نہیں کیں...... میرا وجود آپ کے لیے ایک بوجھ سہی مگر آپ کی ذات میرے لیے ایک ایسے شجرِ سایہ دار کے مانند ہے جس کا احساس ہی من کو شانت کر دے، میرے اندر زندگی جنم لینے لگتی ہے آپ کا احساس آپ کے ساتھ کا احساس میرے اندر زندگی کی، امنگوں کی، رنگوں اور خواہشوں کی کونپلیں کھلانے لگتا ہے اور میرے لیے یہ احساس بے حد قیمتی ہے۔'' اس کی آواز میں درد تھا، سوز تھا، میرے ہر طرف درد بکھرنے لگا مگر میں پھر بھی ساکت و جامد تھا، بے حسی، ایک گہرے حصار کے مانند میرے اردگرد رقصاں تھی۔

''تو تم خود ہی بتاؤ...... اس تعلق کا حاصل جس کا کوئی نام نہیں ہے، کوئی فائدہ نہیں ہے؟'' میں جیسے تھک کر سست لہجے میں بولا تھا۔ اس کی خاموشی اور اس میں چھپا درد مجھے عجیب سی بے بسی میں دھکیل رہا تھا۔ رفتہ، رفتہ میرے پورے وجود میں تھکن بھرنے لگی تھی۔

''جہاں فائدے کی بات آ جائے وہاں محبت نہیں ہو سکتی، محبت تو نفع و نقصان سے ماورا جذبہ ہے، ٹھیک ہے میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے دوں گی اگر کسی انسان کی شکل صورت اور شناخت کے بغیر دنیا والے اس کی ذات کو نہیں پرکھ سکتے تو یونہی سہی میں غلط تھی، میری سوچ بھی غلط تھی مگر میری محبت غلط تھی نہ ہی ارادہ......'' اس نے مزید کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

اور پھر اس کے چند روز بعد ہی مجھے اس کی تصویر اور مطلوبہ شناختی کوائف ملے تھے۔

اس کا نام سحرش عمر تھا اور وہ فیصل آباد کی رہنے والی تھی۔ اور وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسی شبیہہ اکثر اس سے بات کرتے میرے تخیل کے پردوں سے ٹکرایا کرتی تھی۔ وہ موم کی گڑیا تھی، موم کے جیسی تھی، اس کے چہرے پر بے حد نرم سا تاثر پھیلا تھا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی مگر وہ پھر بھی زندگی کی جوت سے بجھی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کے گداز ہونٹوں کے تبسم میں کرب کی چاشنی تھی۔ اس کی راج ہنس کی طرح اٹھی اونچی گردن کا تل دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتا تھا۔ وہ اس کے نکاح کی تصویر تھی۔

''کیا کبھی کوئی لڑکی اپنی زندگی کی شروعات یوں اس طرح بھی کرتی ہوگی۔'' میں نے اس کے چہرے کے حزن پر نگاہیں جماتے سوچا۔

زندگی جینے والی، زندگی کی باتیں کرنے والی خوابوں سی گندھی لڑکی تھی وہ...... زندگی کے ہر لمحے سے زندگی کشید کرنے والی لڑکی...... محبت اور خلوص جس کے انگ، انگ سے پھوٹتا تھا پھر وہ اداس کیوں تھی، اس کے چہرے پر ملال کیوں تھا...... وہ غمزدہ کیوں تھی وہ بکھری، بکھری ٹوٹی پٹی کیوں لگ رہی تھی۔ میں نے دیوار کا سہارا لیتے کرب سے سوچا تھا۔ مجھے اپنے الفاظ اور ان کی سنگینی یاد آ رہی تھی۔ کس قدر غلط پرکھ تھی میری...... مجھے اپنی غلط سوچ پہ بے حد افسوس تھا۔ ایک عرصے سے اپنوں کی بے اعتنائی کا دکھ جھیلتے نامحسوس طریقے سے میں بے حد کٹھور ہو گیا تھا۔ میں نے خونی رشتوں کی بے حسی دیکھی تھی، بے اعتنائی دیکھی تھی، نفرت، انتقام دیکھا تھا، مفاد پرستی دیکھی تھی۔ مگر پھر بھی

Downloaded From http://paksociety.com

مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ میں سارے دنیا کو ایک ہی تناظر میں رکھ کر دیکھتا۔ میں سحرش عمر کی ایک نظر کے زاویے سے دیکھتا...... اس کے خلوص کو اس کی.... بے ریائی کو اس کی محبت کو یوں بے مول کرتا، دیوار کا سہارا لیتے، لیتے میں لڑکھڑا گیا، بس وہ ایک لمحہ، سود و زیاں کے حساب کتاب کا لمحہ میری پوری زندگی پہ محیط ہو گیا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی کسی دن مجھے اس کی یاد سے چھٹکارا نہیں مل سکا تھا۔ وہ میرے وجود کا حصار کیے میرے دل کے نہاں خانوں میں مقیم ہو گئی تھی، وہ میرے اردگرد بکھر گئی تھی، میری ساری زندگی پہ چھا گئی تھی۔ میکسیکو آنے کے بعد میں پیسہ بنانے کی مشین بن گیا تھا، میں دن رات اندھا دھند بس پیسہ کمانے میں لگا تھا مجھے اپنی نیند کی پروا تھی نہ آرام کا خیال...... ایک ہی دن میں تین، تین جابز میں اکثر مجھے کھانا کھانا بھی یاد نہ رہتا...... اکثر فائلوں پر یا کمپیوٹر کے آگے بیٹھے اپنے سن ہوتے ہاتھوں کی تکان کو نظر انداز کیے میں کام میں جتا رہتا لیکن اکثر ہی اس کی یاد نما بازگشت گرد جھاڑے میرے اردگرد بکھر جاتی۔

"اتنا کام مت کیا کریں شاہ زیب......! آپ کے جسم کا بھی آپ پر حق ہے، اسے بھی آرام پہنچایا کریں۔ اس طرح تو آپ بیمار پڑ جائیں گے اور آپ تو اپنا خیال بھی خود نہیں رکھ سکتے۔" کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چلتی میری انگلیاں لمحہ بھر کو...... ساکت ہو جاتیں۔ وہ کہیں نہیں تھی، میں اردگرد نگاہیں دوڑاتا پر وہ کہیں نہ تھی...... میں تھک کر کرسی کی پشت پر سر گرا دیتا۔

"کیوں یاد آ رہی ہو اب...... میں تو برباد ہو چکا۔" میں نے اس کے تصور سے ہمکلام ہوتے شکوہ کیا، زرتار دوپٹے کے ہالے میں رویا، رویا چہرہ میرے ذہن اور تخیل کے پردوں سے چپک کر رہ گیا تھا۔

"برباد تو میں ہوئی شاہ زیب...... زیاں تو میرے حصے میں آیا۔" اس کی روئی، روئی متورم آنکھوں نے جیسے مجھ سے شکوہ کیا اور میں چونک اٹھا...... وہ کس حال میں تھی، کہاں تھی میں کچھ نہیں جانتا تھا اور آج پھر سالوں بعد میں نے اس کا نمبر کانپتے ہاتھوں اور لرزتے دل کے ساتھ ملایا تھا۔ میں اس سے کیا کہوں گا...... اگر فون اس کے بجائے اس کے شوہر نے ریسیو کیا تو اپنی کیا شناخت بتاؤں گا...... لمحے بھر کو میرا ارادہ متزلزل ہوا مجھے اسے فون نہیں کرنا چاہیے کہیں اس کے لیے کوئی مشکل نہ کھڑی ہو جائے...... اور ہو سکتا ہے کہ اسے تو کوئی شاہ زیب خان کی یاد بھی نہ ہو وہ اپنی شادی شدہ زندگی میں خوش ہوگی، آخری سوچ تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی تھی میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا میں نے اسے کال نہیں کی تھی حالانکہ مجھے اس سے بات کرنا تھی۔

☆☆☆

میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور بغیر اپنا رین کوٹ لیے گاڑی سے باہر نکل آیا۔

میکسیکو کا موسم عموماً خاصا خوشگوار رہتا ہے۔ ہلکی،

اردو کتابوں کا پہلا اردو زبان میں آن لائن سٹور
کتابیں حاصل کرنا انتہائی آسان
گھر بیٹھے اپنی پسندیدہ کتب حاصل کریں
کتاب منگوانا اور تلاش کرنا انتہائی آسان
ذخیرہ کتب میں روز بروز اضافہ کیا جارہا ہے
ناول، ادب، شاعری اور تمام موضوعات ایک ساتھ
مصنفین، شعراء اور ادیبوں کے تعارف اور تصاویر
QR کوڈ کو QR Scanner سے سکین کریں یا
www.kitabidunya.com

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

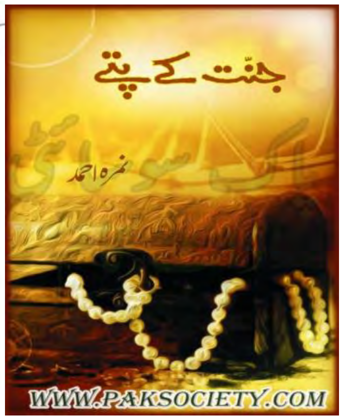

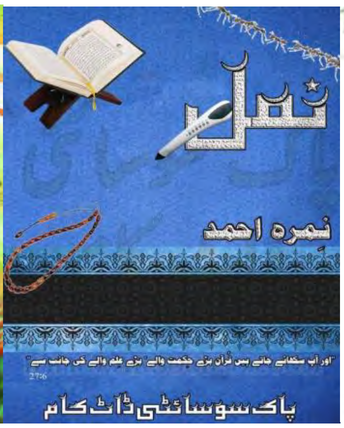

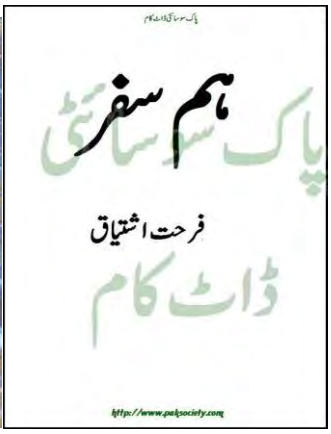

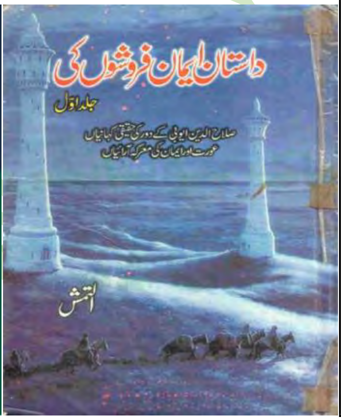

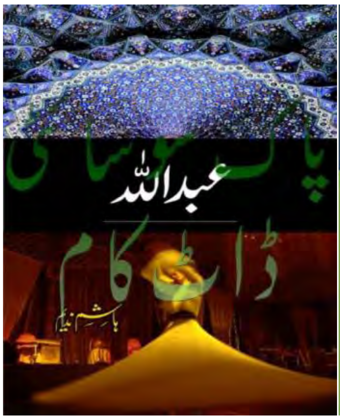

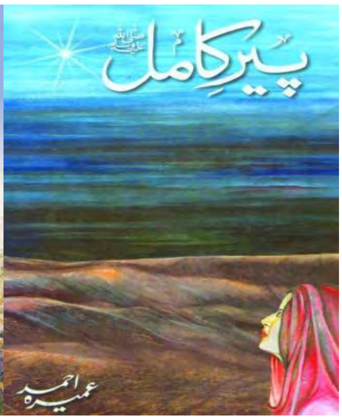

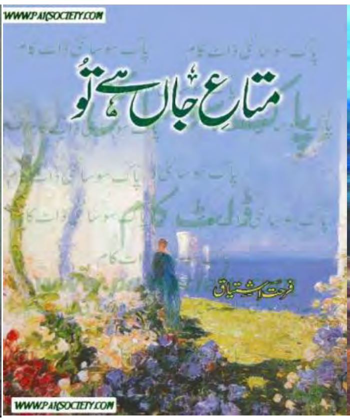

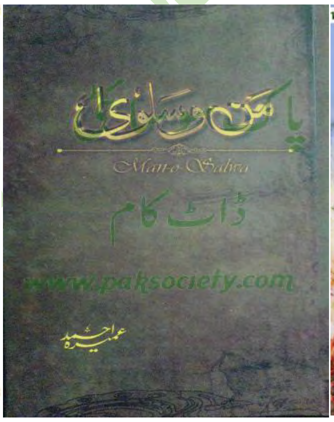

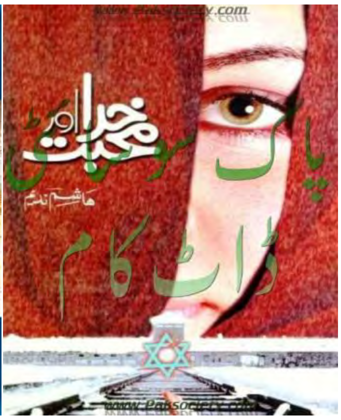

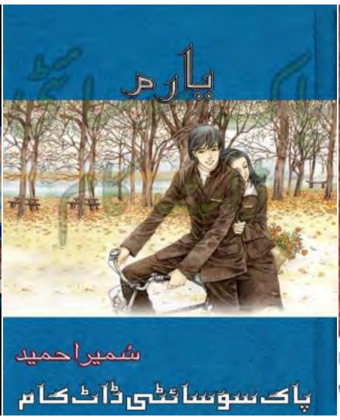

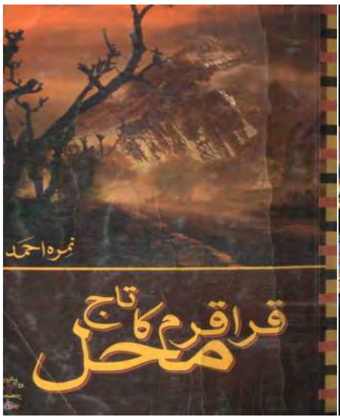

Downloaded From http://paksociety.com

ہلکی بوندا باندی موسم کو دلفریب روپ عطا کر رہی تھی۔ مجھے بے اختیار کراچی کی بارش یاد آئی جو اول تو ہوتی نہیں تھی اور اگر ہو جاتی تو پھر کئی، کئی دنوں تک سڑکوں پر پانی جمع رہتا۔ یہاں ایسا کوئی سین نہیں تھا طوفانی بارش میں بھی کبھی پانی سڑک پر کھڑا نہیں ہوا تھا...... مگر یہ گورے جتنی بھی ترقی کر لیں ہمارے پاکستان کا مقابلہ تھوڑی ناں کر سکتے ہیں...... میں اپنے ریسٹورنٹ کے ذیلی دروازے کی طرف بڑھنے کے بجائے مین ڈور کی طرف ریسپشن پر چلا گیا۔ اس روز میرے ریسٹورنٹ میں رش قدرے کم تھا عموماً ورکنگ ڈیز میں ڈے ٹائم میں کم ہی لوگ آیا کرتے...... لیکن پھر بھی اکثر لنچ ٹائمنگ میں تعداد بڑھ جاتی...... یہ ایک پاکستانی کھانوں کا ہوٹل تھا۔ جس کا نام میں نے خان ریسٹورنٹ رکھا تھا' ہمارے شیف کھانا بے حد لذیز بناتے، کئی ایک خواتین شیف بھی تھیں، بریانی، قورمہ، سادہ پلاؤ، اچار گوشت، بھنا قیمہ، کابلی پلاؤ جیسے دیگر تمام لوازمات ہمارے دستر خوان کا مینیو تھے۔ اس کے علاوہ سلاد، مختلف اقسام کی چٹنیاں اور اچار بھی بے حد پسند کیے جاتے اور ساتھ مختلف سبزیوں کے پراٹھے۔ اکثر کالی اور گوری میمیں بے حد چٹخارے مار کر آم کے اچار کا مزہ لیا کرتیں...... کچھ ایک تو ترکیب بھی پوچھا کرتیں...... میں نے چونکہ خود تنگی کے دن دیکھے تھے، اسی لیے میری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی تھی کہ دیارِ غیر میں مسائل کی چکی میں پستی خواتین جنہیں ان کے شوہر حضرات نے یہاں لا کر پھینک دیا تھا کو روزگار فراہم کر سکوں تاکہ وہ اپنا بوجھ خود اٹھا سکیں، اپنی کفالت کر سکیں۔ بیرونِ ملک کی زندگی کو پھولوں کی سیج سمجھنے والے والدین جو اپنی بیٹی کو خود ہی ایسے جہنم میں جھونکتے ہیں کاش انہیں معلوم ہو کہ ہمارے گھر کی چار دیواری سے نکلی بیٹیاں دنیا اور پھر باہر کی دنیا کو فیس کرنے کی اہل ہرگز نہیں ہوتیں۔ میرے پاس ایسی پندرہ خواتین تھیں جو کھانا بنانے کے علاوہ اور کوئی ہنر ہاتھ میں نہیں رکھتی تھیں' نہ ہی ایسی تعلیم تھی کہ اچھی جاب حاصل کر سکیں، مجھے ان کی مدد کر کے بے حد سکون ملا کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنی عزتِ نفس کے ساتھ محنت کرتی تھیں۔ میں نے گلاس وال پر گرتے بارش کے قطروں کو دیکھا باہر بارش تواتر سے جاری تھی اور من کے اندر اس کی یاد کی بارش......

چشمِ نم تیری یاد اور یہ بارش
گویا! اِک بارش کے بعد اور بارش

میں نے بے اختیار ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کی اور آفس کے اندر بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس روز بھی کچھ ایسا ہی موسم تھا۔ نرم گرم...... تھوڑا مضمحل، پژمردہ، رات ہی میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ بے حد اداس اور تنہا...... میری طرف اس نے بڑی اداس و شکوہ کناں نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ نظریں میں نے اپنے اندر گڑتی محسوس کی تھیں۔ ان آنکھوں میں کیا تھا...... ان آنکھوں میں کیا نہیں تھا، میں نے کرب سے سوچا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ ان آنکھوں میں درد تھا، شکوے تھے، دکھ تھا، بین تھے، کھونے کی کسک تھی، اکیلا پڑنے کی سلگن تھی۔ میرے اندر بے چینی گھر کرنے لگی تھی۔ بہت عرصے بعد میرا دل چاہا تھا کہ میں اسے ایک بار دیکھ لوں...... اس کی آواز سن سکوں...... میں اسے بتا سکوں کہ ''زندگی میں محبت ہی وہ واحد احساس ہے جو زندگی کی امنگ کو جگائے رکھتی ہے...... دھن' دولت، اختیار سب وقتی ضرورتیں ہیں، یہ زندگی کے لیے اہم سہی پر ان کے بغیر جیا جا سکتا ہے مگر محبت کے بغیر نہیں...... جینے کی آس کے بغیر نہیں...... کسی اپنے کے ساتھ کے بغیر نہیں......'' میں اس کی یاد میں گم تھا حسبِ معمول جبھی میرا اسکرٹری دروازہ دھکیل کے اندر آیا تھا۔

''سر دو سکھ وبندر سنگھ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں باہر لابی میں......'' اس نے اندر آ کے بے حد مؤدبانہ انداز میں بتایا تھا۔ سکھ وبندر سنگھ میرے بہت اچھے دوست تھے، میکسیکو آنے کے بعد وہ میرے پہلے مخلص دوست اور رہنما رہے تھے، انہوں نے میرا

Downloaded From http://paksociety.com

بے حد ساتھ دیا تھا۔

"تو انہیں یہیں آفس میں بھیج دو......" میں نے اپنا سگریٹ کیس گھماتے کہا۔

"جی، میں نے ان سے عرض کی تھی پر ان کا کہنا ہے کہ آج میکسیکو کی شادابی عروج پر ہے، اسے یہاں لابی میں بیٹھ کر ہی انجوائے کرنا چاہیے۔" اپنے سیکرٹری کی زبانی ان کی بات سن کر میں بے اختیار مسکرا اٹھا اور اپنا لائٹر اور سگریٹ کیس اٹھا کر چل دیا۔ میرے پیچھے میرا اسیکرٹری تھا۔

وہ لابی میں پڑے صوفوں پر براجمان باہر سڑک کی طرف متوجہ تھے۔ ریسٹورنٹ کے ڈائننگ ہال میں آج قدرے زیادہ رش تھا۔ میں آہستہ، آہستہ قدم بڑھاتا ان کے نزدیک پہنچا اور آج وہ خلافِ معمول اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر مجبور و بے کس خواتین کی مدد کیا کرتے تھے انہیں رہائش کا انتظام اور جاب بھی دلوادیا کرتے کئی ایک خواتین آج انہی کے کہنے پر میرے ہاں کام کر رہی تھیں۔ مجھے ایک لیڈی سپروائزر کی ضرورت تھی شاید نہیں یقیناً وہ آج اسی سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔

"السلام علیکم شاہ زیب بھائی!" مجھے دیکھتے ہی وہ نعرۂ مستانہ بلند کرتے صوفے پر سے اٹھے تھے۔ وہ سردار ہونے کے باوجود ہمیشہ مصافحہ و معانقہ کرتے، مجھے سلام کرتے تھے۔ اور مجھے ان کی یہ عادت بے حد پسند تھی۔

"وعلیکم السلام...... سُکھ ویندر بھائی...... آج کیسے راستہ بھول گئے؟" میں نے بھی خوش دلی سے کہتے ہلکا سا طنز شامل کیا وجہ انہیں تھوڑی ناراضی جتانا بھی تھا، وہ آج کافی دنوں کے بعد آئے تھے۔

"بس یار کیا کروں، تیری بھرجائی (بھابی) بھی اگر کبھی جلدی گھر آجاؤں تو یہی گلہ کرتی ہے، نیا شوروم کھول رہا ہوں اینٹیک اور امی ٹیشن جیولری کا...... سنا ہے آج کل بڑی مانگ ہے اس کی۔" انہوں نے اپنا نیا بزنس شروع کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا، میں جانتا تھا اس دوران ان کے ساتھ آئی لڑکی مسلسل سر جھکائے پاؤں کے انگوٹھے سے اپنی سینڈل کی نوک کھرچنے کی کوشش کر رہی تھی، میں نے ایک نظر ڈالی اس لڑکی کے پیروں پر...... نفاست سے ناخن کٹے اور بغیر نیل پالش کے... بے حد اچھے لگ رہے تھے۔ ناخن کے نیچے سرخ خون تک جھلک رہا تھا اس کے ناخن انتہائی چمکدار تھے۔ وہ جب سے آئی تھی اس نے ایک نظر بھی مجھے نہیں دیکھا تھا، وہ جانے کن خیالوں اور سوچوں میں الجھی تھی اس کے پیر اضطراری انداز میں مسلسل حرکت میں تھے۔

"ارے تعارف کروانا تو میں بھول ہی گیا میں بھی یار شاہ...... اب سٹھیا گیا ہوں۔" سُکھ ویندر بھائی قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ میں بھی مسکرادیا تھا اسی لمحے اس نے سر اٹھایا تھا اور مجھے لگا کائنات رک گئی تھی۔

"یہ سحرش ہے، شوہر نے گھر سے نکال دیا ہے بیچاری کو...... میرے اسٹور کے باہر کب سے کھڑی تھی بالکل تنہا اور اکیلی...... وہ تو اسٹور بند کرنے کا وقت ہوا تو میں نے دیکھا اور تب اس نے سارے حالات بتائے...... میں گھر لے گیا تھا تمہاری بھرجائی کے پاس اب ساتھ لایا ہوں، میں نے سوچا تمہیں بھی ایک لیڈی سپروائزر کی ضرورت ہے تو کیوں نہ تمہیں اس سے ملوادوں......" سکھ ویندر سنگھ اور بھی نہ جانے کیا، کیا بول رہے تھے پر مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں سانس روکے یک ٹک اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جسے میں سات سال سے لاشعوری طور پر تلاش کر رہا تھا۔ جس کا میں منتظر تھا اور جس کے بارے میں مجھے گمان تک نہ تھا کہ وہ کبھی یوں سرِراہ نامساعد حالات میں مجھ سے مل بھی سکتی ہے، دنیا کتنی چھوٹی ہے، مجھے آج معلوم ہوا تھا اس نے شاید مجھے نہیں پہچانا تھا میرا حلیہ بھی تو خاصا چینج ہو گیا تھا یا پتا نہیں اس نے مجھے دیکھ بھی رکھا تھا کہ نہیں۔

"رانگ نمبر......؟" میرے لب بے اختیار اضطراری انداز میں ہلے تھے، میری سرگوشی پر اس نے تڑپ کے سر اٹھایا تھا۔ میرا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ اگر اردگرد بیٹھے لوگوں اور سکھ ویندر بھائی اور اپنے

Downloaded From http://paksociety.com

اسٹاف کے سامنے مجھے اپنی ریپوٹیشن کا خیال نہ ہوتا تو میں یقیناً خوشی سے جھوم اٹھتا...... اسے بھاگ کر سینے میں بھینچ کر چھپا لیتا، اسے کبھی خود سے دور نہ جانے دیتا، کچھ ایسا ہی حال مجھے اس کے چہرے پر بھی نظر آرہا تھا۔ اس کی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ پھر وہ ایک دم ہولے سے مسکرائی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیلِ رواں جاری تھا اور لبوں پر گہری مسکراہٹ کی چھاپ تھی، یہ کھلا تضاد بے حد بھلا محسوس ہو رہا تھا اس کے چہرے پر...... وہ دھوپ چھاؤں جیسا منظر، وہ زندگی جیسا مفہوم برتی آنکھیں اور مسکراتے لب بے حد خوب صورت انداز میں واضح کر رہے تھے اور پھر جیسے سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ کائنات کا ذرہ، ذرہ سانس روکے ہمارا ملن اشتیاق بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... میں اردگرد سے بیگانہ اس کا ہاتھ تھامے خوب صورت راہوں پر محوِ سفر ہو گیا پھر نہ اپنی ریپو کا خیال رہا نہ ہی اردگرد موجود لوگوں کا نہ ہی اس کے شادی شدہ ہونے کا میں بس اس احساس کو جینا چاہتا تھا جس سے میں پچھلے سات برس سے ناآشنا و محروم تھا۔

☆☆☆

''بہت کامیاب انسان بن گئے آپ...... تمام خواہشات تو پوری ہو گئیں اب...... پھر اپنا گھر کیوں نہیں بسایا ابھی تک؟'' وہ ٹیرس سے سامنے نظر آتے گلاس وال پر پڑتے سوئمنگ پول کے نیلگوں پانی کا عکس دیکھتے مجھ سے پوچھ رہی تھی، میں ہولے سے مسکرا دیا۔

''کبھی کوئی خیال رکھنے والی ملی ہی نہیں......'' میں نے گزشتہ بات یاد کرتے اسے مسکراتے جتلایا، وہ بھی مسکرا دی تھی۔

''آپ نے کسی کو اپنی زندگی میں داخل ہونے ہی نہیں دیا ہوگا شاہ......! ورنہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ جیسے پیارے انسان کی زندگی میں کوئی آنا نہ چاہے......؟'' اس نے سوئمنگ پول کے نیلگوں عکس سے نظریں چراتے میری طرف ذرا کی ذرا دیکھتے ہولے سے کہا تھا۔

''پیارا تو تمہیں لگتا ہوں یار...... ساری دنیا کو لگوں یہ ضروری تو نہیں......؟'' میں کرب آمیز مسکراہٹ چہرے پر سجا کے بولا تھا...... ''لوگ تو مجھے پیسہ کمانے والی مشین سے زیادہ اہمیت ہی نہیں دیتے...... پیسہ بہت اہم سہی پر محبت...... اس کے بغیر تو زندگی کا ہونا... ممکن ہی نہیں...... میں مانتا ہوں میں غلط تھا میں نے محبت پرخلوص، جذبات اور رشتوں کو ہمیشہ فار گرانٹڈ لیا...... مجھے ہمیشہ لگا کہ کوئی بھی انسان کسی کے ساتھ بغیر کسی مقصد کے مخلص نہیں ہو سکتا، بے غرض نہیں ہو سکتا...... اور یہ احساس اس وقت دوچند ہوا جب... بے تحاشا پیسہ کمانے کے بعد بھی میں نے خود کو اکیلا اور... بے حد اکیلا محسوس کیا...... مجھے اپنا آپ بے حد مفلس لگا...... دولت کے انبار اور سونے چاندی سے سجے سجائے آفس میں بیٹھے میں خود کو بے حد تنہا اور مفلس محسوس کرتا ہوں اس لیے کہ مجھے یہ بے جان قیمتی چیزیں اختیار اور طاقت تو دے سکتی ہیں پر محبت اور سکون نہیں...... میری زندگی کے متعلق بنائی اسٹریٹجی غلط تھی۔ میں زندگی میں پیسے اور اختیار کو سرفہرست رکھنے کے بجائے محبت، خلوص اور اپنا پن کو رکھتا تو آج دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوتا...... مگر...... میں غلط تھا......'' میں نے ایک ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کرتے اپنے احساسات کو آج پہلی بار زبان دی کہ جو دیمک کے مانند مجھے اندر ہی اندر چاٹ رہے تھے۔ یہ میرے وہ دکھ تھے جنہیں میں کسی کے سامنے نہیں عریاں کر سکتا تھا۔ ان سے رستا خون میں کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا کیونکہ مجھے نمک پاشی کرنے والے نہیں مرہم رکھنے والے ہاتھ درکار تھے۔

''محبت بھرا دل رکھنے والے کبھی نہ تو مفلس ہو سکتے ہیں نہ ہی تنہا...... اور آپ بھی اکیلے نہیں ہیں شاہ...... اپنے اردگرد دیکھیں جانے کتنے ہی لوگ آپ کو اپنی محبت میں مبتلا نظر آئیں گے...... محبت

Downloaded From http://paksociety.com

اور محبت کرنے والے کا ظرف بے حد وسیع ہوتا ہے، پچھتاوؤں کو دل میں جگہ مت دیں، محبت کو اپنے دل میں گھر کرنے دیں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح بہت نرمی اور محبت سے میرے زخموں پر تسلی کے پھاہے رکھ رہی تھی مجھے بہت عرصے بعد سکون محسوس ہونے لگا تھا۔

''تمہیں کبھی مجھ سے نفرت محسوس ہوئی سحرش......؟'' میں پہلی بار اسے اس کے نام سے پکار رہا تھا۔

''نہیں، اس نے آہستگی سے سر نفی میں ہلاتے ہولے سے کہا تھا۔

''غصہ تو آیا ہوگا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں......'' اس کا سر ہنوز نفی میں ہل رہا تھا۔

''اس وقت بھی جب بغیر کچھ کہے سنے میں نے تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل ہوجانے پر مجبور کردیا تھا؟'' اس بار اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی مگر معدوم نہیں ہوئی۔

''دکھ......؟'' اس نے اس بار بھی سر نفی میں ہلادیا تھا، میں الجھ سا گیا ایسا کیسے ممکن ہے کہ کوئی آپ کو اس قدر ذلیل کرے اور وہ پھر بھی آپ سے بدگمان ہو نہ ہی غصہ کرے۔

''عام لڑکیوں کی طرح اگر میں سوچتی تو یقیناً آپ کے رویے پر دکھ ہوتا...... مگر میں جانتی تھی آپ جن حالات سے نبرد آزما تھے ایسے حالات میں جو آپ نے کیا آپ کو وہی کرنا چاہیے تھا۔ محبت کی آپ کی زندگی میں جگہ تو تھی پر آپ کے پاس وقت نہیں تھا اور آپ اتنے کنفیوزڈ اور بکھرے ہوئے تھے کہ آپ کو وہ سب سنبھالنا آیا ہی نہیں۔'' وہ دھیمی، دھیمی مسکان لبوں پر سجائے بے حد خوب صورت انداز میں تجزیہ کررہی تھی۔ میں حیران رہ گیا۔

''ہاں مگر میں اس کے بعد ہر دن پچھتایا۔'' میں نے اعتراف کرنے میں دیر نہ کی۔

''میں نے ہر روز آپ کی کامیابی کی دعا کی۔'' اس نے جیسے میرے اقرار کو سنا ہی نہیں تھا۔

''مجھ سے شادی کروگی؟'' میں نے اچانک اس سے کہہ دیا۔ مجھے لگا اگر اب میں نے دیر کردی تو پھر ساری زندگی پچھتاوے میرے اندر گھر کیے بین کرتے رہیں گے، وہ لمحہ بھر میں سن پڑ گئی تھی۔

''نہیں شاہ زیب! میں آپ کے قابل ہرگز نہیں، ہمدردی کی آڑ میں خود کو تباہ و برباد مت کریں۔''

جب وہ بولی تو اس کی آواز صدمے سے دبی بے حد چور، چور سی تھی میں جھنجھلا اٹھا۔

''تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تم سے ہمدردی کررہا ہوں؟'' میں نے الجھتے غصے سے سوال کیا۔

''کیا آپ جانتے ہیں میرے شوہر نے مجھے طلاق کیوں دی؟'' اس نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''نہیں اور میں جاننا چاہتا بھی نہیں؟''

''مگر میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں...... اس نے مجھ سے کہا کہ میں پتھروں کے زمانے کی لڑکی اکیسویں صدی میں کیا کررہی ہوں...... رشتے، مان، بھرم کچھ معنی نہیں رکھتے اس دنیا میں...... یہاں صرف اپنی زندگی اور اپنی خوشی کو مقدم سمجھنا چاہیے اور وہ سمجھتا تھا اس کے لیے اس کی زندگی اور خوشی اہم تھی اور وہ میرے ساتھ میں ہرگز نہیں تھی۔ والدین کے مجبور کرنے اور جائداد سے عاق کردینے کی دھمکی سے ڈر کر اس نے مجھ سے شادی تو کی پر اپنایا کبھی نہیں...... میں ایک ایسی سہاگن تھی جس نے اپنی شادی کی رات سے اپنے لیے سجی سیج کسی اور کے لیے خالی کی تھی اور خود ساری رات باہر ٹھنڈ میں سردی سے ٹھٹھرتے...... اپنے نصیب پر شاکر ہونے کی دعا مانگتے گزاری تھی۔ میں نے تو اس وقت بھی اپنے نصیب سے شکوہ نہیں کیا جب بغیر کسی وجہ کے اس نے آدھی رات کو ننگے سر اور پیر مجھے طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ میرے ساتھ اکیسویں صدی کا سوکالڈ ماڈرن مرد خوش نہیں رہ سکتا...... کیونکہ وہ محبت اور وفا جیسی خرافات میں پڑنے کے بجائے وقتی خوشی اور ساتھ میں راحت محسوس کرتے ہیں، انہیں آج کے دور میں ان

Downloaded From http://paksociety.com

کے ہم قدم چلنے والی ان کی سوچ کی لڑکی چاہیے... گھرداری اور گھر گرہستی کو ترجیح دینے والی نہیں...... اور میں نے بھی مان لیا شاہ...... کہ میں واقعی کسی کو اپنے وجود سے خوشی اور راحت فراہم نہیں کرسکتی...... میں وہ نہیں کرسکتی جو آج کی عورت کرتی ہے۔'' اس کے چہرے پر بے حد درد پھیلا تھا، ویسا ہی حزن جیسا نکاح کے روز اس کے چہرے سے مترشح تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کس کرب سے گزر رہی ہے۔

سُکھ ویندر سنگھ کی زبانی مجھے اس کے سارے حالات کا علم تو ہو چکا تھا شوہر نے اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا اور پاکستان فون کر کے یہ کہا تھا کہ وہ یہاں کسی کے ساتھ مجھ سے زبردستی خلع لے کر رہ رہی ہے، اس وقت اپنے سابقہ داماد کی بات کا یقین کرتے وہ لوگ اپنی بیٹی کی فطرت اور اپنی تربیت کو بالکل فراموش کر گئے تھے ورنہ سوچتے تو سہی کہ ہماری رضا میں سر جھکا دینے والی کیسے اتنے بڑے جرأت مندانہ فیصلے کرسکتی ہے...... انہوں نے بغیر سچائی کو جانے اس سے قطع تعلق کرلیا تھا اور اسی بات نے سحرش عمر کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا...... وہ محبت جینے والی لڑکی... آج محبت کرنے سے ڈر رہی تھی۔ ستم بالائے ستم تھا ایک محبت کرنے والی لڑکی کو اس کی اچھائی اور نیک فطرت کی سزا دی گئی تھی، اسے محبت بانٹنے کی سزا دی گئی تھی اسے اس کی فرمانبرداری کی سزا دی گئی تھی۔

آہ...... ہمارا معاشرہ لمحے بھر کو ہی سہی سحرش عمر جیسی محبت کے خمیر سے گندھی لڑکیوں کو برباد کرنے والے کا احتساب تو کرے، میں آہستگی سے کرسی سے اٹھا تھا۔ مجھے اٹھتا دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی میں اس کے مقابل کھڑا تھا۔

''زمانہ چاہے جو مرضی کہے مگر میں اس محبت جینے والی محبت کرنے والی لڑکی سے بے حد محبت کرتا ہوں اس لیے نہیں کہ اس نے مجھ سے محبت کی بلکہ اس لیے کہ اس نے مجھے محبت کرنا سکھایا۔ اس نے مجھے.... بے غرض ہونا سکھایا، بے ریا ہو کر بانٹنا سکھایا...... اس نے مجھے.... محبت سے محبت کرنا سکھا دیا۔ اس نے مجھے زندگی سے محبت کرنا سکھائی۔'' میں ایک گھٹنا زمین پر ٹیکے دوسرا کھڑا کیے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ ''میں اس محبت کرنے والی بے پناہ خوب صورت دل رکھنے والی لڑکی سے آج اپنی محبت کی بھیک مانگتا ہوں، میری زندگی کے یہ سات سال جو تم سے بچھڑ کر گزرے، یہ تمہاری یاد سے خالی نہیں۔ مجھے تمہاری اور اپنی زندگی کی ویرانی اور خالی پن کو ختم کرنے کے لیے تم جیسی بے حد حساس لڑکی کا ساتھ چاہیے...... مجھے اس لڑکی کی محبت چاہیے جسے صرف میری فکر ہے، کوئی لڑکی میرا ویسا خیال نہیں رکھ سکتی جیسا کہ یہ لڑکی رکھ سکتی ہے۔ جو اس وقت میرے سامنے ہے۔'' میں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کے دیکھا وہ بے آواز رو رہی تھی مگر اس کے چہرے پر بہت خوب صورت مسکان تھی ویسی ہی خوب صورت مسکان... دھوپ چھاؤں کا منظر پیش کرتی اس کی برستی آنکھیں اور مسکراتے لب...... مگر اس کے چہرے پر زندگی تھی، وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھیں رونے کے باوجود بھی ہنس رہی تھیں۔ کس قدر دلفریب منظر تھا۔ میں شاہ زیب خاکوانی آج اپنی زندگی اور اپنی خوشیوں کی تکمیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے اپنا خیال رکھنا نہیں آتا سحر...... میرا خیال رکھو گی ناں؟'' میں آس سے ہاتھ پھیلائے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا ہاتھ میری چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔

''میں آپ کا خیال رکھوں گی شاہ......! کیونکہ میں جانتی ہوں آپ کو کبھی اپنا خیال رکھنا نہیں آئے گا۔'' اس نے دھیرے سے میرا ہاتھ دباتے شرارت سے کہا تھا۔ میں نے بے اختیار آسمان کی جانب نگاہ کی، ہمارا رب ہمیں کس، کس انداز سے نوازتا ہے، مجھے اس کی ذات پر کامل یقین اور عطائی پر فخر تھا جس نے مجھے دنیا کے خوش قسمت ترین انسانوں میں شمار کرلیا تھا۔

www.paksociety.com

ڈراپ سین

لائبہ خان

Downloaded From paksociety.com

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ پارک کے ایک تنہا گوشے میں یونہی بے مصرف بیٹھا تھا۔ اردگرد سے بیگانہ اور اس بات سے بے پروا کہ شام اب ڈھلنے کو تھی اور اسے ہاسٹل واپس بھی پہنچنا تھا۔ اب تو درختوں پر بیٹھے پرندے بھی اپنے، اپنے مسکن کو لوٹ چکے تھے مگر وہ تھا کہ خالی، خالی نظروں سے چاند کو تکتا کسی بت کی طرح وہیں جما ہوا تھا۔ فضا میں خنکی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ہوا کے ایک ٹھنڈے جھونکے نے اچانک اس کے بدن

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

کو کپکپایا اور وہ خود میں سمٹتا مجبوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مجبوری ہی تو تھی کہ اسے ہاسٹل کا گیٹ بند ہونے سے پہلے واپس لوٹنا تھا۔

واپسی کا سفر ہمیشہ کٹھن ہوتا ہے اور خصوصاً تب جب اس سفر کی کٹھنائیاں کاٹنے کے لیے دامن میں کوئی آس کے جگنو بھی نہ ہوں تو دل کسی ڈوبتی ناؤ کی طرح ہچکولے کھاتا جاتا ہے اور قدم کسی صحرانورد کی طرح تھکن سے چور ہوئے جاتے ہیں..... مگر سفر تو بہرحال جاری رہتا ہے لوٹنا تو بہرحال پڑتا ہی ہے۔

☆☆☆

میں اور کشف یونیورسٹی گراؤنڈ میں بکس کھولے بیٹھے تھے جب وہ دور سے تھکے، تھکے قدم اٹھاتا، سوچوں میں گم ہمیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

''کل سے موصوف کے چہرے کے تمام فیوز آف ہیں۔'' کشف نے میرے قریب ہو کر راز داری سے کہا تھا۔

اور میں امپورٹنٹ پوائنٹس نوٹ کرتے دھیرے سے مسکرائی۔

''لگتا ہے تیر ٹھیک نشانے پر لگا ہے..... موصوف سوئے نہیں شاید رات بھر..... آنکھیں دیکھ کر تو کم از کم یہی لگتا ہے۔'' کشف نے بغور اس کا معائنہ کرتے ایکسائٹمنٹ میں میرا گھٹنا ہلایا تھا۔

''افوہ کشف..... یار کیا کرتی ہو..... ساری لائن خراب کروادی.....'' میں جو ساتھ، ساتھ نوٹس بنانے میں مگن تھی یوں بیچ پر آڑھی ترچھی لائن دیکھ کر بلبلا اٹھی۔

''لو جی..... بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا..... میں یہاں لائن کنیکٹ کرنے کی کوششوں میں ہوں اور محترمہ کو نوٹس بنانے کی پڑی ہے۔''

''اچھا چلو بس بھی کرو... اب خاموش.....'' میں نے اسے بالکل قریب آتے دیکھ کر کشف کی جوش میں چلتی زبان پر بند باندھا۔

''ہائے گرلز..... ہاؤ آر یو.....؟'' اس نے ہمارے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''فائن..... بٹ آپ کچھ ٹھیک نہیں لگتے جناب.....!'' کشف نے اسے گھیرا۔

''کیا مطلب.....؟ مجھے کیا ہوا.....؟'' اس نے اچنبھے سے دیکھا اور اس سے پہلے کہ کشف کی زبان مزید جوہر دکھاتی، میں نے اپنی پوزیشن سنبھالی تھی۔

''چھوڑو..... مطلب وطلب..... یہ بتاؤ کہ حنان کے بھائی کی شادی میں کیا گفٹ دینا ہے؟''

''گفٹ تم لوگ سوچ لو پھر مجھے بتا دینا..... میں تو ابھی جا رہا تھا کہ لائبریری جا کر نیکسٹ ویک کی پریزنٹیشن پر کچھ ورک آؤٹ کر لیں کیونکہ حنان تو لیو پر ہے تو اس کا کام بھی ہمیں ہی مینج کرنا ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''آئی تھنک پریزنٹیشن تو چلتی ہی رہے گی کیوں نہ پہلے گفٹ فائنل کر لیں۔'' کشف نے اپنی رائے دی۔

''اوکے، تم لوگ کرو گفٹ فائنل اور پھر مجھے بتا دینا..... اسٹڈی کا موڈ تو ویسے بھی نہیں ہے تم لوگوں کا۔ تو میں پھر چلتا ہوں۔''

''واٹس رانگ ود یو عذیر.....؟'' میں نے اسے اٹھتے دیکھ کر ناراضی دکھائی تھی۔

''حد ہوتی ہے یار..... پچھلے اتنے دنوں سے تم لوگوں کو کوئی فکر ہی نہیں ہے اسٹڈیز کی..... کبھی حنان کے بھائی کی شادی کے قصے تو کبھی تمہاری انگیجمنٹ کی انجوائے منٹ اور باتیں.....''

یک دم ہی وہ تو جیسے پھٹ پڑا تھا۔

''آ گئی ناں جلے دل کی بات زبان پر.....'' کشف سائڈ پر منہ کر کے ہلکا سا بڑبڑائی جسے عذیر نہیں سن سکا تھا۔

''اوکے ڈونٹ وری..... تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو..... سب کچھ ہو جائے گا..... اور رہی میری انگیجمنٹ کی بات تو مجھے لگتا ہے عذیر کہ تم سے میری یہ خوشی ہضم نہیں ہو رہی..... ارے بھئی فکر نہ کرو..... تمہاری بھی ہو جائے گی جلد ہی.....'' میں نے سچویشن بہتر کرنے کی غرض سے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''ایسا نہیں ہے اریبہ......'' ایسا کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا اور اس کی نگاہیں میرے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں جگمگاتی رنگ پر آ گڑی تھیں۔

''ایسا ہی ہے......تبھی تو تم کل سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو۔'' کشف نے زور دے کر کہا۔ وہ غصے سے اسے گھورتا، کتابیں سنبھالتا، دھپ، دھپ کرتا یہ جا وہ جا......

''جسٹ کڈنگ عذیر......'' کشف نے ہنسی کنٹرول کرتے اونچی آواز لگائی تھی مگر وہ نہیں مڑا تھا۔

اور میں جو ہمیشہ کشف کی اس بات کو جھٹلاتی آئی تھی کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے اب اس کے یوں ری ایکٹ کرنے پر بری طرح حیران اور سوچوں میں غلطاں تھی۔

''اگر وہ واقعی مجھ سے محبت کرتا تھا تو پھر اب تک مجھ سے کچھ کہا کیوں نہیں......اور اب......'' میں نے اداسی سے سوچا اور پھر سر جھٹک دیا تھا۔

☆☆☆

وہ جب سے ہاسٹل واپس آیا تھا یونہی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''مجھے یوں ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیا سوچتی ہوگی اریبہ کہ مجھے اس کی انگجمنٹ کی ذرا بھی خوشی نہیں......؟ کیا ہوگیا تھا مجھے آخر......اور یہ کشف کی بچی......جی چاہتا ہے کچا چبا جاؤں اسے۔'' اس نے خیال ہی خیال میں کشف کا گلا دبا دیا تھا۔

''اب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جائے گی میرے یہ کشف......جاسوس......کہیں کی......''

واہ کیا خطاب سے نواز دی گئی تھی کشف۔ ''مگر کیا واقعی میں اریبہ سے محبت کرنے لگا ہوں؟'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں خود سے پوچھا تھا۔

''شاید ہاں......'' دل نے چپکے سے سرگوشی کی تھی۔

''نہیں......نہیں......وہ اب انگیجڈ ہے......مجھے اس کے بارے میں اب یوں نہیں سوچنا چاہیے۔''

تلخ مگر حقیقت

☆ اولاد کی وفا کا پتا بڑھاپے میں چلتا ہے۔

☆ بہن کی وفا کا پتا اس کی جوانی میں چلتا ہے۔

☆ بھائی کی وفا کا پتا اس کی شادی کے بعد چلتا ہے۔

☆ بیوی کی وفا کا پتا شوہر کی غربت میں چلتا ہے۔

☆ شوہر کی وفا کا پتا بیوی کی بیماری میں چلتا ہے۔

ان سب رشتوں کو اپنے تجربات کی کسوٹی پر پرکھو اور سوچو کہ کون کس کے ساتھ کتنا مخلص ہے۔

یہ ہے تو تلخ بات مگر حقیقت ہے۔

مرسلہ: شبنم کنول، گاؤں پاپانگری

دماغ نے سرزنش کی تھی۔

دل و دماغ کی اس لڑائی میں کب اس کا روم میٹ سلیم داخل ہوا اسے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو اس کی آواز پر چونکا تھا۔

''ارے عذیر تو اس وقت......؟ کلاسز نہیں تھیں کیا آج؟'' اس نے عذیر کی بے وقت روم میں موجودگی کے پیشِ نظر پوچھا تھا۔

''ہاں......بس یونہی......''

''بس یونہی...... یا پھر غمِ عشق کی مار ہے...... مجنوں سا بنا پھرتا ہے پچھلے کچھ دن سے۔'' سلیم نے ہوا میں تیر چھوڑا تھا۔

''نہیں......ایسا تو کچھ نہیں......'' وہ دھیرے سے کہتا نظریں چراتا رخ موڑ کر کتابیں کھنگالنے لگا تھا مبادا کشف کی طرح سلیم بھی اس کے دل کا حال جان جائے۔

''ارے ہم تو اس جہان کے پرانے باسی ہیں...... چہرہ دیکھ کر دل کا حال بتا سکتے ہیں......میری جان سیدھا جا کر بول دے لڑکی سے......آئی لو یو......''

''نہیں، نہیں چند دن پہلے ہی تو اس کی انگجمنٹ

Downloaded From http://paksociety.com

ہوئی ہے۔''

''ہاں تو منگنی ہے ناں...... نکاح تو نہیں......''
سلیم نے بے دھڑک کہا تھا۔

''نہیں یار...... میری دادی کہتی ہیں رشتے ناتوں کے معاملات میں کبھی سوال پر سوال دراز نہیں کرتے...... سوال پورا نہ ہو تو شرمندگی ہوتی ہے اور پورا ہو جائے تو برکت نہیں ہوتی۔''

''اُف...... مجھے تو لگتا ہے وہ تیری دادی کم اور تو ان کا پر دادا زیادہ ہے۔'' سلیم نے سر جھٹکتے ہوئے کپڑے اٹھائے اور واش روم میں گھس گیا مگر عذیر کے لیے عجب مشکل کھڑی کر گیا تھا۔

''کیا میں سلیم کی بات مان لوں...... اریبہ کو جا کر بتا دوں......؟ نہیں...... مجھے اسے یوں ڈبل مائنڈڈ نہیں کرنا چاہیے...... اور پھر مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے اور اگر بالفرض وہ مان بھی جائے تو یہ کس قدر خود غرضی کی بات ہے کہ وہ یوں انگیجمنٹ کے بعد میری خاطر اپنے پیرنٹس کو پریشان کرے...... نہیں، نہیں مجھے سب اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے...... اگر وہ میرے نصیب میں ہے تو کوئی معجزہ ہمیں ملا دے گا...... ورنہ......''

بس اس سے آگے وہ نہیں سوچ سکا تھا...... دل میں عجب سی اِک کسک جاگ اٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ پریولیس کے کچھ لڑکوں کے ساتھ گراؤنڈ میں کھڑا تھا۔ جب باڑ کے عقب سے اپنا نام سن کر چونک پڑا۔ اس نے ہلکا سا رخ موڑ کر دیکھا تو کشف باڑ کے پار اس کی جانب پشت کیے بینچ پر بیٹھی اریبہ کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔ ان کی باتوں میں اپنا نام سن کر... بے اختیار اس کے کان کھڑے ہوئے تھے اور وہ انہیں بغور سننے کی کوشش کرنے لگا۔

''یار اریبہ، یہ عذیر تو بالکل ہی گھُس نکلا...... میں تو سمجھی تھی کہ تمہاری منگنی کا جانتے ہی وہ کوئی اسٹیپ ضرور لے گا مگر......''

''ہاں تو تمہارا کیا خیال تھا کہ وہ میری منگنی کا سنتے ہی دوڑا چلا آتا اور مجھ سے اظہارِ محبت کر ڈالتا۔'' اریبہ نے کشف کی بات کاٹتے ہوئے جھنجلا کر کہا تھا۔

''ہاں...... خیال تو یہی تھا میرا...... تبھی تو تمہاری جھوٹ موٹ منگنی کا ڈراما رچایا...... میرا پلان تو یہی تھا کہ وہ یہ جان کر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تم تک ضرور آئے گا۔''

''بس عذیر کی یہی بات تو پسند ہے مجھے...... وہ عام لڑکوں کی طرح اتنی جلدی دل کے ہاتھوں مجبور نہیں ہوتا۔'' اریبہ کا لہجہ عذیر کی محبت سے معمور تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے...... تم بھی دل ہی دل میں اسے دیوتا بنائے پوجتی رہو اور وہ بھی تمہاری محبت کو صحیفہ سمجھ کر سینے سے لگائے رکھے چپ چاپ...... ان دا اینڈ ڈراپ سین یہ ہوگا کہ عبداللہ دیوانے کی طرح ایک دوسرے کی شادی میں کھانا کھانے پہنچ جانا......'' کشف نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''اللہ نہ کرے کشف......'' بے اختیار اریبہ کے منہ سے نکلا...... وہ دونوں اپنے پلان کا حسبِ منشا رزلٹ نہ پا کر جس قدر افسردہ تھیں اسی قدر یہ سب جان کر عذیر کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل رہا تھا۔ دل پر چھائی اداسی یوں مسرت میں بدل جائے گی...... اس نے کب یہ سوچا تھا...... ہاں مگر اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ اللہ چاہے تو کسی معجزے کے تحت اریبہ کو اس سے ملا دے...... اور معجزہ ہو چکا تھا۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جلد از جلد ہاسٹل پہنچ کر سامان سمیٹے اور اُڑن کھٹولے پر سوار ہو کر گھر پہنچ جائے...... اسے اب مزید دیر کیے بغیر اپنے پیرنٹس کو اریبہ کے ہاں بھیجنا تھا۔ اب کی دفعہ واپسی کے سفر میں تھکن ندارد تھی اور تمام رستہ امید کے دیوں سے روشن تھا۔ منزل کے قریب آجانے کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ڈرامے کا پلاٹ تو کشف کا تھا مگر اس کا ڈراپ سین اب عذیر کو کرنا تھا۔

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا

شنا کنول اللہ دتہ

ان چاہی سوچوں میں گم وہ پگڈنڈی پر بے وجہ اور بے ارادہ چلی جا رہی تھی۔ دل و دماغ مفلوج سے محسوس ہو رہے تھے، ہوا میں درختوں اور گیلی مٹی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو اس کی سانسوں میں اتری بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔

”تمہیں بارش کیسی لگتی ہے؟“ بارش میں بھیگی آواز کی بازگشت وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، وہ کہیں نہیں تھا جانے والے واپس بھلا کب آتے ہیں؟ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

بھی نہیں آیا، آواز پھر گونجی اسے بے بس کر گئی۔
اور وہ بارش میں مدہوش ہو کر ناچتی مورنی جیسی ہوگئی۔
ٹھنڈی، ٹھنڈی چلتی ہوا کے دوش پر درختوں کی شاخیں جھوم کر ایک دوسرے کے گلے مل رہی تھیں، تیز چلتی بیرن ہوا نے اس کا آنچل الٹ دیا، بالوں کی کئی آوارہ شوخ لٹیں اس کے رخسار چومنے لگیں۔ یادیں ایک بار پھر سے حملہ آور ہوئی تھیں۔

☆☆☆

''سنو...... کبھی تو میرے دل میں اتر کر دیکھو کہ یہاں تمہارے لیے کتنی محبت بستی ہے اور تمہارا پاگل عشق کیسے اسے تڑپائے رکھتا ہے یا پھر اس چمکتے روشن چاند سے پوچھو کہ میں روز رات کو اس سے تمہاری کتنی باتیں کرتا ہوں، ہر وہ بات جو تم سے نہیں کہہ سکتا اس سے کہتا ہوں یا پھر میرے گھر کے صحن میں لگی رات کی رانی سے پوچھو اس سے کہ ہر روز تمہاری محبت کی خوشبو کیسے اسے مات دیتی ہے، بے بس کرتی ہے۔''
''اتنی محبت نہ کرو فہد کہ کہیں جب میں بچھڑوں تو جی نہ سکوں۔'' التجا بھری آواز اس کی اپنی تھی اور فہد کا جواب آج بھی اسے یاد تھا اس نے کس قدر دیوانگی بھرے انداز میں کہا تھا آنکھوں میں ڈھیروں رنگ بھر کے۔
''یہی تو چاہتا ہوں کہ جب ہم بچھڑیں تو نہ تم جی سکو اور نہ ہی میں۔'' ان محبت بھری آنکھوں میں حسرتوں نے طوفان مچا رکھا تھا وہ ڈر گئی محبت سے اور محبت کے انجام سے بے اختیار بولی تو آواز کانپ رہی تھی۔
''بڑے چوہدری کو پتا چلا ناں تو قتل کر دیں گے تجھے بھی اور مجھے بھی پھر باتیں کرتے رہنا۔ چاند ستاروں، محبت اور عشق کی...... سمجھ آئی۔''
''قتل کریں گے تو بے شک کر دیں...... تو بہن ہے ان کی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ اپنی مرضی کرتے پھریں تو پریشان نہ ہو ہماری پاک اور سچی محبت خود ہی اپنا راستہ بنا لے گی۔'' جدائی کے ڈر سے ہی گوری کی آنکھوں میں موٹے، موٹے آنسو بھر آئے جنہیں دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا۔
''تو نہیں جانتی پگلی...... یہ محبت بڑی طاقت ور ہوتی ہے۔ اچھے، اچھوں اور بادشاہوں تک کو زیر کر سکتی ہے، دیکھ لینا ایک دن ہماری محبت بھی جیت جائے گی۔''
کچے گھر میں رہنے والا فہد حویلی کا معمولی ملازم بڑے چوہدری کی بہن کو محبت سکھا رہا تھا، سمجھا رہا تھا مگر وہ نا سمجھ دراصل یہ نہیں جانتا تھا کہ محبت کو وہ نہیں بلکہ محبت انہیں سکھا اور سمجھا رہی تھی کیونکہ محبت بڑی خود سر ہوتی ہے جس کے دل میں گھر کر لے اور جس کے دل کو چاہے اجاڑ کر چلی جائے اس پر کسی کا زور نہیں چلتا ہاں مگر اس کا زور سب پر ضرور چلتا ہے۔
پگڈنڈی کے اوپر چلتی وہ بے ترتیبی سے پاؤں رکھتی کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ وہاں، جہاں محبتوں کا میلہ لگتا تھا خوابوں کے بازار ہوتے تھے اور دل کے ارمان بکتے، دکاندار بھی محبت ہی ہوتی اور محبت کا تماشا دیکھنے والوں میں اس کا بھی شمار ہوتا تھا پھر محبت جسے چاہتی کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتی اور وہ ناچتی محبت کے ہاتھوں بے بس ہوتی، حویلی کی عزت، مقام رسم و رواج سب کچھ بھلا کر یاد رہتا تو محبت کا کلام جس کے ہر باب پر فہد، فہد درج تھا اور وہ چاہ کر بھی اپنی زندگی کے اس باب سے اسے نکال نہیں سکتی تھی۔
آندھی ابھی تھمی تھی کہ ایک سانڈنی (بیل) چھم چھم کرتی اس کے سامنے پگڈنڈی پر آرکی...... سانڈنی خوب سجی بنی تھی لال پھندنوں کی لگام، پیروں میں جھانجریں اور کمر پر لکڑی کا کجاوا...... خوب گولوں اور پھولوں والا...... سانڈنی کی مہار تھامے...... صافے سے سر منہ لپیٹے کوئی اور نہیں وہ بڑا چوہدری تھا۔
وہ دہل گئی دل و دماغ ساکت رہ گئے اس دن سے ہی تو وہ ڈرتی تھی اور پھر وہ دن آ ہی گیا تھا جب بڑے چوہدری نے ان دونوں کو ساتھ دیکھ لیا تھا بس نتیجہ یہی ہونا تھا فہد کو مار، مار کر کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور وہ بے جان جسم کی طرح چوہدرائن ماں،

Downloaded From http://paksociety.com

چوہدری باپ سب کی مار کھاتی رہی۔
''بابا جان......رحم کریں، ہم نے محبت کی ہے، پاک اور سچی محبت..ہمیں جدا نہ کریں۔'' بڑے چوہدری کے قدموں میں گر کے اس نے کہا تھا ایک ٹھڈا کس کر منہ پر پڑا، وہ دور جا گری، چوہدری گرجتے چیختے ہوئے گالیاں بکنے اور کف اڑانے لگے۔
''بے غیرت، بے حیا، گندی عورت، محبت کرتی ہے وہ بھی ایک غلام سے...... کیا تو مجھ جیسے شریف انسان کا خون ہے؟'' وہ چلائے تھے وہ دوبارہ ان کے قدموں میں جا گری محبت دور کھڑی بے بسی سے لب کاٹتی تماشا دیکھتی رہی، عشق نے رخ پھیر لیا شکستہ خواب مر، مر کر گرنے لگے۔ جلی چربی کی طرح دھڑ دھڑ خاکستر رنگ میں ڈھلتے مرنے لگے۔
''اسے بھی کمرے میں بند کر دو، مر گئی یہ میرے لیے......مر گئی......'' انہوں نے نفرت سے کہا اور اسے دھتکار کر چلے گئے۔ وہ بری طرح چیخنے لگی۔ حواس سے بیگانہ ہو کر......بن پیے مدہوش ہو کر اس نے جام محبت جو پیا تھا۔ اور پھر ریگِ رواں پہ چلتے وقت نے حیرت سے دیکھا اسے بند کر دیا گیا آخر یہ ہونا ہی تھا۔ ستارے کب اپنے مدار سے ہٹ سکتے ہیں......کوئی مانے یا نہ مانے۔
سردی کی شدت سے سانس بھاپ بن رہی تھی اس کے پاس سے تازہ بریم اور گڑ کی خوشبو آ رہی تھی اس کے پاس بیٹھی جنت اسے سمجھا رہی تھی۔
''تجھے کس نے کہا تھا کہ محبت کرنے کو پگلی، ہم حویلی میں رہنے والے وہ قیدی ہیں جنہیں سانس لینے کے سوا کسی چیز کی آزادی نہیں ہوتی۔'' وہ پھر بھی چپ بیٹھی رہی۔ اسے متوجہ کرنے کو اپنی جوتی کی نوک سے گوری کے پاؤں پہ ٹھوکا دیا تھا۔ وہ...... بے دھیانی میں چیخ پڑی۔
''آہ......دھیان سے......یہاں آبلہ ہے۔'' وہ پیر پکڑ کر تکلیف سے دُہری ہوگئی اور جنت ششدر...... اس کے پیر پر ڈھونڈنے سے بھی کوئی آبلہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے لیے یہ صورتِ حال بڑی تعجب خیز تھی۔ گوری کو

وہی سب کچھ ہے

تخت ہے اور کہانی ہے وہی
اور سازش بھی پرانی ہے وہی
قاضیٔ شہر نے قبلہ بدلا
ایک خطبے میں روانی ہے وہی
خیمہ کش اب کے ذرا دیکھ کے ہو
جس پہ پہرہ تھا وہ پانی ہے وہی
صلح کو فتح کیا دل میں مگر
اب بھی پیغام زبانی ہے وہی
آج بھی چہرۂ خورشید ہے زرد
آج بھی شام سہانی ہے وہی
بدلے جاتے ہیں یہاں روز طبیب
اور زخموں کی کہانی ہے وہی
حجلۂ غم یونہی آراستہ ہے
دل کی پوشاک سہانی ہے وہی
شہر کا شہر یہاں ڈوب گیا
اور دریا کی روانی ہے وہی

کلام: پروین شاکر
مرسلہ: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

اس کی نگاہوں کا احساس ہوا تو سنبھل گئی۔
''آبلے کہاں ہیں گوری......؟'' کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ اس وقت ٹھٹک گئی جب گوری نے اپنا سر کھڑکی سے ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔
''فہد کے پیروں میں......'' جنت کو یوں لگا جیسے حویلی میں زلزلہ آگیا ہو......اس کا ایقان کہتا تھا، یہ کوئی لمحاتی کیفیت ہرگز نہیں......یہ جذبہ خالص تھا...... شفاف......اچھوتا اور دیرپا......
آج پھر محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ذلیل ہونے کے لیے وہ آنکھوں میں دیپ روشن کیے بڑے چوہدری کے قدموں میں جا بیٹھی تھی۔ جس نے سنا، منہ

Downloaded From http://paksociety.com

پر انگلی رکھ لی۔ محبت اتنی بے حیا ہوتی ہے، ہر کوئی حیرت زدہ...... بھائی غصے سے بے قابو ہو گئے، توڑ پھوڑ ہوئی۔ لان میں لگے رات کی رانی کے پودے اکھاڑے، گلاب کی جھاڑیاں اجاڑ دیں اور گیندے کے تختے روند، روند ڈالے...... مگر پھر بھی اس کی ہمت کوئی نہیں توڑ پایا...... اس کی آنکھوں میں وہ کسی چاند کے مانند روشن تھا۔

''اسے چھوڑ دیں بابا...... وہ بے گناہ ہے...... محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں...... ہم نے بھی محبت کی ہے...... پاکیزہ محبت...... بابا جانی وہی محبت جو آپ کو اپنے رسم و رواج سے ہے ویسی ہی محبت جو اس در و دیوار کو آپ سے ہے۔'' آنسو قطرہ، قطرہ بڑے چوہدری کے قدموں پر گر رہے تھے جن سے عجب سی شعاعیں نکلتی دماغ کو سن کر رہی تھیں...... سب نے چونک کر ہر طرف پھیلی اس روشنی کو محسوس کیا کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ سچی اور پاک محبت کی روشنی ہے جو محبت کرنے والوں کے اندر بستی ہے۔

''وہ ایک مزدور ہے ہمارے گھر کا غلام......'' بڑے چوہدری گرجے۔

''اور میرا دل اس کا غلام ہے۔'' وہ بولی تو آواز میں محبت ہی محبت تھی

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ دہاڑے پر وہ ڈٹی رہی......

''محبت میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا بابا...... یہ ذات پات اونچ نیچ کب دیکھتی ہے۔''

وہ اس کی جرأت پر دنگ رہ گئے جب کچھ سمجھ نہ آیا تو اسے بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیتے چیخنے لگے۔

''یہ محبت تجھے برباد کر دے گی۔''

''اس نے مجھے برباد کر دیا بابا...... اسے چھوڑ دیں بے شک میری جان لے لیں۔'' وہ بولی تو ان کا اٹھتا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا۔ نہ جانے اتنی ہمت اس کمزور سی لڑکی میں کہاں سے آ گئی تھی جو وہ برسوں کی بنائی رسم و رواج کو توڑ ڈالنا چاہتی تھی۔

''بے غیرت، بے حیا......'' وہ ایک بار پھر اسے مارنے لگے تھے، گالیاں دیتے، مارتے جاتے اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اسے روک سکتا۔ جب مارتے، مارتے وہ تھک گئے تو خود ہی صوفے پر گر کر ہانپنے لگے۔

''عشق کو مٹانے والے خود مٹ جاتے ہیں، کہیں آپ کا شمار بھی ان میں نہ ہو۔'' اس کی بات نے حویلی کے در و دیوار کو ششدر کر دیا تھا، ساکت کر دیا تھا۔

''تجھے ذرا ڈر نہیں لگتا بابا کے غصے سے؟'' حیرت سے سوال کرتی جنت ساکت رہ گئی۔

''وہ کہتا تھا محبت بڑی طاقت ور ہوتی ہے، یہ اچھے اچھوں اور بادشاہوں تک کو زیر کر سکتی ہے، مجھے محبت نے نڈر بنا دیا ہے جنت......'' یہ کہتے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ بولی تو ہر طرف محبت رقص کرتی نظر آنے لگی...... اور عشق گنگناتا مسکراتا خواب دکھاتا۔

''میری خواہش ہے کہ جب ہماری شادی ہو تو وہ سفید تانگا، سفید گھوڑی کے سر پر لال رنگ کے ساز کا چھپکا، ساز کے سادے کو کے نقرئی گھوڑوں کے پیروں میں چاندی کے کڑے، تانگے پر پردے لگے ہوں...... مجھے لینے آئے اور میں دو مسٹنڈی مائیوں کے جلو میں جا کر اس میں بیٹھوں۔ سونے کی پڑیاں اور پیکھو جو میں نے پہنے ہوں وہ بج اٹھیں ان کا شور......''

''اتنے خواب نہ دیکھ گوری......'' جنت ٹوک گئی اس کی بند آنکھیں ایک دم ناگواری سے کھلیں مڑ کر اسے دیکھا عجیب بے بسی سے بولی۔

''خواب، یہ محبت خواب ہی تو دکھاتی ہے، نارنجی بیلوں کے پھولوں کی طرح خوب صورت خواب ایسے خواب جیسے پہاڑی کیکروں کی خاردار شاخوں پر زعفرانی شگوفے کھل اٹھے ہوں۔''

''تیری شادی کر رہے ہیں؟'' وہ پھر ٹوک گئی اور اب کی بار اسے لگا جیسے کسی نے اس کی جان نکال لی ہو۔ جن آنکھوں میں کچھ دیر پہلے خواب بس رہے تھے وہاں پر اب ویرانیاں چھا گئی تھیں دل کو چیرتی ویرانی، روح کو چھلنی کرتی...... جنت رخ موڑ گئی مزید ویرانی

Downloaded From http://paksociety.com

بھری آنکھیں وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ رخ پھیرے، پھیرے ہی وہ بتانے لگی اور اسے لگ رہا تھا جیسے جان نکل رہی ہو دھیرے، دھیرے۔

”حویلی میں تیری شادی کی تیاریاں شروع ہو رہی ہیں اکرم سے جو ہمارا چچا زاد ہے اور پہلے ہی سے شادی شدہ ہے اس کی پہلی بیوی معمولی شکل صورت کی ہے اسی لیے وہ تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے کیونکہ تو خوب صورت جو ہے۔“

وہ روئی نہ چیخی نہ چلائی...... نہا کر اٹھی تو بڑی اماں نے چڑیل کی طرح سب کو یہ کہہ کر باہر نکال دیا کہ دلہن وہ تیار کریں گی...... اس کی ماں، مامی کے سوتیلے بھائیوں کی بیویاں اور لڑکیاں سب کو باہر نکال دیا گیا پھر اندر سے چٹخنی لگا دی...... وہ ایک بت کی طرح بے حس وحرکت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی یوں جیسے بے جان جسم سخت جما ہوا۔

”محبت کرتی ہے اس سے۔“ بڑے راز دارانہ انداز میں کہتے وہ اب غسل خانے سے مہندی کا پیالہ اٹھا لائیں۔ وہ پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی اماں اور اس کے پیروں پر مہندی لگا رہی تھیں۔ غم کا کوئی احساس خوف گھبراہٹ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

”اسی سے جس کے بال ایسے ہیں جیسے ساون کی کالی رات...... دریا کا پانی اس کی آنکھیں ٹوبے کے کنول جیسی ہیں ہمارے گھر کا ملازم فہد......“ کہتے، کہتے وہ اب اس کے بال بنا رہی تھیں لمبے گھنے بال گھٹنوں کو چھوتے......

”تو خوش ہے؟“ اس نے کہتے اسے کافور کا کاجل لگایا پھر اپنے صندوقچے میں سے سونے کی بڑیاں اور پھول نکال دیے۔ وہ ایک خواب کے عالم میں بیٹھی رہی کتنا شوق تھا اسے اس طرح سجنے سنورنے کا صرف فہد کے لیے اور اب جب وہ سج سنور رہی تھی تو دل ایک دم چپ سا تھا اور محبت کونے میں دبکی خوف زدہ نظروں سے اسے تک رہی تھی۔ پتا نہیں اسے کیا ہوا وہ اٹھی اور ان کے پیروں میں گر گئی۔ محبت نے دکھ سے نظریں پھیریں کہ اس کا درد وہ مزید نہیں دیکھ سکتی تھی۔

”مجھے ایک بار اسے ملا دے اماں صرف ایک بار......“

کافور کا کاجل رخساروں پر پھیلنے لگا تھا۔

”ٹھیک ہے پر بارات آنے والی ہے تو پانچ منٹ کے لیے اس سے مل لے......“ وہ تڑپ کر بولیں۔ پھر وہ اسے لیے غلام گردشیں پار کرتی ایک ہال نما کمرے میں چلی آئیں، لمبی راہ داری میں ہر طرف کالی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک کے باہر رک کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں اس نے اندر قدم رکھے تو زیور ایک دم بج کر شور کر گئے۔ اس نے لالٹین کی روشنی میں دیکھا کوٹھری کی دیوار پر جا بجا اس کا نام لکھا تھا جس میں کہیں پر اسے روشنی سے بھرا چاند کہا گیا اور کہیں پر سنہری صبح...... اور وہ دیوار سے ٹیک لگائے چہرے پر صدیوں کی تھکن لیے...... آنکھیں موندے ہی بول اٹھا۔

”تم آگئیں مجھے پتا تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔“ انداز میں محبت ہی محبت تھی وہ آگے بڑھی اور سر اس کے کندھے پر رکھ کر سکون سے آنکھیں موندے بولی تو محبت رقص کرتی نظر آئی۔

”مجھے آنا ہی تھا، ساتھ جی نہیں سکتے تو مرنا تو تھا ہی ساتھ...... یہ حویلی بے شک ہمیں جیتے جی ساتھ نہ رہنے دے مگر مر کر ہم ضرور ساتھ رہیں گے۔ اس کے قانون، رسم ورواج ہماری محبت سے زیادہ طاقت ور نہیں اور محبت سچی ہو تو پوری کائنات دونوں کو ملانے کی کوشش کرتی ہے خدا ہمارے ساتھ ہے، آؤ ہم وہاں چلیں جہاں روشنیوں کے سمندر میں نیکی کی سنہری مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔“

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد بڑی اماں اسے بلانے اندر آگئیں تو شکست خوردہ سی دروازے میں بیٹھتی چلی گئیں۔ سچی محبت جیت گئی تھی اور وہ دونوں اس دنیا سے بہت دور بڑی دھج سے مقتل میں چلے گئے تھے، ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے...... سچی محبت جیت گئی تھی۔

www.paksociety.com

امرت

شیریں حیدر

قسط 3

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک... کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی... اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کرلیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ... یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ وخم اور نشیب وفراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......

Downloaded From Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

''کیا چاہیے تھارات کے اس پہر تمہیں کچن سے؟'' مما کی گرجدار آواز سے میرے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے قدم رک گئے، سارا جسم جیسے سن ہو گیا تھا، میں تو بلیوں کی طرح دبے پاؤں چلتی ہوئی گئی تھی، جوتے تک نہیں پہنے تھے مگر مما کی بلیوں کی طرح چلنے کی پریکٹس شاید مجھ سے بھی بڑھ کر تھی جو مجھے نہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی نہ ان کے باہر تک آنے کی۔

''وہ مما......'' میں ہکلائی۔ ''مم...... میں خالی لفافے لینے آئی تھی۔''

''کس لیے؟'' سوال آیا۔

''استعمال کے لیے مما!'' اس نے کوشش کی کہ وہ سمجھ جائیں۔ ''ضرورت تھی!''

''ہر کمرے کے غسل خانے کی الماری میں ہر طرح کے استعمال کے لیے اشیا حتیٰ کہ لفافے بھی رکھے ہیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔ ''جانے تم کس دنیا میں رہتی ہو، تمہیں یہ تک علم نہیں کہ تمہارے اپنے کمرے یا غسل خانے میں کیا رکھا ہے اور کیا نہیں!''

''میں نے چیک کیا تھا، میرے باتھ روم سے خالی لفافے ختم ہو گئے ہیں مما!'' میں نے ڈرتے، ڈرتے کہا۔ ''کل ہی ختم ہوئے ہیں۔''

''واپس رکھو یہ لال پیلے شاپنگ بیگ، انہیں گھر کے ملازم جمع کر کے رکھتے ہیں اپنے گھروں میں لے جانے کے لیے...... اوپر اسٹور کی الماری میں نئے لفافوں کا اسٹاک پڑا ہے، تمہیں بھی علم ہونا چاہیے کہ گھر میں کون سی چیز کہاں رکھی جاتی ہے...... جاؤ اور وہاں سے لے لو۔'' میں بے جان قدموں سے واپس کچن کی طرف چلی اور لفافے واپس وہیں رکھے جہاں سے لیے تھے۔

مما ابھی تک سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھیں، جب تک میں اوپر اسٹور کی الماری سے لفافے لے کر اپنے کمرے میں داخل نہیں ہوئی وہ وہیں کھڑی تھیں! مجھے لگا کہ میں کوئی بڑا مرحلہ طے کر کے واپس لوٹی تھی، میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اسی سے ٹیک لگا کر گہری، گہری سانس لینے لگی......

☆☆☆

''یہ ہمیشہ اتنا اندھیرا کیوں ہوتا ہے سیڑھیوں پر......'' میں نے سوچا اور باقاعدہ آواز دے کر پوچھا بھی مگر کوئی جواب نہ پا کر اندازے سے ہی پہلی سیڑھی پر اپنا قدم رکھا۔ ایک عجیب سی بو تھی شاید نمی کی، ٹھنڈک اور سیلے پن کا احساس، یہ سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی میرے پیروں میں ٹھنڈک سی کیوں دوڑ گئی ہے؟ میں نے پھر سوچا...... شاید میرے پیروں پر کچھ رینگ رہا تھا، میں نے اگلی سیڑھی پر قدم رکھا...... رینگنے والی چیز کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا یا شاید ان کی تعداد ایک سے دو ہو گئی تھی۔

ان کے وجود گیلے اور جیلی نما تھے، مجھے شدید کراہت کا احساس ہوا، یہ ہے کیا؟ میں نے ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر سے وہ لجلجا اور رینگتا ہوا وجود ہٹانے کی کوشش کی۔ تبھی میرے کندھے پر کہیں سے کچھ گرا، ساتھ ہی سرسراہٹ اور پھنکار۔ میرا پورا وجود سن ہو گیا اور میں بالکل حرکت کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ تیزی سے واپس مڑی تاکہ سیڑھیوں سے اتر جاؤں مگر اس کوشش میں بھی ناکامی ہوئی تھی، میں گھبرا کر اچھلی اور پاؤں واپس پڑے تو نیچے کسی سخت اور متحرک خوفناک سی چیز کا احساس ہوا کیونکہ اس کے وجود پر سے کانٹے میرے پیروں میں چپل کو پھاڑ کر دھنس گئے تھے...... میں نے چیخنا چاہا مگر چیخیں بھی نہیں نکل رہی تھیں۔

میں پسینے سے شرابور ہو گئی...... میرے اردگرد جانے کیا، کیا لپٹ رہا تھا اور میرے پاؤں اس سخت چیز میں

Downloaded From http://paksociety.com

دھنسے ہوئے تھے۔ ''کوئی بچائے مجھے!'' میرے حلق میں چیخیں گھٹ گئیں......

بیدار ہوئی تو میرا جسم پسینہ، پسینہ ہو رہا تھا...... شکر ہے کہ وہ سب خواب تھا مگر کیوں آتے تھے مجھے ایسے بھیانک خواب؟

☆☆☆

''کیا؟'' میں چیخ نہ روک سکی تھی۔ ''ایسا ہو ہی نہیں سکتا......'' میں اس وقت برآمدے میں اپنی کتابیں کھولے ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پڑھائی کر رہی تھی، پیروں میں چپل اڑس کر اس کمرے کی طرف بھاگی جہاں سے میں سویرے ہی اٹھ کر گئی تھی۔ اس وقت دادی جان خلافِ معمول سو رہی تھیں، میں سمجھی کہ شاید نماز کے بعد دوبارہ سوگئی ہیں، اس لیے میں آہستگی سے باہر نکلی تھی کہ دادی جان کے آرام میں مخل نہ ہوں۔ میں جب بھی چھٹیوں میں گھر آتی تھی تو دادی جان کے پاس ہی سوتی تھی کہ ان کے ساتھ رات کو دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتی، کہانیاں سنتی، ان کے ساتھ چند دن کا گزرا وقت میرے لیے سرمایہ تھا۔ ہر روز صبح جب میں جاگتی تھی تو اس سے پہلے وہ جاگ چکی ہوتی تھیں، نماز اور قرآن مجید پڑھ کر بستر میں لیٹ کر میرے جاگنے کا انتظار کر رہی ہوتیں مگر اس روز انہیں سوتا دیکھ کر میں سمجھی کہ شاید وہ رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے سو رہی ہیں۔ ناشتے کے بعد برآمدے میں بیٹھ کر پڑھتے ہوئے ذرا ستون سے ٹیک لگائی تو میری آنکھ لگ گئی تھی، شور اور ہنگامے سے آنکھ کھلی تو استفسار پر علم ہوا کہ دادی جان...... میں کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح سکون سے سو رہی تھیں، میں اندر جانے کی ہمت نہیں پا رہی تھی، وہیں چوکھٹ پکڑ کر سسکیاں لیتے ہوئے بیٹھتی چلی گئی، میرا دل ڈوبنے لگا۔

چند منٹوں میں ہی خبر گھر سے باہر نکلی تھی اور پھر یکایک ہمارا گھر لوگوں سے بھر گیا تھا، اتنا بڑا خاندان اور برادری تھی، عورتیں اس مہربان چہرے کے آخری دیدار کو مچل رہی تھیں، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور سسکیوں کی آوازیں تھیں۔ اپنی عمر میں پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہمارا خاندان کتنا بڑا ہے، لوگ دادی جان سے کس قدر محبت کرتے تھے۔ معمول کی مصروفیات کے بجائے مختلف انداز کی مصروفیت کا دن طلوع ہوا تھا۔ گاؤں کی عورتوں سے صحن بھرا ہوا تھا، مردان خانے میں بھی مردوں کی تعداد حد سے زیادہ تجاوز کر گئی تھی اور اسی لیے برآمدوں تک عورتیں تھیں اور باہر کے صحنوں میں شامیانے لگوا کر مردوں کے لیے زمین پر چٹائیاں بچھا دی گئی تھیں۔

ہمارے گاؤں میں مرگ کے دن کرسیوں کے بجائے زمین پر ہی بیٹھنے کا بندوبست کیا جاتا تھا، چند لوگ جو کسی نہ کسی مجبوری کے باعث زمین پر نہیں بیٹھ سکتے تھے ان کے لیے موڑھے اور کرسیوں کا انتظام تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد غسل دے کر، کفن پہنا کر دادی جان کے بے جان وجود کو چارپائی پر ڈال کر، بڑے سے صحن کے بیچوں بیچ رکھ دیا گیا تھا، میں ان کی میت کے سرہانے بیٹھی اس مہربان چہرے کے آخری دیدار کو نظر کے راستے دل میں اتار رہی تھی۔

اس چہرے کو اس کے بعد کبھی نظر نہیں آنا تھا، اب کبھی ان کے نرم ہاتھوں نے میرے بالوں کو نہ سلجھانا تھا، مجھے ماضی کی کہانیاں نہیں سنانا تھیں، پندونصائح نہ کرنا تھے، کسی نے نہیں کہنا تھا کہ تم میری سب سے پیاری پوتی، میری جان، میری گل اور میری سہیلی ہو...... کسی نے مجھے بنا سنورا ہوئے دیکھ کر نہیں کہنا تھا میری شہزادی کو کسی کی نظر نہ لگ جائے...... میری آنکھیں آنسوؤں کی تسبیح سمر (ورد کرنا) رہی تھیں، دادی جان کا پُرشفقت وجود، اپنے وجود میں پیار کے خزانے اور ماضی کی کہانیاں سمیٹے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر جانے والا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

اس بڑے سے صحن میں بیٹھے ہوئے کسی اور کو علم بھی نہ تھا کہ میں کیا سوچ رہی تھی، میرے سینے میں ماضی کی ادھوری کہانیوں کی امانتیں تھیں جو نہ جانے کبھی مکمل ہوتیں یا میں ان ادھوری کہانیوں کو اپنے وجود میں لے کر ایک دن دادی جان کی طرح...... سوچ کر ہی میرے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔

جمال چاچو اور ان کے خاندان کا انتظار ہو رہا تھا، گاؤں میں ٹیلی فون کی نئی تاریں بچھائی جا رہی تھیں۔ (اس وقت تک موبائل فون بھی اتنے عام نہیں تھے) گھر کا فون کام نہیں کر رہا تھا اس لیے کسی اور جگہ سے جا کر انہیں ٹیلی فون کر کے اطلاع دی گئی تھی...... ان کے اپنے بال بچوں سمیت پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد جنازہ اٹھا لیا گیا تھا۔ میں بے خیالی سے اس ماحول میں بیٹھی سوچ رہی تھی، جمال چاچو، ان کی بیوی اور ان کے بچے ان کے خاندان کے اجتماع میں جدا ہی دکھتے تھے...... زیبا چچی کا منفرد انداز، ہلکے بھورے بال، جانے ان کا قدرتی رنگ وہ تھا یا انہوں نے رنگے ہوئے تھے۔ موسم کے مطابق سادہ مگر قیمتی لباس، نفاست سے ترشے ہوئے ناخن، صاف ستھرے اور نرم جلد والے ہاتھ، لگتا تھا کہ ان ہاتھوں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا تھا...... ان کے لیے زمین پر بیٹھنا شاید ان کی شان کے خلاف تھا جو وہ آتے ہی ایک کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی تھیں۔ اس سے قبل ان کرسیوں پر صرف چند ضعیف عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، ان کا دوسروں سے علیحدہ، علیحدہ بیٹھنا، بار بار ناک چڑھانا، اپنے لباس سے بار، بار نادیدہ گرد جھاڑنا، اپنے بچوں کو دائیں بائیں بٹھا کر رکھنا، ان کے اپنے ہی انداز تھے۔

ان کی بیٹیاں بھی اپنے کٹے ہوئے بالوں کو اپنے مہین دوپٹوں سے ڈھانپنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی، پیروں میں نازک، نازک چپلیں، ناخنوں پر گہرے رنگوں کی نیل پالش لگی ہوئی، ماں کے پاس ہی کھڑی نظر آ رہی تھیں، نہ وہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھیں نہ کرسیوں پر...... جب بھی کوئی ان کو بیٹھنے کو کہتا وہ بس شکریہ کہہ دیتیں۔ ان کے بیٹے بہترین کپڑے کے شلوار قمیص پہنے ہوئے ہوتے، ان کی قمیصوں کے بازوؤں میں بٹنوں کے بجائے سنہرے اور روپہلے کف لنک ہوتے، چہروں کے تاثرات اجنبیت لیے ہوئے، وہ تھوڑی، تھوڑی دیر کے بعد خواہ مخواہ اپنی ماں کے پاس آ کر ان کی خیریت دریافت کرتے اور پوچھتے کہ انہیں کچھ چاہیے تو نہیں۔

گاؤں کی عورتیں چچی کے پاس پُرسے کے لیے جاتیں...گھر کی باقی عورتوں کی طرح چچی سے گلے ملنے کو آگے بڑھتیں تو وہ انہیں گلے نہ ملتیں بلکہ وہ پہلے ہی دور سے ہاتھ بڑھا کر سلام لیتیں یا ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے کی کوشش کرتیں غالباً یہ کہ ''ٹھیک ہے، نزدیک آنے کی ضرورت نہیں!'' ان کی بیٹیاں زائنہ اور حسنہ ماں کی طرح ذرا کھنچی، کھنچی سی رہتیں جبکہ چھوٹے دو بیٹے یوسف اور عارب خاندان کے باقی لڑکوں کے ساتھ گاؤں آ کر انہی کی طرح گھل مل جاتے...... ان کے بڑے بیٹے زین کے مزاج کے بارے میں کسی کو زیادہ علم نہ تھا کیونکہ وہ کئی سالوں سے لندن میں پڑھ رہا تھا اور کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا تھا جس پر وہ گاؤں آیا ہو یا اس کی .... کسی سے ملاقات ہوئی ہو۔

دادی جان کی وفات کے وقت بھی وہ ملک سے باہر تھا، فون کر کے اس نے دادا جان اور اپنے باپ اور تایا سے افسوس کر لیا تھا...... وفات کے تیسرے دن قل تھا۔ اس روز دعا کے بعد جمال چاچو کے بیوی بچے واپس لوٹ گئے، جمال چاچو البتہ رک گئے تھے، ان کا رکنا لازم تھا کیونکہ دادا نور احمد بھی کم از کم اپنی بیوی کے دسویں تک وہیں رکنا چاہ رہے تھے...... جمال احمد اپنے باپ کے انتہائی چہیتے اور لاڈلے بیٹے تھے، ان سے بہت قریب تھے اور ماں کی اچانک وفات نے ان کے دل کو بہت دکھی کر دیا تھا۔ ان کی شخصیت اب گاؤں کے ماحول سے میل نہ کھاتی تھی، وہ بھی خود کو اجنبی سا محسوس کرتے تھے، گھر کی خواتین اور ملازمین ان کے آرام کا بہت خیال رکھتے...... سب کچھ تھا مگر ماں نہ تھی تو وہ اس طرح محسوس کرتے تھے جیسے میلے میں کوئی بچہ ماں سے بچھڑ کر تنہا ہو گیا ہو۔

Downloaded From http://paksociety.com

رات کو کھانے کے بعد جب سب لوگ اکٹھے بیٹھتے تو کئی بار میں چاچو کے چہرے کو دیکھتی اور سوچتی کہ ان سے کوئی بات کروں، وہ مجھے بہت اچھے لگتے تھے...... اپنے ابو سے ان کا خواہ مخواہ موازنہ کرتی، میرے سادہ سے زمیندار باپ، مٹی میں مل کر مٹی جیسے باقی سب سادہ لوگ، ان میں بیٹھے ہوئے وہ یونانی دیوتاؤں جیسے حسن کے مالک جمال احمد نور...... نام کے ہی نہیں، اصل میں بھی خوب صورت تھے، وہ میرا آئیڈیل تھے، اس گاؤں سے نکل کر اپنی محنت، ذہانت اور لگاتار کام سے انہوں نے ترقی کی انتہاؤں کو چھوا تھا۔ پورے خاندان میں اپنی نسل میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ وہی تو تھے اور پھر گاؤں چھوڑ کر شہر جا بسنے سے ان کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے ہو گئے تھے، ان کی باتوں سے بھی خوشبو آتی تھی۔ جوان اولادوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ ابھی تک خود جوان دکھائی دیتے تھے۔ پیسے کی ریل پیل اور کامیاب کاروبار نے انہیں بے فکری عطا کر دی تھی جو اُن کے باپ اور بھائیوں کو میسر نہ تھی، ان کے بھائی بھی پڑھے لکھے تھے مگر ان کے برابر نہیں اور اپنے باپ کی زمینداری کو سنبھالے ہوئے تھے، ان میں سادگی تھی اور کسرِ نفسی!

''چاچو...... آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' مجھے موقع مل ہی گیا تھا۔

میں ان کے کمرے میں پانی رکھنے کے لیے آئی تھے، شیشے کے صاف چھوٹے سے ڈھکن والے جگ میں پانی اور ساتھ سفید جالی کے رومال سے ڈھکا ہوا خالی گلاس رکھ کر میں مڑی۔ حالانکہ میں ان کے ساتھ اتنی مانوس نہ تھی مگر اندر کے اضطراب نے ہی مجھے یہ راہ سجھائی تھی۔ انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ شاید مجھے دیکھ کر ان کے دل کے نہاں خانوں میں ایک یاد کا دیا جل اٹھتا تھا، ان کی پیاری گل کا! اماں کو بھی میں اسی لیے عزیز تھی کہ انہیں مجھ میں اپنی گل کی شباہت نظر آتی تھی، جو اماں کو اپنی سب بیٹیوں سے بڑھ کر پیاری تھی مگر لوگوں کی نظر میں ان کے لیے وہ مر چکی تھی۔

''پوچھو بیٹا!'' انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا، میں نے دیکھا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہی ان کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپک پڑا تھا۔

''میں بیٹھ سکتی ہوں یہاں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ارے، ارے کیوں نہیں...... سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا!'' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھالیا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ بہت دکھ میں ہیں کہ آخری وقت میں اپنی ماں کے پاس نہ تھے......''

''ہاں بیٹا!'' ان کی آنکھ کا ایک گوشہ چمکا۔

''وہ آپ سے بہت پیار کرتی تھیں، جب سے دادا جان آپ کے پاس زیادہ رہنے لگے تھے میں ہی ان کے کمرے میں ان کے ساتھ ہوتی تھی، مجھے بتاتی تھیں کہ انہیں آپ سے کتنا پیار تھا......''

''کاش وہ مان جاتیں تو وہ بھی میرے ساتھ چلتیں...... ابا جان کو تو ان کی دل کی بیماری کی وجہ سے گاؤں میں نہیں رکھا جا سکتا، نہ ہی وہ بار، بار سفر کر سکتے ہیں مگر اماں جان گاؤں نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں......''

''مجھے کئی بار کہتی تھیں چاچو کہ ان کا بہت دل چاہتا ہے کہ وہ آپ کے پاس رہیں مگر وہ وہاں خود کو بہت تنہا محسوس کرتی تھیں...... مجھے کہتی تھیں تم ساتھ چلو تو کچھ عرصہ رہ کر آتے ہیں۔''

''تو تم آ جاتیں ان کے ساتھ بیٹا!'' انہوں نے نم آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ ''دکھ تو یہ ہے کہ مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ اس قدر بیمار تھیں......'' وہ گلوگیر لہجے میں بولے۔

''وہ بیمار تو نہیں تھیں چاچو، بالکل صحت مند تھیں......'' میں نے فوراً کہا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''تو پھر یوں اچانک کیسے ان کی......؟''

''رات کو گیارہ بجے تک تو میں اور وہ باتیں کر رہے تھے چاچو، وہ بالکل ٹھیک تھیں، دس بجے میں نے انہیں دودھ گرم کر کے خود پلایا تھا، اس کے بعد ہم دونوں ایک گھنٹا جاگتے رہے۔''

''ایک گھنٹا کیا کرتے رہے آپ دونوں؟'' انہوں نے اشتیاق سے پوچھا، شاید وہ جاننا چاہتے تھے کہ ان کی ماں نے آخری باتیں کیا کی تھیں۔

''وہ مجھے کہانیاں سناتی تھیں......'' میں نے معصومیت سے کہا۔

''کہانیاں؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم کوئی چھوٹی بچی ہو جو کہانیاں سن کر خوش ہوگی؟'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی، نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ مجھے بہت خوب صورت لگے تھے۔

''وہ مجھے اپنی اور آپ لوگوں کی کہانیاں سناتی تھیں۔'' میں نے اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو لب بھینچ کر روکا۔

''اماں جان بہت شفیق خاتون تھیں، میں عمر بھر اس پچھتاوے کو دل سے نہیں نکال سکوں گا کہ میں نے ان کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی وہ مستحق تھیں۔''

''وہ پھر بھی آپ سے اپنی سب اولادوں سے زیادہ پیار کرتی تھیں چاچو، آپ میری بات کا یقین کریں، آپ کے لیے سب سے زیادہ دعائیں کرتی تھیں، آپ کے دادا ابو کے ساتھ پیار کی مثالیں سب کو دیتی تھیں اور یہ کہ آپ نے دادا ابو کو اپنے گھر میں بادشاہوں کی طرح رکھا ہے......''

''وہ میرا سب کچھ ہیں بیٹا، میں ان کے لیے جو بھی کروں کم ہے۔''

''چاچو ایک بات پوچھوں؟......'' میں کہتے کہتے جھجکی۔ ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر اجازت ہے کی تحریر ثبت تھی۔ ''تمنا کس کی بیٹی ہے؟'' وہ حیرت سے دیکھنے لگے، ان کے پاس اس سوال کا غالباً کوئی جواب نہ تھا۔

''بتائیں ناں......'' میں نے اصرار کیا۔ ''کیا ہاجرہ پھپو کی؟'' میں ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس پر کئی رنگ بدل رہے تھے۔

''کس نے بتایا ہے تمہیں ہاجرہ کے بارے میں؟'' انہوں نے ہولے سے پوچھا۔

''دادی جان نے چاچو...... آپ کو بتایا ناں کہ وہ میری بہت قریبی دوست تھیں، مجھے بہت شوق ہے کہانیاں سننے کا اور خاص طور پر وہ کہانیاں جن کے کردار ہمارے ارد گرد موجود ہوں......''

''تمنا......'' انہوں نے میری طرف سے نظر چرا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہاجرہ ہی کی بیٹی ہے......'' انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ہاجرہ پھپو کی شادی کس کے ساتھ ہوئی تھی؟'' میں نے وہ سوال کیا جس کا جواب شاید دادی جان بھی نہیں دینا چاہتی تھیں اور اسی لیے وہ خاموشی سے چلی گئیں، مجھے لگا کہ چاچو نے ہی کسی وقت ماں باپ کی بات مان کر ان سے شادی کر لی ہوگی مگر یہ سب تو میں تب جان پاتی جو دادی جان نہ چلی جاتیں اس کہانی کو سب سے دلچسپ اور گنجلک موڑ پر ادھورا چھوڑ کر......

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے بیٹا؟'' انہوں نے بات بدلنے کو کہا۔

''ہاجرہ پھپو نے خودکشی کی تھی کیا؟'' میرے ناقص ذہن نے دادی جان کی زبانی جتنی کہانی سنی تھی اور اس سے جو اندازہ لگایا تھا، ان کی ذرا سی حوصلہ افزائی پاتے ہی وہ فوراً میری زبان پر آ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔'' انہوں نے کہا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''کیا مطلب چاچو، آپ کو یہ بھی علم نہیں کہ ہاجرہ پھپو کا انجام کیا ہوا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں...... '' گہری سانس لے کر انہوں نے کہا۔ ''مجھے اس کے بارے میں کسی تفصیل کا کوئی علم نہیں کیونکہ میرا رابطہ یہاں سے کم رہا ہے اور یوں بھی مجھے ان معاملات سے کبھی اتنی زیادہ دلچسپی بھی نہیں رہی۔'' میں ان کا چہرہ حیرت اور غور سے دیکھنے لگی، کیا واقعی وہ سچ بول رہے تھے؟

''اس بات کو سچ مانا جاسکتا ہے کیا؟'' میں ... بڑبڑائی تھی۔ ''کہاں تو ان سے آپ کی اتنی قریبی رشتے داری کہ آپ کی شادی ان سے کرنے کا آپ کے ماں باپ نے ارادہ کیا اور کہاں یہ کہ آپ کو علم ہی نہیں کہ ان کی وفات کیسے ہوئی؟''

''میں غلط نہیں کہہ رہا بیٹا...... '' انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا، ان کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ ''اور جو باتیں تمہارے علم میں ہیں، ان کا کسی کو معلوم ہو جانا کئی زندگیوں اور گھروں کو خراب کر دے گا بیٹا، اگر تمہیں یہ علم ہے کہ میرے والدین نے ہاجرہ سے میری شادی کا سوچا تھا تو تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ میں نے انکار کر دیا تھا اس کے ساتھ شادی کرنے سے۔''

''کیا واقعی چاچو؟ تو پھر...... '' میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ''اور آپ ایک بات کا یقین رکھیں کہ جو باتیں میں آپ کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں یہ میں کسی اور سے پوچھ بھی نہیں سکتی۔ جانے کیوں چاچو، مجھے ایسا لگا کہ آپ اس کہانی کو مکمل کر سکتے ہوں گے جو دادی جان ادھوری چھوڑ کر چلی گئیں...... میری ان کے ساتھ قربت ایسی تھی کہ میں ان کی کہانی کے ہر اتار چڑھاؤ کے ساتھ سانس لیتی تھی، جہاں وہ خوش ہوتی تھیں، وہاں میں خوش ہوتی تھی اور جہاں وہ پریشان ہوتی تھیں وہاں میں کئی کئی دن تک اداس رہتی......''

''تم تو پڑھتی ہو بیٹا۔ پھر اماں جان سے کہانی کس وقت سنتی تھیں تم؟''

''ہر روز رات کو سونے سے پہلے وہ مجھے سچی کہانیاں سناتی تھیں چاچو، اسلامی کہانیاں اور پیغمبروں کی زندگیوں کے قصص...... قرآنی واقعات، پھر بادشاہوں کی کہانیاں اور ان کی کہانیاں ختم ہو گئیں مگر میرا شوق نہیں ختم ہوا تو پھر انہوں نے مجھے اپنے ماں باپ کے خاندان کی کہانیاں سنائیں پھر ہمارے خاندان کی کہانی شروع کی، جب انہوں نے کہانی شروع کی چاچو تو پتا ہے انہوں نے کیا کہا تھا......؟''

''کیا کہا تھا؟'' انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

''کہنے لگیں...... اب تک کی سنی ہوئی سب کہانیوں سے دلچسپ اور طویل کہانی ہوگی یہ اور زندگیاں ختم ہو جائیں گی مگر کہانی چلتی رہے گی۔'' وہ سسکی۔ ''کتنا سچ ہے ناں اس میں چاچو، کہانی ختم نہیں ہوئی اور ان کی زندگی ختم ہو گئی، کہانی کا ایک کردار بلکہ داستان گو ختم ہو گیا ہے اور کہانی جاری ہے اور میرے ہاتھ سے تو کہانی کے کئی سرے چھوٹ گئے ہیں، بہت سے سوالات میرے ذہن میں رہ گئے ہیں اور ان کے جوابات مجھے کوئی نہیں دے پائے گا۔''

''سو جاؤ بیٹا تم، رات بہت ہو گئی ہے...... '' انہوں نے کہا۔ ''کیا پڑھ رہی ہو ابھی تم؟''

''میں نے گریجویشن کا امتحان دے رکھا ہے چاچو......''

''اچھا کیا پرائیویٹ پڑھتی ہو تم؟''

''نہیں چاچو، گوجرانوالہ ڈگری کالج جاتے ہیں میں اور تمنا دونوں......''

''اچھا، زبردست بھئی...... '' وہ واقعی خوش ہوئے تھے یہ جان کر۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ...... '' وہ کچھ کہتے، کہتے رک گئے شاید اس لیے کہ کہیں ان کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی جو میرے جذبات کو مجروح کر دیتی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''ابو بتاتے ہیں کہ دادا جان کو بھی بہت شوق ہے کہ ان کی اگلی نسل کے سب بچے پڑھیں، آپ نے تو اچھا کیا چاچو کہ شہر چلے گئے مگر ابو نے بھی اپنے سب بچوں کو پڑھانے میں بہت محنت اور کوشش کی ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہم سب بہن بھائی اور باقی خاندان کے گھرانوں میں بھی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ لیا گیا ہے، باقی لوگوں کی کاوشوں کے علاوہ اس میں سب سے اہم کام اعظم پھوپا نے کیا ہے جنہوں نے گاؤں میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں کے لیے بھی ہائی اسکول اور پھر انٹر کالج بنوائے۔''

''کچھ غلطیوں کے کفارے انسان عمر بھر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کر نہیں پاتا بیٹا!'' انہوں نے ہولے سے کہا۔

''چلتی ہوں چاچو......'' میں نے باہر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں سلام کر کے، اپنے سوالوں کے جوابات پائے بغیر ہی اٹھ کھڑی ہوئی، جانتی تھی کہ کوئی بھی موضوع ہو گا ان کے زخموں کے کھرنڈ اتر جائیں گے...... اپنی اماں جان کی وفات کی وجہ سے وہ ویسے بھی ملول تھے۔

''ویسے سچ مانو بیٹا، مجھے بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ تمہیں پڑھنے کا شوق ہے......'' ان کے دل میں پھر ایک یاد نے چٹکی لی تھی۔ انہیں اپنی گل بانو کی یاد آ گئی جو اپنی اماں جان کی وجہ سے ہی پڑھ پائی تھی۔ پھر اس قابل ہوئی تھی کہ اپنے شوق کی خاطر وہ گاؤں کے اسکول میں شوق سے بچیوں کو بغیر کسی معاوضے کے پڑھانے جاتی تھی۔ ان دونوں کا کتنا گہرا پیار تھا، انہیں وہ گڑیا جیسی لگتی تھی، پھولوں جیسے گلابی گالوں والی اور نازک۔

''تم ویسے بھی بہت پیاری ہو...... اپنے نام کی طرح۔''

''شکریہ...... آپ کے ان الفاظ سے مجھے بہت حوصلہ ملا ہے، میں بہت پڑھنا چاہتی ہوں چاچو، انشاء اللہ اور اس گاؤں سے جہالت کے سب اندھیاروں کو مٹانا چاہتی ہوں۔ پھر اس ملک سے بھی......''

''اللہ تمہاری مدد کرے بیٹا!'' وہ میرے پہاڑ جیسے مصمم ارادوں کو جان کر میرے لیے دعا گو ہوئے۔

☆☆☆

''اماں کی وفات پر تم ان کے ہاں چلے جاتے تو سالوں کی کدورتیں ختم ہو جاتیں......'' ادھیڑ عمری کو چھوتی ہوئی عصمت بیگم نے عباس سے کہا۔ ''تم نے عمر بھر رنگ برنگی عورتوں کے پیچھے پڑ کر اپنی بربادی کر لی، نہ خود کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہے ہو نہ اپنی اولادوں کو کسی کو منہ دکھانے کے قابل چھوڑا ہے۔''

''آپ کو تو سب برائیاں مجھ میں اور ساری اچھائیاں ان لوگوں میں نظر آتی ہیں جنہوں نے ہم پر اپنے گھر کے دروازے معمولی باتوں پر بند کر دیے تھے۔''

''تمہیں جو باتیں معمولی لگتی ہیں عباس...... ان باتوں کے پیچھے خاندان اجڑ جاتے ہیں، جس بدبخت کی خاطر تم نے ہیروں جیسی ہاجرہ کو ٹھکرایا اور اسی نے تمہارا گھر بیٹیوں سے بھر دیا......''

''آپ کی ہیروں جیسی ہاجرہ کی زندگی میں برباد نہیں کرنا چاہتا تھا اماں...... میں نے صاف، صاف چاچا جی سے بھی کہہ دیا تھا اور انہوں نے اصرار چھوڑ دیا تھا مگر کسی نے نہیں چھوڑا تو وہ آپ تھیں، صرف آپ کی ضد کی وجہ سے وہ اس گھر میں تو آ گئی مگر میں اسے اپنے دل میں کیسے زبردستی بٹھا لیتا؟''

''خاندانی بیوی ہوتی، اس وقت تمہارا کوئی وارث ہوتا......''

''ہونہہ......'' اس نے طنز سے کہا۔ ''اس نے بھی تو کوئی بیٹا نہیں جنا کسی سے اماں!''

''بکواس مت کرو......'' انہوں نے فوراً ٹوکا۔ ''اولاد ہمیشہ مرد کے نصیب سے ہوتی ہے۔''

''الفت کی اولاد کے بارے میں بات کرتے وقت آپ کو یہ فارمولا کیوں بھول جاتا ہے اماں، اس کی بیٹیاں

Downloaded From http://paksociety.com

بھی میری ہی بیٹیاں ہیں اور میرے ہی نصیب کی ہیں، ہاجرہ سے بھی میری بیٹی ہی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی اس نے بیٹی ہی جنی تھی...... اقبال بھائی کے ہاں بھی تبسم سے اولاد نہیں ہوئی، اس کی شادی جس سے بھی ہو گی اس کے اولاد نہیں ہوگی کیونکہ......" وہ کچھ کہتے، کہتے رک گیا۔

"وہ کیوں؟" انہوں نے سوال کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اولاد کے حصول کی خاطر اقبال کی بیوی تبسم نے کیا، کیا جتن نہ کیے تھے...... تعویذ گنڈے...... منتیں اور مزارات پر چڑھاوے۔ ان کی بہو تسنیم نے بہت پہلے انہیں بتایا تھا کہ کسی عورت نے اس کی بہن تبسم کو کسی کا مردہ بچہ قبر سے نکلوا کر دیا تھا اور بھی جانے کیا، کیا ہولناک ترکیبیں بتائیں۔ وہ تو حوابی بی نے کسی کے ذریعے سن لیا اور اس عورت کو نہ صرف ڈانٹ پھٹکار کر دھکے دے کر اپنے گھر سے نکالا بلکہ اس سے یہ بھی کہا کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا، اس عورت نے معافی مانگی اور آئندہ سے ایسا غلط کام کرنے سے توبہ کی۔

تبسم کو بھی انہوں نے انتہائی سختی سے کہا تھا خود بھی توبہ تلا کرے اور وہ اس گھر میں آئندہ کسی ایسی عورت کو گھسنے دے نہ ہی اولاد کی خاطر ایسے ٹونے ٹوٹکے کرے، اگر نصیب میں ہوگی تو اللہ اولاد دے گا ورنہ اسے اپنی قسمت پر اکتفا کرنا ہوگا۔

"مجھ سے فضول میں بحث نہ کرو......" انہوں نے اپنا سر جھٹکا۔

"جہاں آپ کے پاس دلیل نہیں رہتی وہاں آپ اسی طرح کہتی ہیں۔"

"دیکھ لو موسیٰ کے ماشاءاللہ چار بیٹے ہیں۔"

"اماں یہی بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بیٹے موسیٰ کا نصیب تھے، اسی کے ہوتے، خواہ اس کی شادی کسی سے بھی ہوتی، تسنیم سے، گل بانو سے ہوتی، الفت سے یا ہاجرہ سے۔"

"ہک ہاہ!" ان کے سینے کی گہرائی سے حسرت بھری آہ نکلی۔ "کہاں ہم جیسوں کے نصیب میں اس خاندان کی سمجھدار اور پیاری، پیاری بیٹیاں تھیں۔ بہویں ملیں بھی تو ایک سے بڑھ کر ایک!" وہ اپنا قصور کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھیں۔ اُدھر گل بانو کی طرف سے شادی سے انکار کے بعد سلطان بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح پھر رہا تھا، بات بے بات ماں سے الجھ پڑتا، ان کے سامنے غصے میں بارہا عہد کیا کہ وہ گل بانو کو قتل کر دے گا یا اس قابل ہی نہیں چھوڑے گا کہ وہ کسی اور سے شادی کر سکے، اس جیسے وحشی سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔

انہیں وہ رات اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ یاد آ گئی......

ان کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا تھا، وہ گھبرا کر اٹھیں اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی، ہانپتی کانپتی دروازے تک پہنچیں۔ باہر چاند کی مدھم روشنی میں آرزو...... تار تار لباس اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ، ان کا دماغ بھک سے اڑ گیا، انہوں نے اس کے لرزتے، کانپتے ہوئے وجود کو اپنے پورے جسم کی قوت سے اندر کھینچا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ "کیا ہوا آرزو؟"

"آنٹی......" اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ "سلطان!"

"کیا سلطان؟" انہوں نے گھبرا کر انتہائی بے وقوفانہ سوال کیا۔

"اس نے مجھے......" اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔

"آہستہ بولو بیٹی!" انہوں نے اسے تھام کر اپنے پلنگ پر لا بٹھایا۔ "بات اس کمرے سے باہر نہ جائے۔"

اس نازک وقت میں جب کہ ان کا ایک بیٹا ان کی ایک بھانجی کو طلاق دے چکا تھا، دوسرے دیور کی بیٹی نے سلطان کی حرکتوں کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا مگر انہیں امید تھی کہ وہ وقت کے ساتھ مان جائے گی۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

Downloaded From http://paksociety.com

عباس کی بیوی الفت کے ہاں چار بیٹیاں پیدا ہو چکی تھیں، ان کے گھر سے کوئی بھی آواز ان کے گھر کی دیوار کے پار جاتی تو ان کے بیٹے کے کردار پر لگی کالک مستند ہو جاتی۔

''اس نے......'' وہ سسکی۔ ''اس نے پی رکھی تھی آنٹی......اس نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا، اس نے آپا کے کمرے کے باہر تالا لگا دیا تھا، میں چیختی رہ گئی آنٹی مگر اس نے......''

''خدا کے لیے آرزو......آہستہ بولو!'' وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہہ رہی تھیں۔

''کیوں آہستہ بولوں میں؟''

''تم یہاں آتی کس لیے ہو؟'' انہوں نے الٹا اسی کو لتاڑا۔ ''جوان جہان لڑکی کو کسی ایسے گھر میں بھیجتے ہوئے ماں کو خوف کبھی نہیں آتا جہاں تین، تین جوان جہان مرد ہوں۔'' انہوں نے سارا الزام اس کی ماں پر ڈالتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنی بہن کی زچگی کے لیے آئی تھی۔ اس کے ہاں چوتھی بیٹی کی ولادت ہوئی تھی اور عصمت بیگم نے ہی اس سے کہا تھا کہ ان میں سکت نہیں اس کے بچے سنبھالنے کی۔

''مم......'' اس نے ہچکیوں سے کہا۔ ''میرے ساتھ چلیں آپ اور آپا کے کمرے کا دروازہ کھلوائیں اس سے کہہ کر......مجھے ابھی آپا سے اور عباس بھائی سے بات کرنی ہے۔''

''اچھا، اچھا تحمل سے کام لو......صبح ہونے دو!'' انہوں نے اپنے دل پر جبر کرکے اس سے نرمی سے بات کی۔

''یہیں سو جاؤ!'' وہ خاموشی سے اٹھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور وہ اپنے پلنگ پر لیٹ گئیں۔

وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور دل میں سوچ رہی تھیں کہ طوائف کی بیٹی ہے اور جانے کس کس کو لبھاتی اور برماتی ہوگی، اس وقت کتنی پارسا بنی ہوئی ہے......یہ (گالی) ہوتی ہی اس قابل ہیں۔ وہ صوفے پر اپنے گھٹنوں پر سر رکھے جھکی ہوئی تھی، نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اپنی بے حرمتی پر اس کا دل رو رہا تھا، وہ عورت جو اس ظالم کی ماں تھی، اسے سو جانے کو اور صبح کا انتظار کرنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد اٹھی، عصمت سمجھیں کہ وہ غسل خانے جا رہی ہوگی، اس نے باہر جاکر چیختے ہوئے اپنی بہن کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ اندر سے اس کی بہن نے جاگ کر چونک کر اس کی آواز سنی اور پریشانی سے باہر کو بھاگی مگر دروازے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔

عباس اپنے کمرے کے اس دروازے سے باہر بھاگا جو باہر گلی میں کھلتا تھا، الفت نے بھی اس کی تقلید کی اور گھر کے بیرونی دروازے کو آرزو نے کھولا۔ عصمت بیگم غصے سے آگ بگولا اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ الفت نے بہن کا حلیہ دیکھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ عباس ماں کے کمرے سے ایک چادر لے کر آیا اور اس پر ڈال دی، اسے لے کر ماں کے کمرے میں ہی آ گئے اور اس سے ماجرہ پوچھا۔ اس کی بات سن کر عباس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اسے الفت سے بہت محبت تھی اور آرزو الفت کی بہن تھی سو اسے بھی بہنوں جیسی عزیز تھی۔ یوں اس کی عزت کو اس کے گھر میں کوئی پامال کر دے، وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ماں منع کرتی رہ گئی اور وہ باہر کو لپکا، اس کمرے کی طرف اس کا رخ تھا جہاں سلطان سوتا تھا......

''لڑا دیا ناں کم بخت نے دونوں بھائیوں کو!'' وہ بلند آواز سے بڑبڑائیں۔

عباس چند ہی لمحوں میں سلطان کو گھسیٹتا ہوا لے کر آیا اور اسے لا کر ماں کے کمرے کے فرش پر پھینکا، کچھ نیند، کچھ نشہ اور کچھ اپنے کیے کا خمار......اسے سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ وہاں کیوں تھا، مندی مندی آنکھوں سے اس نے کمرے کا جائزہ لیا، آرزو کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خبیث سی مسکراہٹ آ گئی پھر اس نے بھائی کو دیکھا۔

''آپ اپنے کمرے سے باہر کیسے نکلے بھائی صاحب؟'' اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی، اس کے ان الفاظ نے

Downloaded From http://paksociety.com

آرزو کے الزام کی تصدیق کر دی تھی۔

''تم نے میرے کمرے کو باہر سے تالا کیوں لگایا تھا خبیث کہیں کے؟''

''اس لیے کہ یہ کہیں شور مچا کر آپ کو ڈسٹرب نہ کرے...... مگر اس نے پھر بھی وہی کیا۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''آپ جائیں بھائی صاحب...... سو جائیں!''

''تڑاخ!'' ایک زناٹے دار تھپڑ نے اس کے حواس کو کسی حد تک بحال کیا، ماں اپنا کلیجا تھام کر رہ گئی۔

''حیا کر بے شرم!'' عباس چیخا۔ ''جانتا ہے کہ تو نے کس کے ساتھ زیادتی کی ہے؟''

''خود تو تو ان دونوں بہنوں کے ساتھ......'' اس کا نشہ اترا نہ تھا۔

''دیکھ لیں اماں...... ہے یہ اپنے کیے پر شرمندہ؟''

''ہوش آنے دے اسے تو...... کچھ سمجھ آئے گی ناں بدبخت کو۔'' انہوں نے ناراضی سے کہا۔ ''کہا بھی تھا کہ دن چڑھنے دے...... اسی نے تم لوگوں کو بھی بے آرام کیا اور......'' انہوں نے آرزو کی طرف اشارہ کیا۔

''دن چڑھے یہاں پولیس آئے گی اماں!'' الفت نے غصے سے کہا۔ ''اس کو سمجھ آ جائے گی کہ اس نے کس کے ساتھ زیادتی کی ہے......''

''بک، بک بند کر تو...... زیادہ تڑیاں دینے کی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔ ''یہی تو تم لوگوں کا پیشہ ہے...... اس کم بخت نے مفت میں اسے ہاتھ لگا لیا تو چیخ رہی ہے، پیسے لے کر بھی تو تم لوگ یہی کرتی ہو۔''

''اماں!'' الفت کی چیخ سے اماں کا دل دہل گیا۔ ''یہ بات آج آخری دفعہ کہی ہے آپ نے، اس کے بعد آپ نے یہ بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''تجھ سے برا تو ویسے بھی کوئی نہیں......'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔ ''کیا کرو گی تم میرا...... ایک بار نہیں ہزار بار کہوں گی۔ تو کچھ تم ہو۔''

''میں کیا کر لوں گی......؟'' اس نے دانت کچکچائے۔ ''یہ بات آپ کو صبح کا چڑھنے والا سورج ہی بتائے گا، جس وقت سارے گاؤں کی گلیوں سے پولیس گزر کر اس گھر میں آئے گی اور آپ کے بیٹے کو گرفتار کر کے لے جائے گی اور اس کے بعد آپ نے مجھے، میری بہن یا میری ماں کو طوائف کہا تو......'' وہ رکی، گہری سانس لی۔ ''تو میں آپ کی چاروں پوتیوں کو لے کر چلی جاؤں گی......''

''جاؤ بی جاتی ہو تو جاؤ خس کم جہاں پاک......''

''اور ان سب کو طوائفیں بناؤں گی تاکہ آپ کو سمجھ آئے کہ طوائف کہتے کس کو ہیں۔'' اس نے بات پوری کی تو ان کے چاروں طبق روشن ہو گئے۔

''آپ چپ رہ سکتی ہیں اماں؟'' عباس چیخا۔ ''اماں تو جاہل ہیں الفت، انہیں اپنی زبان پر قابو ہی نہیں...... تم ہی کچھ سمجھداری سے کام لو۔'' ان کے بیٹے نے ان کے منہ پر ان کو جاہل اور بدزبان کہہ دیا تھا۔

''میں آپ کی خاطر بہت کچھ برداشت کرتی ہوں عباس مگر اس حد تک برداشت نہیں ہے مجھ میں کہ میرے گھر کی چھت تلے میری بہن کی عزت یوں لٹ جائے اور میں خاموش رہوں۔'' وہ سسکی۔

''کون کہہ رہا ہے تمہیں اس بات پر خاموش رہنے کو۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ ''آرزو کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ میرے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ صبح ہونے دو، میں خود پولیس کے پاس سلطان کو لے کر جاؤں گا!'' اس نے آرزو کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''اٹھو بیٹا تم الفت کے ساتھ اس کے کمرے میں جاؤ میں یہاں اماں کے کمرے میں ہوں۔'' اس نے بیوی کو آنکھ سے اشارہ کیا، الفت خاموشی سے اسے لے کر اپنے کمرے

Downloaded From http://paksociety.com

میں چلی گئی۔

''اماں...... آپ کو سمجھ میں آ گیا ہے ناں کہ آپ کے بیٹے نے کیا، کیا ہے؟'' ان کے جانے کے بعد وہ اپنی ماں سے گویا ہوا۔

''ارے کیا قیامت آ گئی ہے جو اس بے وقوف سے نشے میں کوئی غلطی ہو گئی تو۔''

''نہ یہ بے وقوف ہے اور نہ ہی اپنی غلطی کو مان رہا ہے اور آپ کو علم ہونا چاہیے کہ نشہ کرنا بھی جرم ہے...... کل جب یہاں پولیس آئے گی تو سارا گاؤں اس کے خلاف گواہی دینے کو کھڑا ہو جائے گا۔''

''گھر کی بات گھر میں ہی خاموشی سے ختم کرو...... ضرورت کیا ہے گھر سے باہر تک بات جائے۔'' انہوں نے بیٹے کو لتاڑا۔

''کیا گھر کی بات......؟'' اس نے حیرت سے ماں کا منہ دیکھا۔ ''یہ گھر کی بات نہیں ہے...... کسی بچی کی عزت کا معاملہ ہے اور آپ ان کی ماں کے اصولوں کو نہیں جانتیں......''

''چل رہنے دے......'' انہوں نے طنزیہ کہا۔ ''جانتی ہوں ان (...... گالی......) کے سارے اصول!''

''اماں...... آپ کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہے کیا؟'' اس نے بھی غصے سے کہا۔ ''ابھی تک آپ کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہہ کر گئی ہے آپ کو...... سو بار بتایا ہے کہ وہ طوائف ہے نہ کسی طوائف کی بیٹی، آپ بار، بار اسے یہ لفظ کہتی ہیں اور ابھی جو کچھ وہ آپ کو کہہ کر گئی ہے وہ اس بات کا احساس کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ آپ کی تلخ باتوں کے جواب میں کیا کر سکتی ہے......''

''تو فارغ کر دو ایسی بدعورت کو۔'' انہوں نے کیسا آسان حل دیا تھا۔

''اماں!'' وہ چیخا۔ ''اس کے بعد آپ نے یہ الفاظ کہے تو میں الفت اور اپنے بچوں سمیت یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا......'' وہ ڈر گئیں، جانتی تھیں کہ وہ اپنی دھمکی پر عمل درآمد کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا، ان کا بڑا بیٹا، ان کے بڑھاپے کا سہارا۔ ''میں تو اسی کی دھمکی کی وجہ سے کہہ رہی تھی، کوئی بھی عورت مرد کے لیے اتنی اہم نہیں ہوتی کہ اس کی خاطر وہ اپنی ماں کو چھوڑ دے......''

''اماں اگر آپ کو اتنا عرصہ گزر جانے پر بھی علم نہیں ہوا کہ میرے لیے الفت کیا ہے یا اس میں کیا خوبیاں ہیں تو پھر آپ کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''ایک چھوڑ دی تم نے، وہ بھی تمہاری اسی جیسی بیوی تھی، بیوی تو پیر کی جوتی ہوتی ہے، جو تنگ کرے اسے اتار پھینکو اور نئی لے لو۔''

''آفرین ہے اماں آپ پر......'' اس نے ان کے الفاظ پر انہیں طنزاً داد دی۔ ''کتنی اچھی بات کی ہے آپ نے...... میری بہنوں کے شوہر بھی اپنی پیروں کی جوتیوں کو یوں تبدیل کرنے لگیں تو پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں اسے کہنے اور بھگتنے میں فرق ہوتا ہے...... جانتی ہیں اماں آپ جب تک میں الفت سے نہیں ملا تھا مجھے ہاجرہ سے بے انتہا محبت تھی، الفت سے مل کر میرے دل سے ہاجرہ کی محبت مٹ گئی۔ آپ نے زبردستی میری شادی اس کے ساتھ کر دی، میں نے بہت کوشش کی کہ اپنی بھولی ہوئی محبت کے صدقے مجھے اس پر ترس ہی آ جائے مگر مجھ سے وہ بھی نہ ہوا اماں۔ آپ نے اپنا دوپٹا اتار کر میرے پیروں میں رکھ دیا اماں تو میں نے اپنا دل مار کر اسے ہاتھ لگایا، اسے چھوتے ہوئے لگ رہا تھا کہ میں کسی پرائی چیز کو چھو رہا ہوں۔ وہ مجھے اپنی لگی ہی نہیں...... اور وہ میرے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی تو مجھے اس پر ترس ہی آتا

Downloaded From http://paksociety.com

تھا، پیار نہیں...... اس نے طلاق کا مطالبہ کیا تو میں ایک لمحے میں اسے نجات دے دیتا مگر آپ اس پر بھی اڑ گئیں اور اسے مقدمہ کر کے مجھ سے طلاق لینا پڑی......''

''یہ ساری کہانیاں سنانے کا کیا مقصد ہے تمہارا؟''

''اماں کالج کے سے نازک دلوں والی پیاری، پیاری لڑکیوں کے جذبات سے نہ کھیلا کریں......'' وہ سسکا۔

''آپ جانتی ہیں کہ مجھے ہر اس بات کا علم ہے جو آپ الفت سے میری غیر موجودگی میں کہتی ہیں، وہ سب کچھ برداشت کرتی ہے صرف میری محبت میں، میں اسے مان دینا چاہتا ہوں تو آپ اس کی توہین کرتی ہیں، اس سے برداشت نہیں ہوتا کہ آپ اس کے خاندان کو طوائفوں کا خاندان کہتی ہیں...... وہ صرف میری خاطر آپ کی زبان کے تیر سہتی ہے اماں، اگر وہ طوائف ہوتی تو وہ میری یا آپ کی پروا بھی نہ کرتی، مجھے لے کر پہلے دن الگ ہو جاتی!''

''بڑی دیکھی ہیں ایسی......'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔ ''تم مجھے دھمکیاں نہ دو، جانا چاہتے ہو تو جاؤ، مرنے دو مجھے تنہا...... پہلے تمہارے باپ کو کھا گیا یہ خاندان، اب تمہاری ماں بھی سسک، سسک کر مر جائے گی تو کیا فرق پڑے گا۔'' انہوں نے ہچکیوں سے روتے ہوئے کہا۔

''آپ سو جائیں......'' وہ اٹھا۔ ''آپ کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے، کل جب پولیس اس گھر میں آئے گی اور اسے لے کر جائے گی۔'' اس نے فرش پر بے سدھ پڑے اپنے بھائی کو ٹھوکر ماری۔ ''تو آپ کو سمجھ میں آئے گا کہ آپ کے بیٹے نے کیا گل کھلایا ہے!'' کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں الفت اسے اپنی بانہوں میں لیے بیٹھی تھی، عباس کے غصے سے ان کے کمرے سے نکلنے کے

نسوانی حسن میں اضافہ (بلوسم یونانی کریم) کل نہیں آج خوبصورت اور جاذب نظر آئیں

بلوسم بریسٹ ڈولپنگ اینڈ ٹائیٹنگ کریم (ہربل)

چھوٹی بریسٹ میں اضافہ کر کے بریسٹ کی نشوونما کو مکمل کرتی ہے
بریسٹ کی نرمی کو دور کر کے سختی لاتی ہے۔ بریسٹ کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہے۔
گزشتہ 30 سال سے آزمودہ

گلیسی یونانی کریم
چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے۔

قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ۔ چھائیاں، داغ دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کر کے رنگ گورا کرتی ہے۔

خواجہ اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم ان لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
وقاص میڈیکل اسٹور اللہ آصف اسکوائر 22 کراچی
تحوی نار جنرل اسٹور سٹی چوک ریشم بازار حیدرآباد
نیو علی دواخانہ وکٹوریہ روڈ سکھر
خالد دواخانہ صرافہ بازار ایبٹ آباد
تدبیر چنیوٹی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا
سلیم پنساری گوجرانوالہ روڈ حافظ آباد
حی القیوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ چھچھل
یوپی پنسارا اسٹور ہری کیشن روڈ کوئٹہ
ناصر دواخانہ 20 صدر رائن پٹی صدر
کلاسک ہومیو جہد روڈ کوئٹہ
مصطفےٰ دواخانہ رسالہ روڈ حیدرآباد
پنجاب ہومیو سٹور چنیوٹ بازار فیصل آباد
عوامی دواخانہ مین بازار مظفرآباد
شہزاد دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
الشفاء ہومیو لیب فاروقیہ ٹاؤن پاراچنار
طب دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
علی ہومیو سٹور کچہری روڈ ملتان

اپنی PIC روانہ کریں
watsap: 0311-5800057
Email: bdhdeva@yahoo.com
skype: devapak
کراچی ہوم ڈیلیوری 0322-2916250
پنڈی ڈیلیوری 0300-2500026

ڈسٹری بیوٹر بادشاہ دی ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی 051-5502903-5533528 اپنا ایڈریس SMS کر کے لٹریچر مفت منگوائیں

الحبیب یونانی اسٹور شاپ نمبر 4، زینت میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال کراچی 021-32720328, ریاض محمد 69 نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون 042-7666264

پورے پاکستان میں گھر پر منگوانے کے لیے اور بریسٹ میں کمی یا اضافہ کے بارے میں مفت طبی مشورے کے لیے حکیم صاحب سے تمام امراض کے مشورے کی سہولت بریسٹ ڈولپر آلہ کے بارے میں معلومات اس نمبر پر حاصل کریں۔
Cell: 0333-5203553, Website: www.devaherbal.com

Downloaded From http://paksociety.com

صرف چند لمحے میں ہی انہیں احساس ہوگیا تھا کہ آرزو ان کے گاؤں کے کسی مزارعے کی بیٹی نہ تھی، انہوں نے ایسے معاملات کو ہمیشہ دھمکی، دھونس، چار پیسوں یا زیادہ سے زیادہ زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کے عوض حل ہوتے دیکھا تھا، انہیں بھی لگا کہ یہ معاملہ اسی طرح پہلے دھمکی سے یا پھر کچھ رقم کی پیش کش سے حل ہو جائے گا مگر...... یہی کچھ سوچ کر وہ الفت کے کمرے کی جانب بڑھیں۔

''میں جانتی ہوں کہ اس نے زیادتی کی ہے، نشے میں اسے ہوش ہی کہاں رہا ہے، بے وقوف بھی ہے اور جذباتی بھی، اسے ہوش آنے دو بیٹی، تمہارے قدموں میں گر کر معافی مانگے گا۔'' انہوں نے قریب جا کر اپنا ہاتھ بادلِ ناخواستہ آرزو کے سر پر رکھا تھا۔

''وہ بے وقوف نہیں، وحشی ہے، جنگلی ہے، جاہل ہے اماں!'' الفت نے غصے سے کہا، آرزو صرف آنسوؤں کی زبان بولنے کے قابل تھی۔ ''جو مجھے علم ہوتا کہ اس خاندان کے سارے جاہل ہمیشہ جاہل ہی رہیں گے تو میں عباس سے بیاہ کرنے کے بجائے زہر کھا لیتی...... جذباتی وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اچھے جذبات ہوں، اس جنگلی کے پاس جذبات نہیں ہیں اماں۔ آپ لوگوں کے دلوں میں جذبات تو ہیں مگر صرف برے اور وحشیانہ، آپ لوگ کسی کے جذبات کا احترام بھی نہیں کر سکتے...... مجھے آپ کے بیٹے کو پھانسنا ہوتا تو ہاجرہ سے اس کا بیاہ بھی نہ ہونے دیتی۔ میں نے ہی اسے مجبور کیا تھا کہ ماں کی بات مان لے...... پھر بعد میں جب میں نے اس سے بیاہ کیا تو اس نے مجھے کہا کہ اس کا گھر اور خاندان میرے قابل نہیں، اس لیے وہ مجھے شہر میں رکھے گا جہاں کی سہولتوں کی میں عادی تھی...... مگر اماں، پوچھو اس سے کہ میں ہی تھی جس نے اسے مجبور کیا کہ مجھے گاؤں لے کر جائے۔ سہولتوں بھری زندگی چھوڑ کر میں یہاں آئی جہاں نہ گیس ہے نہ بجلی اور نہ کھلا پانی، نہ سڑکیں نہ گاڑیاں...... ایک، ایک سانس مشقت کی طرح لیتی ہوں میں، کس لیے...... اسی لیے ناں کہ آپ کا بیٹا آپ سے جدا نہ ہو اس لیے کہ میں نے آپ کے بیٹے کو آپ سے چھیننا نہیں چاہا تھا...... سب کچھ برداشت کیا اماں۔ دن رات آپ مجھے طوائف کہتی ہیں تو میں تپ اٹھتی ہوں مگر پھر بھی یہیں پڑی ہوں مگر اب نہیں، میری بیٹیوں جیسی بہن کو کوئی پامال کرے اور میں اسے برداشت کر جاؤں، قطعی نہیں۔''

''کہا ناں بیٹی کہ وہ معافی مانگ لے گا۔'' ان سب تلخ سچائیوں کے جواب میں انہوں نے اپنا لہجہ نرم رکھنے کی شعوری کوشش کر کے فقط اتنا کہا۔

''معافی...... معافی مانگ لے گا؟ کتنا عظیم ہے آپ کا بیٹا کہ معافی مانگ لے گا...... اور سب کچھ ختم ہو جائے گا اماں......'' وہ پھنکاری۔ ''یہ الفت کی بہن آرزو ہے اماں، فیکے قصاب کی نجمہ نہیں، احسان کمہار کی کنیز نہیں اور نہ ہی ظہور موچی کی نسرین...... جن کے منہ آپ نے پیسے دے کر بند کر دیے تھے یا قتل کی دھمکیاں دے کر......''

''فضول بکواس مت کرو......'' وہ فوراً بولیں۔ ''منہ بند کرواپنی بیوی کا عباس...... اب یہ حد سے بڑھ رہی ہے۔'' جواب میں عباس نے انہیں جن نظروں سے دیکھا انہوں نے انہیں اندر تک کاٹ دیا۔

''آج اس کی بہن کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو یہ سچائیاں اگل رہی ہے، غصے سے چیخ رہی ہے تو آپ کہہ رہی ہیں کہ اسے خاموش کرواؤں، گاؤں کی لڑکیاں بھی ہماری بہنوں اور بیٹیوں جیسی ہیں اماں! کل کو ایسا کچھ میری بیٹی کے ساتھ ہو تو...... تو پھر بھی آپ ایسا ہی کہیں گی؟''

''کس کی جرأت ہے کہ تمہاری بیٹیوں کے ساتھ ایسا کرے......''

''جس بے غیرت نے میری بیوی کی بہن جو میری بہن جیسی ہی ہے، اس کے ساتھ ایسا کیا ہے اور آپ اسے معصوم اور بھولا ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، کل کو اسی کی اولادیں ہوں گی جن کے ہاتھ میری بیٹیوں پر پڑ سکتے

Downloaded From http://paksociety.com

ہیں اور آپ انہیں بھی معصوم کہہ دیں گی.....'' اس نے ماں کی طرف دیکھ کر سوال کیا، وہ اسے خالی نظروں سے دیکھنے لگیں، ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆

''معافی؟'' وہ یوں اچھلا جیسے اسے کسی زہریلے کیڑے نے ڈس لیا ہو۔ ''کس بات کی معافی مانگوں میں اس سے اماں؟''

''شرم کر بے غیرت.....'' وہ تو بیٹے اور بہو کو یہ سمجھا کر آئی تھیں کہ انہیں اس سے بات کرنے کا ایک موقع دیں اور پولیس کو نہ بلوائیں۔ ''جو کچھ تم نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ کیا ہے اس کی معافی مانگو اور کس بات کی معافی کا کہہ رہی ہوں تمہیں۔''

''میں نے کچھ ایسا نہیں کیا اماں جس کی مجھے معافی مانگنا پڑے.....'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ مجھے اچھی لگی تو میں نے.....''

''تم جانتے نہیں سلطان کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہے..... گاؤں کے کسی کمی کمین کی بیٹی نہیں ہے وہ، اس الفت نے تو عباس کے سامنے تمہارے سارے کچے چٹھے کھول کر رکھ دیے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ نہ الفت کو کسی بات کا علم ہے نہ عباس کو ہوگا، اب عباس بھی بہت غصے میں ہے..... یہ بات باہر نکلی، معاملہ پولیس تک پہنچا تو جانتے ہو کہ نور احمد بھی اپنی بیٹی تم سے بیاہنے سے انکار کر دے گا۔''

''وہ ویسے ہی الف ہوئی ہوئی ہے اماں!'' اس نے اچانک انکشاف کر دیا۔

''کیوں الف ہوئی ہے وہ؟'' انہوں نے سوال کیا۔ ''کی ہوگی ان سے بھی تم نے کوئی اول فول بات یا الٹی سیدھی حرکت..... مت بھولو سلطان کہ تمہاری حرکتیں ابھی شاید کچھ لوگوں سے چھپی ہیں جس کی وجہ سے یہ رشتہ قائم ہے۔ جس دن نور احمد یا حوا بی بی کو علم ہوا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو، اس دن کے بعد بھول جانا تم کہ وہ تمہیں اپنی بیٹی دیں گے۔'' انہوں نے کہا۔ ''ویسے اب میں جلد ہی ان سے بات کروں گی کہ ہماری امانت ہمارے حوالے کریں، مہربانو بھی بیاہ چکی، جمال احمد نے بھی بیاہ رچا لیا، اب گل بانو کے فرض سے بھی فارغ ہوں وہ لوگ!''

''بات کر کے دیکھ لیں اماں..... آپ کو علم ہو جائے گا کہ اس کی سوچ کی اڑانیں کہاں تک ہیں، چار جماعتیں پڑھ کر وہ خود کو کوئی طرم خان سمجھنے لگی ہے.....''

''اس بات کو چھوڑو، پہلے تم وہ کام کرو جو میں تمہیں کرنے کو کہہ رہی ہوں۔'' انہوں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''کہہ دیا اماں..... معافی شافی میں نہیں مانگنے والا، اگر آپ کو شوق ہے تو آپ مانگ لیں میری طرف سے..... باقی مجھے دھمکی یا تڑی دینے کی ضرورت نہیں۔ سب سن رہا تھا میں رات کو، یوں ہی خاموش پڑا دیکھ رہا تھا کہ الفت بھابی تو اپنی بہن کی حمایت میں ہم سب کے کپڑے اتارنے پر تلی ہوئی تھیں اور عباس لالہ بھی انہی کے حامی بنے ہوئے تھے، کہہ دیا اماں، سلطان سکندر معافی نہیں مانگ سکتا بلکہ کچھ بھی نہیں مانگ سکتا، چھین لیتا ہے۔'' اس کا انداز کتنا مکروہ تھا۔ ''اس چڑیا کو بھی پیار سے کافی بار چمکارا تھا اماں، دل کی رانی بنانے پر بھی تیار تھا مگر اس نے اڑی کی تو پھر مجھے تو گھی نکالنا ہی تھا ناں، چاہے انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں۔'' اس نے ماں کو صاف الفاظ میں بتا دیا۔

عصمت بیگم دونوں کے بیچ لٹو کی طرح گھوم رہی تھیں، ایک بار اُدھر جاتیں اور ان کے ترلے منتیں کرتیں اور اس کے پاس آتیں تو اسے سمجھاتیں، چمکارتیں، ڈراتیں، دھمکاتیں مگر دونوں طرف سے کسی قسم کی لچک نہ تھی۔ انہوں

Downloaded From http://paksociety.com

نے عباس اور الفت کے سامنے بے بسی کا اظہار کیا تو عباس نے خود سلطان کو سمجھانے کی کوشش کی، وہ کوششیں بھی بیکار گئیں اور پھر وہی ہوا جس سے الفت بیگم ڈر رہی تھیں۔ پولیس سلطان کو ان کے گھر سے آ کر لے گئی، گاؤں کی گلیوں سے گزر کر جاتے ہوئے اسے دیکھ کر لوگوں نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔ جو اس کے ڈسے ہوئے تھے انہوں نے کلمۂ شکر ادا کیا۔ سلطان کی ساری اکڑ ہوا ہو گئی۔ نور احمد کی آنکھیں بھی کھل گئیں، اگر ان کے دل میں ذرا سا بھی شبہ تھا کہ سلطان سدھر سکتا ہے تو وہ ختم ہو گیا اور انہیں سلطان کے ساتھ اپنی بیٹی گل بانو کا طے کیا گیا... رشتہ ختم کرنے کا جواز مل گیا۔

سلطان کو موسٰی نے ہی عباس کے ترلے منتیں کر کے ضمانت پر چھڑوایا اور اسے ماں کے سامنے لا بٹھایا، اس کی خوب سرزنش کی تھی بھائی نے۔ کچھ تین راتیں حوالات میں گزارنے کے بعد اسے سمجھ میں آ بھی گیا تھا کہ اس بار چھوٹنا اتنا آسان نہیں تھا۔ سانپ کے منہ میں چھچھوندر جیسا معاملہ تھا، غصے میں پیچ و تاب تو کھا رہا تھا مگر کوئی راہِ نجات نظر نہ آ رہی تھی، جب پھر سے سب بیٹھے اور اس نے کہا کہ وہ معافی مانگنے کو تیار ہے تو......

''معافی؟'' الفت نے پوچھا۔ ''معافی سے کیا ہو گا؟''

''اور کیا چاہتی ہو تم؟'' عصمت بیگم نے پوچھا۔ ''کیا ماردیں اس کو یا گھر سے نکال دیں؟''

''یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کیا کرنا ہے مگر میں یہ جانتی ہوں کہ صرف معافی سے کام نہیں چلے گا۔''

''آرزو کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ کرنے کے لیے کوئی تجویز دوں؟''

''آپ تجویز نہیں، فیصلہ دیں عباس......'' الفت نے کہا۔ ''اگر یہ فیصلہ اماں یا سلطان کو منظور ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ہم وہ کریں گے جو کہ ہمارا قانونی حق ہے۔''

''جی عباس لالہ...... آپ اپنی سوچ سمجھ کے مطابق جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، اسے دونوں فریقین کے مفادات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کریں۔'' موسٰی نے کہا تھا۔

''آرزو بیٹا...... اگر میں اس کی غلطی کے ازالے کے لیے اس سے کہوں کہ یہ تم سے شادی کر لے تو......'' اس نے چونک کر عباس کی طرف دیکھا۔ ''تو تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا، میرا مطلب ہے کہ تمہاری یا تمہاری والدہ کی کہیں اور رشتہ کرنے کی خواہش تو نہیں؟'' اس کے جواب میں وہ خاموش رہی، سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''اب تم بتاؤ......'' عباس نے سلطان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ میری منگنی گل بانو کے ساتھ طے ہو چکی ہے اور آج کل میں ہی اماں ان کے ہاں شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے جا رہی ہیں۔''

''تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ چاچا نور احمد تمہیں اپنی اس بیٹی کا رشتہ دے دیں گے؟'' عباس نے استہزا سے پوچھا۔ ''اماں سے پوچھ لو، ان کی طرف سے رشتہ ختم ہونے کا پیغام آ چکا ہے۔''

''کیوں؟ ان کے پاس اس رشتے کو ختم کرنے کا کوئی جواز ہونا چاہیے...... اور اگر انہوں نے یہ رشتہ ختم کیا تو ہم عائشہ کو ان کے گھر سے واپس لے آئیں گے اور تسنیم بھابی اپنے بھائی اعظم سے کہیں گی کہ وہ شہر بانو کو بھی واپس بھجوا دے......'' اس نے اپنی طرف سے بڑی قابلِ عمل تجویز پیش کی۔

''میرا بھائی کیوں اپنی اتنی اچھی بیوی کو اپنے گھر سے نکالے۔'' تسنیم نے کہا۔

''اور عائشہ کا تو اس گھر سے مر کر جنازہ ہی نکلے گا، چاہے کچھ بھی ہو جائے......'' عباس نے کہا۔ ''تم یہ غلط فہمی دل سے نکال دو کہ تمہاری ان حرکتوں کی کسی کو خبر نہیں اور نہ ہی تم اتنے پارسا ہو کہ دوسروں کی بیٹیوں کو تمہاری وجہ

Downloaded From http://paksociety.com

سے ان کے گھروں سے نکالا جائے......''

''سوچ لو اچھی طرح سلطان......'' عصمت بیگم نے کہا۔ ''بھائی کو سوچنے کا وقت دو عباس اور موسیٰ!''

''مجھے کل تک جواب چاہیے سلطان، اس سے زیادہ میں اس بری خبر کو الفت اور آرزو کی والدہ سے نہیں چھپا سکتا، بات اب سارے گاؤں سے نکل کر ارد گرد کے دیہات کے کئی لوگوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہے، کہیں نہ کہیں اور سے وہ سن لیں گی تو انہیں مجھ پر بھی دکھ ہوگا۔''

''کل تک سوچنے کی ضرورت نہیں......'' اس نے فوراً کہا۔ ''میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے......''

''تم شرطیں منوانے کی پوزیشن میں ہو؟'' موسیٰ نے غصے سے کہا۔

''کہنے دیں اسے موسیٰ بھائی......'' الفت نے ٹوکا۔ ''ہم اس کی شرط مان لیں گے اور اس کے بدلے میں یہ ہماری بھی ایک شرط مانے گا۔''

''میں اس کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں مگر اس کے بعد، اگر گل بانو مان گئی تو میں گل بانو سے بھی شادی کروں گا۔'' الفت کو غالباً اندازہ تھا کہ اس کی شرط یہی ہوگی، ساتھ ہی اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ آرزو کے ساتھ شادی ہو جانے کے بعد گل بانو کے والدین خود ہی اس کی شادی سلطان سے نہیں کریں گے۔

''منظور ہے......'' الفت نے فوراً کہا، آرزو نے بھی حیرت سے بہن کا منہ دیکھا، عباس بل کھا کر رہ گیا مگر اسے الفت کی بات میں چھپی منطق کی سمجھ نہ آئی تھی۔

''تمہیں اب تو اس کے ساتھ شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے ناں سلطان؟'' موسیٰ نے سوال کیا۔

''نہیں......اب ان کی شرط پوچھیں۔'' وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اس معاملے کو رفع دفع کرنے کے لیے اس سے شادی کر لے گا اور جب دل بھر جائے گا تو اسے نکال باہر کرے گا۔

''سلطان کے حصے کی تمام جائداد، زمین وغیرہ آرزو کے نام ہوگی، شادی قائم رہنے کی صورت میں دونوں باہمی مشورے سے جو بھی اس کا مصرف چاہیں کریں مگر طلاق یا خلع کی صورت میں دونوں اس سے محروم ہو جائیں گے......یعنی اگر آرزو خلع لے گی تو آرزو بھی اور سلطان طلاق دے گا تو وہ بھی اس سے محروم ہوگا، سلطان کے حصے کی آمدن میں سے نصف باقاعدگی سے آرزو کو ملے گا اور نصف سلطان کو......''

''یہ کیا فضول شرط ہے......؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں اس کا محتاج بن کر رہوں گا کیا......اور کل کلاں کو گل کو کیا ملے گا؟''

''یہ تو بڑی عجیب شرط ہے عباس......تم ہی ان کو سمجھاؤ، یہ تو بہت بڑی قیمت ہے کسی شادی کی۔'' ماں نے اپنے غصے کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

''لڑکیوں کی عزت کیا اس سے بھی سستی ہوتی ہے اماں؟'' الفت گویا ہوئی۔ ''میں نے اسے کچھ بھی حق مہر میں لکھنے کو نہیں کہا۔ صرف اس لیے یہ شرط رکھی ہے کہ کہیں یہ اپنی جان چھڑوانے کے لیے اس وقت شادی پر ہاں کہہ دے اور کل کلاں کو اسے ذلیل کرے، جو کچھ ہاجرہ کے ساتھ ہوا تھا وہ، میں کسی کے ساتھ بھی ظلم ہوتا پسند نہیں کر سکتی......میری وجہ سے ہی سہی مگر وہ سب کچھ مجھے ہاجرہ کے ساتھ ہوتا ہوا بھی اچھا نہیں لگا تھا اماں!'' اس کا لہجہ بھر آیا۔ ''یہ صرف تھوڑا سا تحفظ ہے جو میں اپنی بہن کو فراہم کرنا چاہتی ہوں، اگر ہاجرہ کی شادی کے وقت اسے اس طرح کا تحفظ فراہم کیا جاتا تو اس کے ساتھ وہ سب کچھ نہ ہوتا......''

موسیٰ اور تسنیم، الفت کی سمجھداری سے بہت متاثر ہوئے......سلطان بھی دل سے قائل ہوا کہ کیسے اس نے

Downloaded From http://paksociety.com

اس کے دل کا حال جان لیا تھا اور عصمت بیگم دل ہی دل میں کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں...... وہ سوچ جسے وہ زبان پر نہیں لاسکتی تھیں، وہ سوچ رہی تھیں کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے بیٹے کی جائداد ہتھیانے کے لیے الفت اور آرزو نے مل کر کوئی ایسا منصوبہ بنایا ہو اور آرزو نے خود ہی اپنے آپ کو چارہ بنا کر ان کے بیٹے کو پیش کر دیا ہو...... ہر ماں کی طرح انہیں اپنے بیٹے کی سادگی اور معصومیت کا اب بھی پورا یقین تھا، انہیں اس کی حرکتیں جاننے کے باوجود اس کی پارسائی کا اب بھی یقین تھا۔

''بے حیا...... خود ہی ڈورے ڈالے ہوں گے میرے بیٹے پر اس نے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔ تھوڑی حیل وحجت اور بحث مباحثے کے بعد دونوں طرف کی شرائط طے ہوگئیں اور طے ہوا کہ اگلے ہی روز آرزو واپس اپنے گھر چلی جائے گی جہاں جاکر باقاعدہ اس کا رشتہ مانگ کر اسے بیاہ کر لایا جائے گا...... جب اندر خانے بند دروازوں اور چوڑی دیواروں کے پار یہ سب طے ہو رہا تھا تو سب بھول بیٹھے تھے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور وہ کان راجو کے تھے، جس کی ماں حوا بی بی کی انتہائی معتمد ملازمہ تھی۔ اس نے یہ سب ماں کو تو اس عہد کے ساتھ بتایا کہ وہ کسی سے بات نہیں کرے گی مگر اس کی ماں کو علم تھا کہ اگر اس نے کچھ نہ بتایا تو کتنی ہی زندگیاں برباد ہو جائیں گی۔

جس روز آرزو اور سلطان کا نکاح سادگی سے کر کے آرزو کو گاؤں لایا گیا تھا، اسی روز ان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر...... ایک اور گھر میں چراغوں کی لو میں، انتہائی رازداری سے ایک اور نکاح ہوا تھا، جس میں لڑکی کی طرف سے صرف اس کی ماں اور ایک بھائی شامل تھے۔ نکاح بھی لڑکے کے گھر پر ہوا تھا اور نکاح کے بعد چائے اور مٹھائی کا مختصر سا دور چلا تھا، لڑکی کی ماں اپنی بیٹی سے گلے مل کر، اسے وہاں چھوڑ کر خاموشی سے لوٹ گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ایک گاڑی میں نو بیاہتا جوڑے کو تھوڑے سے سامان کے ساتھ رخصت کر دیا گیا تھا۔ لڑکی کا بھائی بھی ساتھ ہی تھا، اس کی گاڑی کو رات کی تاریکی میں کسی نے پہچانا بھی نہیں...... گاڑی کا رخ اسلام آباد کے بجائے لاہور کی طرف تھا۔ اسی گاڑی میں کہیں دور سے لایا جانے والا نکاح خواں بھی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ وہ لڑکا اور لڑکی وہاں سے کبھی لوٹ کر واپس نہ آنے کے لیے رخصت ہوئے تھے...... نئی طلوع ہونے والی صبح اپنے جلو میں بری خبر لے کر طلوع ہوئی کہ گل بانو کسی کے ساتھ چلی گئی تھی...... جن لوگوں کو یہ بھی اندازہ تھا کہ گل بانو کے ساتھ، ساتھ ہاشم بھی غائب تھا وہ بھی یہ یقین کرنے کو تیار نہ تھے کہ ان دونوں کے بیچ کوئی معاملہ ہو سکتا تھا، اسی لیے لوگ کھل کر کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔

''گل بانو کس کے ساتھ گھر چھوڑ کر گئی ہے...... کہیں حلیمہ آپا کا سوتیلا بیٹا؟'' عصمت بیگم پرسے کو آئی تھیں۔

''ماننے کو من نہیں کرتا مگر لوگ تو عجیب، عجیب باتیں کر رہے ہیں ناں!''

''مر گئی وہ ہمارے لیے بھابی......'' حوا بی بی نے سر جھکا کر اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے سامنے اس کا نام بھی نہ لیں!'' وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئیں۔

انتہائی سوچ سمجھ کر یہ ڈراما تیار کیا گیا تھا تاکہ ان کی اور ان کے بچوں کی عزت اور زندگی عصمت آپا اور ان کے بدکردار بیٹے سے محفوظ رہے۔ یہ جان کر کہ گل بانو کسی کے ساتھ چلی گئی ہے، آرزو کے سر پر سے گل بانو کے نام کی لٹکتی ہوئی تلوار ہٹ گئی تھی۔

''الفت کی سوچ کی داد دینا پڑتی ہے......'' عباس نے اعتراف کیا کیونکہ الفت نے اسے کہا تھا اگر سلطان کسی اور سے شادی کرے گا تو نور احمد اپنی بیٹی کو کبھی کسی پر سوتن نہیں بنائیں گے...... وہ جانتی تھی کہ اس خاندان کی کسی عورت نے کبھی سوتن برداشت نہیں کی۔

Downloaded From http://paksociety.com

خلافِ توقع...... سلطان، آرزو کے ساتھ خوش نظر آتا تھا مگر اس کے دل میں کیا پنپ رہا تھا، جس شیر کے منہ کو خون کی عادت ہو وہ کیونکر قناعت کر سکتا ہے۔ سلطان کہتا کہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا بیاہ آرزو کے ساتھ ہو گیا تھا، دونوں بہنیں آپس میں خوش تھیں، اماں سے ڈر کر رہتی تھیں! ان کا احترام بھی کرتی تھیں۔ شادی ہونے کے... باوجود سلطان نے بیوی سے اپنے کیے کی معافی مانگی تھی اور اس نے معاف کر دیا تھا۔ یہی ان کی شادی کی کامیابی کا جواز بنا تھا، اسی بنا پر عصمت بیگم چھوٹی بہو، آرزو سے الفت کی نسبت بہت خوش تھیں۔

مگر ہونی کو کون ٹال سکا ہے، سلطان...... خون کو منہ لگے ہوئے درندے کی طرح واپس اپنی انہی حرکتوں پر آ گیا تھا۔ آرزو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح اس پر چڑھ دوڑا اور اسے بے دردی سے پیٹنے لگا، وہ چیخنے چلانے لگی مگر اس کی چیخیں سننے کو اس وقت گھر پر کوئی بھی نہ تھا۔ نشے میں ہونے کے باعث اسے اندازہ بھی نہ ہوا کہ وہ کس حالت میں تھی اور جس شدت سے وہ اسے ٹھڈے اور مکے مار رہا تھا اس کے نتیجے میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی...... جب اسے ہوش آیا تو وہ بیوی اور اس کے وجود میں پلنے والا بچہ بھی کھو چکا تھا اور ساتھ ہی عباس اور الفت کی ہمدردی بھی کہ جنہوں نے پولیس کو بلانے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی اور یوں سلطان، آرزو کے قتل کے الزام میں ناقابلِ ضمانت وارنٹ کے ساتھ گرفتار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

برس کے برس..... دونوں عیدوں پر جمال احمد بیوی بچوں سمیت ہر سال، چاہے ایک دن کے لیے ہی مگر بلاناغہ گاؤں جاتے تھے، جلد ہی انہیں اسلام آباد کی کشش واپس کھینچ لاتی تھی۔ عیدوں کے علاوہ جب کسی شادی غمی پر جانا ہوتا تو جمال اکیلے ہی جاتے تھے۔ نہ زیبا کو بلاوجہ گاؤں جانا پسند تھا نہ ان کے بچوں کو، کچھ بچے اپنی پڑھائیوں میں مصروف بھی تھے۔ وقت نے کتنی ہی اڑانیں بھریں اور ان کا بڑا بیٹا زین اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن روانہ ہو گیا۔

بہت عرصہ قبل ہی جمال احمد نے ملازمت چھوڑ کر اسلام آباد کے مضافات میں عمارتی سامان بنانے کا چھوٹا سا کارخانہ لگا لیا تھا، انہیں اندازہ ہو گیا تھا، نئے شہر کی تعمیر کے منصوبوں میں تعمیرات سب سے زیادہ ہوں گی اور آنے والے وقت میں یہ کاروبار سب سے زیادہ چمکنے والا تھا۔ اسی لیے ان کا کاروبار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا کیونکہ ایک نیا شہر جو کہ دارالخلافہ بھی تھا، اس میں دوسرے شہروں سے آ کر بسنے والے لوگوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں تھی اور انہیں اس نئے شہر میں رہائش کے لیے گھروں اور فلیٹوں کی ضرورت تھی۔ اس شہر میں تعمیراتی کام مشینوں کی رفتار سے ہو رہا تھا، نہ صرف سرکاری کمپنیاں بلکہ نجی کمپنیاں بھی تعمیراتی سیکٹر میں سب سے زیادہ تھیں اور جمال احمد کا کام بڑھ رہا تھا ان سب لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنا سرمایہ بروقت اور عقلمندی سے اس کاروبار میں لگایا تھا۔

اپنے کاروباری ساجھے داروں میں سے کسی ایک کے ہاں جمال احمد نے اپنی بیٹی زائنہ کا رشتہ طے کیا تو دبے لفظوں میں ان کے والد نے اس کی مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ جمال کی اپنی شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی تو اسے اپنے بچوں کے رشتے خاندان میں ضرور کرنے چاہئیں تاکہ ان کی اگلی نسل کا رابطہ خاندان سے رہے...... ان کی والدہ اور کمال احمد کو بھی امید تھی کہ جمال اپنے بچوں کے رشتے طے کرتے وقت اپنے خاندان کے بچوں کے بارے میں ضرور سوچے گا۔ اس کی شادی غیر خاندان میں ہونے اور اپنی زمینیں بیچ کر شہر منتقل ہو جانے کے باعث اس کا اپنا رابطہ بھی اپنے گاؤں اور خاندان کے ساتھ کمزور سا تھا۔

سب ہی ایسا سوچتے تھے مگر کسی نے کھل کر اس سے بات نہ کی، اس کی بیوی کے غیر خاندان سے ہونے کے باعث ان کے بیچ جھجک سی تھی حتیٰ کہ نور احمد بھی دل میں خواہش رکھنے کے باوجود خود بھی اس سے بات نہیں کر سکے

Downloaded From http://paksociety.com

تھے۔ جانتے تھے کہ جمال کے بچوں کی تربیت اور پرورش اور انداز سے ہوئی ہے اور ان کی سوچیں اور رجحانات مختلف ہیں۔ گاؤں جانا اور وہاں پر رابطہ رکھنا صرف بحالتِ مجبوری کیا جاتا تھا مگر یہ بھی جانتے تھے کہ گاؤں میں رہنے والے خاندان کے سب بچے اب شہروں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے، ذہین اور قابل تھے اور ہر لحاظ سے جمال کے بچوں کے جوڑ کے تھے۔

اقبال احمد کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی، کمال احمد کے بیٹے کبیر اور شہیر تھے، اس کے بعد ان کی دو بیٹیاں تھیں، انہی میں سے ایک کو اقبال احمد نے اپنی بیٹی بنایا تھا اور اسے قانونی طور پر اپنا نام بھی دیا تھا۔ ان کی ساری توانائیاں اپنے بچوں کو پڑھانے اور انہیں بہتر مستقبل دینے کی کوششوں میں صرف ہو رہی تھیں...... اپنے بڑے بیٹے کبیر کی شادی کے لیے ان کا ارادہ اپنی بہن مہربانو کی بیٹی فاطمہ کے لیے تھا۔ مہربانو کا ایک بیٹا تھا میثاق اور بیٹی فاطمہ۔ کبیر نے خود ہی کمال احمد سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور فاطمہ کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ جب وہ لاہور پڑھ رہا تھا تو کبھی کبھار پھوپی کی طرف جاتا تھا، وہیں اسے ان کی بیٹی فاطمہ اچھی لگنے لگی، اسے تو یہ بھی علم نہ تھا کہ فاطمہ اس کے بارے میں کیا سوچ رکھتی تھی۔ باپ سے اس لیے کہہ دیا تھا کہ کہیں وہ اس سے پوچھے بغیر اس کی بات کہیں اور طے نہ کر دیں، وہ کبیر کی پسند پر ناخوش نہ تھے۔ انہیں اچھا لگا تھا کہ اس نے کم از کم اپنے خاندان کی لڑکی پسند کی تھی۔

باقی بچوں کے معاملے میں وہ کچھ فیصلہ نہ کر پاتے تھے، نہ ہی سوچ سکتے تھے کہ ان کے کیا رجحانات ہیں۔ اب اور طرح کا وقت تھا، گاؤں کے بچے اب شہروں کے بچوں سے زیادہ ماڈرن ہو گئے تھے اور کچھ انہوں نے اپنے خاندان میں ماضی کے حالات سے سبق سیکھا تھا کہ بچوں کی شادیاں زبردستی یا ان کی مرضی کے خلاف کرنے سے خاندانوں میں مسائل اور بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

عائشہ، کمال احمد کی بہترین رفیقۂ حیات ثابت ہوئی تھی اور اس نے عمر کے کسی دور میں انہیں یہ احساس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ خوش نہیں تھی۔ اس وقت بھی نہیں جب کئی برس تک اس پر اس کے میکے جانے پر بھی پابندی تھی اور اس وقت بھی جب ان کی تائی زینت بیگم نے ایک انتہائی نامناسب سا مطالبہ کر دیا تھا کہ ہاجرہ کا نکاحِ ثانی کمال احمد کے ساتھ کر دیا جائے...... وہ بلبلا اٹھے تھے۔ عائشہ سے ان کو محبت تھی، وہ ان کے بچوں کی ماں تھی اور انہیں اس سے کوئی شکایت نہ تھی تو کیوں بلاوجہ وہ دوسری شادی کرتے مگر عائشہ نے ہی انہیں سمجھایا کہ وہ ان کی بزرگ ہیں اور وہ ان کے مطالبے کو چاہے مانیں یا نہ مانیں مگر تحمل کا مظاہرہ کریں اور بڑوں کو آپس میں بات کرنے دیں۔

☆☆☆

''حسن کدہ''...... کا نام حُسن کدہ اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس میں ناموں اور صورتوں کا حسن بکھرا ہوا تھا...... جمال، زیبا، زین، زائنہ، یوسف، عارب اور حسنہ...... ان سب کے ناموں کا مطلب تو خوب صورتی تھا ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کی صورتیں بھی خوب صورت تھیں۔ اسلام آباد کا وہ مہنگا ترین علاقہ جہاں ایک اور دو کنال کے گھروں کی قیمتیں بھی آسمان کو چھوتی ہیں وہاں ایک ایکڑ سے زائد رقبے پر بنا ہوا وہ منفرد گھر بلاشبہ کسی محل سے کم نہیں لگتا تھا۔

اس محل نما گھر کے مکینوں کو تو بہانہ درکار ہوتا تھا کہ کسی بہانے پورے گھر کی بتیاں جل رہی ہوں اور چراغاں کا سا سماں ہو، اس شام کو بھی اندھیرے کے پھیلنے کے بعد ملازمین کی فوج اندر باہر یوں بھاگ رہی تھی جیسے زلزلہ آیا ہو... گیٹ پورا کھلا ہوا اور اندر کھڑی ہر سائز اور ماڈل کی نصف درجن سفید گاڑیوں کا حیران کن نظارہ گیٹ کے باہر

Downloaded From http://paksociety.com

سے گزرنے والوں کو کھڑے ہو کر دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا، گھر کے اندر کھڑی ان سب گاڑیوں کے سیریل مختلف مگر نمبر ایک ہی تھا، یعنی ایک! اس وقت پورے گھر کی اندرونی اور بیرونی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔

گیٹ کے اندر پورچ میں گھر والوں کی چمچماتی ہوئی چھ گاڑیوں کے علاوہ پوری ڈرائیو وے پر گیٹ تک اور اس سے باہر تک جاتی ہوئی مہنگی ترین گاڑیوں کی قطاریں اور گیٹ سے باہر بھی ایسی، ایسی گاڑیاں کہ جن کا عام آدمی کو نام بھی نہ آتا ہو، انہیں چھو کر دیکھنا بھی کسی کو نصیب نہ ہوتا ہو۔ گھر کے باہر آنے والے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اندر گھر والے خاموش تھے اور ملازمین کی ہاہا کار مچی ہوئی تھی، بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی، پورچ سے اندر آنے والوں کی راہنمائی کر کے انہیں استقبالیہ ہال میں لایا جاتا اور وہاں سے مرد ڈرائنگ روم میں اور عورتیں بڑے سے فیملی لاؤنج میں بھجوائی جا رہی تھیں۔

ہر آنے والا دس سے پندرہ منٹ منہ پر ملال کا لیپ کر کے بیٹھتا، گھر والوں سے افسوس کے چند کلمات کہتا اور اس کے بعد بیٹھ کر منہ ہی منہ میں کچھ نہ کچھ بدبداتا رہتا۔ بیٹھنے سے پہلے جائزہ لیا جاتا کہ کہاں بیٹھنا فائدہ مند ہے۔ پھر دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں گفتگو کرنا شروع کر دیتے میزوں پر جگہ جگہ خوب صورت رنگ برنگی تسبیحیں کرسٹل کے خوب صورت پیالوں میں رکھی تھیں۔ کوئی ان میں سے تسبیح بھی اٹھا لیتا، تسبیح کے گرتے ہوئے دانوں کی رفتار، لوگوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو اور ان کے چہروں پر مصنوعی رنج قطعی حالات سے میل نہ کھا رہے تھے.....سودے طے ہو رہے تھے، کاروبار بڑھائے جا رہے تھے، حریفوں کو نقصان پہنچانے کے انداز زیرِ گفتگو تھے، حکومتی پالیسیوں پر تنقید ہو رہی تھی، انڈسٹری کو بجلی اور گیس کی سپلائی کے اوقات مقرر کیے جانے پر تنقید ہو رہی تھی، چیمبر آف کامرس کے آنے والے انتخابات پر اندازے لگائے جا رہے تھے۔

زنان خانے میں بھی افسوس کی ابتدائی کارروائی کے بعد رشتے طے ہو رہے تھے اور جو رشتے ہو چکے تھے ان کے مستقبل پر تبصرے کیے جا رہے تھے۔ دوسروں کے بچوں کی شادیوں کی ناکامیوں اور کامیابیوں پر اظہارِ خیال ہو رہا تھا۔ خواتین کے ملبوسات، جوتے، میک اپ، گھڑیاں، ان کی بیٹیوں کے بے باک انداز، بیٹوں کی بدعادات، ہیروں اور جواہرات کی باتیں، اچھے پارلرز اور spa، دبئی سے خریداری...... نئے گھروں کی باتیں، اپنی گاڑیوں کے مقابلے، بچوں کی غیر ملکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جانے کی کوششیں، غرض سوفٹ طویل لاؤنج جہاں عورتیں تھیں اور پچاس فٹ طوالت کا ڈرائنگ روم جہاں مردوں کا اجتماع تھا، دونوں ہی اس وقت ایسے لوگوں اور ایسے موضوعات سے بھرے ہوئے تھے۔

یہ شہر کا نہیں بلکہ ملک کا بلند ترین کاروباری طبقہ ہے جن کے کاروبار نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک تک بھی پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں ہر کوئی امارت، دولت، رکھ رکھاؤ، غرور، مقابلے بازی، نمود و نمائش اور اسٹائل میں ایک سے بڑھ کر دوسرا ہے...... اندر کچھ اور باہر کچھ، منافقت سے بھرپور چہرے...... مرگ والے گھر میں جمع ہیں مگر انہیں معلوم ہے کہ مرگ بھی social gathering ہی ہوتی ہے۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ مرگ والے گھر میں اپنے بیٹوں کے لیے رشتے ڈھونڈتے چاہئیں، شادی بیاہ پر تو لڑکیاں پارلرز سے تیار ہو کر آتی ہیں تو سب ''مس ورلڈ'' جیسی لگ رہی ہوتی ہیں۔'' مسز ہمدانی نے مسز سیال سے سرگوشی میں کہا۔

''آپ کو ایسا لگتا ہوگا مسز ہمدانی، ورنہ غور فرمائیں...... ایک تو ساری آنے والی لڑکیاں کنواری ہیں، مائیں انہیں اپنے ساتھ نمائش کے لیے لے کر آئی ہیں اور دوسرے یہ کہ کسی کا چہرہ میک اپ کے بغیر نہیں ہے...... یہ بھی میک اپ کا ایک انداز ہے، ہزاروں روپے دے کر آئی ہوں گی ایسے ''نو میک اپ لک'' (No make up look) کے!''

مسز سیال کی عقابی نظروں نے کمرے میں بیٹھی ہوئی سب لڑکیوں کا سفاکانہ تجزیہ کیا، ان کے اپنے بیٹے ہی تھے اس لیے

Downloaded From http://paksociety.com

وہ دوسروں کی بیٹیوں کو رگیدنے کا پورا اختیار رکھتی تھیں۔

''شادی شدہ بیٹیوں کو کون ساتھ لاسکتا ہے مسز سیال!'' مسز ہمدانی نے جیسے دانت چبائے۔ ''جیسے میری بیٹی بیاہ کر دوسرے شہر جا چکی ہے تو میں اسے اس موقع کے لیے دوسرے شہر سے بلا کر تو ساتھ نہیں لاؤں گی ناں!''

''بہانے ڈھونڈتی ہیں سب...... ہونہہ! جیسے میں جانتی نہیں ان کو، ان کو تو کوئی موقع ملے اپنی جوان بیٹیوں کی نمائش ضرور لگائیں گی۔ پھر موقع بھی اللہ نے دیا ہو ایسے گھر میں آنے کا جہاں سونے کے انڈے دینے والی مرغیوں جیسے تین، تین بیٹے ہیں! جمال کا گھر ہے اور کمال کا موقع ہے ناں! میری بھی کوئی بیٹی ہوتی تو ضرور لاتی یہاں بر دکھوے کو، یہ موقع ضائع تو نہیں کیا جاسکتا ناں...... نور گروپ آف انڈسٹریز کے ڈائریکٹر کے مرنے کے بعد ان کا بیٹا جمال۔ اب ان کے سرمائے سے شہر میں قائم کردہ اس ساری کاروباری ریاست کا ڈائریکٹر بننے والا ہے اور اس کے بعد اس کے پانچ بچوں میں سے تین بیٹے ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک خوبرو، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اس پر مستزاد سب کے سب کنوارے!'' مسز سیال نے گویا اپنے الفاظ سے نور گروپ آف انڈسٹریز کا بڑا نام ہونے کی تصدیق کی تھی۔

اگرچہ ان کے اپنے شوہر بھی بہت بڑے کاروباری تھے اور ان کے ہاں بھی تین بیٹے تھے مگر وہاں مسئلہ یہ تھا کہ ان کے شوہر کے شراکت دار تین بہنیں اور چار بھائی تھے اور ان کے باپ کا سارا کاروبار پہلے ان پانچ بھائیوں اور تین بہنوں میں بٹتا اور پھر ان کے تین بیٹوں تک پہنچنے میں تو اس کی مقدار کافی کم ہوتی۔ ان کے انداز میں اسی لیے حسد نما کیفیات جھلک رہی تھیں۔

''ماشاء اللہ!'' ہولے سے کہا گیا چھوٹا سا جملہ ان دونوں کے کانوں تک بھی پہنچا، پلٹ کر دیکھا تو وہ مرنے والے کی بیٹی اور جمال احمد کی بہن تھی، اس کی شادی بھی لاہور کے ایک بڑے کاروباری گھرانے میں ہوئی تھی۔ دونوں نے اسے شرمندگی سے دیکھا، ادب سے سلام کیا اور دل ہی دل میں پچھتائیں کہ وہاں وہ کس نوعیت کی گفتگو کر رہی تھیں اور اس گھر کے کسی فرد نے سن لیا تھا خصوصاً مرنے والے کی اتنی چہیتی بیٹی نے۔

''ابا جان مرحوم تو اس ساری کاروباری ریاست کے صرف نام کے ڈائریکٹر تھے ورنہ یہ سب جمال بھائی کی اپنی ہی شبانہ روز محنت کا نتیجہ ہے۔ اس سارے کاروبار میں ابا جان کا کوئی سرمایہ بھی نہیں لگا ہوا تھا...... ابا جان خوش قسمت تھے کہ انہیں اس قدر احترام، پیار اور ادب کرنے والی اولاد ملی۔''

''وہ ہم......'' مسز سیال نے خفت مٹانے کو کہا۔ ''یونہی ذرا!''

''کوئی بات نہیں...... دعا کریں میرے ابا جان کے لیے کیونکہ اسی مقصد کے لیے ہم سب یہاں بیٹھے ہیں۔'' اس نے ان سے کہہ کر خود بھی درود شریف پڑھنا شروع کر دیا، ان دونوں نے منہ ہی منہ میں کچھ بُدبُدانا شروع کر دیا۔

''کب جا رہے ہیں آپ گاؤں؟'' مسز ہمدانی نے مہربانو سے سوال کیا۔

''بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ڈاکٹر انہیں سفر کی اجازت دیتا تو ہم اسی وقت چلے جاتے مگر انہیں سکون آور ادویات دی گئی ہیں اور ہم سویرے اس طرح نکلیں گے کہ طلوعِ آفتاب تک گاؤں پہنچ جائیں......'' اس نے جواب دیا۔

''آپ نے بتایا ہے ناں کہ آپ کے بھائی کو اپنے بابا سے بہت محبت تھی۔'' مسز ہمدانی نے کہا۔ ''شاید اسی لیے ان سے جدائی کا صدمہ ان سے برداشت نہیں ہوا!''

''میرے بابا کو بھی ہم سب سے اور بالخصوص اس بھائی سے ایسا ہی پیار تھا اور...... ہماری اماں کے مرنے کے بعد وہ ہمارے لیے باپ بھی تھے اور ماں بھی!'' اس نے سسک کر کہا۔ ''آج حُسن کدہ ویران ہو گیا ہے۔''

Downloaded From http://paksociety.com

☆☆☆

حُسن کدہ کے ایک کمرے میں رات کو مہمانوں کے جانے کے بعد...... وہ اپنے کمرے کے ملحقہ ڈریسنگ روم کا دروازہ اندر سے لاک کر کے، اپنی بڑی سی الماری کی دراز کھولے کھڑی تھی۔ دن میں جس وقت اسے اپنے سسر کی وفات کی خبر ملی تو اس وقت وہ پارلر میں اپنا فیشل اور فل باڈی مساج کروا رہی تھی۔ اطلاع ملتے ہی اس نے پارلر کی لڑکیوں سے جلدی کرنے کو کہا، ساتھ ہی مینی کیور اور پیڈی کیور کا بھی کہہ دیا...... بال تو اس وقت نہیں بنوا سکتی تھی کہ مساج کے باعث اسے ابھی نہانا تھا۔ ان دنوں وہ ہر وقت ٹِک سِک سے درست رہ رہی تھیں کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ کسی بھی وقت ایسی اطلاع آ سکتی تھی۔

اس کے سسر چند ہفتوں سے بیمار تھے اور آئی سی یو میں تھے، لگ بھگ ایک ہفتے سے انہیں وینٹی لیٹر پر ڈال دیا گیا تھا۔ ان کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، ان کا دماغ سو چکا تھا اور باقی سانس کی ڈور چل رہی تھی وہ بھی مشینوں کی مدد سے۔ دل مدھم رفتار سے دھڑک رہا تھا اور سب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ کسی بھی وقت ان کی سانس کی ڈور کا سلسلہ منقطع ہو سکتا تھا اسی لیے ان کی بیٹیوں کو اطلاع دے کر بلوا لیا گیا تھا۔

ڈاکٹروں نے ایک دن پہلے ہی بتا دیا تھا کہ نور احمد کسی بھی وقت اپنی آخری سانس لے سکتے ہیں اور اگر ان کے گھر والے چاہیں تو ان کے باقی بچوں کو بھی بلا لیں۔ ایک نند مہر بانو پہلے ہی لاہور سے آ چکی تھی اور دوسری نند شہر بانو گاہے بگاہے گاؤں سے اپنے باپ کو دیکھنے آتیں اور اسپتال سے ہی واپس لوٹ جاتیں۔ ان کے گھر ان کا آنا کبھی نہیں ہوتا تھا، اس کی وجہ ان کے پاس وقت کی کمی تھی یا پھر خاندان کے اختلافات۔

اس نے میز پر اپنا زیور کا ڈبہ رکھا جو وہ وفات کی خبر سنتے ہی بینک کے لاکر سے نکلوا کر لائی تھی اور گھر پہنچ کر سب سے پہلے اسے اپنے ڈریسنگ روم میں رکھا تھا، اسپتال سے جلد ہی سب لوگوں کے گھر پہنچ جانے کے باعث اسے موقع ہی نہیں ملا تھا کہ وہ پہننے کے لیے کچھ منتخب کر پاتی۔ بینک سے نکل کر، ڈرائیور کی نظر بچا کر گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے، بیٹھے ہی اس نے جلدی سے کانوں میں ہیروں کے آویزے اور کلائیوں میں کنگن پہن لیے تھے جو وہ اپنے پچھلے ٹرپ میں دبئی سے لائی تھی اور ابھی تک ان کی نمائش کا کوئی اور موقع نہ مل سکا تھا۔ رات کے اس پہر اس کا شوہر اپنے باپ کی وفات کے صدمے کا اثر لینے کے باعث دی گئی مسکن دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا کیونکہ اس کا بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا تھا۔ ”جانے ساری زندگی شہر میں گزار کر اباجی کو گاؤں میں جا کر دفن ہونے کا کیا شوق تھا، وہ بھی اپنی بیگم کے پہلو میں...... جیسے وہ ان کے انتظار میں ہی تو اتنے سالوں سے لیٹی ہوئی ہیں!“ اس کا ذہن ایسے ہی سوچتا تھا اور کبھی کبھار وہ ایسی باتیں کہہ بھی دیتی تھی۔

اس نے اپنے زیورات میں سے چھانٹی کر کے وہ زیورات نکالے جو اس کے خیال میں ابھی اس کے خاندان میں کسی نے بھی نہیں بلکہ دوستوں کے حلقے میں بھی بہت سے لوگوں نے نہیں دیکھے تھے...... اس نے حسب ضرورت زیور کو علیحدہ کر کے رکھا اور باقی زیور کو الماری کے بڑے سے سیف میں محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ الماری کو لاک کیا، اس زیور کو واپس لاکر میں رکھنے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ انہیں صبح سویرے ہی روانہ ہونا تھا۔ کمرے سے الارم بجنے کی آواز آئی تو اس نے منتخب کیے گئے زیور کو اپنے بیگ میں ٹھونسا اور غسل خانے میں گھس گئی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے شوہر کے موبائل پر اس کا جاگنے کا الارم بج رہا تھا، اس نے جلدی، جلدی غسل لیا اور تولیہ بالوں میں لپیٹے، لپیٹے باہر نکل آئی......

”جاگ گئے آپ جمال!“

”ہوں......“ کسمسلندی سے جواب دیا گیا۔ ”میں نہا لوں۔“ کہہ کر اٹھ کر اس نے پیروں میں چپل اڑسے۔

”تم کس وقت جاگیں؟“ سوال کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میں تو سوئی ہی نہیں جان!'' اس نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ ''ابا کا جانا اور پھر آپ کی حالت سوچ، سوچ کر پریشان ہوں کہ آپ حوصلہ کیوں نہیں کر رہے......''

''یہ تم نے ہیروں کے کنگن اور آویزے پہن کر کب سے سونا اور نہانا شروع کر دیا؟'' اس نے حیرت سے سوال کیا، جانتا تھا کہ اس کی بیگم اپنے زیورات کی دیکھ ریکھ کے معاملے میں بہت احتیاط کرتی تھی۔

''وہ پہنے ہوئے تھے پہلے سے تو جلدی میں اتارنا یاد ہی نہ رہا!'' وہ تھوڑا سا سٹپٹائی۔

''بہتر ہوگا کہ اپنے زیورات کی نمائش کا یہ موقع ہاتھ سے گنوا دو زیبا!'' اس نے لہجے میں سختی سے کہا۔ ''ابا کی تدفین، قل اور دسویں کے لیے جا رہے ہیں ان کی مہندی، بارات اور ولیمے کے لیے نہیں! صبح تو یہ زیورات تم نے نہیں پہنے ہوئے تھے جب میں گھر سے نکلا تھا۔''

زیبا سے پسند کی شادی کے باوجود اسے زیبا کی کچھ عادات ناپسند تھیں اور ان کا برملا اظہار کر دیتا تھا...... وہ اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ زیبا کا منہ بن گیا تھا، اس نے غصے سے کانوں سے آویزے اتارے، اس کا شوہر اس کی ہر معمولی اور غیر معمولی چیز پر نظر رکھتا تھا۔ اب وہ اس موقع کی تلاش میں تھی کہ وہ کچھ نسبتاً چھوٹی چیزیں رکھ لے...... باہر گہما گہمی شروع ہو گئی تھی۔ آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ باہر گاڑیوں میں سامان رکھا جا رہا تھا، اس نے جلدی سے زیورات میں کچھ تبدیلیاں کیں، دل میں دھڑکا تھا کہ جمال باہر نہ نکل آئے، اپنا سامان اس نے تالا لگا کر محفوظ کیا اور دوسرے بیگ میں جمال کا سامان رکھنے لگی۔

☆☆☆

''سنیے!'' اس نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''جی؟'' وہی لڑکی جس نے چند منٹ قبل ان سے پوچھا تھا کہ وہ ان کی کوئی مدد کر سکے تو۔ پہلے تو وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئیں مگر چند قدم چل کر ہی اسے لگا کہ وہ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ ''میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟'' اس نے آنکھوں سے مسکرا کر پوچھا۔

''ہمیں اپنے ڈیپارٹمنٹ کے بارے میں پوچھنا تھا۔'' تمنا نے سوال کیا۔

''سامنے سیدھی چلی جائیں، دائیں ہاتھ پر کیفے ٹیریا ہے اور بائیں طرف آڈیٹوریم، اس کے بیچ سے ایک تنگ راستہ پیچھے کو جاتا ہے...... اسی میں آپ کا ڈیپارٹمنٹ ہے مگر آج تو پہلے سال کے سارے طالب علم آڈیٹوریم میں تعارفی لیکچر اٹینڈ کریں گے۔''

''آپ کو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا کیسے علم ہوا، ہم نے تو بتایا ہی نہیں؟'' اس کی حیرت اس سوال میں نمایاں تھی۔

''اسلامیات؟'' اس لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ ''آف کورس...... آپ کے حلیے سے اندازہ ہو رہا ہے۔''

''نو!'' وہ ہنسی۔ ''بزنس اور مینجمنٹ سائنسز!''

''واؤ...... گریٹ!'' اس کی خوشی اس کے چہرے سے نظر آ رہی تھی۔ ''میں بھی بزنس پڑھنے کے لیے آئی ہوں...... مگر تم لوگوں کے حلیے سے لگا۔'' اس کا لب و لہجہ اسی طرح تھا جس طرح آج کل انگریزی میڈیم اسکولوں کے طالب علموں کا ہوتا ہے۔

''حلیے تو اکثر دھوکا دے جاتے ہیں، جیسے میں سمجھی کہ آپ امریکا سے یہاں پڑھنے کے لیے آئی ہیں۔'' تمنا نے ہنس کر کہا۔

''میں واقعی امریکا سے یہاں پڑھنے کے لیے آئی ہوں!'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''اپنی دوست کا نام نہیں پوچھو گی تم لوگ......'' اس نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ ''چلو میں ہی بتا دوں شفاف! اور تم دونوں؟''

Downloaded From http://paksociety.com

''بہت پیارا نام ہے آپ کا......'' تمنا نے کہہ کہ اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تمنا!''

''تمہارا نام بھی بہت پیارا ہے اور ہاں مجھے آپ جناب کہہ کر بلانے کی ضروری نہیں، تم اور تو چلے گا۔''

''اصل میں ہمیں تم اور تو کہہ کر بات کرنا بچپن سے ہی نہیں سکھایا گیا، ہم تو اپنے گھروں کے ملازموں کو بھی آپ کہہ کر بات کرتے ہیں۔'' تمنا نے وضاحت پیش کی۔

''میں تمہارے گھر کی ملازمہ نہیں اور نہ ہی تم سے اتنی بڑی ہوں...... پھر دوستوں میں آپ جناب سے تکلف پیدا ہوتا ہے، بس تم لوگ مجھے تم کہہ کر ہی بات کرو گی۔''

''کوشش کریں گے ہم کہ آپ کو تم کہہ سکیں۔'' تمنا کے یوں کہنے پر اس کا بلند قہقہہ انہیں بھی مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

''اور تمہارا نام؟'' شفاف نے اس سے پوچھا جس کی آنکھوں میں ہیروں کی سی چمک تھی اور چہرے سے انوکھی ذہانت ٹپک رہی تھی۔

☆☆☆

سر شام ہی سادہ سا کھانا پیش کر دیا گیا تھا اس کے بعد گھر کی ملازمائیں، گھر کی خواتین کی نگرانی میں قیام کرنے والے مہمانوں کے لیے بستر بچھوانے لگیں، وہ ان سب کو کام کرتا ہوا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، جانے کہاں سے درجنوں کے حساب سے چارپائیاں نکال، نکال کر چھت پر پہنچائی جا رہی تھیں، نچلے صحن میں بھی چارپائیاں تھیں اور ان سب پر صاف ستھرے بستر، دریاں، چادریں، سرہانے اور کھیس ''شکر ہے کہ پاپا نے شہر میں بسنے کا فیصلہ کر لیا تھا، کیسا عجیب سا ماحول ہے یہاں تو، میری مما تو اتنے مہمان دیکھ کر پاگل ہی ہو جائیں، یہ لوگ کسی event manager کو کہہ کر سہولت سے سارے انتظامات کروا لیتے۔'' اس نے کبیر کے زیر ہدایات، خاندان کے سب نوجوانوں کو غسل، کفن، جنازے، قبر کی کھدائی اور کھانے کے انتظامات کرواتے ہوئے دیکھ کر سوچا۔

''میں نے موسم چیک کیا ہے، کل بارش کا امکان ہے اس لیے کھدائی کے بعد قبر کو پلاسٹک شیٹ اور ترپال سے ڈھکنا ہوگا تاکہ اندر پانی نہ پڑ جائے...... اور جنازہ گاہ میں بغیر چھت والے حصے میں واٹر پروف شامیانہ تاکہ لوگ بھیگیں نہیں، میرا اندازہ ہے کہ جنازہ گاہ دادا جان کے جنازے کے لیے بہت چھوٹی جگہ ہے...... جو بارش کا امکان نہ ہوتا تو میں کالج کے میدان میں انتظامات کروا لیتا۔'' گرمیوں کی چھٹیوں کے باعث تعلیمی ادارے بند تھے۔

''کہاں سے موسم چیک کیا ہے آپ نے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''موسم......'' کبیر مسکرایا۔ ''yahoo سے!''

''اوہ اچھا......'' اسے شاید توقع نہ تھی کہ گاؤں کے لوگ بھی جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر سکتے ہیں۔

''زین تم سو جاؤ یار...... تھکے ہوئے ہو گے، میثاق جاؤ تم زین کے ساتھ اور سو جاؤ تم دونوں......'' کبیر نے اسے جمائیاں لیتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''میں تو نہیں سوؤں گا کبیر بھائی، زین بھائی کو چھوڑ آتا ہوں!'' میثاق نے فوراً کہا۔ ''چلیں زین بھائی، آپ کو آپ کے ٹھکانے پر چھوڑ آؤں۔''

''کہاں سونا چاہیں گے آپ؟'' میثاق نے پوچھا۔ ''نیچے والے صحن میں یا چھت پر؟''

اس نے چھت پر سونے کو ترجیح دی تھی مگر سوتا کیسے...... اسے تو یوں کھلے میں سونے کی عادت ہی نہ تھی، اردگرد جانے کون، کون لوگ سو رہے ہیں، ممکن ہے کہ عورتیں بھی ہوں، بہت سے لوگوں نے منہ تک کھیس تان رکھے تھے، مچھروں کی بہتات...... وہ چند گھنٹے کروٹیں بدلتا رہا اور سوچتا رہا تھا لوگ سو کیسے جاتے ہیں کھلی چھت پر!

اس کے باپ کے حوالے سے لوگ اسے کس قدر اہمیت دے رہے تھے، اسے اپنے باپ کی نمائندگی کرنا اور

Downloaded From http://paksociety.com

ان کی جگہ پر لوگوں سے پرسہ وصول کرتا تھا، پاپا نے اسے ایک بھاری رقم کا لفافہ دے کر بھیجا تھا، جسے کمال تایا نے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔
''تم آ گئے ہو یہ کافی ہے بیٹا، اس رقم کو فی الحال اپنے پاس ہی رکھو اگر ضرورت پڑی تو تم سے لے لوں گا۔''
''مگر میں کہاں رکھوں تایا جی، میرے پاس تو کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے......'' اس نے بے بسی کا اظہار کیا۔
''اپنے پاپا کے کمرے میں رکھ دو!'' انہوں نے ملازم کو بلوایا کہ وہ کمرے تک اس کی راہنمائی کرے، اس نے ان سے چابیاں لے کر شکریہ ادا کیا، ملازم کی معیت میں اس کمرے تک پہنچا اور اپنے پاپا کا کمرا کھولا۔ اسے وہ صاف ستھرا اور اپنے پاپا کے ذوق کے مطابق سجا ہوا کمرا دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، یوں جیسے اس کے پاپا وہاں مستقل رہتے ہوں...... اسے پیش کش کی گئی کہ وہ اسی کمرے میں قیام کرلے مگر اسے اندازہ تھا کہ جب راتوں رات سب لوگ دادا جان کی میت سمیت آ جائیں گے تو اسے ہجرت کرنا پڑے گی۔ اسی لیے وہ چھت پر سو...... بلکہ جاگ رہا تھا، انہی سوچوں میں رات کا جانے کون سا پہر ہو گیا تھا، کسی طرح بھی نیند نہ آ رہی تھی تو وہ آہستگی سے اپنی چارپائی سے اٹھا اور اندازے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا، سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے فون کی ٹارچ جلائی اور احتیاط سے سیڑھیاں اترنے لگا۔
اس گھر کے جغرافیے سے وہ بالکل نابلد تھا، اس کا آنا یہاں اپنے سب بہن بھائیوں سے کم رہا تھا، اسی لیے اسے اپنے چچازاد اور پھپوزادوں سے گھلنے ملنے میں بھی مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہ اس ماحول میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا جہاں اسے سب کے انداز میں سادگی نظر آئی تھی اور وہ لوگ اسے اپنائیت اور اہمیت کا احساس دلا رہے تھے۔ غم کے وقت میں بھی ان کے حواس سلامت تھے اور دکھ اپنی جگہ مگر انہیں زیادہ فکر یہ تھی کہ دادا جان کی وفات پر جنازے اور پُرسے کے لیے آنے والوں کو کس طرح آرام اور سہولت مہیا کی جا سکے...... ایک کمرے کے بند دروازے کے نیچے کی جھری سے اسے روشنی باہر جھانکتی نظر آئی تو اس نے سوچا کہ تایا جی کا کمرا ہوگا۔ اس روشنی کے باعث اس نے سوچا کہ وہ جاگ رہے ہیں تو ان کے پاس جا کر بیٹھتا ہوں! وہ دبے پاؤں اس کمرے کی طرف بڑھا، دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا، اندر سے خاموشی! شاید وہ سو گئے ہیں، بتی کیوں کھلی ہے؟ اس نے سوچا اور دروازہ ذرا سا کھولا، اسے یہ حرکت غیر اخلاقی لگی مگر اندر جھانکتے ہی...... وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔
''آ جائیں!'' اندر سے آواز آئی۔ ''زین بھائی آپ ہیں، سب ٹھیک تو ہے ناں، کچھ چاہیے آپ کو؟'' وہ صوفے پر ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، اس کا دوپٹا صوفے کے بازو پر رکھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر اٹھ گئی تھی اور فوراً دوپٹا اوڑھ کر اپنے لباس کی شکنیں اپنے ہاتھوں سے درست کر رہی تھی۔
''سوسوری......'' اس نے دوبارہ دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ ''میں سمجھا کہ اس کمرے میں تایا جی ہیں اور جاگ رہے ہیں!'' اس نے معذرتی انداز میں کہا۔ ''آپ کون ہیں، کس کی بیٹی ہیں، تایا جی کی یا کسی پھپو کی؟ اصل میں یہاں کتنے ہی لوگ ہیں، میں نے شام میں کئی بار آپ کو دیکھا، گل نام ہے ناں آپ کا؟'' اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ''اصل میں مجھے اچھی سی اور تیز کافی کی طلب ہو رہی تھی، یہاں وہ تو نہیں مل سکتی لیکن اگر کسی کو کہہ کر چائے مل جاتی۔''
''میں بنا دیتی ہوں آپ کو کافی!'' اس نے کتاب کو بیڈ پر الٹا رکھا اور اٹھ گئی۔ ''جتنی بھی تیز چاہیے!''
''کافی؟'' اس نے ناقابلِ یقین انداز میں اس سے پوچھا۔ ''ارے نہیں...... آپ کو زحمت ہوگی اور یوں بھی آپ مصروف ہیں، غالباً کوئی ناول پڑھ رہی ہیں۔''
''میرے امتحانات ہیں چار دن کے بعد، میں اپنی کتاب پڑھ رہی تھی۔''

Downloaded From http://paksociety.com

''اوہ اچھا......کون سی کلاس میں پڑھتی ہیں آپ؟ گاؤں میں کہاں تک اسکول ہے؟''

''گاؤں میں لڑکوں کے لیے ڈگری کالج تک اور لڑکیوں کے لیے انٹر کالج ہے، امید ہے کہ جلد ہی ڈگری کالج بھی بن جائے گا۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''تو آپ!'' وہ رکا۔ ''میرا مطلب ہے اسکول میں پڑھتی ہیں کہ کالج میں؟''

''میں آپ کے لیے کافی بناتی ہوں۔''

''تھینک یو!'' کہہ کر اس نے اپنا فون کان سے لگالیا اور اس کی تقلید میں چل پڑا۔

وہ لاؤنج میں بنے ہوئے چھوٹے سے کچن کی طرف گئی، وہاں ایک دیوار گیر الماری کو کھولا، اس میں ٹی بار بنی ہوئی تھی۔ اسی الماری میں سے نکال کر اس نے مگ کاؤنٹر پر رکھا، اس میں کافی ڈالی اور بجلی کی کیتلی سے پانی گرم کر کے اس میں انڈیلا۔ ''چینی لیں گے آپ؟'' ہاتھ میں چینی دان لیے، چمچے سے چینی ڈالتے ہوئے وہ رک گئی اور سوال کیا، وہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا، سر کو نفی میں ہلا کر ہاتھ کے اشارے سے بھی اس نے اسے اپنی کافی میں چینی ڈالنے سے منع کیا۔ ''دودھ؟'' اسی الماری میں سے اس نے ایک چھوٹا سا ایئر ٹائٹ جار نکالا، اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، زین نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ 'اس کا مطلب ہے کہ اسے علم ہے کہ بلیک کافی کس طرح بنتی ہے' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اسے سراہا۔

''اچھا جہلم سے گزر رہے ہو تم لوگ......اس کا مطلب ہے کہ تقریباً دو گھنٹے میں تم لوگ پہنچ جاؤ گے؟'' اس نے بار اسٹول پر بیٹھے ہوئے زین کے سامنے کافی کا کپ رکھا۔ ''شکریہ!'' زین نے فون کان سے ہٹا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

''کچھ اور زین بھائی؟'' اس نے اپنے بھورے اور گھنگرالے بالوں کی ماتھے پر گرتی لٹ کو سنبھالا اور آہستگی سے پوچھا کہ وہ فارغ ہے تو چلی جائے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا، وہ فون پر ہونے والی یک طرفہ گفتگو سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اس کے بعد امتحان کی تیاری کے لیے قیمتی ترین فقط دو گھنٹے اور تھے، اس کے بعد وہ لوگ پہنچ جاتے اور......

''میں اب جاؤں؟'' اس نے ہولے سے کہہ کر مداخلت کی۔

''کچھ نہ پوچھو یار......کوئی گرمی سی گرمی ہے......اس پر موٹے موٹے ظالم مچھر، نیند ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آئی۔'' وہ کہہ رہا تھا اور یہ سوچ رہی تھی کہ اتنی گرمی لگ رہی ہے تو اسے کافی پینے کی کیا مجبوری ہے۔

''سہولیات کا یہاں کوئی خاص مسئلہ نہیں لگ رہا یار......تم سوچو ذرا کہ اس وقت میں کیا کر رہا ہوں؟'' اس نے دوسری طرف والے سے سوال کیا، دوسری طرف سے جانے کیا اندازہ لگایا گیا ہوگا کہ وہ ہنس دیا۔

''مچھر نہیں مار رہا، بلیک کافی پی رہا ہوں...... بالکل اپنے مزاج کے مطابق تلخ! بنانے والی بھی اپنے مزاج کے مطابق ہی لگ رہی ہے۔'' آخری فقرہ اس نے انگریزی میں کہا تھا۔ پھر وہ اپنے بھونڈے مذاق پر خود ہی ہنسا تھا۔ ''گاؤں بس ٹھیک ہی ہے، بس ایک افسوس ہے، کیا تھا اگر دادا جی کی ولادت اتنی گرمی کے موسم میں نہ ہوتی۔'' فون بند کرتے ہوئے اس نے کہا اور کافی کا مگ منہ سے لگایا۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ کے دادا کی وفات ہوئی ہے، ولادت نہیں مسٹر زین جمال احمد!'' اس نے اپنی مسکراہٹ چھپا کر کہا۔ ''اور انسان کو اپنی ولادت اور وفات، دونوں پر کوئی اختیار نہیں ہوتا......''

''ایک ہی بات ہے......'' اس نے سر جھٹکا۔

''ایک ہی بات نہیں ہے، ولادت پیدا ہونے کو کہتے ہیں اور وفات موت کو!''

''اوہ......سوری!''

Downloaded From http://paksociety.com

''آپ کی کافی ٹھیک ہے..... کچھ اور چاہیے؟'' اس نے سوال کیا۔

''اور کیا؟'' اس نے کھوئے، کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''میرا مطلب ہے کوئی کوکیز وغیرہ؟'' اس نے کہا۔

''ارے نہیں..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''اور کافی تو بہت زبردست بنی ہے!''

''اگر آپ کو کوئی اور کام نہ ہو تو میں اپنے امتحان کی تیاری کر لوں؟'' اس نے انگریزی میں کہا۔ ''ارے ہاں! آپ نے پوچھا تھا کہ میں کہاں پڑھتی ہوں تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں لاہور سے بزنس مینجمنٹ میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔'' اس نے اپنی یونیورسٹی کا نام اور اپنا مضمون بتایا تو وہ ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اور وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چل دی!

☆☆☆

''ہاں جی!'' اسمبلی سے بھی پہلے صبح سارہ نے مجھے پکڑا۔ ''کیا بنا آج؟ ٹسٹ ہوا کہ نہیں؟''

''ہو گیا.....'' میں نے ہولے سے کہا۔

''اچھا کیا رہا؟'' بے تابی سے سوال کیا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ میرا شک غلط تھا۔'' میرے لہجے میں اعتماد مفقود تھا۔

''مطلب یہ کہ ٹسٹ نیگیٹو آیا ہے؟'' اس کے لہجے میں جوش تھا۔

''میرا خیال ہے.....'' میں نے دھیرے سے کہا مگر میرے لہجے میں وثوق نہ تھا۔

''خیال؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''خیال کیوں؟ کیا تم نے طریقہ پڑھ کر ٹسٹ نہیں کیا تھا؟''

''ہاں پڑھا تو تھا.....'' میں نے تذبذب سے کہا۔ ''پڑھ کر اسی طریقے سے ٹسٹ کیا تھا مگر.....''

''مگر کیا؟'' اس نے فوراً سوال داغا۔ ''اگر تمہیں پہلی بار سمجھ میں نہیں آیا تو ایک بار اور ٹسٹ کر لیتیں تم!''

''مجھے تو پہلی بار بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ.....''

''اچھا مجھے بتاؤ کہ کیا سمجھ میں نہیں آیا تمہیں؟''

''میرا مطلب ہے کہ ٹسٹ کی رپورٹ سے میرا دل مطمئن نہیں ہے کیونکہ ٹسٹ کے مطابق تو میرا شک غلط ہے جبکہ میرا دل کہتا ہے.....''

''پاگل ہو تم تو بالکل!'' اس نے مجھے لتاڑا۔ ''ایک حقیقت جو تمہیں سائنسی طریقے سے ٹسٹ ہو کر اپنی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، اس کے مقابلے میں تمہیں اپنے شک اور خوابوں پر زیادہ یقین ہے؟''

''وہ میرے خواب نہیں ہیں سارہ، وہ اشارے ہیں، ان خوابوں کو میں دن میں بھی محسوس کرتی ہوں۔''

''تمہیں یہ یقین ہے کہ تم نے پہلا sample ہی لیا تھا؟''

''ہاں..... نہیں شاید نہیں۔''

''ہاں، نہیں؟ تمہیں شک کیوں ہے؟''

''پہلی بار تو علی الصباح میں فجر کے وقت باتھ روم گئی تھی..... اس وقت مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا! اور یوں بھی اس وقت میں بتی نہیں جلا سکتی تو نیم اندھیرے میں ٹسٹ ممکن نہ ہوتا۔''

''کیوں فجر کے وقت تمہارے گھر میں بتی جلانا کیوں منع ہے؟''

''کیونکہ ہمارے گھر میں فجر..... صرف میرے لیے ہوتی ہے سارہ!'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

(جاری ہے)

www.paksociety.com

اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو

بشریٰ سیال

"فائزہ جلدی کرو، مہمان کب سے انتظار کررہے ہیں۔" امی تیسری مرتبہ اسے کہنے آئی تھی۔

"بس دو منٹ میں آئی امی......!" اس نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور دوپٹا اٹھا کر سلیقے سے اوڑھا اور کچن میں آگئی۔

"ٹرالی سیٹ ہے، میں جارہی ہوں ڈرائنگ روم میں۔تم دو منٹ بعد آجانا اور دیکھو دھیان سے بات کرنا۔" امی اسے ہدایات جاری کر کے چلی

Downloaded From paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

گئیں...... اس نے ایک نظر سب چیزوں پر ڈالی اور ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی۔

''السلام علیکم......'' اس نے شائستگی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......'' وہ تین خواتین تھیں...... اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر پسندیدگی کے رنگ ابھرتے ہوئے امی نے فوراً دیکھ لیے تھے۔ ان تینوں نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔

وہ خاموشی سے چائے بنانے لگی...... جبکہ وہ اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ اس نے ان تینوں کو چائے اور دیگر لوازمات دیے، آخر میں امی کو ان کا کپ تھما کر وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یہ کیک لیں ناں بہن...... فائزہ نے خود بنایا ہے۔'' امی نے اپنائیت سے کہا۔ ''اور یہ پزا ضرور ٹرائی کریں، میری فائزہ بہت ہی عمدہ بناتی ہیں۔'' وہ سب ایک، ایک چیز بہت تسلی سے کھا رہی تھیں۔

''واقعی ذائقہ تو بہت مزیدار ہے۔'' انہوں نے تعریفی کلمات کہے جبکہ وہ خاموش بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اور کھانے میں کیا بنالیتی ہیں آپ......؟'' ان تینوں میں جولڑکی سی تھی اس نے پوچھا۔

''تقریباً سب کچھ ہی بنالیتی ہوں۔'' وہ جبراً مسکرائی۔

''سندھی بریانی اور نرگسی کوفتے بنالیتی ہیں آپ......؟'' ان میں سے ایک بولی۔ ''دراصل ہمارے بھائی کو بہت پسند ہیں یہ چیزیں۔'' دوسری نے اضافہ کیا۔

''جی بنالیتی ہوں۔'' اس نے امی کی طرف دیکھا، انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔

''ویسے پزا بھی بہت ٹیسٹی ہے۔'' انہوں نے لمحوں میں وہ سارا ختم کر دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

''کتنا پڑھی ہوئی ہیں آپ؟'' یہ سوال اسے خاصا معقول لگا اور اس کا بگڑا موڈ بھی قدرے بہتر ہو گیا۔

''ایم ایس سی کمپیوٹر سائنس کیا ہے میں نے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا! ویسے اتنی بڑی لگتی تو نہیں ہیں آپ......''

ایک بولی، دوسری نے نامحسوس انداز میں اسے کہنی ماری...... مگر وہ اس کا عمل دیکھ چکی تھی۔

''جی ریگولر پڑھنے والی لڑکیاں بائیس سال میں کرلیتی ہیں۔'' اس نے جتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

''جاب کرتی ہیں؟'' ایک اور سوال فوراً آیا۔

''نہیں۔'' اسے اکتاہٹ ہونے لگی۔

''اتنا پڑھ اور لکھ کر اگر جاب نہیں کرنی تو کیا فائدہ پڑھنے کا۔'' اپنی طرف سے انہوں نے بڑی عقل مندی کی بات کی تھی۔

''پڑھائی جاب کے لیے تھوڑی کی جاتی ہے۔'' وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

''فی زمانہ تو لوگ اسی مقصد سے پڑھتے ہیں۔'' ان میں سے ایک بولی۔ ''میں بھی اسکول میں پڑھاتی ہوں۔'' اس نے قابلیت جتائی۔

''گورنمنٹ کی جاب آسانی سے ملتی نہیں ہے اور پرائیویٹ جاب میں میرا انٹرسٹ نہیں ہے۔'' اس نے بہ مشکل آواز کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

''مگر جب تک گورنمنٹ جاب نہیں ملتی تب تک آپ کو پرائیویٹ کرلینی چاہیے۔''

''جی میں......'' وہ کچھ بولنے لگی تو انہوں نے اس کو ٹوک دیا۔

''ویسے آپ کوئی اکیڈمی کیوں نہیں بنالیتیں۔'' ایک نیا مشورہ آیا۔ اس نے امی کی طرف شاکی نظروں سے دیکھا۔

''آپ کے بال کیسے ہیں؟ ذرا کھڑی ہو کر دکھائیں۔'' ایک نئی فرمائش آئی۔

''دراصل ہمارے بھائی کو لمبے بالوں والی لڑکیاں پسند ہیں۔'' اس کا ضبط جواب دینے لگا۔ امی نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

اس نے دوپٹا سر سے اتارا اور بال آگے کردیے۔

''واہ......'' ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔ ''بال تو پیارے ہیں آپ کے۔'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بہن ہمیں آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔'' بڑی عمر کی خاتون جو شاید ماں تھیں بولیں۔

''اچھا آپ کی ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟'' چھوٹی والی نے پوچھا۔ اور یہاں اس کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

''1950ء'' اس نے طنز سے کہا۔

''کیا؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''جی، کیوں؟ آپ کو نہیں لگ رہا۔'' امی نے سر پیٹ لیا۔

''آپ کے بھائی کی عمر کتنی ہے؟ قد چھوٹا اور سر سے گنجا تو نہیں ہے؟ مجھے ایسے مرد زہر لگتے ہیں۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ تینوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''فائزہ اندر جاؤ......'' امی نے اسے گھورا۔

''امی بس بہت ہوگیا تماشا...... اب میں مزید برداشت نہیں کرسکتی۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''بہت بدتمیز ہے آپ کی بیٹی، توبہ... توبہ......'' انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ''شکر ہے ہمیں ابھی پتا چل گیا۔'' وہ اٹھنے کو تھیں۔

''اور ہاں...... یہ سب چیزیں امی نے بازار سے منگوائی ہیں، میں نے کچھ بھی نہیں بنایا سمجھیں آپ......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''شکر ہے ہمیں ابھی ہی اس کی حقیقت کا پتا چل گیا، ورنہ بعد میں ساری عمر روتے، چلیں امی۔'' منجھلی والی بولی۔

''ارے آپ لوگ میری بات تو سنیں......'' امی گھبرا کر ان کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

''تمہاری کیا سنیں...... تمہاری بیٹی نے ہمیں بہت سنا دیا۔ چلو لڑکیوں......'' وہ باہر کی جانب بڑھیں۔

''آپ لوگوں کے لیے ایک مشورہ ہے۔'' اس نے پیچھے سے ایک ہانک لگائی۔

''جتنی خوبیاں آپ کو چاہئیں وہ ایک ہی لڑکی میں ملنا خاصا مشکل ہے تو ایسے کریں دو، تین لڑکیاں دیکھ رکھیں۔''

''توبہ، توبہ کتنی بدزبان ہے۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ وہ کچن میں آگئی اور اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

''یہ سب کیا تھا فائزہ......؟'' امی فوراً اس کے پیچھے پڑیں۔

''کیا؟'' اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''اتنی مشکلوں سے ایک اچھا رشتہ آیا تھا، وہ بھی تم نے اپنی حماقت سے گنوادیا۔''

''اچھا رشتہ......؟'' وہ حیرت سے مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔ ''آپ نے ان کی باتیں نہیں سنی تھیں؟'' وہ سر جھٹک کر دوبارہ چائے کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''ایسے سوالات تو پوچھتے ہی ہیں سب، کچھ غلط تو نہیں کیا انہوں نے۔'' وہ کہنے لگیں۔

''جی کچھ غلط نہیں کیا۔'' اس نے چائے کپ میں انڈیلی۔ ''میری شادی کا جو وقت اللہ نے مقرر کر رکھا ہے وہ اسی ٹائم پر ہوگی، آپ فکر کرنا چھوڑ دیں۔ اور ہاں......'' وہ جاتے، جاتے مڑی......

''میں دوبارہ اس طرح اپنا تماشا لگوانے کسی کے سامنے ہرگز نہیں آؤں گی۔'' وہ چائے کا کپ لے کر چھت پر آگئی۔ دن ڈھل چکا تھا، فضا میں ہلکی، ہلکی خنکی کا احساس بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ دن بھر کے تھکے ہارے پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور چائے کے کپ کے کناروں پر انگلی پھیرنے لگی، اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور کپ میں جا گرا...... جبکہ لبوں پر ایک تھکی ہوئی اور زخمی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

www.paksociety.com

منی ناول

ہم کو محبت نے بدنام کیا

سیمار ضا ردا

چھٹا حصہ

Downloaded From
Paksociety.com

بن گئی کیوں سوال میرے لیے
زندگی اِک ذرا جواب تو دے

''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اچھے کام کی نیت فوراً ہی نیکی کا فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ مگر برے کام کو اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جس وقت تک اسے انجام نہ دے دیا جائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر ایک خاص کرم ہے...... پھر اچھے اور برے دونوں کام کے لیے جلد بازی کا آغاز ہو جاتا ہے...... لیکن وہ اپنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

بندوں سے ستر ہزار ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے......
پھر وہ کیوں انہیں سزا دے گا۔"
"تو سر! معافی کی امید پر ہم برے کام کر سکتے ہیں ؟" ایک اسٹوڈنٹ نے یہ سوال کیا تو اس نے نہایت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔
"ہرگز نہیں، جو گناہ ہم نے انجانے میں کیے ان کی معافی ہے اور جو گناہ جانتے ہوئے کیے ان کی بھی معافی ہے مگر اس صورت میں کہ شعوری طور پر وہ گناہ دوبارہ نہیں کریں......"
وہ اپنی ذاتی لائبریری سے کچھ اسلامی کتابیں لیے اسٹوڈنٹس کے درمیان کھڑا ان سے مخاطب تھا......جب ہی ریبال کی نظریں بھٹک کر ایک وجود پر جم گئیں......
جینی پچھلے کئی دن سے خود کو ایک چادر میں چھپائے ریبال کی باتیں، اس کی گفتگو آکر سنتی تھی......اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا تھا کہ اچانک ہی ریبال کی نظر اس پر جا ٹھہری تھی...... اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ ایسا کیوں کررہی ہے......اس کی کلاس کی تمام لڑکیاں باپردہ تھیں، وہ صرف اس کا لیکچر سنتیں اور کوئی سوال کیے بغیر وہاں سے چلی جاتیں......
مگر جینی کے ذہن میں کئی سوال تھے اور وہ ان کا جواب چاہتی تھی مگر اس کی زبان اکثر خاموش ہو جاتی تھی۔
"اللہ جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کردیتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ تم اس کی اطاعت کرتے رہو۔ نماز، روزے کی پابندی رکھو تاکہ تم پر شیطان حاوی نہ ہو اور قرآن پاک پڑھو، سمجھ کر پڑھو گے تو اپنی زندگی اور آخرت آسان پاؤ گے اور ایک کامل مسلمان بن جاؤ گے۔" اس نے جواب دے کر سوالیہ نظروں سے کلاس کو دیکھا......
"کوئی اور سوال......" لیکن سب خاموش رہے تو اس نے الوداعی کلمات کہے اس کے بعد اپنے قدم واپسی کے لیے موڑے تھے کہ جینی کی آواز ریبال کی سماعت سے ٹکرائی۔
"ایکسکیوزمی......" وہ رک گیا لیکن مڑ کر نہیں دیکھا تو وہ خود ہی اس سے ذرا... فاصلے پر آکر کھڑی ہوگئی......ریبال اس کی حرکت محسوس کررہا تھا لیکن اپنی نظریں اس نے جھکا رکھی تھیں۔
"میں اتنی بری نہیں ہوں کہ آپ مجھے دیکھنا بھی پسند نہ کریں۔"
"اسلام میں پردہ صرف عورت پر ہی فرض نہیں، مرد پر بھی ہے کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھے......" جینی کچھ نہیں بولی خاموش ہو کر اس کی پُروقار شخصیت میں الجھ گئی......
"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ میں توبہ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ خود کو سنبھال کر بولی۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش شامل تھی۔
"لیکن اس سے پہلے میں جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارا رب کون ہے؟" وہ اسے دیکھنے لگا اور روزِ اول کی طرح وہ اب بھی اپنی ضد پر تھی۔
"اس کو جان کر کیا کروگی؟" ریبال ذرا سا مسکرایا......
"یہ میں بعد میں بتاؤں گی، پہلے تم بتاؤ اللہ کون ہے؟"
"اللہ (وہ ہے کہ اس کے) سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا (اللہ زندہ ہے) اس کے لیے زوال نہیں اور ہر زندہ رہنے والے کی زندگی اسی سے ہے......وہ قائم رہنے والا ہے اور ہر قائم رہنے والے کا قیام اسی سے ہے۔" (سورۂ آلِ عمران آیت نمبر 2) ریبال کچھ دیر خاموش رہ کر کہنے لگا۔
جینی کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا......وہ آس پاس سے بے پروا ہو کر ریبال کو دیکھے جارہی تھی۔
"میں کہیں بھی چلی جاؤں مجھے سکون نہیں ملتا......" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی، انداز کھویا ہوا اور نظریں ساکت تھیں۔ "مجھے سکون صرف تمہارے پاس ملتا ہے ایسا کیا ہے تمہارے پاس جو کہیں اور نہیں......؟" وہ صرف سوچ کر رہ گئی......

Downloaded From http://paksociety.com

ریبال خاموش کھڑا آتے جاتے اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہا تھا۔ خوب صورت موسم سبزہ زار میں کھلے ہوئے پھولوں کی دلکشی سے آراستہ تھا...... جینی کہہ رہی تھی۔

''میں تمہیں اپنے راستے پر چلانا چاہتی تھی مگر اب خود تمہارے ہی قدموں کے نشان پر چلتی ہوں...... میرے ماں، باپ کا قصور نہیں کہ میری تربیت اچھی نہیں ہوئی، ماں نے ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہا...... اور میں نے باپ کے ساتھ رہنا پسند کیا جبکہ میں اپنے باپ کی حرکات سے واقف تھی......'' اس نے کبھی مجھے محبت نہیں دی...... مجھ سے محبت نہیں کی...... پھر کیوں اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی، میں نہیں سمجھ پائی...... لیکن اب سمجھ گئی ہوں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کی بھٹکتی ہوئی نظر ریبال پر آکر ٹھہر گئی تھی...... وہ اس کی بات غور سے سن رہا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے۔

''میری ماں اگرچہ ہندو خاتون تھی۔ وہ اپنے دھرم کی پکی تھی جبکہ میرا باپ بے دین تھا اور مجھے اس کے ساتھ رہنا اس لیے پسند تھا کہ میں بھی بے دین تھی...... کسی مذہب کو نہیں مانتی تھی...... اس لیے ابھی تک بھٹک رہی ہوں...... مگر...... مگر اب منزل چاہتی ہوں...... میں تھک گئی ہوں بے نامی اور گمراہی کی راہ پر چلتے ہوئے تھک کر چور ہوگئی ہوں...... مجھے رسوا ہونے سے بچالو...... منزل پر پہنچادو...... پہنچاؤ گے ناں......؟'' وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔

''بس مجھے اپنے اللہ سے ملادو......'' اس نے ریبال کو امید سے دیکھا اور لجاجت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں اس اللہ سے ملنا چاہتی ہوں، پلیز، پلیز۔'' وہ دونوں ہاتھوں کو اس کے سامنے جوڑ کر کھڑی تھی...... اسے دنیا کی پروا نہیں تھی، اسے چین وقرار کی تلاش تھی...... راندۂ درگاہ تھی کیا وہ......

ریبال کو خوشی کے ساتھ اطمینان ہوا...... اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی تمام اسلامی کتابیں جینی کی طرف بڑھادیں۔

''پہلے تم اسلام کو سمجھو...... پڑھو، سرچ کرو، اس کے بعد اس کو اپناؤ گی تو تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

جینی نے بھکارن کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے کتابوں کو اس طرح تھاما جیسے اس کے کشکول میں کتنے نایاب سکے ہیں...... اس کی قیمت صرف جینی جان سکتی تھی...... اس نے پھر عقیدت سے ریبال کو دیکھا اور ایک پجاری کی طرح اسے تکنے لگی۔

''میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا......'' ریبال اپنائیت سے کہتا ہوا اس کے عقب سے نکل گیا...... اور وہ وہاں ہی کب تک کھڑی رہی...... لائبریری کے داخلی دروازے سے داخل ہونے والے آخری فرد نے اس کا سراپا حیرت سے دیکھا اور بڑبڑایا......

''یہ زندہ مجسمہ ہے یا پکاسو کی خوب صورت تخلیق......''

☆☆☆

زندگی سوتے جاگتے خواب دکھاتی ہے، لاشعور سے شعور تک کا سفر وہ سلسلہ ہے جہاں زمان و مکان، صدیوں کے فاصلے، ملکوں کے فاصلے ختم ہوجاتے ہیں اور مجسم وجود بند آنکھوں کے ساتھ دستک دیتا ہے...... اپنا احساس دلاتا ہے۔

''یہ تم ہو؟'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

''ہاں میں ہوں......'' وہ خوب صورت آنکھیں اسے یقین دلا رہی تھیں۔

''یہاں اتنی دور، کیسے؟ تم کیسے آسکتی ہو۔''

''کیوں، تم ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھو...... محسوس کرو...... دیکھو...... جھانکو...... میں تو تمہارے قریب ہوں...... پھر دوری کا کیا سوال......'' محبت امتحان بن گئی تھی۔

''اچھا......'' اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا...... تو اس کی مخروطی انگلیاں اس کے قریب آگئیں...... اس کے بالوں کو چھوتے ہوئے جیسے کہیں غائب ہوگئیں......

''سنو...... کہاں ہو تم...... تشمیرہ پلیز اپنا، ہاتھ تو

Downloaded From http://paksociety.com

دکھاؤ۔ اچھا لگا میرے بالوں میں تمہاری انگلیوں کا لمس...... تشمیرہ، تشمیرہ......'' یک دم ریبال کی آنکھیں کھل گئیں...... وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا، نیلے رنگ کے نائٹ بلب کی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

''وہ کیسے یہاں آسکتی ہے؟ مگر وہ یہاں تھی۔'' اس نے خود کو یقین دلایا...... پھر بالوں پر ہاتھ پھیرا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے بالوں کو اس کی انگلیوں نے چھوا ہے۔ ''اُف، یہ کیسی رفاقت ہے جو میرے ساتھ کو مضبوط کررہی ہے، تشمیرہ اگر تم ہی میری قسمت ہو تو کوئی رکاوٹ نہیں۔'' اس نے خوش دلی سے سوچا...... اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

دو ہفتے گزر گئے تھے۔

فاطر اب پہلے سے بہت بہتر ہونے لگا تھا۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ ہر بار موت کے منہ سے نکل آتا تھا۔ فاطر کے دماغ پر روزی سوار تھی۔ روزی کا وار بہت گہرا تھا مگر جس طرح اس نے بے بس کرکے اسے پھنکوایا تھا......

''روزی میں یہ بدلہ ضرور لوں گا...... خوب صورت ناگن، میں تمہارے پھن کو پہچان نہ پایا۔ تم نے مجھے میرے باپ کی نظروں میں گرادیا...... اب میں اپنی جوانی کو زنگ بیمار کرکے نہیں لگانا چاہتا...... ہر خوب صورت چیز کا حصول میرا حق ہے...... دیکھو تمہیں حاصل کرلیا ناں اور تمہارا راز بھی میرے پاس ہے...... اور تمہارے شباب کا حسن بھی چکھ لیا......'' وہ روزی کی تصویر کو خیال کی دنیا میں بٹھا کر اسے اذیت دے رہا تھا۔ ''اور اب میں تشمیرہ سے شادی کرکے رہوں گا...... یہ سب میرے آگے کچھ نہیں بیچتے......'' وہ حقارت سے سوچتا ہوا اٹھنے کی کوشش میں پھر بستر پر گر گیا...... اسے خبر ہی نہیں تھی کہ روزی کے آدمی آس پاس اس کی نگرانی پہ مامور ہیں...... اس کے ذہن کو مفلوج کرنے کے لیے ایک اور پڑیا اور انجیکشن......

☆☆☆

''گل خان......'' روزی نے اپنے خاص آدمی کو مخاطب کیا۔

''اس کی نگرانی کو اپنا مشن بنالینا...... کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ بھی بلا کی شاطر تھی۔

''ام غیرت دار لوگ ہیں بی بی، مرجائے گا غداری نہیں کرے گا...... ام......'' وہ اپنا مخصوص جملہ بولتا سرخ و سفید چہرے کے ساتھ گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے نکل گیا۔

اور روزی آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگی۔

''وانیہ کو رحیم یار خان والی حویلی سے نکالنا ہے...... ہر صورت میں...... تم سوچتے رہ جاؤ گے زوار شاہ اور روزی اب وانیہ کو تمہاری بیٹھ پیچھے وار کرکے نکال لے گی......'' اور پھر دونوں انگلیوں سے وکٹری کا نشان بناتی وہ قاتل انداز میں مسکرادی۔

☆☆☆

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہوکار بنے
ہے کوئی جو دیون ہار بنے
کچھ سال، مہینے، دن لوگو
پر سود بیاج کے بن لوگو
ہاں اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں عمر کے توشہ خانے سے
کیا کوئی بھی ساہوکار نہیں
کیا کوئی بھی دیون ہار نہیں

اعزاز شاہ زندگی کی طرف واپس کیا لوٹے زوار شاہ نے نوٹوں کی تھیلیوں کے منہ کھول دیے۔ یتیم خانوں، فٹ پاتھوں پر بیٹھے بھکاریوں کو کھانوں کی تھیلیاں پہنچائیں تو اُن کے چہرے پر رونق لوٹ آئی۔

''بولو میرے بیٹے تمہیں کیا چاہیے، تمہارا باپ تمہارے لیے ڈھیر لگادے گا۔'' وہ اعزاز شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''مجھے میرے گزرے بیس سال چاہئیں

Downloaded From http://paksociety.com

بابا......'' وہ بے اختیار کہہ گئے۔

زوار شاہ کا ہاتھ ان کے سر سے ہوتا ہوا شانے پر رک گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ سناٹے میں آگئے۔

''یونہی بابا بس آپ کی بات پر کہہ دیا۔ آپ مجھے میرا پہلا تحفہ دے دیں۔'' اعزاز شاہ نے انہیں دیکھا اور کہا۔

''وہ کیا؟'' وہ پھر پریشان ہوئے، ایک اور امتحان تھا ان کے لیے۔

''میری اور آپ کی تصویر...... جو آپ نے اپنی بک شیلف میں رکھی ہے۔''

''اوہ......'' وہ مسکرا دیے ان کی معصومیت پر...... دونوں باپ، بیٹے بیس سال پہلے ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے کھڑے تھے۔

''او کے بیٹے، آج ہی منگواتا ہوں۔'' وہ یہ کہتے ہوئے ردا بیگم کو فون کرنے لگے۔

''ایک خواہش اور بھی ہے بابا......'' وہ کچھ سوچ کر کہتے کہتے رکے...ان کے ذہن میں چھما کا ہوا۔

''ریبال کی امی کو تو کچھ پتا نہیں ہے، پتا نہیں کیا حال ہیں ان کے...... کسی مسئلے میں نہ ہوں......'' اعزاز شاہ نے ایک دم سوچا۔

زوار شاہ موبائل فون پر بات کرتے ہوئے باہر نکل گئے...... تو وہ اس مہربان ہستی سے ملنے کو بے قرار ہو گئے۔

''ڈاکٹر مجھے جانے نہیں دیں گے۔ اگر وہ آجائیں تو......؟ ہاں وہ یقیناً آجائیں گی، وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔'' وہ زعم سے کہتے ہوئے اپنا موبائل تلاش کرنے لگے۔

☆☆☆

''رات کا سفر چاند کے ہمراہ کتنا خوب صورت لگتا ہے...... محسوس ہی نہیں ہوتا کہ رات گزر رہی ہے...... چاند محوِ سفر ہے، تارے اپنی خوب صورتیاں دکھلا رہے ہیں۔''

تشمیرہ بانو کا قلم ڈائری کے صفحات کو لفظوں کے موتیوں سے سجا رہا تھا۔

بے نشاں قدموں کی کہکشاں پکڑتے ہیں
ہم بھی کیا دیوانے ہیں آسماں پکڑتے ہیں
کوئی دل کو بھیجے ہے روشنی کی تحریریں
روزنوں میں کرنوں کی ڈوریاں پکڑتے ہیں
ذہن کس کے پیکر میں ڈوب، ڈوب جاتا ہے
کھیلتے ہوئے بچے جب دھواں پکڑتے ہیں
اب کہاں اچھلتے ہیں دیکھ کر جہازوں کو
لیکن آج بھی بچے تتلیاں پکڑتے ہیں

''میں بھی تو آج تک پھول نگری سے تتلیاں، جگنو پکڑتی ہوں...... جیسے مجھ سے ریبال کہتا ہو۔

''جتنے جگنو، جتنی تتلیاں چاہیں پکڑلیں، سب کچھ آپ کے لیے ہے۔''

مگر وہ رک گئی......'' پھر میرا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کون کرتا ہے؟ ایسا ہوتا ہے میرے ساتھ میں ڈر جاتی ہوں...... یا خود ہی پیچھے ہو جاتی ہوں۔ تائی کیا کہیں گی......تایا جی ناراض ہو جائیں اور تمہارا دل تشمیرہ......وہ تو تم سے بہت ناراض ہے۔ پھر میں کیا کروں......؟ میں اپنا دل کسی کو دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی کیونکہ مجھے اپنی زندگی کو ایک مقصد کے تحت گزارنا ہے اور اب بھی اس کوشش میں سرگرداں ہوں...... میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ میڈیا میں انٹرن شپ کررہی ہوں تاکہ میں اس فیلڈ میں اپنا نام اور اپنی شخصیت بنا سکوں...... مگر......تم......'' تشمیرہ کا قلم ڈائری لکھتے ہوئے ایک لمحے کو رکا پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری اور دل کی بے ترتیب دھڑکنوں میں ریبال کا نام گردش کرنے لگا۔

''ہاں تم سے کیا پردہ......'' وہ کچھ سوچ کر پھر سے لکھنے لگی......'' تم ہی تو ہو میری راز دار، میری غم گسار، میری سہیلی ،میری ڈائری...... مگر اب میرے دل کو تقسیم کرنے کے لیے فاطر میرے ساتھ کا خواہش مند ہے۔ مجھے حاصل کرنے کے لیے وہ کیا

Downloaded From http://paksociety.com

کچھ نہیں کر رہا...... ڈرگس بھی لینے لگا ہے، کیا اس سب کی وجہ بھی میں ہی ہوں......؟'' اس کا قلم سوالیہ نشان چھوڑ کر پھر اس کی انگلیوں کو تک رہا تھا کہ کب الفاظ کا رنگ ڈائری میں بھرے۔

تائی جی کی کٹیلی، ہتک آمیز باتیں اس کے وجود کو لرزا دیتیں...... اس کا اعتماد مجروح کرتے ہوئے بھول جاتیں کہ اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی...... ابھی تک تو زندگی تائی جی کی تلخ باتوں کے ساتھ بہت سیدھی چل رہی تھی...... مگر یہ موڑ جس میں فاطر کی ضد نے بظاہر محبت کے بیج کو اس کے دل میں پھینک کر اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ وہ اسی سے شادی کرے گا۔

لیکن تائی جی کی حرکات اسے سمجھ میں نہیں آتی تھیں...... وہ جو کبھی ثمیرہ کو ماننے کو تیار نہیں ہوتی تھیں پر اب مان گئی تھیں۔ اور تایا جی جب سے وہ فاطر کو دیکھنے اسپتال گئے تھے اس کے بعد سے وہ بجھے، بجھے اور خاموش ہوگئے تھے۔ اس کا قلم پھر رواں تھا۔ ''حرف تنہا، تنہا ہوتے ہیں جب ان کا ملاپ ہوتا ہے تو یہ الفاظ بنتے ہیں...... الفاظ جملوں کو جنم دیتے ہیں...... اور پھر کہانیاں، افسانے، نظمیں، شاعری تخلیق پاتی ہیں۔ میرا دل بھی ہر لمحے مجھ سے سرگوشی کرتا ہے کوئی ہے جو میرے شعور میں لاشعوری طور پر گھر کر گیا تھا۔

سنو ریبال......

سورج کی نارنجی کرنیں جب زمین کو الوداعی بوسہ دیتی ہیں۔

سمندر کی موجیں محو رقص ہو کر ٹھہر جاتی ہیں۔

آسمان کا غرور سورج اس شام ڈھلتے ہوئے اپنی آب و تاب سے ساحل پر کھڑے لوگوں کا دل اپنی مٹھی میں لے لیتا ہے۔

اس خوب صورت منظر کی قسم

ثمیرہ کی محبت کبھی نہیں ڈھلے گی...... محبت کا کوئی سورج نہیں ہوتا۔

محبت چاند بن کر ہمیشہ سمندروں کے سینے پر ہواؤں کے ساتھ محو پرواز رہتی ہے۔

سنو ہمارے درمیان دل کی دھڑکن کا رشتہ ہے۔

بس الفاظ گونگے ہیں۔

یہ الفاظ جب معانی سے آراستہ ہوں گے تو ہم تم سامنے ہوں گے۔''

وہ اپنی سوچوں کے ساتھ پرواز کرتی ریبال کے قریب آ گئی تھی...... یہ وہ محبت کی طاقت تھی جو ریبال کو اس سے جوڑے ہوئے تھی...... اس میں فاطر کی وقتی آمد کوئی دراڑ نہیں ڈال سکتی تھی۔

☆☆☆

''میں ماں، ریبال کی ہوں...... اس کے لیے پریشان رہتی ہوں مگر اعزاز شاہ سے مل کر لگتا ہے جیسے میرا ریبال میرے سامنے ہو۔'' مہر النسا بیگم، اعزاز شاہ کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ ''کافی دنوں سے اس کی کوئی خیر خبر نہیں ہے، خدا کرے خیریت سے ہو۔''

''میری پریشانیوں کو کیسے سمیٹ لیا ہے اس نے...... اتنا تو سگے بھی نہیں کرتے۔ سگے......؟ ہاں سگی تو میری بہن بھی تھی ایک ہی ماں سے جنم لینے والی مگر سانپ کی پھنکار ہے اس کے وجود میں...... خیر اللہ اسے ہدایت دے۔'' وہ اکثر بہن کے بارے میں سوچتیں۔

''میں اعزاز کے بارے میں کس سے معلوم کروں؟ بہت اچھا انسان ہے، اللہ اسے خیریت سے رکھے۔'' وہ ریبال کے فون کا انتظار کر رہی تھیں تاکہ اسے بتا کر اس سے رابطے کا کوئی نمبر مل جائے۔

مگر اللہ کی ذات رابطے کرنے کا وسیلہ ہے......

ان کی سوچوں کو زبان مل گئی...... دروازے کی بیل دو دفعہ بہت تیزی سے بجی...... مہر النسا تیز قدموں کے ساتھ دروازہ کھول کر سامنے کھڑے باوردی پولیس آفیسر کو دیکھ کر حیران ہوگئیں۔

''السلام علیکم...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ماں جی......'' وہ جوان مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''مجھے اعزاز نے بھیجا ہے آپ کو لینے کے لیے...... وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

Downloaded From http://paksociety.com

''کہاں......؟'' مہر النسا بیگم اب پریشان ہوگئیں۔

''اسپتال میں......''

''ہائے اللہ خیر، کیا ہوا میرے بیٹے کو......'' وہ تڑپ کر بولیں۔ ''چلو ابھی چلتے ہیں۔''

پولیس افسران کے انداز کو نہ سمجھتے ہوئے اس تعلق پر حیران ہونے لگا۔

''چلو بیٹا بعد میں سوچتے رہنا۔ بس چلو......''

انہوں نے چادر سنبھالی جلدی، جلدی دروازے میں تالا لگایا اور اس کے ساتھ باہر آگئیں۔

اس نے باہر کھڑی ویگن کا دروازہ احترام سے کھولا...... مہر النسا بیگم کو اپنے پروٹوکول سے زیادہ اعزاز کو دیکھنے کی پریشانی تھی۔

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی اسپتال کا سفر طے کرنے لگی...... اطراف کا ٹریفک پولیس کی ڈریگن کو راستہ دیتے ہوئے آہستہ، آہستہ دائیں سے بائیں ہوتا گیا۔

☆☆☆

انتقام کی آگ بجھانے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا...... اس کے لیے بدلے کی آگ کا روشن ہونا ضروری ہے اور انتقام کی روشنی اس کے خون میں شامل تھی......

اسے فاطر کا زندگی کی طرف لوٹنا پسند نہیں آیا......

وہ چاہتی تھی وہ زندہ رہ کر موت کو محسوس کرے...... یہی سوچ کر روزی اسپتال آئی تھی۔ مگر ہر طرف سے آتی دوا کی غیر معمولی بو اس کی سانسوں میں بس چکی تھی۔ وہ اس وقت جینز اور ٹاپ میں ملبوس تھی...... اسے دیکھ کر میڈیا کلاس کا گمان ہوتا تھا اس کا confidence level بے حد ہائی تھا۔ وہ بہت محتاط انداز سے چلتی ہوئی فاطر کے روم میں آگئی مگر دروازے میں ہی رک گئی، وہ بیڈ پر مست سو رہا تھا یا دوا کے زیرِ اثر تھا...... نرس اس کے قریب کھڑی اس کی ڈرپ میں سرنج ڈال رہی تھی، وہ اسی شش و پنج میں تھی

کہ ڈیوٹی ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ روزی پہ نظر پڑی تو چونک گیا۔

''جی......؟'' ڈاکٹر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اصل میں میرا تعلق میڈیا سے ہے اور ہم مختلف بیماریوں پر ریسرچ کررہے ہیں اسی سلسلے میں یہاں آئی ہوں...... یہ میرا کارڈ ہے۔'' وہ بغیر جھجکے بولنا شروع ہوگئی۔

وہ بیگ سے کارڈ نکال کر ڈاکٹر کو دیتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

''ہم چاہتے ہیں ایسے مریضوں کے بارے میں...... تحقیقاتی رپورٹ تیار کریں۔ تاکہ لوگوں کو آگہی دے سکیں...... ویسے انہیں کیا بیماری ہے؟'' وہ اپنی گفتگو کے تیر کو نشانہ پر بٹھا چکی تھی۔

''اس نے بہت خطرناک ڈرگس لی ہیں۔'' وہ ڈاکٹر اس قاتل حسینہ سے بے حد متاثر ہو کر کہنے لگا...... ''مس آپ......؟''

''سنینا......'' اس نے فوراً اپنا نام بتاتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا...... ڈاکٹر نے گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا اور کہا......

''آپ میرے روم میں تشریف لے چلیں، میں وہیں آتا ہوں...... یہ دوسرے فلور پر میرا روم ...... ڈاکٹر احسن کمال......''

''اوہ شیور......'' کہتی ہوئی وہ بظاہر وہاں سے نکلی...... شاید اندر کہیں یہ بھی خواہش تھی کہ اپنے شکار کو ایک دفعہ ضرور دیکھ لے۔ سامنے سے آتے اپنے خاص آدمی کو دیکھ کر اور دواؤں کی وحشت ناک بو سے بیزار ہو کر وہ اسپتال سے باہر آگئی تھی۔ پارکنگ ایریا سے گاڑی نکال کر اپنا دوسرا معاملہ طے کرنے لگی......

اب ذہن کوئی اور گتھی سلجھا رہا تھا۔ تب ہی موبائل فون کی گھنٹی بجی...... اسکرین پر زاور شاہ کا نام تھا۔

''ہیلو...... مس تانیہ کیسی طبیعت ہے...... اب آپ کی......؟'' لہجے میں اپنائیت کے ساتھ جلد بازی نمایاں تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میں اب بہتر ہوں...... جی حکم؟''

''صبح سیٹھ دانہ والے کے ساتھ ایک بہت اہم میٹنگ ہے، میں تو نہیں آسکوں گا پلیز آپ دیکھ لیں۔''

''اوکے سر......'' وہ اتنا ہی کہہ سکی جبکہ دوسری طرف سے فوراً لائن کاٹ دی گئی تھی۔

☆☆☆

تایا جی نے ایک بار پھر اس سے بات کرنے کا سوچا...... رات کے کھانے کے بعد اسٹڈی روم میں جانے سے پہلے اسے چائے لے کر وہاں آنے کو کہا...... وہ اپنے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دے چکے تھے۔ اسپتال میں فاطر کا ضدی انداز کہ وہ ہر صورت تشمیرہ سے شادی کرے گا...... وہ اپنے آپ کو یہ بھی سمجھاتے کہ فاطر کے اندر اتنی برائیاں ہیں...... اگر تشمیرہ جیسی پاکیزہ اور نیک لڑکی اسے مل جائے تو شاید وہ راہِ راست پر آجائے...... مگر پھر ان کا دل کہتا یہ وہ نہیں ہے جو وہ کہتا ہے...... ''کہیں ان کی بھتیجی کی زندگی برباد نہ ہوجائے...... وہ تو آگے پڑھنا چاہتی ہے...... اپنا مستقبل بنانا چاہتی ہے، فاطر اس کا مستقبل کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر فاطر کی بات نہ مانی اور اسے کچھ ہوگیا تو لوگ مجھے ہی ذمے دار ٹھہرائیں گے۔ اور اگر تشمیرہ خوش نہ رہی تو؟ اُف میرے خدا میں کیا کروں...... یہ کیسی ذمے داری ہے مجھ پر...... حشر میں کیا جواب دوں گا؟'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''کیا ہوا تایا جی......'' تشمیرہ ان کے سامنے بیٹھی ان کی پریشانی دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ وہ نہ جانے کب سے بیٹھی...... ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''تم ذہین لڑکی ہو، اس لیے مجھے زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں مختصر بات کروں گا تاکہ ہم دونوں کا وقت بچے......'' انہوں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

''میں کچھ عرصہ پہلے فاطر سے تمہاری شادی پر راضی ہوگیا تھا۔ مگر اسپتال میں جو اس کی کیفیت، اس کا مزاج دیکھا تو میرے فیصلے کی ڈور کمزور ہورہی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری پرورش میں نے کی ہے...... مگر......'' وہ خاموش ہوگئے۔

تشمیرہ نے ان کی جزبز ہوتی کیفیت کا بغور جائزہ لیا۔

''تایا جی...... جب قدرت نے میری پرورش آپ کے اختیار میں دی ہے تو اس فیصلے کا اختیار بھی آپ کے ہاتھ میں ہے...... آپ فاطر تو کیا کسی سے بھی میری شادی کرسکتے ہیں...... مگر کوئی بھی اپنا عیب آپ پر ظاہر نہیں کرے گا...... بہت سے لوگ جھوٹ کا نقاب اپنے چہرے پر سجا کر ملیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتی نکل گئی...... وہ ان کو اطمینان دے کر پھر بے چین کرکے جا چکی تھی۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا...... وہ جانتے بوجھتے فاطر سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ کوئی دباؤ ہے اس کے اوپر یا مجھے اختیار دے کر فیصلے کو آزمانا چاہتی ہے؟'' وہ شدید الجھن کا شکار ہوئے۔

''یا معبود رحم فرما...... میں بہت کمزور ہوں...... کوئی ایسا راستہ دکھا میری بچی کو ہمیشہ سچی خوشیاں ملیں۔'' وہ روتے رہے۔ بہت خاموشی کے ساتھ...... قسمت اپنا کھیل کھیلنے کو تیار تھی۔

☆☆☆

مہرالنسا بیگم بڑی سی چادر میں خود کو چھپائے اسی پولیس انسپکٹر کے ساتھ قدم ملاتی کاریڈور سے گزر رہی تھیں مگر اسپتال کے خوب صورت لان کے بیچوں بیچ خوب صورت فوارے لگے ہوئے تھے۔ جدید طرز کے گملے کنارے، کنارے سجے ہوئے تھے۔ یہ اپنی طرز کا سب سے خوب صورت پرائیویٹ اسپتال تھا۔ یہاں غریب لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔ شہر کے امرا بڑی سے چھوٹی بیماریوں تک کے لیے یہاں ہی قیام کرتے۔ تب ہی چلتے، چلتے ایک دراز قد، سرمئی بالوں کے ساتھ موبائل اپنے

Downloaded From http://paksociety.com

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جلدی بیماریوں کا موثر اور بے ضرر علاج

پھلبہری
قابلِ علاج مرض ہے

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

ملٹی ایوارڈ ہولڈر
اجمل زیدی
ماہر برص
کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

ASIAN EXCELLENCE
PERFORMANCE AWARD

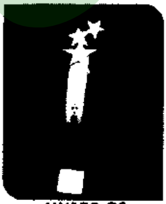

AWARD OF
BEST ACHIEVEMENT

AWARD
PILLAR OF LEUCODERMA

اسلام آباد

9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری

مستقل پتہ

مکان نمبر 62، اسٹریٹ نمبر 20، سیکٹر G-8/1
سری چوک (قطبی چوک)، اسلام آباد
فون (051) 2854595 - 2255880
موبائل 0300-8566188
فیکس 2261636

لاہور

14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون
14-اکتوبر تا 27-اکتوبر

قیام

گلف سینٹر
آفس نمبر 16
فیروز پور روڈ مزنگ چونگی
نزد سٹی میڈیا (ٹریڈ) لاہور
موبائل: 0300-8566188

پشاور

یکم فروری تا 11 فروری
یکم جون تا 11 جون
یکم اکتوبر تا 11-اکتوبر

قیام

ہوٹل امین
جی ٹی روڈ نزد ہشتنگری چوک پشاور شہر
فون: (0521) 2218215-9
موبائل: 0300-8566188

ملتان

28 مارچ تا 6-اپریل
28 جولائی تا 6-اگست
28 نومبر تا 7 دسمبر

قیام

ہوٹل سلور سینڈ
ریلوے روڈ نزد چوک ... ہوٹل ملتان
فون (061) 4518061-62
4582803 (0300-8566188)

کراچی

13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی
13-نومبر تا 27 نومبر

قیام

فورچون سینٹر
آفس 706، 7 فلور شاہراہ فیصل
نرسری اسٹاپ بالمقابل K.F.C کراچی
فون: 021-7012068-9
موبائل: 0300-8566188

E-mail: syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.co.uk

Downloaded From http://paksociety.com

کانوں سے لگائے ایک آدمی ان کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ مخصوص شناسا سا لہجہ تھا۔ ایک طرف بے نیازی اور دوسری طرف شناسائی کا سفر لمحوں میں طے ہوگیا۔ وہ اپنی سماعت سے ٹکراتی اس آواز کو بھلا کیسے بھولتیں، ان کے قدم جیسے جم گئے۔

''تم کیوں رک گئیں مہر النسا ...... وہ تو تمہیں چھوڑ کر جا چکا......'' اندر سے لپکتی اس آواز کے خلاف انہوں نے مڑ کر ایک لمحے کو دیکھا... وہی تھا، فون پر مسلسل گفتگو...... کتنے ماہ و سال گزر گئے...... ان کا دماغ بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ انہوں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تو اس کا بازو پکڑ لیا۔

''کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں......'' وہ ایک دم چونک کر ان کو تھامتے ہوئے بولا۔ مہر النسا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟'' وہ اپنے سوال پر پریشان ہونے لگیں۔

''مجھے احساس ہے آپ اعزاز کے لیے پریشان ہیں، آپ یقین کریں وہ بالکل ٹھیک ہے، آپ کو دیکھے گا تو اور بھی ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ انہیں لے کر اعزاز کے کمرے میں آگیا تھا۔

اعزاز آنکھیں موندے بستر پر دراز تھے۔

وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں کتنا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ اعزاز شاہ کے قریب آ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں...... تو ایک دم انہوں نے آنکھیں کھول دیں......

''آپ......'' وہ احترام میں اٹھنے لگے۔

''نہیں میرے بیٹے تم لیٹے رہو، اپنے آپ کو تکلیف مت دو......'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بہت نرم لہجے میں بولیں۔ مہر النسا کی شخصیت میں ممتا کی محبت کا وہ جذبہ تھا جو اُن کی شخصیت کے انگ، انگ سے چھلک رہا تھا...... انہیں ریبال کی قسمت پر رشک آیا......

''میری ماں......'' ردا بیگم کی مصنوعی شخصیت اس کے سامنے لہرائی۔

''کیا ہوا بیٹا...... کہاں کھو گئے......؟'' ان کا نرم لہجہ اُن کے دل کو گداز کر رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا ان کی گود میں سر رکھ کر اتنا روئیں کہ ساری پریشانیاں، سارے دکھ ان سے روٹھ جائیں...... پتا نہیں سچی خوشیاں کب ملیں گی۔ مہر النسا نے ان سے پیار سے کہا تو وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے۔

''امی آپ بہت اچھی ہیں...... میرا مطلب ہے آنٹی۔'' وہ یک دم بے ساختہ کہہ گئے۔

''ارے بیٹا میں تمہاری بھی ماں ہوں......'' وہ اس کی گیلی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں......

''تم اپنی ماں سے بہت کچھ کہہ سکتے ہو۔'' وہ اسے دیر تک سمجھاتی رہیں اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے۔

انہیں اب کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں تھی......

اچانک مہر النسا کی نظریں سائڈ ٹیبل پر رکھی ایک مردانہ انگوٹھی پر پڑیں وہ پھر ساکت ہو گئیں...... ان کی نظریں اس... پر ٹکی رہ گئیں۔

انگوٹھی میں جڑا وہ منفرد پتھر کیسے بھول سکتی تھیں...... مگر وہ آنسوؤں کو رگڑ کر یادوں کی دہلیز سے پھر خوب صورتی سے واپس پلٹ آئیں...... مگر انگوٹھی کا پتھر ان کے دل میں گڑ گیا تھا۔

☆☆☆

ہاتھوں میں تھمے کافی کے مگ سے دھواں نکل رہا تھا۔ اور سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں کرسی پر نیم دراز تھی۔ روزی نے اب تک بہت سے گیم کھیلے تھے مگر اب وہ خود ایک گیم کا شکار ہو گئی تھی۔ ایک معمولی سا ایکسیڈنٹ اس کی ذات کو حادثوں کی زد میں کر گیا تھا۔ کاش کے سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے مگر کچھ بھی تو ویسا نہیں ہو سکا تھا۔ انسان کتنا خود غرض ہے جب اس کے ساتھ برا ہوتا ہے تو اسے صرف اپنی ہی ذات نظر آتی ہے وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ اس نے کس کے ساتھ برا کیا......؟

Downloaded From http://paksociety.com

اسی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا......؟ اس وقت اسے صرف اپنا وجود نظر آتا ہے ہاں صرف اپنا آپ اور اس کے علاوہ کوئی یاد نہیں آتا...... یہی حال روزی کا تھا' وہ بھول گئی تھی کہ اس کی وجہ سے کتنے ہی لوگ ڈرگز کا شکار ہوئے اور پھر وانیہ کو گناہ کی طرف راغب کرنے میں اس کا ہی ہاتھ تھا۔ بجائے اس کا دکھ سن کر اسے سمجھاتی اسے دوسرے راستے پر ڈال دیا تھا اور وہ بھی صرف ایک شخص سے انتقام کی خاطر...... اس کی دشمنی صرف زوار شاہ سے تھی اور اس کے پیچھے سب سے اہم وجہ وہ خود تھی......

لیکن وہ وانیہ کے لیے بھی اب ضرور کچھ کرے گی...... وہ سوچ رہی تھی بھاپ اڑاتی کافی اپنی عمر پوری کر چکی تھی۔ ٹھنڈی کافی منہ سے لگاتے ہی اس نے برا سا منہ بنایا...... اور کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر وہ فون کے بٹن دبانے لگی۔

☆☆☆

موسم تبدیل ہو رہا تھا اور اس کی تبدیلی سرد ہوا کے ساتھ اس کے کمرے کی کھڑکی سے اندر آرہی تھی...... چاند اپنی تاریخیں مکمل کر کے اب آسمان سے غائب تھا۔ بس ایک دو کہیں ستارے چمک رہے تھے لیکن اسے ان سے غرض نہیں تھی۔

وہ کتنے عرصے بعد اپنی رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی سوچوں کا سرا تھامنے کی کوشش کر رہی تھی...... کوئی ایک سوچ نہیں تھی جس پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی...... اس کی نظریں بار، بار موبائل پر جاتیں جو بالکل ہی خاموش تھا...... کبھی اس موبائل کے اسپیکر سے ریبال کی آواز اس کے لیے جادو کا اثر کرتی...... وہ اس کا محبوب دوست تھا۔ اور اس کی محبوبیت اس کے اندر بسی ہوئی تھی...... مگر ایک لمحے کو وہ ریبال کے نام پر سر جھٹک کر رہ گئی......

''یہ فاطر کیوں میری زندگی میں آیا ہے۔''

شکر ہے وہ دھیمی آواز میں بولی تھی۔ ورنہ تائی اماں تو اسے دیوار میں چنوا دیتیں...... کچھ دیر یونہی ریبال کو تصور میں لانے کے بعد اس نے سائڈ ٹیبل سے کتابیں اٹھا کر کچھ دیکھنے کی کوشش کی، تب اسے ڈائری ملی تھی...... وہ اسے اٹھا کر دیکھنے لگی۔ کتنے عرصے بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ اس کی بہترین دوست رہی تھی اور اب وقت کے ساتھ وہ اس سے غافل ہو گئی تھی۔ اس نے تو یونہی صفحات پلٹے تو ریبال کا نام نظروں کے سامنے آ گیا۔

''محبت اور دوستی میں کچھ تو مشترک ہے۔'' اس نے بے اختیار سادہ صفحے پر لکھنا شروع کیا......

''دونوں محبتیں بے انتہا ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر رہنا مشکل کر دیتی ہیں...... لیکن تنہا بھی کر دیتی ہیں، اداسیاں، غم و خوشی مختلف رشتوں سے مل کر بنتے ہیں...... مگر وقت احساس دلاتا ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کے قابل بھی ہیں یا نہیں...... وہ میرا بہترین دوست ریبال...... جو اب میرے ساتھ نہیں۔ قلم نے وقت کی اڑان بھری اور اس نے اپنا سفر شروع کیا...... اور میں تشمیرہ کیا وہ چاہ سکتی ہوں جو میرے دل میں ہے۔''

اس کا قلم رک گیا...... اور سوچیں منتشر ہو گئیں کوئی آواز کوئی پکار نہیں صرف خاموشی کا راج تھا اور وہ کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔ بس سمجھ رہی تھی جو اس کے لیے فیصلہ ہو رہا ہے، وہ اس کی قسمت میں لکھا ہے اور بس یہی سب کچھ ہے۔

کیا یہ اس کے ساتھ صحیح ہو رہا ہے؟ فاطر اس کے لیے اپنی جان سے کھیل سکتا ہے۔ جب وہ فاطر کے بارے میں سوچتی تو دل اور ذہن حبس زدہ ہو جاتا۔ ہوتا ہے ناں کبھی ایسا آپ کہیں جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے ہوں اور اچانک بن بلائے مہمان آجائیں تو کوفت کے ساتھ ان کے جانے کی دعا کریں گے لیکن اگر وہ ڈھیٹ بن کر بیٹھ جائیں یا گلے پڑ جائیں تو صرف جھنجلاہٹ کا شکار ہوں گے...... آپ خود جہاں مہمان بن کر جا رہے تھے وہاں فون کر کے میزبان سے معذرت کر کے مجبوری ظاہر کر دیں گے اور اگر وہ آپ

Downloaded From http://paksociety.com

کی مجبوری نہ سمجھیں اور آپ کی بات کو جھوٹ یا نہ آنے کا بہانہ قرار دے دیں تو غصے وجھنجلاہٹ کے ساتھ آپ صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے لیکن الفاظ دم توڑتے محسوس ہوں گے، احساسات سے عاری......

یہی حال اس وقت اس کا بھی تھا، وہ اشکوں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ فاطر وہ بن بلایا مہمان تھا جو ہوا کے سرد جھونکے کی طرح تھا۔ جس نے اس کی زندگی کو برف کی طرح جما کر رکھ دیا تھا۔

اس نے پھر دکھ کی چادر لپیٹ کر موبائل کو دیکھا پھر اپنے ہاتھوں کو بے مقصد دیکھنے لگی۔

''شاید میرا مقدر فاطر ہو...... تایا جی کیا فیصلہ کریں گے؟''

''زندگی میں اگر کہیں مشکل آجائے تو بجائے پریشان ہونے کے اپنا راستہ تبدیل کرلینا اور یہ سوچ کر کہ تم جس راستے پر تھیں وہ تمہارے لیے نہیں تھا۔'' اسے اپنے آس پاس ریبال کی آواز سنائی دی تو اس نے آنکھیں بند کرلیں...... ریبال پھر دل پر دستک دے رہا تھا۔

رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہی تھی جب لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون کی آواز نے خاموشی کو چیر دیا...... مسلسل بجتی گھنٹی رات کے اس پہر خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

''کون ہوسکتا ہے اس وقت......؟'' وہ سہم کر صرف سوچ کر رہ گئی...... لاؤنج میں جانے کا مطلب تائی اماں کے سوالوں کو ہوا دینا تھا...... اچانک ٹیلی فون کی بیل خاموش ہوگئی ٹیلی فون شاید اٹھالیا گیا تھا۔

''جی یہی گھر ہے۔'' تایا جی کی آواز بلند تھی۔

''کیا کیسے، اوہ نو...... میں اس کے والد کو انفارم کرتا ہوں۔ مگر وہ تو صحیح ہو رہا تھا۔'' تایا جی کی گھبرائی ہوئی آواز تھی

''کیا ہوا؟'' تائی جی دہل کر بولیں۔

''کیا...... دوبارہ وہ کیسے پی سکتا ہے...... دوسرے اسپتال شفٹ کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ فاطر کی حالت بگڑ رہی ہے۔''

''ہائے نصیبوں جلی کھا گئی میرے بھتیجے کو؟'' تائی اماں نے کہا اور سینہ کوبی کرنے لگیں۔

''اب فاطر کو کیا ہوا ہے؟'' اس کا ذہن کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''اسپتال میں ڈرگس وہ کیسے لے سکتا ہے۔''

☆☆☆

''جی میم صاحب جیسا آپ نے بولا تھا ہم نے ویسا ہی کیا۔'' روزی کو اس کے وفادار ملازم نے یقین دلایا تھا۔

''اسی جگہ اس (گالی) کو پھینکا ہے۔ وہ کونے والا خالی کوٹھی کے برابر والا پلاٹ جہاں سب نے کچرا خانہ بنایا ہوا ہے۔'' خان نے روزی کو یقین دلاتے ہوئے جگہ بتائی۔

☆☆☆

''سنو...... زندگی اتنی رائگاں نہیں ہے میرے لیے کہ تم خود پر جبر کیے جاؤ اور ظلم کیے جاؤ......'' زوار شاہ کفِ افسوس ملتے ہوئے آنکھیں بند کیے اعزاز شاہ سے مخاطب تھے۔

''میرا اکڑیل جوان بیٹا ایک زمانہ جس پہ مرتا ہے، میری پہلی اولاد، میں نے بھی اپنی ضد میں آکر کیسے تمہارے لیے ایسا فیصلہ کرلیا...... ضروری تو نہیں ہے کہ ہر دفعہ میں ہی صحیح ہوں...... میرا ابھی ہاتھ ہے تمہاری زندگی سے کھیلنے میں...... لیکن میں تم سے پیار کرتا ہوں بیٹا...... تمہاری شادی میں نے کیوں کی اس کے ساتھ کہ اب تم بالکل ٹوٹ گئے......'' زوار شاہ بیٹے سے مخاطب تھے مگر تصویر کے ذریعے...... ''بیٹا تمہاری زندگی کو عذاب بنانے والوں کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔'' وہ اپنی نم آنکھیں رگڑتے ہوئے بولے۔

''معافی کے قابل تو تم بھی نہیں ہو......'' جیسے کوئی بہت قریب سے بولا اور پھر ماضی کی یاد کو تھپک کر سلا دیا۔ اور دستک جیسے مسکراتی ہوئی طنزیہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی خاموش .... ہوگئی کہ کبھی تو آواز دو گے وقت کو...... اور وہ وقت دور نہیں......

(باقی آئندہ)

www.paksociety.com

پٹھارا

سارا احمد

Downloaded From
Paksociety.com

صالحہ کا نام ہی اسے چڑانے کے لیے کافی تھا جو ماں نے اس کے ساتھ اس کا رشتہ پکا کر دیا تھا۔ صالحہ اس کی خالہ زاد تھی۔ دونوں کی ماؤں نے اندر خانے نہ جانے کیا کھچڑی پکائی کہ اسے دیکھتے ہی صالحہ بھی بھی کرتی ستون کی اوٹ میں ہوگئی اور وہ ہونقوں کی طرح بڑی آپا کا منہ تکنے لگا۔ اس سے بڑی دو بہنیں تھیں جنہیں وہ بڑی اور چھوٹی آپا کہہ کر بلاتا تھا۔ بہنوں کے جتھے نے لاڈلے ڈاکٹر بیٹے کے ساتھ یہ کیا ہاتھ کیا کہ اس کے جگری دوستوں کے منہ بھی کھلے کے کھلے رہ گئے۔

”سرسید احمد خان کے زمانے کی صالحہ بیگم دوسرا جنم لے کر میری زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہیں۔“

ارقم کی یہ بریکنگ نیوز پٹاخا بن کر پھوٹی۔ بم اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

لیے نہیں کہ بہر طور جو کچھ بھی تھا صالحہ بلا کی حسین تھی۔ شرمائی، لجائی میٹرک پاس صالحہ کو اس کے دوستوں نے چھوٹی آپا کی شادی پر دیکھا تھا۔

''یار بھابی چندے مہتاب تو ہے مگر ایک وٹرنیری ڈاکٹر کے ساتھ میٹرک پاس لڑکی......؟''

نافع نے ہمدردی کے یہ الفاظ اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ادا کرنے کے بعد ارقم کا شانہ تھپتھپایا جو سوکھی موسمی کی سی شکل بنائے اب حالات کے رحم و کرم پر تھا۔

''تمہارے گھر والوں نے کہیں تمہیں مرغا تو نہیں سمجھ لیا کہ تمہارے لیے ایک مرغی ڈھونڈ لی جو صرف کڑکڑ کرے اور انڈے دے۔''

''بکواس نہیں کرو یار۔''

سلیمان نے امجد کو ٹہوکا دیا مبادا ارقم کا دکھ مزید گمبھیر ہو جائے۔

ارقم کی خاموشی، رتجگے اور بھوک ہڑتال کو پسِ پشت ڈال کر گھر والوں نے جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ کیا۔ مہندی پر ڈھولک بھی کوٹی گئی۔ نئے پرانے گانے بھی گائے گئے۔ نازیہ حسن کا یہ گانا ''آپ جیسا کوئی میری زندگی میں آئے تو بات بن جائے۔'' جب لڑکیوں نے اپنے ہاتھ پیٹ، پیٹ کر گایا تو وہ ''اوں، اوں'' کرتا اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ بہنوں اور خاندان کی دوسری بڑی عورتوں نے رسم کے طور پر اس کا سر تیل لگا کر چیپڑ دیا تو اسے شولڈر کٹ اور بوٹے سے قد والی اریبہ یاد آ گئی۔ پُراعتماد، ذہین اور لائق فائق وہ اس کے ساتھ ایف ایس سی میں تھی۔ اس کے بعد اس کا داخلہ شاید بی۔ ڈی۔ ایس میں ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ زندگی میں شانہ بشانہ چلتی اریبہ جیسی لڑکی کے خواب دیکھے تھے۔

☆☆☆

اس کا ٹوٹا خواب مسہری میں گٹھری بنا بیٹھا تھا۔ ارادہ اس کی منہ دکھائی دے کر اپنا منہ دوسری طرف کر کے سونے کا تھا۔ رُخ سے پردہ ہٹا تو آنکھیں ایسی خیرہ ہوئیں کہ اندر ''اوں، اوں'' کی جگہ اب ''غوں، غاں'' ہونے لگی۔ صالحہ بھی ''چوں چاں'' کیے بنا اس کی بانہوں میں ڈھیر ہو گئی۔

صبح کی روشنی جب ان کے چہروں پر مسکرانے لگی تو دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا کر رہ گئے۔ صالحہ کے دل میں بھی ایک کسک سی تو تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی مرضی کے بغیر وہ ان کی زندگی میں شامل ہوئی ہے۔

مٹھی بند رہے یا کھلی اس کے اندر کی لکیروں کا لکھا وقت پڑھ کے سناتا رہتا ہے۔ خواہشوں کی زنجیریں وقت کو باندھ نہیں سکتیں۔ کوہِ قاف کے جن کی جان طوطے میں ہوتی ہے تو والدین کی اپنی اولاد میں۔ ارقم اور صالحہ جب پہلے بچے کے ماں باپ بنے تو ان کی جان اور ارمان سب ایک ہو گئے۔ ایک دوری کی ہلکی سی گرد کو ارقم نے باپ بننے کی خوشی میں ایک پھونک سے اُڑا دیا۔

گھر بھر میں اب اس کی جگہ وہی ننھا لاڈلا تھا۔

''آنکھیں تو بالکل دادا پر گئی ہیں......'' بڑی آپا ابا مرحوم کو بہانے، بہانے سے اسی طرح یاد کرتی تھیں۔

''ارے نہیں آپا آنکھیں اپنے رقو جیسی ہیں......''

چھوٹی آپا کی تردید پر وہ مسکرا دیا۔ بہنوں کے لیے میکے کا ہر رشتہ ہی اٹوٹ اور انمول ہوتا ہے۔

الجھی، الجھی سی زندگی میں سلجھی سی رفاقت نے زندگی سہل کر دی تھی۔ اسے تعلیم اور تربیت کے فرق نے شعوری طور پر مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب آ کر سمجھا تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی لازم و ملزوم ہے۔

صالحہ جیسی معمولی پڑھی لکھی لڑکی نے اس کے اپنے سارے رشتوں کو محبت اور برداشت کے دھاگوں سے کاڑھ کر اتنے خوب صورت پھولوں کی شکل دی تھی کہ اس کا آنگن ان کی خوشبو سے مہکتا تھا۔

صالحہ کی واجبی تعلیم کا اس کے گھریلو معاملات اور رکھ رکھاؤ پر سایہ بھی نہ تھا۔ سوشل میڈیا دوسروں کے لیے تفریح کا ذریعہ ہو تو ہو لیکن اس نے اس سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اس کے گھر آنے والوں کو ہمیشہ یہی پہلا تاثر ملتا تھا کہ ایک ڈاکٹر کا گھر ہے، اس لیے صفائی ستھرائی اور اتنا طریقہ سلیقہ ہے۔ اگر ارقم کو شکایت رہی تو صرف یہی کہ اس کے دوستوں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیویوں کے سامنے اعتماد سے اس سے کبھی بات نہ ہو سکی اور نہ ہی اس کے

Downloaded From http://paksociety.com

سکھائے گئے انکل نے چند جملے وہ ادا کرتی۔
کوئی ضروری نہیں راہ میں پتھر پڑے ہوں اور ٹھوکر لگے تو بندہ سنبھل کر چلنا سیکھے۔ حالات اور واقعات بھی ایسی چھڑی کا کام کرتے ہیں جو جب جہاں لگتی ہے تجربوں کے نشان چھوڑتی جاتی ہے اور نئے سبق پڑھاتی جاتی ہے۔ اب ارقم سمیت سبھی دوست بال بچے دار ہو گئے تھے۔ ارقم نے پرائیویٹ کلینک پر سرکاری اسپتال کی نوکری کو ترجیح دی تھی اور ہفتے میں تین دن اپنی خدمات ایک فارم ہاؤس کو دی تھیں جہاں سے اسے معقول معاوضہ مل جاتا تھا۔ زندگی سُبک خرامی سے رواں دواں تھی۔ صالحہ کو اپنی چادر سے باہر پاؤں پسارنے کی عادت نہیں تھی اور نہ ہی بیچارے شوہر کو اپنی بے جا فرمائشوں سے تنگ کرنے کی۔

ارقم اپنے دوستوں کو پرائیویٹ کلینکوں میں دن رات اپنی جان کھپاتے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتا کہ کم از کم اس کے پاس اپنے بچوں اور بوڑھی ماں کی خدمت کے لیے وقت تو ہے۔ صالحہ کی رفاقت کا اب وہ ایسا عادی ہو چلا تھا کہ جس ڈگر پر وہ بچوں کی تربیت کر رہی تھی اسے لگتا تھا اس سے بدکنے والا ارقم اب اس کا مرید ہو جائے گا۔ اب وہ اسے اعتماد دینا چاہتا تھا۔ ایسا اعتماد جس سے وہ اپنے سے زیادہ پڑھے لکھے لوگوں سے بات کرتے ہوئے گھبرائے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کو اپنی صلاحیتوں سے نکھار کر معاشرے میں ایک نمایاں مقام حاصل کر سکے۔ صالحہ فنِ مصوری سیکھنا چاہتی تھی۔ ارقم کو حیرت تو ہوئی لیکن پھر اس کے ہاتھ چوم کر بولا۔

”ہاں یہ ہاتھ واقعی ایک فنکار کے ہیں جس نے اس گھر کے ہر کونے میں دھنک رنگ بکھیرے ہیں۔“

کتنے ہی اسکیچ صالحہ نے بنا ڈالے۔ اس کا ہنر اور ارقم کا سراہنا اس کے کام میں لگن اور شوق بن کر نمایاں ہونے لگا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی شہرت کی بلندیوں کی طرف گامزن تھی بلکہ اس کی ذات کی تسکین نے اسے پُر اعتماد اور مطمئن بنا دیا۔

تیز بارش جیسے بند کھڑکیوں سے بھی اندر آ کر فرش گیلا کر دیتی ہے ایسے ہی خدا کی طرف سے کبھی چھوٹی بڑی

غزل

غم کا دریا دھوپ کی وادی میں شہزادی
تیرے طعنوں کی میں عادی میں شہزادی
میرے سپنے میری آنکھ میں راکھ ہوئے
سہہ لیتی ہوں سب بربادی میں شہزادی
گھر کے کونے میں ہم جا کر سوتے ہیں
میری امی، میری دادی، میں شہزادی
اِک دن میرے پاس پلٹ کے آئے گا وہ
دشتِ نگر میں، میں فریادی میں شہزادی
اس کے آگے میں کچھ بولوں راز بھی کھولوں
میری باتیں بے بنیادی میں شہزادی
میں تمثیلہ تیرے عشق میں سچ مچ پاگل
میں اس دور میں سیدھی سادی میں شہزادی

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

نظم

ہر سو گھات لگائے بیٹھے
دکھ ہی دکھ
ذکر کروں میں کس دکھ کا
مجھ کو اپنی جان سے پیارے
رشتوں کا دکھ
مجھ کو اپنی سکھیوں کا دکھ
مجھ کو اپنے سنسار کا دکھ

شاعرہ: رابعہ عمران چوہدری، رحیم یار خان

رشتے

کچھ رشتے استوار کرنے میں بے چارہ انسان کتنی جدو جہد کرتا ہے، کڑی سے کڑی ملا کر مالا تیار کرتا ہے۔ لیکن توڑنے والا، ایک پل میں سب کچھ توڑ دیتا ہے...... چاہے وہ دل ہو یا کوئی موتیوں کی مالا۔ وہ یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کرتا کہ یہ شخص کتنی مسافتوں کے بعد اس مقام تک پہنچا ہے اور اس نے اس عرصے میں کیا کچھ قربان کیا ہوگا۔

از: صدف نورین، لاہور کینٹ

Downloaded From http://paksociety.com

آزمائشیں انسانوں پر آجاتی ہیں۔ اس کا مطلب اپنے بندے سے محبت کا اظہار ہی ہوتا ہے اور وہ معمولی سے صبر پر اجر وثواب کے خزانے کھول دیتا ہے۔

ارقم اور صالحہ ماں کی جی جان سے خدمت میں لگے تھے لیکن فالج کے دوسرے اٹیک نے ماں کو مستقل بستر پر ڈال دیا۔ کچھ مہینے سالوں پر پھیل گئے۔ ماں اپنی معذوری اور لاچاری کی وجہ سے کبھی ایسا کڑوا بول دیتی کہ صالحہ کی آنکھوں کی نمی ارقم سے بھی نہ چھپی رہتی۔

صالحہ کی بے لوث خدمت اور قربانیوں نے ارقم کو اس کا مقروض بنا دیا۔ چھوٹی اور بڑی آپا بھی کب تک اپنے، اپنے گھروں کے کام کاج چھوڑ کر ماں کے سرہانے بیٹھی رہتیں اور اگر آ بھی جاتیں تو ان کے کام ہی بڑھاتیں اور بچوں کی پڑھائی الگ متاثر ہوتی۔ کئی بار جز وقتی آیا کا بندوبست بھی کیا لیکن ماں اس کے ہاتھ لگانے اور نہلانے پر اتنی چیخ و پکار کرتی کہ کوئی بھی عورت زیادہ پیسوں میں بھی نہ ٹکتی۔

''ابو کیا سب بچے بوڑھے ہو کر ایسے ہی لڑائی کرتے ہیں جیسے دادی امی؟'' سب سے چھوٹے بیٹے کے ایسے معصوم سوالوں پر وہ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہ جاتے۔ دس سال ہونے کو آئے تھے اور کتنے ہی سہانے پل آزمائش کی چھلنی میں سے صبر کے ساتھ گزرتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

ارقم نے فارم ہاؤس سے واپسی پر اپنی گاڑی ''سہارا'' کی عمارت کے سامنے کھڑی کر دی تھی۔ دوسری منزل کے نسبتاً صاف ستھرے ایک کمرے میں وہاں کا ایک خدمت گار اسے لے گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک مخصوص بدبو نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنے منہ پر رکھ لیا۔

''انہیں کب سے صاف نہیں کیا؟''

ارقم نے اوندھے منہ لیٹے بوڑھے کو دیکھتے ہی کہا۔

''ڈاکٹر صاحب ان بوڑھوں کا تو کام ہی غلاظت ڈالنا ہے بتا سکتے ہیں لیکن نہیں بتاتے، بڑی مشکل ہے جی...... بھی تو ان کی بہوا نہیں یہاں چھوڑ گئی ہے......''

چوڑے ہاتھ پیروالے خدمت گار نے بوڑھے کے ساتھ اکڑے ہوئے چھوٹے سے سفید کتے کو اٹھا کر دوسرے بستر پر ڈال دیا۔

''یہ لیں جی، یہ ہے آپ کا مریض۔''

''مریض مر چکا ہے۔''

ارقم نے کتے کو دیکھتے ہی کہا۔

''ڈاکٹر صاحب ابھی جب میں نیچے گیا تو زندہ تھا بس نڈھال تھا، دو دن سے کم کھا رہا تھا۔''

ارقم نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا وہ تو فارم ہاؤس کے مالک کی خصوصی درخواست پر یہاں تک چلا آیا تھا۔

''میرا بیٹا مر گیا......''

بوڑھے نے کروٹ لی اور اپنے مرے کتے کو دیکھ کر واویلا شروع کر دیا۔

''میں جی ان کی بہو کو فون کر کے آتا ہوں، بیٹا تو کبھی آیا ہی نہیں۔'' وہ فون کرنے چلا گیا۔

''وہ میرا بیٹا نہیں، وہ کتا ہے، یہ میرا بیٹا ہے......'' اس نے کتے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''جی ابھی آپ کی بہو آ رہی ہے۔'' خدمت گار آیا اور اتنا کہہ کر باہر چلا گیا۔

بوڑھا جو اسے خاصا پڑھا لکھا لگا تھا اگر اس کے بس میں ہوتا تو شاید مرے ہوئے کتے کے گلے لگ کر دہاڑیں مار، مار کر روتا۔

ارقم اس سارے منظر کو اپنی یادداشت سے پرے دھکیل کر باہر نکل آیا۔ نیچے اترتے ہوئے سیڑھیوں پر اسے اسی خدمت گار کے ساتھ شولڈر کٹ اور بوٹے سے قد کی فربہی مائل خاتون بکتی جھکتی ملی۔ وہ نظریں اور پہلو بچا کر نیچے اترتا چلا گیا۔ چہرہ بھی مانوس تھا اور آواز بھی۔

''ہاں اریبہ۔'' وہ بڑبڑایا۔

اپنی گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے عمارت کی پیشانی پر لکھا ''سہارا'' غور سے دیکھا اور سوچا اگر یہ عمارتیں ''سہارا'' ہیں تو بیٹے کیا ہیں ''کتے ـــ؟''

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

ناولٹ

محبتوں کا قرض

پروین عذرا تشنہ

انہیں شاید اونگھ آگئی تھی کہ ڈاکٹر گوہر کے قدموں کی چاپ سن کر سیدھے بیٹھنے کی کوشش میں منہ سے کراہ نکل گئی...... بہت دیر سے ایک پہلو پر بیٹھے، بیٹھے اُن کا جسم شل ہوگیا تھا۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے شہاب صاحب؟'' ڈاکٹر ان کی خیریت پوچھتے ہوئے بے حس وجود کے معائنے میں مصروف ہوگئے جو دو دن سے ایک ہی حالت میں تھا۔ وہ امید و ناامیدی کی کیفیت میں ڈاکٹر کی طرف

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

دیکھتے رہے، رابعہ بیگم نے بھی جلدی سے سر اٹھایا اور اٹھ کر ڈاکٹر کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔ ان کی متورم آنکھوں میں بہت سے سوال تھے لیکن لب خاموش تھے۔

''آپ اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھیں...... کچھ وقت تو لگے گا، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' ڈاکٹر دونوں سے مخاطب تھے جوانہی کی طرف نظریں لگائے تھے۔

''لیکن ڈاکٹر...... یہ بے ہوشی......؟'' رابعہ بیگم سسکیوں کے درمیان صرف اتنا ہی کہہ سکیں۔

''یہ بے ہوشی تو دواؤں کے زیر اثر ہے، آپ کو معلوم تو ہے کہ ہوش میں آتے ہی چیخنا شروع کر دیتی ہیں، ابھی کچھ دن اسی طرح رکھا جائے گا، اللہ سے بہتری کی امید رکھیں اور دعا کرتی رہیں، ہماری تو کوشش ہے شفا دینے والا تو وہی ہے اور میری مانیں تو آج یہاں کسی اور کی ڈیوٹی لگا دیں اور آپ گھر جا کر... بھرپور نیند لیں، دو دن سے آپ دونوں بالکل نہیں سوئے بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جاتے، جاتے شہاب خان کا کندھا تھپتھپایا۔

''دو دن سے بچی اسپتال میں ہے اور مجھے بتایا ہی نہیں۔ آج پتا لگا تو بھاگی آئی ہوں۔'' کمرے میں داخل ہوتی ثوبیہ نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

''ہائے اللہ، گلاب سا چہرہ دو دن میں کملا کر رہ گیا۔ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر، یہ دورے کیوں پڑنے لگے؟'' وہ اس کے قریب بیٹھی تاسف سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ بہتری کی امید رکھیں اور دعا کرتے رہیں۔'' شہاب خان کا لہجہ نم تھا۔ ''اور تمہاری بھابی بھی بہت تھک گئی ہیں، ڈاکٹر نے انہیں آرام کا مشورہ دیا ہے، اگر تم کچھ دیر یہاں رک جاؤ تو یہ گھر جا کر آرام کر لیں اور فریش ہو جائیں۔ کیوں ٹھیک ہے ناں......؟'' انہوں نے بیگم کو مخاطب کیا تو وہ بپھر گئیں۔

''نہیں، نہیں میں اس حالت میں عظمٰی کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں؟ دل تو میرا یہیں پڑا رہے گا وہاں کیا خاک فریش ہوں گی، میں یہیں ٹھیک ہوں، آرام کا مشورہ تو ڈاکٹر نے آپ کو بھی دیا اور آپ تو مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔ اس لیے آپ گھر جا کر فریش ہو آئیں، میں اپنی بچی کے پاس ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ عظمٰی کے سنہری الجھے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں ساتھ آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے تو ثوبیہ نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''بھابی جان کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... آپ دونوں ہی گھر جا کر آرام کریں، عظمٰی کے پاس بیٹھنے میں آ گئی ہوں۔ وہ بیچاری تو بے ہوش پڑی ہے، یہاں کرنا بھی کیا ہے سوائے بیٹھے رہنے یا دعا کرنے کے... وہ میں بھی کر لوں گی، کیا عظمٰی میری بیٹی نہیں ہے؟ دیکھیے آپ کے لیے کتنا مزیدار کھانا لائی ہوں، اب جلدی سے کھانا کھائیں اور رخصت ہو جائیں۔'' وہ کھانا نکال کر میز پر لگانے لگی۔

ڈاکٹر کی ہدایت اور ثوبیہ کے بے حد اصرار پر وہ گھر چلے آئے تھے، شہاب خان تو سیدھے اپنے بیڈ روم کی طرف چل دیے اور رابعہ بیگم، رضیہ اور کلثوم کے سوالوں کے جواب دیتی اور انہیں رات کے کھانے کے متعلق ہدایات دیتی ہوئیں عظمٰی کے بیڈ روم میں چلی آئیں اور اس کے بیڈ پر لیٹ کر بیڈ کور پر یوں دھیرے، دھیرے ہاتھ پھیرنے لگیں جیسے اس کی زلفیں سہلا رہی ہوں۔ ''عظمٰی'' ان کے لبوں سے بے اختیار سسکی نکلی...... ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہ سونا چاہتی تھیں لیکن چاہتے ہوئے بھی سو نہ سکیں، جانے کہاں، کہاں سے خیالات امڈے چلے آنے لگے، جن کی یلغار سے گھبرا کر انہوں نے سر جھٹک کر پیچھا چھڑانا چاہا لیکن ناکام ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور ذہن کو خیالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور دور بہت دور پہنچ گئیں اتنی دور...... جب ان کی لاڈلی ثانیہ دلہن بن کر رخصت ہوئی تھی۔

☆☆☆

سعود کو بڑی عجلت میں کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر ساجدہ بیگم اور محبوب درانی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر

Downloaded From http://paksociety.com

کے اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟'' محبوب درانی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ، ابا جان! اسپتال سے فون تھا۔'' اس نے غیر ارادی طور پر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ''شہود بھائی نے گاڑی کہیں ماردی ہے۔'' اس نے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا اپنا وجود اندر سے لرز رہا تھا۔

''کیا..... کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟'' دونوں گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں، میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے، انہیں معمولی چوٹیں آئی ہیں.... وہ تو ذرا ٹریٹمنٹ کے لیے روک لیا ہے اگر آپ نے بھی چلنا ہے تو آجائیں، میں گاڑی نکال رہا ہوں۔'' اس نے دونوں کو تسلی دینے کے لیے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن خود وہ بہت پریشان تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہود کا بڑا برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں شہود اور ثانیہ سیریس حالت میں آئی سی یو میں پڑے تھے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے وہ انہیں یہ سب کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا ورنہ انہیں سنبھالنا اس کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔

''یا اللہ، خیر کرنا، میرے دونوں بچوں کو ٹھیک رکھنا۔'' ساجدہ بیگم جلدی جلدی جوتے اور چادر سنبھالتی دعائیں مانگتی جارہی تھیں۔

''شہری بابا کہاں ہے؟'' محبوب درانی نے پھولتی سانسوں کے درمیان پوچھا۔

''شہری بابا اور تقی دونوں میرے بیڈ روم میں سو رہے ہیں، آپ فکر نہیں کریں۔'' نازیہ نے جواب دیا جو انکل جمال اور آنٹی شمسہ کو فون پر ایکسیڈنٹ کی اطلاع دے کر انہیں گیٹ تک چھوڑنے چلی آئی تھی اس کی بات سن کر دونوں جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئے گاڑی جناح اسپتال کی طرف اڑے جارہی تھی لیکن تینوں اپنی اپنی جگہ بے چین تھے کہ اس وقت انہیں یہ رفتار بھی کم محسوس ہو رہی تھی۔

بیٹا ذرا تیز چلاؤ۔'' سعود نے ابا کی آواز سنی جو ہمیشہ اسے سلو ڈرائیونگ کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ اس نے رفتار مزید بڑھا دی۔

☆☆☆

محبوب درانی کے دو بیٹے ہی تھے، شہود درانی اور ان سے چھوٹے سعود درانی، شہود کو اسپتال میں جاب کرتے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ سعودیہ سے ڈاکٹر کی اچھی آفر ملنے پر وہ سعودیہ چلے گئے اور سعود نے انجینئر بننے کے بعد ایک مقامی فرم میں ملازمت اختیار کرلی.... دونوں کے پیروں پر کھڑے ہوتے ہی ان کی اکٹھے ہی شادی رکھ لی گئی۔ شہود کو شادی کے لیے بہ مشکل کچھ دن کی چھٹی ملی تھی، وہ چھٹی ختم ہوتے ہی واپس چلا گیا تھا اور پھر جلد ہی ثانیہ کو بھی بلا لیا تھا۔

سال بعد ہی سعود اور نازیہ ایک پیارے سے بیٹے کے والدین بن گئے تو گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ درانی صاحب اور ساجدہ بیگم ابھی پہلے پوتے کی خوشی میں مٹھائی بانٹ رہے تھے اور مبارک بادیاں سمیٹ رہے تھے کہ شہود کے ہاں بھی بیٹا تولد ہونے کی خوشخبری آگئی۔ اچانک اتنی بڑی خوشخبری پر وہ خوش بھی تھے لیکن ساتھ ساتھ شہود اور ثانیہ پر خفا بھی ہو رہے تھے کہ نازیہ کی حالت کی تو پل، پل کی خبر پوچھتے رہتے تھے تمہاری بھی تو اتنی ہی بڑی خوشی تھی تو اسے آخری وقت تک کیوں راز رکھے ہوئے تھے، یہ بھی بھلا اس طرح چھپانے کی بات تھی لیکن وہ دونوں تو سب کو سرپرائز دے کر بہت خوش تھے...... دونوں بھائیوں کی شادی بھی ساتھ ہوئی تھی اور اب بیٹے بھی ساتھ ہوئے تھے...... اس اتفاق پر سب بہت خوش تھے...... جمال صاحب اور شمسہ بیگم نے بھی ٹوکروں مٹھائی بانٹی کہ ان کے ہاں پہلا نواسا ہوا تھا، ان کی بڑی بیٹی رابعہ کی شادی کو دس برس گزر چکے تھے لیکن اس کی گود ہری نہ ہوئی تھی اگرچہ ان کے بیٹے عظیم کے تینوں بچے گھر کی رونق اور ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھے لیکن رابعہ کی خالی گود کا دکھ اپنی جگہ تھا، اس لیے ثانیہ کے اتنی

Downloaded From http://paksociety.com

جلد اولاد ہونے پر ... [illegible] ... شکر کے سجدے ادا ہو رہے تھے کہ اللہ نے انہیں دوسری بیٹی کی خوشی سے تو نوازا۔

شہود اور ثانیہ شادی کے چار سال بعد پہلی مرتبہ تین سالہ گول مٹول بہت پیارے سے شہری بابا کے ساتھ لوٹے تھے جو ددھیال اور ننھیال دونوں جگہ سے پیار سمیٹ رہا تھا۔ شہود تو صرف ایک ماہ کی چھٹی پر آیا تھا جواب ختم ہونے والی تھی اور ثانیہ ڈلیوری کے لیے آئی تھی اس لیے اس نے بعد میں جانا تھا۔ سب خوش تھے کہ پچھلی دفعہ کی ناراضی نے اثر کیا جواب دوسرے بچے کی دفعہ وہ یہاں آ گئی۔ ان کی آمد کا سن کر رابعہ بھی اپنی لاڈلی بہن اور پیارے بھانجے سے ملنے اسلام آباد سے آ چکی تھیں، اتنے طویل عرصے بعد دونوں بہنیں مل کر اتنا خوش تھیں کہ ان کی تو باتیں ہی ختم ہونے میں نہ آتیں۔ رابعہ، ثانیہ کو بار، بار اپنی بانہوں میں بھینچ لیتی۔ اسے ثانیہ پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا، اس کی چھوٹی سی ثانیہ کتنی بڑی ہو گئی تھی اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ حسین اور اس حالت میں تو اس پر کس قدر روپ چڑھا تھا کہ رابعہ اسے کہتی۔

”ثانیہ تجھ پر تو ایسے روپ چڑھا ہے جیسے پہلے بچے کی دفعہ چڑھتا ہے۔“ تو ثانیہ بے اختیار ہنس پڑتی۔

☆☆☆

سعود نے سب کو اچانک صدمے سے بچانے کے لیے سب کو ہی معمولی ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا لیکن ثانیہ تو پورے دنوں سے تھی اس لیے اس کی حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے سب ہی بہت دلگرفتہ اور پریشان اسپتال پہنچے تھے۔ اور وہاں پہنچ کر جب حقیقت کا علم ہوا تو کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ بس پھٹی، پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو تکتے رہے کہ ڈاکٹر نے ان سے ملنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں دی تھی۔ ان کی جان خطرے میں تھی اور ڈاکٹرز ان کی جانیں بچانے کے لیے اپنی بھرپور کوششوں میں لگے تھے اور ان لوگوں کو دعا کرنے کا کہا تھا۔ ساری رات سجدے کرتے اور دعائیں مانگتے ہی گزری تھی۔ رات کسی وقت آپریشن کے ذریعے بچی کی ولادت ہوئی تھی۔ لیکن ثانیہ کو ہنوز ہوش نہیں آیا تھا، ہر کام اللہ کی رضا سے ہوتا ہے، تمام کوششوں اور لاکھ دعاؤں کے باوجود وہ اللہ کی مرضی کے آگے ہار گئے، فجر کی اذان کے ساتھ ہی ثانیہ سب سے منہ موڑ کے مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئی تھی۔

جس نے اس کی نوزائیدہ بچی کو زندگی عطا کر دی تھی، اتنی بڑی اور قیمتی جان لے کر ایک ننھی سی جان ان کے حوالے کر دی تھی۔ اس میں اللہ کی کیا بہتری تھی کون سمجھ سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حسن اور زندگی سے بھرپور جوانی ڈھیروں مٹی کے نیچے دفن ہو گئی، سب کے کلیجے چھلنی ہو گئے اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اتنی بڑی قیامت سے بے نیاز معصوم بچی خالہ کی گود میں آنکھیں بند کیے پڑی تھی، ثانیہ کی اچانک موت اور شہود کے کومے میں پڑے ہونے نے سب کو زندہ درگور کر دیا تھا، دونوں کے والدین کو اپنا ہوش نہیں تھا تو اس معصوم بے زبان جان کا خیال کیسے آتا، ایسے میں رابعہ نے اسے اپنے کلیجے سے لگا لیا اور نازیہ نے تقی کے ساتھ شہری کو بھی سنبھال لیا تھا کہ ایکسیڈنٹ کے وقت وہ اسی کے پاس تو تھا۔ رابعہ کے دل میں جب یہ خیال درد بن کر اٹھتا کہ ثانیہ نے اپنی بچی کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا اگر دیکھ لیتی تو شاید جانے میں اتنی جلدی نہ کرتی تو وہ بچی کو سینے سے لگائے اسپتال پہنچ جاتی کہ شاید آج شہود ہوش میں آ کر اپنی ثانیہ کی آخری نشانی کو سینے سے لگا کر پیار کر لے، وہ کتنی ہی دیر کھڑی کھڑکی کے شیشے سے بے حس پڑے شہود کو دیکھتی رہتی...... جسے مستقل آکسیجن لگی ہوئی تھی اور سارا وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی زندگی کی دعائیں کرتی رہتی لیکن سب دعائیں ناکام ہی رہتیں تو وہ اگلے دن کی امید لے کر روتی ہوئی واپس لوٹ آتی۔ پھر ایک دن یہ امید و ناامیدی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ شہود کی سانسوں کی ڈور ٹوٹنے کے ساتھ ہی لبوں پر دعائیں بھی ٹوٹ کر رہ گئیں...... دلوں میں آس کی قندیلیں بجھ کر رہ گئیں، ایک ماہ کومے میں رہنے کے بعد شہود بھی ثانیہ کے پیچھے چل دیا تھا۔ قیامت پر

Downloaded From http://paksociety.com

قیامت تھی، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، ویرانی ہی ویرانی تھی، آہوں اور سسکیوں کی آوازیں گمبھیر سناٹے میں طوفانی ہوا کی سیٹیوں کی طرح محسوس ہوتیں، آنکھوں میں سناٹا، لبوں پر سناٹا، دلوں میں سناٹا، سناٹے کا جنگل، سناٹے کا دریا اور کسی، کسی وقت سناٹے کے اس دریا میں معصوم پکار کا پتھر ارتعاش پیدا کردیتا۔ ''مما، پاپا۔'' شہری بابا کی آواز سناٹے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتی تو سب کے دل تڑپ کر رہ جاتے، آنکھوں کے ریگستانوں سے دریا بہنے لگتے، سب ہی اس کے گرد جمع ہو جاتے لیکن وہ کسی سے نہ بہل پاتا، بس مما، پاپا کو آوازیں دیتا رہتا، ان آوازوں کا درد سعود کو اپنے دل میں محسوس ہوتا تو وہ شہری کو سینے سے لگا کر رو پڑتا، ننھے شہری کو چچا کے وجود سے باپ کی خوشبو آتی...... تو وہ اسی سینے پر سر رکھے، رکھے سو جاتا تو سعود کے دل کو بھی کچھ قرار آنے لگتا۔

اتنے بڑے غم کو ہر نفس اپنے، اپنے طور سے محسوس کر رہا تھا اور معصوم بچوں کی حالت دیکھ کر جب کتنے ہی دل پانی ہو رہے تھے تو محبوب درانی اور ساجدہ بیگم کے دل پتھر ہو گئے۔ وہ دکھ کی جانے کون سی منزل پر تھے کہ انہیں اور کسی کا دکھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا، انہوں نے اس ننھی سی جان کو جس نے ابھی آنکھ کھول کر دنیا بھی نہیں دیکھی تھی اس جان لیوا المیے کا سبب ٹھہرا دیا۔

''ہم اس منحوس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے، اسے کہیں پھینک آؤ یا کسی یتیم خانے میں ڈال دو۔ یہ ہماری نظروں کے سامنے نہ رہے۔'' انہوں نے اس معصوم صورت پر نظر ڈالے بغیر ہی اس سے نظریں پھیر لیں۔ حالانکہ سعود اور نازیہ نے بہت منت سماجت کی کہ ہم ان دونوں کو اپنے بچوں کی طرح پالیں گے، آپ ان بہن، بھائی کو ایک دوسرے سے جدا نہ کریں لیکن انہوں نے ایک نہ سنی...... بقول ان کے وہ تو اس منحوس بچی کا سایہ بھی اپنے پوتے پر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جمال صاحب اور شمسہ بیگم بھی اپنے دکھ کی گٹھڑی اٹھائے ان کے در پر گئے لیکن یہ کوشش بھی بار آور نہ ہوئی انہوں نے ان کا خیال کیے بنا کہہ دیا۔

''یہ تو ہمارے بچوں کے ساتھ ہی ہمارے لیے مر چکی، ہم اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتے، آپ نے رکھنا ہے تو رکھ لیں لیکن ہم انہی بچوں کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ اس بچی کو ہمارے پوتے کے بارے میں کبھی علم نہ ہو، اگر آپ کو ان بچوں سے پیار ہے تو آپ یہ قسم ضرور پوری کریں گے اور ہمارے شہری کو بھی ہمیشہ کے لیے بھول جائیں گے۔'' انہوں نے آخری مرتبہ ان کے نواسے شہری بابا کو ان سے ملوایا اور اپنے دل کے ساتھ، ساتھ گھر کے دروازے بھی ہمیشہ کے لیے ان پر بند کر دیے۔

☆☆☆

رابعہ کو عظمیٰ میں ثانیہ کی شبیہہ نظر آتی تھی، وہی نیلی بڑی، بڑی آنکھیں، چھوٹا سا دہانہ، وہی سرخ و سفید رنگت اور سنہرے لمبے گھنے بال، وہ دوسری ثانیہ ہی تو تھی، رابعہ تو اسے دیکھ، دیکھ کر جیتیں اور اس کی ہر، ہر حرکت پر واری صدقے ہوتیں، شہاب کو بھی وہ بہت پیاری تھی، وہ ہر وقت اس کی ننھی، ننھی خواہشیں پوری کر کے خوش ہوتے، دونوں اسے اپنی اولاد کی طرح پال رہے تھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اسے اس کے والدین کی موت سے لاعلم نہیں رکھا تھا لیکن اس نے تو آنکھ کھول کر ان دونوں کو ہی اپنے مما پپا کے روپ میں دیکھا تھا جو اس پر جان چھڑکتے تھے اور اس کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے، وہی اس کے ماں، باپ تھے اس لیے جب کبھی وہ رابعہ کو شہود اور ثانیہ کی تصویر دیکھ، دیکھ کر روتے ہوئے دیکھتی تو الجھ جاتی۔

''مما آپ یہ تصویر دیکھ کر کیوں روتی ہیں، ٹھیک ہے آپ کو اپنی بہن سے بہت پیار تھا. لیکن آپ کب تک اس طرح روتی رہیں گی؟ میں ہوں ناں آپ کی بیٹی اور آپ کہتی ہیں میں بالکل ان کی تصویر ہوں تو آپ مجھ سے پیار کریں، معلوم ہوتا ہے آپ کو صرف اپنی بہن سے پیار تھا، مجھ سے تو آپ کو پیار ہی نہیں ہے۔'' وہ منہ پھلا کر کہتی تو رابعہ آنسو پونچھ کر اسے بازوؤں

Downloaded From http://paksociety.com

میں بھر لیتی۔

''عظمیٰ تو، تو میری جان ہے، میری گڑیا اس طرح کیوں کہتی ہے، میرا دل دکھ جاتا ہے۔'' وہ اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیتیں تو وہ بھی ہنس پڑتی تو رابعہ بھی سب کچھ بھول کر اس میں لگ جاتیں......

ثانیہ کی موت کے بعد جب تین سال کی قلیل مدت میں ہی والدین بھی رحلت فرما گئے تو اکلوتا بھائی عظیم بھی اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد سیٹ ہو گیا کہ اب خاندان میں یہ دونوں بہن بھائی رہ گئے تھے۔ عظمیٰ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے انگ، انگ سے حسن پھوٹا پڑتا تھا۔ اسی لیے تقریبات میں لڑکوں کی مائیں اسے پسند کر کے رشتہ لے آتی تھیں اور ابھی اس نے انٹر ہی کیا تھا کہ عظیم اور ثوبیہ بھی اپنے، اپنے بیٹوں کا رشتہ لے آئے، دونوں ہی لڑکے دیکھے بھالے اور قابل تھے، عظمیٰ کی ان سے دوستی اور... بے تکلفی بھی تھی وہ تو اس کے بہت اچھے بھائی تھے۔ اسے تو کبھی محسوس ہی نہیں ہوا کہ دونوں اس کے لیے کیسے جذبات رکھتے ہیں، وہ تو ان کے لیے ایسا سوچ ہی نہیں سکتی تھی تو شادی کے لیے ہاں کیسے کر دیتی۔ رابعہ کو تو بہت افسوس ہوا، شہاب خود اتنی جلدی اس کی شادی کے خلاف تھے ابھی تو اس کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور عظمیٰ کے شوق کو دیکھتے ہوئے وہ اسے بہت پڑھانا چاہتے تھے، ویسے بھی ابھی تو وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ہر وقت ماں، باپ کے گلے کا ہار بنی رہتی، بچوں کی طرح ضدیں کرتی اور فرمائشیں پوری ہونے پر سارے گھر میں مینا کی طرح چہکتی پھرتی لیکن پڑھائی پر پوری توجہ دیتی کہ ڈاکٹر بننا تو اس کا خواب تھا۔

اسی طرح مما کی محبت اور پپا کی شفقت بھری باغ و بہار طبیعت کی وجہ سے محبت اور خوشیوں کے سائے میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو سکا اور وہ یکسوئی سے تعلیمی منازل طے کرتی رہی اور جب اس کا ہاؤس جاب شروع ہوا تو اس خوشی میں منعقد کی گئی تقریب میں بنی سنوری ہنستی مسکراتی عظمیٰ کو دیکھ کر مما کے دل میں اچانک اپنی لاڈلی کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کی خواہش ایک کلی کی طرح چٹکی لیکن عظمیٰ تو اب بھی شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ آنے والے تمام رشتے ریجیکٹ کرتی رہی اور پپا جو صرف باپ ہی نہیں اس کے اچھے دوست بھی تھے ہمیشہ کی طرح اس کا ساتھ دیتے رہے اور مما کو یہ فکر لگ گئی کہ جانے اس کے معیار اور آئیڈیل کے مطابق لڑکا کب ملے گا، اگر عمر ڈھل گئی تو پھر اتنے اچھے رشتے کہاں ملیں گے، ابھی شادی ہو جائے، ڈاکٹری کا کیا ہے وہ تو ساتھ، ساتھ ہوتی رہے گی، انہیں سارا قصور شہاب کا ہی نظر آتا تھا جو اب تک اس کی شادی کے معاملے میں سیریس نہیں ہوئے تھے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے تھے اور اس معاملے میں ان کی کئی مرتبہ شہاب سے لاحاصل بحث بھی ہو چکی تھی۔ یہ تو وہ جانتی تھیں کہ عظمیٰ اپنی ہر بات ان سے شیئر کرتی اور ان کی بھی ہر بات توجہ سے سنتی بس، ایک شادی کا ہی مسئلہ تھا جو وہ نہیں مانتی تھی آج کل پھر انہوں نے شادی کا ذکر چھیڑ رکھا تھا کہ اب بھی بہت رشتے آ رہے تھے تو عظمیٰ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہنے لگی۔

''مما میری ہاؤس جاب شروع ہو چکی ہے، اب تو مجھے اتنی محنت کرنی ہے کہ ابھی شادی کا تو سوچ بھی نہیں سکتی، بس ہاؤس جاب ختم ہونے دیں پھر آپ جہاں کہیں گی میں شادی کر لوں گی ویسے بھی ابھی تک مجھے کوئی لڑکا پسند نہیں آیا جب بھی کوئی پسند آیا آپ کو بتا دوں گی۔''

پھر اس کی دن رات کی مصروفیت دیکھ کر مما کو بھی اس کی بات کا یقین آ گیا تو انہوں نے بھی چپ سادھ لی۔ ہاؤس جاب کے دوران اس کی ڈیوٹی مختلف وارڈز میں لگتی رہی اور جب کوئی ڈاکٹر چھٹی پر ہوتا تو وہاں پر بھی اس کو خدمات انجام دینی پڑتیں، اتنی مصروفیات میں اسے تو دن رات کے گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا لیکن وہ بہت خوش تھی اور بہت محنت کر رہی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

سرجن مختار اعوان ریٹائر ہوگئے تھے اور نئے نیورو سرجن چارج سنبھال رہے تھے آج اسی سلسلے میں تقریب رکھی گئی تھی، تمام ڈاکٹرز اور اسٹاف خوب سج دھج کر شرکت کر رہے تھے اس لیے ہر طرف بہار کا سا سماں تھا، عظمیٰ نے بھی نیوی بلیو سوٹ پر میرون ایمبرائڈری سے میچ کرتی میرون جیولری پہنی تھی اور بالوں کو بھی کھلا چھوڑ دیا تھا اس کے سوٹ کا عکس اس کی آنکھوں کے نیلے رنگ کو اور گہرا کر رہا تھا۔ اس کا حسن تو ویسے ہی مبہوت کر دینے والا تھا آج تو وہ ہر دل پر قیامت ڈھا رہی تھی اور ہر نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

سرجن اعوان کے ساتھ جو شخصیت ہال میں داخل ہوئی اسے دیکھ کر سب ہی چونک گئے وہ جو کوئی بھی تھا بہت خوب تھا، اتنی مردانہ وجاہت کبھی، کبھی ہی نظر آتی ہے۔

''انہیں تو سرجن کے بجائے فلمی ہیرو ہونا چاہیے تھا۔'' صبا کے ریمارکس پر فردوس سے باتیں کرتی عظمہ نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ایسا تو کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

''کہاں دیکھ رہی ہو؟ وہ دیکھو سر اعوان کے ساتھ بلیک سوٹ میں۔'' صبا نے اس کا سر پکڑ کر دوسری طرف گھماتے ہوئے کہا...... واقعی صبا نے غلط نہیں کہا تھا، انتہائی پُرکشش شخصیت، دراز قد، پُروقار چال وہ تو کہیں کا شہزادہ لگ رہا تھا، اپنی سوچ پر وہ خود ہی ہنس دی۔

سرجن مختار اعوان، مہمانِ خصوصی سے سب کا فرداً فرداً تعارف کرواتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تو اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔

''ان سے ملیے یہ ہمارے نئے نیورو سرجن شہیر احمد درانی۔ اور یہ ہیں ہماری سب سے نو عمر ڈاکٹر عظمہ۔'' ڈاکٹر اعوان کی آواز تو کہیں دور ساحل پر رہ گئی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کے سمندر میں ایسا ڈوبے کہ رسمی کلمات بھی ادا نہ کر سکے۔

''اور ان سے ملیے یہ ہیں ڈاکٹر صبا......'' سر اعوان کی آواز سے دونوں چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

عظمہ گھر آ کر بھی کھوئی، کھوئی سی رہی۔'' آج یہ کیا ہوا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی شخص سیدھا دل میں اتر گیا، یہ جانے بنا کہ وہ کون ہے، کیسا ہے، کیا معلوم وہ میرڈ ہو لیکن کیا کروں یہ وہی تو ہے جو میرے تخیل میں بسا رہتا تھا اور وہ ساحر آنکھیں (جن کا نشہ ابھی تک نہ اترا تھا......) شاید ایسی آنکھوں کو ہی جھیل سے تشبیہ دی جاتی ہوگی جن میں ڈوب کر ابھرا ہی نہ جائے، واقعی شاعر کتنی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔'' آج اسے شاعری پر بھی یقین ہونے لگا تھا کہ جو کہ اب تک اس کے سر پر سے گزر جایا کرتی تھی اور آج وہ سوچ رہی تھی کہ اگر میں بھی شاعرہ ہوتی تو آج ان آنکھوں پر غزل لکھتی... سوچتے سوچتے وہ قافیے سے قافیہ ملانے لگی کہ مما کی آمد نے تسلسل ہی توڑ دیا۔

''کیا ہوا عظمی بیٹا! کیا بہت تھک گئیں جو ایسے اکیلی بے سدھ پڑی ہو لیکن آج تو ہسپتال میں کام تو نہیں تھا، تم تو پارٹی میں گئی تھیں پھر تھکان کیوں ہوگئی؟'' مما نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''جی مما آج کام نہیں تھا شاید اسی لیے تھکاوٹ ہوگئی۔'' اس نے جلدی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا اسے ڈر تھا کہیں مما آنکھوں میں لکھی تحریر ہی نہ پڑھ لیں۔

☆☆☆

سرجن شہیر کا لیکچر دینے یا کسی کیس کو سمجھانے کا دلنشیں اور پُروقار انداز دل میں اترتا رہتا اور وہ بے خودی میں...... انہیں تکتی رہتی اور جب بھی نگاہیں دوچار ہوتیں تو اسے ان آنکھوں میں اپنے لیے ایسی کیفیت محسوس ہوتی کہ اس کا دل دھڑک اٹھتا اور وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ وہ ڈاکٹر شہیر کے متعلق سوچتی تو بہت تھی لیکن جانتی کچھ نہ تھی اس لیے حتی الامکان ان سے دور رہنے کی کوشش کرتی لیکن کام کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ دور رہنا ممکن نہ تھا پھر ان ملاقاتوں کے سلسلے میں دونوں کو ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کے مواقع ملتے رہے تب ان پر انکشاف ہوا کہ وہ تو ایک دوسرے کا آئیڈیل تھے، وہی آئیڈیل جو ان کے اندر بستا تھا،

Downloaded From http://paksociety.com

اس پہچان کے بعد وہ بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے گئے، ان کے فرصت کے اوقات یوں ساتھ گزرنے لگے کہ زندگی ایک دم سے اتنی خوب صورت لگنے لگی تھی جیسے اچانک بہار آجائے تب ایک دن شہیر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

''عظمیٰ......!تم میرا آئیڈیل ہی نہیں، میرا خواب بھی ہو، اسی لیے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھ کر حیران ہی تو رہ گیا تھا کہ کیا خواب اتنے سچے بھی ہوتے ہیں اور اب جبکہ میرے خواب نے تعبیر پالی ہے، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا بلکہ زندگی کی راہ پر ہم سفر بنانا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی کب تمہیں کھونا چاہتی ہوں۔'' اس کے بھی دل سے آواز نکلی تھی تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی زیرِلب مسکرادی تھی۔ مما، پپا سے ملانے سے پہلے وہ مما کو شہیر احمد کے بارے میں بتانا چاہتی تھی لیکن خود ان سے بات کرتے ہوئے بھی ہچکچا رہی تھی۔ کچھ دنوں سے عظمیٰ کے لبوں پر گنگناہٹ اور آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھ کر رابعہ کے دل میں طرح، طرح کے خیالات آرہے تھے، وہ تو اس کی ابرو کی جنبش کو پہچان جاتی تھیں تو اس کے چہرے کے گلال ان سے کیسے چھپے رہ سکتے تھے پھر ایک دن ان کے اصرار پر عظمیٰ نے انہیں شہیر احمد کے متعلق سب کچھ بتادیا۔

☆☆☆

شہیر احمد سے مل کر مما، پپا دونوں ہی بہت خوش ہوئے تھے، اس کی پُروقار شخصیت اور خوب صورت اندازِ تکلم نے تو انہیں پہلی ملاقات میں ہی اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ان کے ساتھ خوشگوار وقت گزار کر کافی دیر بعد شہیر بھی وہاں سے بہت خوش لوٹا تھا کہ بہت دن بعد اسے گھر کا ماحول ملا تھا۔ پپا کی دلچسپ گفتگو بات، بات پر چٹکلے چھوڑنے کی عادت اور مما کی پُرشفقت شخصیت نے اس پر اتنا اثر کیا کہ اجنبیت کا احساس ہی نہیں ہوا اور وہ بھی انہیں مما، پپا کہہ کر مخاطب کرتا رہا، وہ دن عظمیٰ کے لیے بے پناہ خوشیوں کا دن تھا کہ اس کی پسند مما پپا کی پسند بھی بن گئی کہ اس کے جانے کے بعد بھی دونوں اس کا ذکر کرتے رہے۔

''تو احمد تمہارے والد کا نام تھا۔'' پپا نے باتوں کے دوران پوچھا تھا۔

''جی نہیں، احمد میرے دادا کا نام تھا، احمد درانی اور ان کے نام پر میرے والد نے میرا نام شہیر احمد درانی رکھا تھا۔'' عظمیٰ بھی درانی خاندان کی اور شہیر احمد بھی درانی اس اتفاق پر مما کو خوشی بھی ہورہی تھی اور حیرانی بھی کہ دونوں ہی درانی ہیں اور شہیر بتا رہا تھا۔

''میری پیدائش سعودیہ میں ہوئی تھی میں کچھ دن کا تھا جب میری والدہ فوت ہوگئی تھیں، میرے والد جدہ کے ایک اسپتال میں ڈاکٹر تھے جو فرانس جاتے ہوئے جہاز کے حادثے میں ہلاک ہوگئے تھے تو میری پرورش میرے چچا، دادی اور چچی ناز نے کی، اپنے دونوں بچوں توقیر اور ماہا کی طرح، توقیر بھی میرا ہم عمر ہے اور ماہا ہم سے دس سال چھوٹی ہے۔'' اس کی باتوں سے ماحول اس قدر بوجھل ہوگیا تھا کہ پھر اور کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی، مما کا دل تو دکھ سے بھر گیا کہ عظمیٰ کی اور اس کی تو ایک ہی کہانی ہے، یہ بھی میری عظمیٰ کی طرح بن ماں، باپ کا بچہ ہے، اس کے لیے دل میں ایسی محبت اور تڑپ جاگی کہ وہ اسے روز ہی بلالیتیں اس طرح وہ بھی ان کے گھر کا ہی فرد بن گیا جس کی ایک دن کی غیر حاضری بھی ان پر گراں گزرتی......

شہیر تو پہلے ہی کراچی گیا ہوا تھا اور آج کل عظمیٰ بھی شعبۂ حادثات کے ایمرجنسی وارڈ میں تعینات تھی جہاں روٹین کی ہی بہت سخت ڈیوٹی ہوتی تھی اب ایک ڈاکٹر بھی چھٹی پر تھی اس لیے اسے ڈبل ڈیوٹی کرنی پڑ رہی تھی، اس لیے وہ بہت دیر سے اور اتنی تھکی ہوئی آتی کہ بات چیت کیے بنا ہی بیڈ پر دراز ہوجاتی اور اتفاق سے شہاب صاحب کی بھی آج کل اپنی میٹنگز چل رہی تھیں تو وہ بھی بہت لیٹ گھر آرہے تھے۔ اس لیے رابعہ بیگم بھی اسی حساب سے اکیلی بور ہورہی تھیں، آج جانے کیوں صبح سے ہی ان کے دل کی عجیب کیفیت تھی، ماسیوں سے بھلا کب تک باتیں

Downloaded From http://paksociety.com

کرتیں......آخر انہوں نے بے دلی سے شہیر کا نمبر ملایا تو سمجھو سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا اسی نے فون اٹینڈ کیا تھا جو اُن کی خیریت معلوم کرنے کے بعد کہہ رہا تھا۔

’’مما میں نے آپ سب کا غائبانہ تعارف بھی کروا دیا اور عظنہ کی تصاویر بھی دکھائی تھیں، چچا اور چچی تو میری توقع سے کہیں زیادہ خوش ہیں، ماہا تو عظنہ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔‘‘

’’تو پھر ان کے آنے میں دیر کیا ہے؟ تمہارے ساتھ ہی آ جاتے۔‘‘ ان کا لہجہ خوشی سے چور تھا۔

’’مما سچ، چچی کو تو میں نے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ تو کہہ رہی تھیں کہ دل چاہ رہا ہے کہ اُڑ کر ان تک پہنچ جاؤں لیکن توقیر کے رشتے کی بات ہو رہی ہے ناں اسی لیے بہت مصروف ہیں وہاں سے فارغ ہوتے ہی سب فوراً یہاں آئیں گے۔‘‘ وہ ہنس رہا تھا اور مما سوچ رہی تھیں کہ میری عظمی ہے ہی اتنی خوب صورت اور معصوم کہ وہ تصویریں دیکھ کر لٹو ہی ہوگئی ہوں گی اسی لیے تو ملنے کو بے چین ہیں۔

’’اچھا مما اپنا خیال رکھیے گا، آج میں کسی وقت حاضر ہوں گا۔‘‘ اس نے خدا حافظ کرتے ہوئے کہا۔

’’ضرور بیٹا، میں تمہارا انتظار کروں گی، بہت دن ہوگئے تمہیں دیکھے ہوئے۔‘‘ مما نے فون بند کر دیا لیکن ان سے اتنی بڑی خوشی اکیلے نہیں سنبھالی جا رہی تھی ان کا جی چاہ رہا تھا کہ شہاب اور عظمی ابھی آ جاتے تو وہ ان سے یہ خوشی بانٹ لیتیں وہ ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ عظمی کا فون آ گیا تو وہ بہت خوش ہوگئیں۔

’’مما میں کب سے ڈائل کر رہی ہوں، فون کیوں انگیج تھا، مما آج اتنی زیادہ مصروفیت کا آخری دن ہے کیونکہ کل تو چھٹی ہے اور پرسوں ڈاکٹر ناہید اپنی ڈیوٹی جوائن کر لیں گی تو مجھے ریلیکس مل جائے گا، کل تو میں خوب سو کر ساری تھکاوٹ اتاروں گی تاکہ پھر سے فریش ہو جاؤں، بس آج کام کی زیادتی کا آخری دن ہے، آپ پریشان بالکل نہ ہوئیے گا بلکہ خوب مزے، مزے کی ڈشز بنوا کر رکھیے گا، آج کتنے دن بعد اپنی مما کے ساتھ سکون

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 800 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 9,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 8,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 021-35895313 فیکس: 021-35802551

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

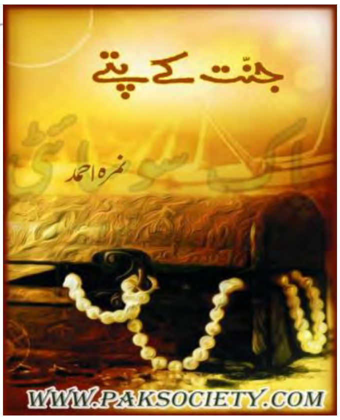

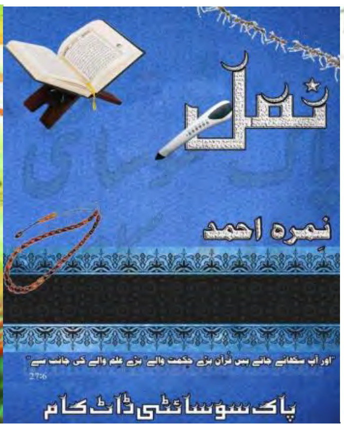

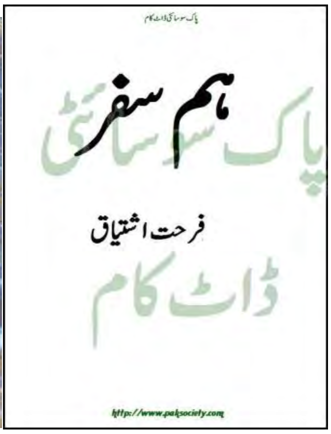

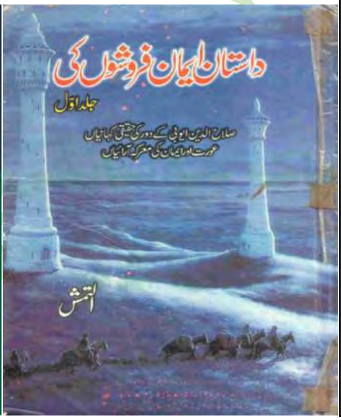

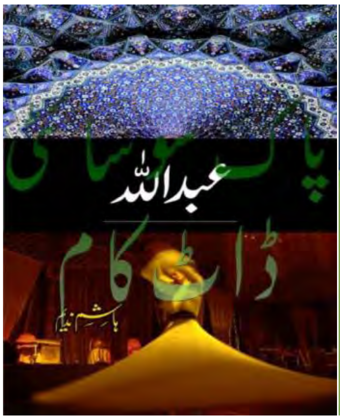

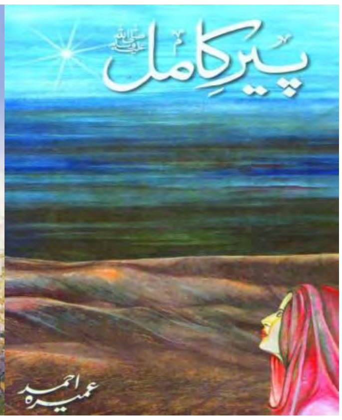

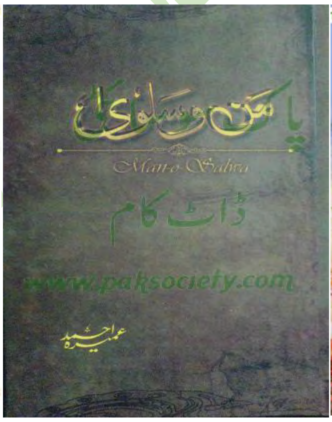

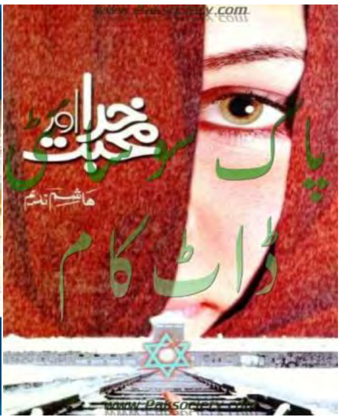

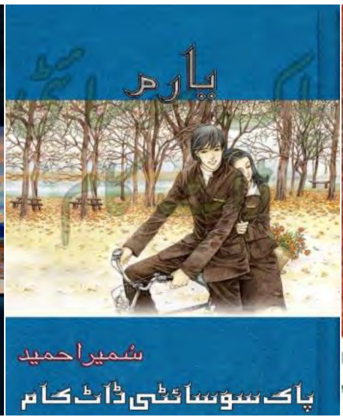

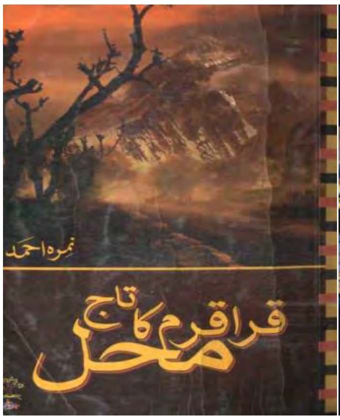

Downloaded From http://paksociety.com

سے کھانا کھانے کا [illegible] میں سب کچھ کہہ گئی تھی اور مما مسکرا رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے بیٹا لیکن جلد آنے کی کوشش کرنا میری جان! آج تو تمہارے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے، تم آؤ گی تو بتاؤں گی، بس یہ بتادوں کہ شہیر آ گیا ہے ناں اسی کا فون تھا، آج وہ آئے گا۔“ عظمی پوچھتی رہی کہ کیسی خوشخبری لیکن وہ ابھی بتانے پر راضی نہ تھیں لیکن شہیر کے نام کے ساتھ خوشخبری کی اطلاع دیتے ہوئے ان کے لہجے سے جو خوشی عیاں ہو رہی تھی اسے محسوس کر کے عظمٰی کا چہرہ خود ہی گل رنگ ہو گیا۔ شہیر اور عظمٰی جاب ٹائم میں ایک دوسرے کو فون نہیں کرتے تھے ورنہ تو یہ خوشی کی خبر شہیر سے اس تک ڈائریکٹ پہنچ جاتی لیکن شہیر تو اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا ورنہ وہ کراچی سے ہی اسے بتا دیتا، وہ سوچ کر مسکرا دی۔ آج انہوں نے عظمٰی کی پسند کی کئی ڈشز بنوالیں، شہیر بھی بہت دن بعد آرہا تھا وہ بھی خوشخبری کے ساتھ وہ بہت خوش تھیں، اس لیے سوئٹ ڈش کے اضافے کے ساتھ کچھ زیادہ ہی اہتمام کرلیا تھا۔

”جانے اس لڑکی کو کام کا جنون کیوں ہے جب بھی کوئی ڈاکٹر چھٹی پر جائے خود کو خدمت کے لیے پیش کر دیتی ہے حالانکہ اور لڑکیاں بھی ہاؤس جاب کر رہی ہیں لیکن اسے تو نئے، نئے تجربے حاصل کرنے کا شوق ہے اور اسی شوق میں اپنی حالت خراب کرلی ذرا آرام اور صحت کا خیال نہیں اس بچی کو......“ انہیں عظمٰی پر غصہ اور پیار اکٹھا ہی آرہا تھا، وہ بڑبڑائے جا رہی تھیں کہ شہیر کو مسکراتا ہوا آتا دیکھ کر کھل اٹھیں۔

”آؤ بیٹا، آؤ کتنے دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے کیسے ہو؟“ وہ شہیر کے سر پر پیار کرتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

”ٹھیک ہوں مما، آپ کیسی ہیں، پپا نظر نہیں آرہے؟“ اس نے نظریں گھماتے ہوئے پوچھا۔

”ارے بیٹا! کچھ نہ پوچھو...... جب سے تم گئے ہو میں کتنا بور ہو رہی ہوں، صاحب بہادر کو اپنی دفتری [illegible] لگ رہے تھے فرصت نہیں اور صاحبزادی کو تو ہر جانے والے ڈاکٹر کی جگہ خدمت کا بھوت سوار رہتا ہے، آئے گی تو دیکھنا کیا حالت بنا رکھی ہے سوائے کام کے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں۔“ انہوں نے منہ پھلا کر کہا۔

”کیا ہوا، اب کس ڈاکٹر کی جگہ خدمت کر رہی ہیں؟“ شہیر نے ہنس کر کہا کیونکہ وہ تو عظمٰی کی مصروفیات سے واقف تھا لیکن مما کی حالت سے مزے لے رہا تھا۔

”ارے وہ ڈاکٹر ناہید ہے ناں وہ چھٹی پر گئی ہوئی ہے اپنے بھائی کی شادی پر، شکر ہے پرسوں وہ آجائے گی تو میری بچی کی جان چھوٹے گی، ارے کھڑے کیوں ہو، بیٹھو ناں چائے بنواتی ہوں پھر رات کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔“ انہوں نے شہیر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ تھینکس مما...... ! آج ایک دوست کی طرف انوائیٹڈ ہوں اس کے بیٹے کی برتھ ڈے ہے، اس لیے بیٹھ نہیں سکوں گا۔ آپ سے آنے کا کہا تھا، مجھے معلوم تھا کہ آپ انتظار کر رہی ہوں گی اس لیے کھڑے، کھڑے آ گیا۔ پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں ورنہ آپ کے ساتھ چائے ضرور پیتا، اب اجازت دیجیے کل انشاء اللہ تفصیلی ملاقات ہوگی، پپا سے میرا سلام کہہ دیجیے گا، عظمٰی سے رات فون پر بات کرلوں گا بتا دیجیے گا، کل حاضر ہوں گا مائنڈ نہ کیجیے گا......اوہ ہاں......“ چلتے، چلتے کچھ یاد آ گیا تو اس نے جیب سے لفافہ نکال کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ میں گھر والوں کی چند تصاویر لایا تھا تاکہ کچھ تعارف ہو جائے، آپ دیکھ لیجیے گا، اچھا اللہ حافظ......!“ وہ چلا گیا تو رابعہ اداس ہو گئیں اس کے آنے سے پہلے وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ آج کتنے دنوں بعد سب اکٹھے کھانا کھائیں گے، وہ اسے جاتا دیکھتی رہیں، ماشاء اللہ دونوں کی جوڑی کتنی پیاری رہے گی ان کی تو یہی خواہش تھی کہ بس دونوں جلد ایک ہو جائیں، عظمٰی کی شادی تو ان کا سب سے بڑا ارمان

Downloaded From http://paksociety.com

تھا جواَب پورا [illegible] شہیر کی [illegible] ان کے دل کو امنگوں سے بھر دیا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں، مسکراتے ہوئے انہوں نے لفافے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک تصویر ان کے ہاتھ میں تھی، دونوں ہی خوبرو اور ڈیسنٹ لگ رہے تھے، وہ غور سے تصویر دیکھنے لگیں، لوگ اچھی فیملی کے لگ رہے تھے۔ اور یوں لگا جیسے ان میں کسی کی شباہت آرہی ہو، وہ بہت دیر تک غور کرتی رہیں لیکن بہت سوچنے کے باوجود انہیں یاد نہیں آسکا کہ انہیں کب اور کہاں دیکھا تھا پھر بھی دل کہتا تھا کہ انہیں کہیں دیکھا تھا، تصویر کو پلٹ کر دیکھا تو پشت پر تحریر تھا۔ (میرے چچا سعد اور چچی ناز جن کی محبتوں کے سائے میں، میں نے پرورش پائی) بریکٹ میں لکھی تحریر پڑھی اور دوبارہ تصویر کو غور سے دیکھتی رہیں لیکن کچھ یاد نہ آیا کہ کس کا گمان ہو رہا ہے، وہ تصویر رکھ کر انہوں نے دوسری تصویر نکالی جسے دیکھتے ہی پلٹ کر اس کی پشت پر لکھی تحریر کئی مرتبہ پڑھی۔ لکھا تھا، (میرے مرحوم ابو اور امی جن کی آغوش سے محرومی ہمیشہ میرے دل پر داغ رہی) یہ پڑھتے ہی ان کی تو دنیا ہی گھوم گئی تھی سر بری طرح چکرانے لگا۔

’’یہ...... یہ...... یہ تصویر......؟ ثانیہ، شہود درانی، شہیر احمد درانی...... شہیر احمد درانی...... شہری بابا۔‘‘ ان کے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے اور ہر چیز گھومتی نظر آرہی تھی، تو کیا شہیر احمد میری ثانیہ کا بیٹا ہے...... کیا یہ وہی ننھا سا شہری بابا ہے جسے دیکھنے کو میں ساری عمر ترستی رہی، تڑپتی رہی، جب ہی تو یہ مجھے بالکل اپنا لگا، یہ تو مجھے کبھی غیر لگا ہی نہیں...... لگ بھی کیسے سکتا تھا یہ تو میرے دل کا ٹکڑا ہے...... جبھی تو اس کی طرف دل کھنچتا تھا، یہ میرا اپنا جو ہے، میرا بچہ ہے، میری ثانیہ کا بچہ ہے...... یہ تو عظمیٰ کا بھائی ہے، عظمیٰ کا...... سگا...... بھائی...... ہائیں یہ کیا ہوگیا...... شہری بابا ہمیں ملا بھی تو کس انداز سے، اب میں کیا کروں گی، عظمیٰ کو کیسے بتاؤں گی کہ شہیر احمد اس کا بھائی ہے، اس کا اپنا بھائی، اس کا سگا بھائی، اس کا ماں جایا، میں یہ سب اسے کیسے بتا سکوں گی اور شہیر احمد [illegible] کو بھی کچھ [illegible] گی [illegible] تم ثانیہ اور شہود کی اولاد ہو، تم میری عظمیٰ کے بچھڑے بھائی ہو، اب کیا ہوگا اللہ؟ تو ہی ہماری عزت رکھنے والا ہے، جب تو نے اب تک اسے ہم سے جدا رکھا تھا تو اب بھی نہ ملاتا، اگر ملانا تھا تو اسی طرح تو نہ ملاتا...... اپنی حکمت اور اپنے بھید تو، تو ہی جانتا ہے، ہمارے تو سب زخم ہرے ہوگئے، ہم پر یہ نیا امتحان کیوں ڈال دیا، ہائے اللہ میں کیا کروں...... یہ سب کیا ہوگیا؟‘‘ وہ ثانیہ اور شہود کی تصویر تھامے بری طرح رو رہی تھیں۔ انہیں کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا، زارو قطار روتے، روتے نڈھال ہوئے جا رہی تھیں اور اب وہ دوسری تصویر کو بھی پہچان گئی تھیں جو نازیہ اور سعود درانی کی تھی لیکن انہوں نے شہیر کو اس کے ماں، باپ اور دادا کے نام غلط کیوں بتائے، ورنہ ہم اسے پہچان نہ جاتے، نام غلط بتائے اور تصویر صحیح دی ہے۔‘‘ وہ پھر ثانیہ اور شہود کی تصویر دیکھ، دیکھ کر رونے لگیں۔

’’مما...... مما یہ کیا ہوگیا آپ کو......؟‘‘ انہیں پتا ہی نہیں چلا عظمیٰ کب ان کے قریب چلی آئی تھی انہیں تو اس وقت کسی بات کا ہوش ہی نہیں تھا۔

’’مما...... آج اتنے دن بعد تو مجھے فرصت ملی تھی، سوچا تھا کہ آج گھر جا کر اپنی مما سے خوب باتیں کروں گی اور گود میں سر رکھ کر اتنے دنوں کی تھکن اتاروں گی۔ پھر آپ کے ساتھ کھانا کھا کر خوب سوؤں گی میں نے تو آپ کے فون پر بھی بتا دیا تھا، میں تو سمجھی تھی آپ خوش، خوش میرا انتظار کر رہی ہوں گی اور آپ نے تو مجھے خوشخبری بھی سنانی تھی، کیا خوشخبری اس طرح رو، رو کر سنائی جاتی ہے؟ آپ نے کہا تھا کہ دیر نہ کرنا تو میں جلدی آگئی...... ابھی شہیر بھی آجائیں گے لیکن آپ کو تو آج پھر وہی دورہ پڑ گیا، اپنے بہن، بہنوئی کی تصویر دیکھ کر رونے کا میرا تو آپ کو ذرا بھی خیال نہیں ہے، مما چپ ہوجائیں ناں کب تک روتی رہیں گی اس طرح؟‘‘ اس نے مما کا سر اپنے پہلو سے لگاتے ہوئے کہا۔ ’’مما اب میں آگئی ہوں اب چپ ہوجائیں پلیز......‘‘ اس نے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

Downloaded From http://paksociety.com

بہترین سرپرست

ایک دن حضرت عزرائیل ملک الموت، حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپؑ نے انہیں دیکھا تو آنے کا سبب پوچھا کہ ملاقات کے لیے آئے ہو یا قبضِ روح کے لیے...... ملک الموت نے بتایا کہ قبضِ روح کے لیے آیا ہوں۔

حضرت موسیٰؑ نے والدہ اور خاندان کے دوسرے لوگوں سے الوداعی ملاقات کی مہلت چاہی۔ جس پر ملک الموت نے معذرت کی کہ مجھے اس کا اختیار اور اجازت نہیں ہے۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سجدہ کرنے مہلت طلب کی اور سجدے میں چلے گئے۔ سجدے میں جا کر آپؑ نے دعا کی۔ خدایا ملک الموت کو حکم فرما کہ مجھے والدہ اور اہل و عیال سے الوداع کے لیے جانے دے۔

خداوند متعال نے عزرائیل کو حکم دیا کہ موسیٰ کی روح کے قبض کو موخر کردے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ اپنی والدہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔ والدۂ گرامی مجھے معاف کردیں، میں ایک سفر پر جا رہا ہوں۔

ماں نے پوچھا کون سا سفر......؟

فرمایا۔ سفرِ آخرت پر۔

ماں رونے لگیں تو حضرت موسیٰ نے اپنے بازو ماں کے گلے میں ڈال دیے اور الوداعی ملاقات کر کے اپنے بیوی بچوں کے پاس گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک چھوٹا بیٹا تھا جس سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ بچے

''عظمی میں کیا کروں......؟ ہائے اللہ میں کیا کروں؟ عظمی دیکھو تو یہ ثانیہ اور شہود کی تصویر ہے ناں؟'' انہوں نے تصویر اس کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں مما...... یہ تصویر میں ہزار مرتبہ دیکھ چکی ہوں۔ پھر آج کیوں دکھا رہی ہیں؟'' اس نے بیزاری سے کہا۔ ''اور آج تو آپ اس بری طرح رو رہی ہیں جیسے یہ آج ہی فوت ہوئے ہوں، ایسے تو آپ کبھی نہ روئی تھیں، روتے، روتے کیا حالت بنالی ہے اپنی، آج کیا ہوگیا آپ کو؟'' اس نے اپنے آنچل سے مما کا چہرہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا آج بھلا یہ تصویر نکال کر رونے کی کیا تک تھی؟ میں تو سمجھی تھی گھر جا کر میری اتنے دنوں کی تھکاوٹ اتر جائے گی لیکن یہاں تو سب کچھ الٹ ہی ہوگیا، ابھی شہیر آ کر یہ منظر دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے؟ بس آج تو میں اس تصویر کو پھاڑ ہی دیتی ہوں آج تو آپ نے رونے کی حد کردی اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا آپ کا رونا......'' اسے واقعی غصہ آگیا تھا اس نے تصویر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ چیخ پڑیں۔

''نہ عظمی نہ اس تصویر کو نہ پھاڑنا، تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا، آج سب الٹ ہوگیا، ہائے اللہ میں کیا کروں......؟'' وہ دل پکڑے روئے جا رہی تھیں اور عظمی حیران تھی۔

''کیا کہہ رہی ہیں مما، کیا الٹ ہوگیا؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... آپ کیا کہہ رہی ہیں، کیوں خواہ مخواہ روئے جا رہی ہیں، بس لائیں میں یہ تصویر پھاڑ ہی دوں' نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری......'' اس نے پھر تصویر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''عظمی پہلے اس تصویر کو تو دیکھ یہ شہیر کے چچا، چچی کی ہے۔'' انہوں نے دوسری تصویر عظمی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو وہ غور سے تصویر دیکھنے لگی۔

''اچھا تو یہ ہیں شہیر کے چچا، چچی، ان کا ذکر وہ مجھ سے کر چکے ہیں، کتنے اچھے لگ رہے ہیں ناں لیکن کہاں سے آئی یہ تصویر...... کیا شہیر آئے تھے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

نے آپؑ کے پیراہن کا دامن پکڑ لیا اور زار و قطار رونے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی سخت متاثر ہوئے اور گریہ کرنے لگے۔

خداوند متعال کی طرف سے خطاب ہوا۔ ''اے موسیٰ تم تو ہمارے پاس ہماری ملاقات کے لیے آرہے ہو تو رونا کیسا؟''

آپؑ نے عرض کیا۔ ''اے پروردگار! میں اپنے بچوں کے لیے رو رہا ہوں۔ (یعنی ان کی طرف سے فکرمند ہوں) کیونکہ مجھے ان سے بہت محبت ہے۔''

خطاب آیا۔ ''اے موسیٰ! ذرا اپنا عصا دریا پر مارو۔''

حضرت موسیٰ نے عصا مارا تو دریا پھٹ گیا اور ایک سفید پتھر نظر آیا جس کے اندر ایک کیڑا منہ میں سبز پتا لیے اسے چبانے میں مشغول تھا۔

خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

''اے موسیٰ! میں اس دریا کی تہ اور اس پتھر کے اندر موجود اس کمزور سے کیڑے کو نہیں بھولتا ہوں تو کیا تیرے بچوں کو بھول جاؤں گا؟ اطمینانِ خاطر سے چلے آؤ کہ میں ان کا بہترین نگہبان ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل سے فرمایا کہ اپنا کام سرانجام دیجیے اور پھر آپؑ کی روح قبض ہوگئی۔

انتخاب: قصص الانبیا

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

''ہاں، وہی تو دے کر گیا ہے، ارے یہ تو نازیہ اور سعود درانی کی تصویر ہے۔''

''تو کیا آپ انہیں جانتی ہیں؟'' عظمیٰ نے حیران ہوکر پوچھا۔

''جانوں گی کیسے نہیں، یہ تو میری ثانیہ کے دیور دیورانی ہیں۔'' وہ پھر رونے لگیں۔

''کیا کہا، ثانیہ یعنی میری ماں کے دیور دیورانی؟ لیکن آپ تو کہہ رہی تھیں کہ یہ شہیر کے چچا، چچی کی تصویر ہے۔'' اس نے جھنجلاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، سب الٹ ہوگیا۔'' مما نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھا کر الجھی، الجھی عظمیٰ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''یہ ثانیہ کے دیور دیورانی کی تصویر ہے بیٹا، یہ تمہارے چچا، چچی کی تصویر ہے اور...... یہ شہیر کے چچا، چچی کی بھی تصویر ہے۔''

''اچھا یہ میرے بھی چچا چچی ہیں اور شہیر کے بھی چچا، چچی ہیں۔'' وہ کچھ دیر ٹہل، ٹہل کر شاید رشتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر بڑی متانت سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ رشتوں کا چکر کتنا الجھا ہوا ہوتا ہے ناں...... لیکن میں کتنی جلدی سمجھ گئی کہ میرے ایک چچا تو یہ ہیں اور دوسرے شہیر کے والد، مما یہ تو بالکل قریبی رشتے داری نکل آئی یعنی شہیر میرے فرسٹ کزن ہوئے ناں......؟ تو پھر اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے؟'' وہ منہ پھلا کر شکایتی لہجے میں بولی۔ ''مما آپ نے تو کبھی ذکر ہی نہیں کیا کہ میرے کوئی چچا بھی ہیں اور آج تو ایک چھوڑ دو چچا نکل آئے اور جب ان کا ہی ذکر نہیں کیا تو ان کی اولاد کا کیسے کرتیں؟ مجھے تو بڑی گڑبڑ معلوم ہورہی ہے کہ آپ نے کبھی میرے ددھیالی رشتے داروں کا ذکر تک نہیں کیا۔ سچ بتائیں کیا آپ کی ان سے کوئی دشمنی تھی یا یہ خطرہ تھا کہ وہ مجھے آپ سے چھین لیں گے اور آج جب یہ انکشاف ہو ہی گیا تھا تو آپ نے رو، رو کر برا حال کرلیا۔ کیا اب آپ شہیر سے میری شادی نہیں کرنا چاہیں گی یا آپ کو اس طرف سے

Downloaded From http://paksociety.com

انکار کا خدشہ ہے؟ اگر یہ بات ہے تو آپ بے فکر رہیں شہیر خود سب کچھ سنبھال لیں گے بلکہ آپ لوگوں کی اتنی پرانی دشمنی بھی ختم کرا دیں گے، بس اب آپ رونا دھونا بند کر کے مسکرا دیجیے۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا لیکن مما تو اس کی باتیں سن ہی نہیں رہی تھیں وہ تو اسی طرح روئے چلی جا رہی تھیں پھر انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے دوسری تصویر بھی دیتے ہوئے کہا۔

''یہ تصویر بھی شہیر دے گیا تھا۔''

''اچھا، اچھا یہ تصویر ان کے پاس بھی تھی تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے آخر ان کے چچا، چچی کی تصویر ہے۔'' اس نے تصویر واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''آخر اس میں رونے کی کیا بات ہے میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا بلکہ جب شہیر کو بھی علم ہوگا کہ ہم دونوں فرسٹ کزن ہیں تو بہت خوش ہوں گے۔''

''میری جان......! میری بچی...... تجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہو گیا، اے اللہ میں اس معصوم کو کیسے سمجھاؤں؟'' ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تھی۔

''تو پھر بتائیں ناں کیا ہو گیا، کیا آفت ٹوٹ پڑی، بتائیں......تو آخر مسئلہ کیا ہے؟'' وہ پوری قوت سے چیخ پڑی تھی کہ انہیں خاموش کرانے کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہزار بار کی دیکھی ہوئی تصویر اس طرح کیوں دکھا رہی ہیں یہ وہی تصویر تو ہے جو وہ بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی۔

''بیٹا تم اس کی پشت پر لکھی تحریر تو پڑھ لو پھر خود ہی سمجھ جاؤ گی، میں کیا بتاؤں......'' مما نے پھر تصویر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر تو وہ جملہ پڑھتی رہی پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے مما کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مما میرے ماں، باپ کی تصویر پر شہیر نے یہ کچھ کیوں لکھا، اس کا کیا مطلب ہے؟'' اس کی آواز کہیں ڈوب رہی تھی اور مما کی آج کی حالت کو اب وہ تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''بیٹا یہ تحریر حقیقت ہے جسے وقت ہمارے سامنے لے آیا ہے اور کوئی اسے جھٹلا نہیں سکتا۔'' مما بڑے تاسف سے کہہ رہی تھیں۔

''کیا مطلب...... یہ تحریر حقیقت ہے، کچھ بتائیں تو سہی میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔'' اس کی نظریں اب بھی تصویر کی پشت پر تھیں......

''تمہارے دادا، دادی کے مجبور کرنے پر ہم نے تم سے ہر بات چھپائی لیکن آج حقیقت ایک کربناک المیے کی صورت ہمارے سامنے یوں آ کھڑی ہوئی کہ اب ہم اس سے چشم پوشی بھی نہیں کر سکتے، ہم سب بزرگ تم دونوں کے مجرم ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم مجبور تھے اور ہمیں مجبور کرنے والے تمہارے دادا، دادی تھے جب تم ماں کے شکم میں تھیں تو تمہارے والدین کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا، آپریشن کے ذریعہ تمہیں بچا لیا گیا تھا لیکن وہ دونوں جانبر نہ ہو سکے۔ شہیر تو اس وقت گھر میں ہی تھا اسے انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا اور تمہیں منحوس کہہ کر اپنانے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی تمہارے نانا، نانی کو تم دونوں بچوں کی قسم دے دی کہ وہ تمہیں تمہارے بھائی کے متعلق کچھ نہ بتائیں تو وہ بیچارے زندگی کی آخری سانسوں تک اس قسم کو نبھاتے رہے اور ہمیں بھی وصیت کر گئے، ہمیں کیا علم تھا کہ کبھی شہری بابا، شہیر کے روپ میں ہمارے سامنے یوں آ کھڑا ہوگا کہ ہم اسے پہچانیں گے بھی نہیں، جب ثانیہ اور شہود، شہیر کو سعودیہ سے لائے تھے تو وہ صرف تین سال کا تھا اور ہم نے تو اسے کچھ دن ہی دیکھا تھا۔ ہم تو اس کے پورے نام سے بھی واقف نہ تھے، سب اسے شہری بابا ہی کہتے تھے، اس وقت تو وہ ننھا سا بچہ تھا۔ اور اب......؟'' وہ جانے اور کیا کہتی رہتیں کہ عظمیٰ کی طرف دیکھ کر رک گئیں جس کا چہرہ بالکل سفید ہوتا جا رہا تھا، ہونٹ...... پھڑپھڑا رہے تھے اور حلقوں سے باہر نکلتی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں جیسے نیلی جھیل میں آگ لگ گئی ہو......مما اسے سنبھالنے کو آگے بڑھیں۔

''کیا......کیا شہیر میرے ماں، باپ کی اولاد

Downloaded From http://paksociety.com

ہے؟ کیا وہ میرا...... بھ...... بھا...... بھائی ہے؟'' اس کے نیلے پڑتے ہونٹوں سے الفاظ ٹوٹ، ٹوٹ کر ادا ہورہے تھے۔

''ہاں بیٹا، شہیر بھی تیرے والدین کی اولاد ہے، وہ تیرا اپنا بھائی ہے عظمی، یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اس نے اسے ہم سے اس طرح ملایا، اس کے بھید وہی جانے۔'' مما اب اپنا رونا بھول کر اسے سمجھا رہی تھیں، جس کی عجیب سی حالت ہورہی تھی۔

''ن...... ہی...... ں'' عظمی کی چیخ بہت لمبی تھی پھر ان چیخوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جو رکنے میں نہیں آرہا تھا، اس کی چیخیں در و دیوار ہلا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت سے اپنے بال نوچ رہی تھی اور صرف نہیں نہیں کی دلخراش چیخیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں۔ رابعہ اسے سنبھالنے میں بے حال ہوئی جارہی تھیں لیکن وہ ان کے قابو میں ہی نہیں آرہی تھی، بے آب مچھلی کی طرح تڑپ کر ہاتھوں سے نکلی جارہی تھی، اس کی چیخیں سن کر ماسی رضیہ اور کلثوم اپنے کام چھوڑ کر بے تحاشا کمرے کی طرف دوڑی تھیں وہ اسے سنبھالنے میں رابعہ بیگم کی مدد کررہی تھیں لیکن اس کے نازک سے وجود میں اتنی طاقت جانے کہاں سے آگئی تھی کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اتفاق تھا کہ اسی وقت شہاب خان گھر پہنچ گئے اور جب انہوں نے کمرے میں قدم رکھا تو اس وقت عظمی رابعہ کے بازوؤں میں بے ہوش ہوچکی تھی۔

''کیا ہوا...... کیا ہوا میری بچی کو؟'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان حیران و پریشان پوچھ رہے تھے۔

''معلوم نہیں جی، بے بی کو دورہ پڑ گیا، دیر نہ کریں جی اسپتال لے چلیں، ابھی ذرا بے ہوش ہوئی ہیں کہیں دوبارہ نہ چیخنے لگیں، جلدی کریں جی......'' ماسی رضیہ نے ہمت کرکے کہا۔

''کیسے دورہ پڑ گیا، کیا ہوا؟ اسی لیے کہتا تھا اتنی محنت نہ کرے، کیا حشر کرلیا ہے اپنا۔'' بولنے کے ساتھ، ساتھ وہ فیملی ڈاکٹر کے نمبر ڈائل کرتے رہے، پہنچنے سے پہلے وہ ڈاکٹر کو مطلع کردینا چاہتے تھے۔ اسپتال کے راستے میں رابعہ نے بے ربط جملوں میں شہاب کو ساری بات بتادی تھی جسے سن کر وہ سخت ہراساں ہوگئے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورتِ حال کو کس طرح سنبھالا جائے گا۔

''تمہیں چاہیے تھا کہ ابھی اس بات کو ان دونوں سے چھپالیتیں پھر ہم سوچتے کہ یہ حقیقت دونوں کے علم میں کس طرح لائی جاسکتی تھی۔'' انہوں نے گہرے دکھ سے کہا۔

''یہ تو میں اس وقت کرتی ناں جب مجھے یہ کرنے کا وقت ملتا، عظمی نے تو آج بھی دیر سے آنا تھا لیکن وہ اچانک ہی وقت سے پہلے اس وقت پہنچ گئی جب تصویریں دیکھ کر میں خود اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔'' وہ پھر رونے لگیں اور شہاب خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہے۔ اسپتال پہنچتے ہی عظمی کی... بے ہوشی ٹوٹ چکی تھی اور وہ پہلے کی طرح چیخ رہی تھی اور پورا عملہ اسے سنبھالنے کی کوششوں میں لگ گیا تھا، ڈاکٹر گوہر نے فوراً اسے بے ہوشی کا انجکشن لگانے کے ساتھ، ساتھ ڈاکٹرز کو اس کے چیک اپ اور مختلف ٹیسٹ کی ہدایت دی اور شہاب خان اور رابعہ بیگم نے عظمی کی موجودہ حالت کے بارے میں پوری تفصیل سن کر وہ گہری سوچ میں غرق ہوگئے۔

''ڈاکٹر! عظمی ٹھیک تو ہوجائے گی؟'' دونوں کا ایک ہی سوال تھا۔

''آں......؟ ہاں، ہاں کیوں نہیں۔'' ڈاکٹر ایک دم چونکے پھر کہا۔

''اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن نہیں ہوا اس سے ثابت ہوا کہ اس کے اعصاب مضبوط ہیں ورنہ تو بہت پرابلم ہوجاتی، خیر آپ اللہ پر بھروسا رکھیں، ہم بھی اپنی پوری کوشش کریں گے۔'' ڈاکٹر کو اٹھتا دیکھ کر شہاب بھی ان کے پیچھے باہر نکل گئے تو رابعہ بیگم نے فوراً شہیر کا نمبر ڈائل کیا، دوسری طرف شہیر ہی تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

"السلام علیکم مما......" اس نے آواز پہچانتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی والا تھا، البتہ پپا اور عظنہ بھی آچکے ہوں گے اور آپ بور نہیں ہو رہی ہوں گی۔" اس نے ہنس کر کہا لیکن کوئی جواب نہ پا کر پھر بولا۔ "کیا ہوا مما آپ خاموش کیوں ہیں؟ اچھا تو آپ مجھ سے ناراض ہیں، سچ مما اگر میرے دوست کے ہاں پارٹی نہ ہوتی تو میں ضرور آپ کو کمپنی دیتا اور آپ کے ساتھ کھانا چائے سب کھاتا پیتا، سوری معاف کردیں، چلیں میں کل آجاتا ہوں۔" وہ واقعی شرمندہ تھا۔

"بیٹا میں کیا ناراض ہوں گی' ناراض تو ہماری قسمت ہوگئی ہم سے۔"

"کیا مطلب......؟" وہ ان کی بات اور دکھی لہجے سے ایک دم پریشان ہوگیا تھا۔ پھر رابعہ ساری ہمت جمع کرکے ہچکیوں کے درمیان آہستہ، آہستہ مختصر الفاظ میں اسے سب کچھ بتاتی چلی گئیں...... اور اب دوسری طرف بالکل خاموشی تھی کسی، کسی وقت گہری سانس لینے کی آواز آئی تھی اور پھر فون ڈسکنٹ ہوگیا، انہوں نے گھبرا کر ری ڈائل کا بٹن کئی مرتبہ دبایا اسے پکارا بھی لیکن دوبارہ رابطہ نہیں ہوسکا۔

اس رات عظنہ کو کئی مرتبہ ہوش آیا اور جب ہوش آتا، وہ چیخنے لگتی اور اس کی چیخوں میں صرف نہیں نہیں کی تکرار ہوتی۔ وہ رات ایسی طویل ہوگئی تھی جیسے وقت ہی تھم گیا ہو، شہاب صاحب اس کے بیڈ کے قریب کرسی ڈالے بیٹھے تھے، کبھی اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو ہٹاتے، کبھی اس کے ٹھنڈے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیتے اور کبھی رومال سے اپنی آنکھوں کی نمی خشک کرنے لگتے، اس کی مما سجدے میں پڑی اس کے لیے دعائیں کررہی تھیں، کبھی پڑھ، پڑھ کر اس پر پھونکتیں لیکن اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی تھی اور اسی حالت میں دو دن گزر گئے تھے۔ وہ پہلے سے زیادہ کمزور ہوتی جارہی تھی، رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے سیاہ ہوتے جارہے تھے، دو دنوں میں ہی وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ گلابیاں پیلاہٹ میں چھپ گئی تھیں۔

☆☆☆

"عظی، میری عظی......" ان کے لبوں سے سسکی نکلی تھی۔

"بیگم اٹھو بہت دیر ہوگئی وہاں تو بیہ ہمارا انتظار کررہی ہوگی۔" شہاب خان کی گھبرائی ہوئی آواز نے خیالات کا سلسلہ منقطع کردیا تو انہوں نے بھی چونک کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"ڈاکٹر نے تمہیں بھرپور نیند لینے کا کہا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم تو سوئی ہی نہیں۔" ان کی سوجی آنکھیں اور آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھتے ہوئے شہاب ان کے قریب بیٹھ گئے تھے، وہ کیسے سوتیں وہ تو عظی کے بیڈ پر لیٹتے ہی خیالوں کے دوش پر اڑتی ماضی کے سفر پر روانہ ہوگئی تھیں۔ تصور میں تو انسان لمحوں میں انجانے جہاں کی سیر کرآتا ہے، انہوں نے تو پھر بھی کافی دیر میں اپنے اندر کا سفر کیا تھا، انہیں احساس ہی نہ ہوسکا کہ سوچتے، سوچتے کرب کی کون، کون سی منزلوں سے گزری تھیں اور کب سے آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے جب شہاب نے ان کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں سمیٹے تو انہوں نے شہاب کی طرف دیکھا، ان کی آنکھیں بھی کچی نیند کے خمار سے سرخ ہورہی تھیں...... روانگی سے قبل انہوں نے شہیر کو فون کیا جس نے دو دن سے خاموشی اختیار کررکھی تھی، وہ اس کے لیے بھی پریشان تھیں اور اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھیں وہ بھی انہیں بہت عزیز تھا جو محبت کی دھیمی انجانی موجوں میں بہہ کر ان تک پہنچا تھا لیکن ایک طوفانی لہر نے اسے پھر ان سے دور کردیا تھا لیکن اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھیں، وہ اس کے لیے بھی بہت دکھی تھیں لیکن فون ملازم نے اٹھایا اس نے بتایا۔

"دو دن قبل صاحب کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی تو وہ اسی دن کراچی چلے گئے تھے۔" اس خبر نے انہیں مزید پریشان کردیا، جانے اس پر کیا بیت رہی تھی، وہاں

Downloaded From http://paksociety.com

کا فون نمبر اور ایڈریس ملازم کے پاس بھی نہیں تھا تو وہ دل مسوس کر رہ گئیں سوائے صبر کے کیا کر سکتی تھیں۔

موت کی دہلیز پر جب زندگی
سانسیں گن رہی ہو
منجدھار سے نکلی کشتی
ساحل پر ڈوب رہی ہو
برسوں کا ساتھ پل میں
اِک ہستی چھوڑ رہی ہو
اس پل کی کیا
کوئی تصویر ہو سکتی ہے؟

اور اس اِک پل کی تصویر ان کے سامنے بری طرح بکھری پڑی تھی، چیخ رہی تھی، ٹوٹ رہی تھی، جسے وہ بڑی دیر سے بے بسی سے تکے جا رہی تھیں۔

''اتنی دیر سے عظمٰی کو ایسے کیوں دیکھ رہی ہو، کیا سوچ رہی ہو؟'' شہاب خان کی آواز نے انہیں چونکا دیا تھا پھر انہوں نے بڑی گہری آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''سوچ رہی ہوں کہ جب ثانیہ چھوٹی تھی تو اس کی عادت تھی کہ اپنا من پسند کھلونا بھی میری گود میں ڈال کر بھول جاتی تو میں اسے سنبھال کر رکھ دیتی پھر کسی دن اچانک اسے یاد آتا تو مجھ سے ہی مانگتی اور میں فوراً نکال کر اسے دے دیتی تو کتنا خوش ہوتی تھی، آج مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے کہ وہ اپنی جس گڑیا کو میری گود میں ڈال کر خود بے خبر ہو گئی تھی اور جسے میں نے بہت سنبھال کر رکھا، اب وہ اسے اچانک یاد آ گئی تو وہ اسے مجھ سے مانگ رہی ہے لیکن میں کیا کروں گی، میں اسے یہ گڑیا کیسے واپس دوں گی جو میری زندگی بن چکی ہے، میرے وجود کا حصہ بن چکی ہے، میری جان بن چکی ہے، میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی، آپ ہی بتائیں ناں یہ کیسے ہو سکتا ہے، عظمٰی چلی گئی تو میں کیسے جیوں گی؟'' ان کی آواز ہچکیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

''ایسی باتیں نہ سوچو بیگم، تمہاری گڑیا انشاء اللہ تمہارے ہی پاس رہے گی، اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں ضرور قبول فرمائے گا، عظمٰی کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' انہیں تسلیاں دیتے، دیتے وہ خود بھی رو پڑے تھے، اسی وقت ڈاکٹر گوہر کو آتا دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئے۔

''مبارک ہو آپ دونوں کو..... عظمٰی کے برین ٹیسٹ تو پہلے ہی کلیئر تھے، آج اس کی دوسری رپورٹس بھی بہتر آئی ہیں اور اب ہمیں اس کے جلد نارمل ہونے کی امید ہو چکی ہے۔'' کئی دنوں بعد آج پہلی مرتبہ ڈاکٹر کے چہرے اور لہجے سے جھلکتا سکون ان کے دلوں میں امید کے دیے روشن کر گیا، وہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار تھے، جس نے ان کی سن لی تھی۔

☆☆☆

رفتہ، رفتہ دوروں میں کمی ہوتی جا رہی تھی اور دوروں کی نوعیت بدلنے کے ساتھ ہی اس کے بے ہوشی کے وقفوں میں کمی ہوتی جا رہی تھی لیکن اب بھی وہ نہ کسی کی طرف دیکھتی نہ بات کرتی...... زیادہ تر آنکھیں بند رکھتی یا پھر چھت کو گھورتی رہتی، اب تو غذا کی نلکیاں بھی ہٹا دی گئی تھیں اور چمچ سے مشروب دیا جانے لگا تھا اور اس کے چہرے کی رنگت بھی کھلنے لگی تھی اور یہی بات سب کے لیے تقویت کا باعث تھی کہ اس کی حالت مزید خراب ہونے سے بچ گئی تھی بلکہ وہ بہتری کی طرف لوٹ رہی تھی۔

''عظمٰی میری جان، آنکھیں کھولو کتنے دن ہو گئے تمہیں اسی طرح پڑے ہوئے، بیٹا اپنی مما سے کچھ تو بولو۔'' مما نے جوس کا چمچ اس کے لبوں سے لگاتے ہوئے کہا تو اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے، مما نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی، یہ بات ڈاکٹر کے نزدیک بہت امید افزا تھی، وہ خوش تھے کہ اس کے دل میں گداز پیدا ہو رہا ہے، وہ احساسات کو محسوس کرنے لگی ہے اور یہ ان کے نزدیک صحتیابی کی طرف قدم تھا، دعائیں بار آور ہو رہی تھیں، اس کے چہرے کی تابانی لوٹتی دیکھ کر دلوں میں اطمینان اور سکون محسوس ہو رہا تھا، اس کی حالت بہتر ہوتی جا رہی

Downloaded From http://paksociety.com

تھی البتہ کسی، کسی وقت وہ آہٹ پر چونک پڑتی اور کسی وقت یوں محسوس ہوتا جیسے وہ سب کچھ سن رہی ہو سمجھ رہی ہو لیکن بولنے سے اجتناب برت رہی ہو، اب اکثر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں جنہیں وہ خاموشی سے اپنے اندر اتارتی رہتی مما اپنا دل مسوس کر رہ جاتیں، اس کا دکھ اپنے دل پر محسوس کر کے تڑپ جاتیں لیکن وہ اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں کیونکہ ڈاکٹر نے انہیں ابھی اسی موضوع پر اس سے بات کرنے کو منع کر دیا تھا لیکن ڈاکٹر خود اس سے کچھ دیر مختلف موضوع پر بات کرتا جسے وہ خاموشی سے سنتی رہتی اور جب سے انہوں نے بتایا تھا کہ یہ اس کرائسس سے نکل چکی ہے اور رفتہ رفتہ وقت کا مرہم اس کے زخم میں مندمل کر دے گا تو پھر اس کا ذہن موجودہ حالات کو قبول کر لے گا، اب وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہو رہی ہے، شاید وہ اپنے آپ کو اس تلخ حقیقت کا سامنا کرنے کے قابل بنانے کی کوشش میں ہے ابھی ذہنی طور پر وہ ایک دوراہے پر ہے اس کا ذہن ایک ساتھ دو محاذ پر لڑ رہا ہے، ایسے میں اس سے بات کرتے ہوئے احتیاط کی ضرورت ہے، جلد ہی اس کا ذہن موجودہ حالات کو قبول کر لے گا، بس آپ کو صبر سے اس وقت کا انتظار کرنا ہے، اب اس کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا تو مما کسی نہ کسی کو اس کے پاس بٹھا کر گھر کا چکر بھی لگا آتی تھیں اور اب انہوں نے منتیں جو اس کی وجہ سے مانی تھیں پوری کرنی شروع کر دی تھیں۔

آج بھی عظمٰی کے اسٹاف کی کچھ لڑکیاں اس کی عیادت کو آئیں تو مما، پپا کے ساتھ جو آفس سے عظمٰی کو دیکھنے آئے تھے کچھ دیر کو گھر روانہ ہو گئیں...... گھر پہنچ کر بیرونی گیٹ پر ہی انہیں مما کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی جنہیں ملازم نے ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیا تھا......

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ بری طرح چونک گئے تھے، کچھ دن قبل دیکھی ہوئی تصویر کی بنا پر سعود درانی اور نازیہ کو پہچاننے میں پل بھی نہ لگا تھا لیکن انہیں غیر متوقع طور پر اپنے گھر میں دیکھ کر دونوں کی عجیب کیفیت تھی، وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئے لیکن ان کی آنکھوں میں کئی سوال تھے اور لب خاموش تھے۔ رابعہ نے دیوار کا سہارا لیا۔

''رابعہ آپا!'' نازیہ نے ان سے لپٹتے ہوئے انہیں اس شاک سے نکالا تھا۔ سعود درانی نے بھی شہاب خان کے ہاتھ تھامتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھایا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئے، کافی دیر تک چاروں سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔

''شہیر کہاں ہے، کیسا ہے؟'' رابعہ کی لرزتی آواز نے سکوت کو توڑا۔

''وہ ہمارے پاس ہے اور اب بالکل ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں رابعہ آپا...!'' نازیہ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کیسے فکر نہ کروں...... عظمٰی اسی دن سے دنیا جہاں سے بے خبر اسپتال میں پڑی ہے اور شہیر کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی، جانے اس تلخ حقیقت کا سامنا اس نے کیسے کیا ہوگا، یہی سوچ، سوچ کر میری جان سولی پر ٹنگی ہے، میرے لیے تو دونوں برابر ہیں، دونوں ہی میری ثانیہ کے بچے ہیں، یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی ایسا بھی ہوگا، ذرا سوچو تو دونوں کس جذبے سے ایک دوسرے سے ملے، ایک دوسرے کو کس نظر سے دیکھنا چاہا اور سپنوں کے کتنے حسین محل تیار کر لیے تھے انہوں نے...... اب کیا کہوں، یہ تو تم لوگ جانتے ہو کہ کس کے کہنے پر اور کس طرح ان دونوں بچوں کو جدا کر دیا کہ انہیں اب تک ایک دوسرے کے وجود کا علم ہی نہیں تھا اور پھر شہیر کو بھی اس کے والدین کے بارے میں بالکل غلط بتایا ورنہ ہم تو شہود اور ثانیہ کا نام سن کر ہی کسی حکمتِ عملی سے دونوں کو ان کے رشتے کے بارے میں بتا دیتے تو آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا لیکن اسے تو اس کے دادا تک کا نام غلط بتایا گیا، آپ لوگوں نے آئندہ کا تو سوچا بھی نہیں تھا اور ہمیں بھی قسمیں دے کر اپنے گناہ میں شامل کر لیا، اب یہ سب عذاب کس پر پڑے گا؟ ہائے اللہ کیا لکھا تھا میری ثانیہ کے بچوں کی قسمت میں......'' رابعہ آنکھوں پر پلو رکھ کر

Downloaded From http://paksociety.com

رونے لگیں تو نازیہ جو کافی دیر سے پہلو پہ پہلو بدلے جا رہی تھی اور کچھ کہنے کے لیے بے چین تھی ان کے دوبارہ بولنے سے پہلے ہی بول پڑی......

''رابعہ آپا، حقیقت وہ نہیں ہے جو آپ جانتی ہیں اور جو آپ نے شہیر کو بتائی تھی، وہ بھی یہاں سے بہت ابتر حالت میں گیا تھا، سنبھالے نہیں سنبھالا جا رہا تھا۔ تب مجبوراً اسے وہ سب کچھ بتانا پڑا جو اب تک اس سے مخفی رکھا تھا، اگر اس غلط فہمی کو وہ بھی حقیقت نہ سمجھتا تو ہم کبھی اسے یہ سب کچھ نہ بتاتے۔ آپا وہ حقیقت نہیں جو آپ کے علم میں ہے۔'' نازیہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آپا، شہیر، شہود بھائی اور ثانیہ بھابی کی اولاد نہیں ہے، اسے انہوں نے گود لیا تھا۔''

''کیا؟'' وہ دونوں بری طرح اچھلے تھے، ان کی آنکھیں مارے حیرت کے ابلی پڑ رہی تھیں۔

''اس بات کا کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے؟'' شہاب خان نے بے یقینی سے کہا۔

''بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے کیا، ہم یہی سب کچھ بتانے تو حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ کو بھی حقیقت کا علم ہو جائے، بھئی بتائیں ناں نازیہ......'' سعود نے مسکراتے ہوئے کہا تو شہاب اور رابعہ بے چینی سے نازیہ کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں کس طرح شروع کروں سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' نازیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جہاں سے شہیر کا قصہ شروع ہوتا ہے وہیں سے شروع کریں لیکن قصے کو طول دے کر ہمارے صبر کو مزید نہ آزمانا......'' شہاب خان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''ٹھیک ہے۔'' نازیہ نے سنجیدگی سے کہا وہ ان کی دلی کیفیت کو سمجھ رہی تھی۔

''تو میں اس وقت سے شروع کرتی ہوں جب شہود بھائی اور ثانیہ بھابی کی ڈیتھ کے بعد گھر بار کا ہوش آیا تو بھابی کا بکس بھی ٹھیک کرنے کا خیال آیا، اس میں ایک ہینڈ بیگ میں سے چند تصاویر، ایک برتھ سرٹیفکیٹ اس کے علاوہ بچے کو اڈاپٹ کرنے کا سرٹیفکیٹ اور بھابی کی ڈائری بھی برآمد ہوئی جو اس حقیقت کے آشکار ہونے کا سبب بنی، اگر وہ دونوں زندہ رہتے تو شاید یہ حقیقت ہمیشہ راز ہی رہتی، تب شہیر اور عظنہ واقعی ایک دوسرے کے سگے بھائی، بہن کی طرح ہی رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا تب ہی تو کاتب تقدیر نے اس کہانی کا رخ موڑ کر اسے کچھ اور ہی رنگ دیا۔''

اتنا کہہ کر اس نے سب کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہے تھے، شہاب خان اور رابعہ بیگم تو دم سادھے بیٹھے تھے۔

''اس ڈائری میں کیا لکھا تھا ثانیہ نے؟'' رابعہ بیگم نے دل تھامتے ہوئے پوچھا۔

''وہی بتانے لگی ہوں۔'' نازیہ نے ڈائری کے صفحات پلٹتے ہوئے کہا۔ بھابی نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ جدہ میں شہود بھائی کے اسپتال میں اتفاق سے ایک اور انڈین ڈاکٹر ان کے ہم نام تھے فرق یہ تھا کہ یہ شہود محبوب درانی تھے اور وہ شہود احمد درانی تھے۔ اکثر نام کی مماثلت کی وجہ سے غلط فہمی کی بنا پر دونوں کے پیشنٹ ایک دوسرے کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے۔ ایسے لطیفے اکثر ہو جاتے تھے پھر انہوں نے آگے لکھا ہے۔ شہود احمد درانی کی شادی کو آٹھ برس گزرنے کے بعد اب ان کے گھر پہلی اولاد ہو رہی تھی، پریگنینسی کے دوران نائلہ کی کنڈیشن ٹھیک نہیں تھی، ان کا کیس بہت سیریس تھا پھر بھی میاں، بیوی بہت خوش تھے۔ پھر ایک دن اسی اسپتال میں نائلہ کا سیزرین ہوا اور اس نے صحت مند بچے کو جنم دیا لیکن وہ خود بہت نڈھال تھی، نائلہ کی حالت اگرچہ ٹھیک نہیں تھی پھر بھی دونوں اس قدر خوش تھے کہ پورے وارڈ کو مٹھائی کھلائی اور ساتویں دن اسپتال میں ہی اس کا عقیقہ کیا اور بچے کا نام شہیر احمد درانی رکھا، بچے کے ساتھ تصویریں بھی اتروائیں، سب ہی ان کی خوشی میں خوش تھے لیکن

Downloaded From http://paksociety.com

قدرت کو ان کی خوشی منظور نہ تھی، نائلہ کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ ڈاکٹرز نے ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کچھ دن بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ اس دکھ پر پورا اسپتال ہی رنجیدہ تھا۔ شہود احمد کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی۔ بس ایک ہلکی سی کرن بچے کی صورت ان کے پاس تھی جس کی خاطر بڑی مشکل سے انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔'' صفحہ پلٹتے ہوئے اس نے سب پر نظر ڈالی اور ایک گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

''بھابی نے آگے لکھا ہے کہ پھر شہود احمد نے مجھ سے کہا۔ بھابی ابھی تو بچہ اسپتال کی نرسری میں نرسوں کی زیرِ نگرانی ہے لیکن چند ماہ بعد سے میرے بچے کی پرورش آپ کریں گی کیونکہ اس کے ددھیال، ننھیال میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ ذمے داری قبول کر سکے پھر میں اسے اپنے سے دور نہیں کر سکتا آپ کے پاس ہوگا تو میری نظروں کے سامنے بھی رہے گا...... پھر چند ماہ بعد یہ ہوا کہ بھائی شہود احمد درانی ڈاکٹرز کے وفد کے ساتھ فرانس روانہ ہوئے لیکن وہ جہاز فرانس پہنچنے سے پہلے ہی کریش ہوگیا جس میں کوئی شخص نہیں بچا تھا اسپتال میں کئی روز تک جہاز کے حادثے میں ہلاک ہونے والے ڈاکٹرز کا سوگ منایا گیا، تب میں نے اس یتیم و یسیر بچے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا پھر جلد ہی اسپتال میں باقاعدہ ایک تقریب میں بچہ اڈاپٹ کر لیا اور ہم دونوں کو اس کا سرٹیفکیٹ بھی دیا گیا جس میں وہاں کے انچارج اور کئی سینئرز ڈاکٹر کے دستخط بھی ہیں اور بچے کے ساتھ ہماری تصویریں بھی بنائی گئی جو ہمیں بھی دی گئیں اور اسپتال کے ریکارڈ میں بھی رکھی گئیں۔ ہم اس بچے کو پا کر بہت خوش ہیں جو ہمارا منہ بولا بیٹا ہے لیکن ہم اسے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار دیں گے، ہمیں تو اس سے ابھی سے پیار ہوتا جا رہا ہے اور ہم اسے پیار سے شہری بابا بلاتے ہیں۔''

نازیہ نے ڈائری بند کرتے ہوئے پیشانی سے پسینہ پونچھا تو وہ دونوں عجب سی کیفیت میں تھے۔

''اب تک یہ راز صرف ہم دونوں تک ہی محدود تھا۔ ہم نے ابا جان اور اماں جان کو اس لیے نہیں بتایا کہ ابھی تو وہ شہری کو اپنے بیٹے کی نشانی سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں لیکن اس کی اصلیت پتا چلنے پر کہیں وہ اسے بھی اپنی پوتی کی طرح منحوس قرار دے کر گھر سے نہ نکال دیں کیونکہ اس کے ساتھ بھی وہی سب ہو چکا تھا جس کی بنا پر انہوں نے پوتی کو منحوس قرار دیا تھا بلکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کہتے کہ یہ اپنے والدین کے بعد ہمارے بچوں کو بھی کھا گیا اور اس کے ساتھ تو ان کا خون کا رشتہ بھی نہ تھا تو ہم سوچ سکتے تھے کہ وہ کیا کرتے، اللہ جانتا ہے کہ ہم نے کبھی بھی شہری کو تقی اور ماہا سے الگ نہیں سمجھا بالکل اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کی اسی وجہ سے یہ تینوں بچے اب تک اس حقیقت سے ناآشنا تھے۔'' سعود نے بات ختم کرتے ہوئے ثانیہ کے ہینڈ بیگ سے نکلی تمام چیزیں تھما دیں کہ انہی میں اس حقیقت کا ثبوت تھا۔ شہاب اور رابعہ بڑی دیر تک ان تصویروں کو دیکھتے رہے جس میں نوزائدہ شہری کی اس کے حقیقی والدین کے ساتھ چند تصویریں تھیں اور کچھ گروپ فوٹو بھی تھیں، یہ سب دیکھ کر وہ کچھ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے نہ جانے وہ خوش تھے یا دکھی لیکن انہیں اپنے دل سے بوجھ کی ایک دبیز تہ سرکتی محسوس ہوئی اور احساسِ گناہ کا خیال بھی زائل ہوگیا، دل میں کہیں سکون و اطمینان کے چراغ سے جلتے محسوس ہوئے جن کا عکس چہرے پر نمایاں تھا۔

''لیکن شہیر سے اتنی بڑی حقیقت کیوں چھپا رکھی؟''

''اس کی بھی خاص وجہ تھی۔'' سعود نے شہاب کے ہاتھ سے چیزیں واپس لیتے ہوئے کہا۔

''بھائی، بھابی کے بعد دو سال کے عرصے کے بعد اماں، ابا بھی دنیا سے منہ موڑ گئے تھے۔ ہم چاہتے تو اس وقت یا کچھ بڑا ہونے پر شہیر کو بتا دیتے لیکن ہم نے اسے اس لیے بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ ابھی تو ہمیں

Downloaded From http://paksociety.com

اپنے چچا اور چچی سمجھ رہا ہے لیکن حقیقت بتا دینے کے بعد خدشہ تھا کہ بڑا ہو کر وہ ہماری محبت کو احسان سمجھتا اور خود کو ہم پر بوجھ سمجھتا تو ہمیں چھوڑ کر کہیں چلا جاتا جو ہم برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے اسے اپنی اولاد سمجھ کر ہی اس کی پرورش کی تو اسے دنیا کی ٹھوکروں پر کس طرح چھوڑ دیتے، ہمیں علم تھا کہ وہ ہمارے بھائی کی اولاد نہیں اس لیے اماں، ابا کے انتقال کے بعد بھی اسے آپ سے ملانے کا کوئی سوال نہیں تھا کہ وہ آپ کا کچھ نہیں لگتا تھا۔''

''آپا آپ نے جو کچھ شہری کو بتایا تھا اس کی تصدیق کرنے وہ یہاں آیا تھا تو اس کی حالت بہت خراب تھی، وہ اپنے ضمیر کے بوجھ کو برداشت کر رہا تھا تو مجبوراً اسے سب کچھ بتانا پڑا لیکن وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت سے نکل نہیں پا رہا تھا تو سعود اسے جدہ کے اسی اسپتال میں لے گئے اور برسوں پہلے کا ریکارڈ نکلوایا وہ واقعہ تو وہاں اتنی خاص اہمیت کا حامل تھا کہ کچھ جدوجہد کے بعد تمام ریکارڈ مل گیا اور وہی سب ثبوت وہاں بھی تھے جو ہمارے پاس تھے۔ تب اسے یقین آیا لیکن آج تک اپنے والدین سے لاعلمی کا اسے بہت صدمہ ہوا پھر بھی اسے اس بات سے اطمینان اور خوشی ہے کہ اس سے کوئی غلط حرکت نہیں ہوئی، ضمیر کا بوجھ اترا تو اسے سکون ملا......اب وہ بالکل ٹھیک ہے اور پہلے وہ شہود بھائی کا بیٹا تھا لیکن اب سب کچھ معلوم ہونے کے بعد وہ ہمارا بیٹا ہے اور ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ یہ اس نے خود کہا ہے، ہم تو اللہ تعالیٰ کے بہت شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں دو ہونہار بیٹے دیے۔ ہمیں دو اتنے اچھے بیٹوں سے نوازا ہے۔'' نازیہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''یہ ٹھیک ہے کہ شہیر سے ہمیں ملوانے کا جواز نہ تھا کہ وہ ہمارا کچھ نہیں لگتا لیکن اگر یہی بات ہمیں بتا دیتے تو ہمارے دل کو سکون مل جاتا اور یہ حالات بھی نہ ہوتے جواب ہوئے۔ پھر عظمیٰ تو آپ کا خون تھی کیا اس کی خیر خبر لینے کو کبھی آپ کا دل نہ چاہا؟'' رابعہ بیگم نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''خیال تو آتا تھا لیکن ہم مطمئن تھے کہ وہ آپ کے پاس ہے اور آپ سے زیادہ اسے کون محبت دے سکتا تھا اس لیے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وقت نے زیادہ سوچنے کی مہلت بھی نہ دی۔ ابھی تقی اور شہری چھوٹے ہی تھے کہ ہم کینیڈا چلے گئے تھے۔ ہماری ماہا تو وہیں کی پیدائش ہے، بس ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہمیں واپس آئے ہوئے اور شہری اور تقی تو ہمارے بھی بعد وہاں سے اسپلائزیشن کر کے آئے ہیں انہیں تو زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا آئے ہوئے بس اسی لیے کبھی رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔'' سعود کی باتوں سے دل کا ملال دور ہو گیا تھا۔

''بس بھئی مولا کو اتنے طویل عرصہ ہماری دوری منظور تھی تو کس طرح مل سکتے تھے۔'' شہاب نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور مسکرا دیے۔

''شہاب بھائی آپ نے صحیح فرمایا یہ سب قدرت کے کھیل ہیں، اب جونہی قدرت کو ہمارا ملنا منظور ہوا تو اس نے ہمارے ملنے کا انتظام اس طرح کر دیا کہ آج ہم اپنے شہیر بیٹے کا رشتہ آپ کی بیٹی عظمیٰ کے لیے اس امید پر لے کر آئے ہیں کہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' سعود نے شہاب کے ہاتھ تھامتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''ویسے اگر آپ نے ہمارے بیٹے کے متعلق کسی قسم کی بھی تحقیقات کروانی ہو تو یہ آپ کا حق ہے، آخر آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے، اچھی طرح چھانٹ پھٹک کر لیں۔'' سعود کی بات پر سب ہی ہنس دیے تھے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو سعود میاں، عظمیٰ بھی تمہاری بچی ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ رخصت ہو کر اپنوں میں جائے گی، رب نے نصیب تو اس کا یہیں لکھا تھا۔ اسی لیے تو اب تک تمام رشتے ٹھکراتی آئی تھی، اللہ نے اسی طرح اسے اپنوں سے ملوانا تھا۔'' رابعہ بیگم بہت خوش تھیں۔

''آپا، میری بات کا یقین کریں، شہیر کے لیے

Downloaded From http://paksociety.com

میں نے ایک سے بڑھ کر تعلیم یافتہ اور حسین لڑکیاں دیکھیں لیکن وہ تو کہیں مانتا ہی نہیں تھا لیکن ابھی کچھ عرصہ پہلے اس نے بتایا کہ اس کی آئیڈیل اسے مل گئی ہے اور اب اس کی شادی کی تیاری کریں تو ہمیں بے انتہا خوشی ہوئی، عظمنہ کی تصویریں بھی بہت پسند آئیں اور جب اس نے شہاب بھائی اور آپ کا نام لیا تو یقین کرنا ہی پڑا کہ قدرت نے تو بہت پہلے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے ہی تخلیق کیا تھا ہم ہی لاعلم تھے۔

اب علم ہونے پر اس قدر خوشی تھی کہ ہم فوراً آپ کے پاس آنا چاہتے تھے لیکن یہاں توقیر کے مسئلے میں بری طرح مصروف تھے تو ہم نے سوچا یہاں سے فارغ ہوتے ہی اچانک آپ کے پاس پہنچیں گے تو ہم آپ کو سرپرائز دینا تھا، ہم آپ کے پاس آنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ وہ بہت ڈپریشن میں ہمارے پاس پہنچا تھا تو بہت دن تو اسے سنبھالنے میں لگے پھر یہ دونوں سعودیہ چلے گئے کل ہی تو لوٹے ہیں تو آج ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔'' نازیہ کی بات ختم ہوئی تو رابعہ آپا نے چونک کر پوچھا۔

''کیا تم دونوں اکیلے چلے آئے بچوں کو نہیں لائے؟'' اب تمام گتھیاں سلجھ گئیں تو انہیں خیال آیا۔

''تینوں آئے ہیں لیکن ہمیں گیٹ پر اتار کر کہیں کام سے گئے ہیں تھوڑی دیر میں آتے ہی ہوں گے۔''

''تو میں کچھ چائے، ناشتے کا کہہ کر آتی ہوں۔'' نازیہ کی بات سن کر اٹھتے ہوئے رابعہ آپا نے کہا۔ ''اتنی پریشانی میں تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں تھا اب سکون ملا تو خیال آیا کہ تم سے چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے چلی گئیں تو سعود اور نازیہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

''بس بچوں کے آتے ہی چائے پی کر اسپتال چلیں گے، ہمیں آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی۔'' شہاب خان نے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

شہاب خان نے ڈاکٹر گوہر سے سب کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ عظمنہ سے ملنے آئے ہیں، وہ سب سے بڑے تپاک سے ملے اور سرجن شہیر کو ان کے پروفیشنل کی وجہ سے بہت عزت دی لیکن حقیقت سے آگاہی کے سبب وہ شہیر کو ابھی عظمنہ کے سامنے جانے سے روکنا چاہ رہے تھے کہ کہیں اسے اچانک سامنے پاکر اس کی ذہنی حالت پھر نہ بگڑ جائے، شہیر خاموش تھے لیکن شہاب نے ڈاکٹر کو نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ بار، بار بدلتی صورتِ حال کو اس کا ذہن کس طرح قبول کرے گا کہیں اس کے ذہن میں چھڑی متضاد خیالات کی جنگ کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کرلے، پہلے ہی اس کا ذہن کسی ایک نقطہ کو قبول نہیں کرپارہا تو دوبارہ بدلتے حالات اس کے ذہن پر کیا اثر ڈالیں گے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ڈاکٹر کو پریشان دیکھ کر شہیر ان کی طرف بڑھے۔

''ڈاکٹر میں ابھی آپ کی پیشنٹ سے ملنے نہیں بلکہ اس کیس پر آپ سے ڈسکس کرنے آیا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں، آپ کی اجازت کے بغیر میں آپ کی پیشنٹ سے نہیں ملوں گا۔'' سرجن شہیر کی بات سن کر ڈاکٹر نے سکون کی سانس لی اور مسکرا دیے۔

''تو چلیے پھر آفس میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' جاتے، جاتے شہیر نے سب کو ویٹنگ روم میں بیٹھنے کا کہا اور ڈاکٹر کے ساتھ چل دیا۔

ڈاکٹر شہیر کے مشورے سے مما، پپا کے علاوہ سب کو فی الحال عظمنہ سے ملنے سے منع کر دیا گیا تھا لیکن اس طرح دیکھ لینے کی اجازت تھی کہ اسے علم نہ ہو اور سرجن شہیر کے ہی مشورے پر ایک مشہور سائیکاٹرسٹ کو بھی ہائر کرلیا گیا تھا جس نے عظمنہ کے ساتھ کئی نشست کیں اور ہپناٹائز کے ذریعے سے اس کے اور شہیر کے بارے میں ایک، ایک بات آہستہ، آہستہ ذہن نشین کراتے گئے، یہ علاج بھی کافی صبر آزما تھا لیکن اس کے مثبت نتائج نکل رہے تھے کہ اس عمل کے بار، بار دُہرانے سے وہ اپنے اور شہیر کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی اس لیے اب وہ سائیکاٹرسٹ سے شہیر کے بارے میں بات کرنے لگی تھی۔ درمیان

Downloaded From http://paksociety.com

میں آنے والی غلط فہمی دور ہو چکی تھی اور اس کا دماغ حقیقت کو تسلیم کر رہا تھا۔

''اب وہ ذہنی طور پر کافی نارمل ہے اور انہیں کسی علاج کی ضرورت نہیں رہی اور اب انہیں مجھ سے نہیں بلکہ شہیر صاحب سے ملاقات کی ضرورت ہے۔'' یہ کہہ کر سائیکاٹرسٹ نے اپنی خدمات سے سبکدوش ہونے کا اعلان کر دیا۔

عظمٰنہ دروازے کی طرف پیٹھ کیے لیٹی تھی وہ اس کی پشت کی جانب جا کھڑا ہوا۔

''عظمٰنہ۔'' اس نے دھیرے سے پکارا عظمٰنہ کے جسم میں کچھ کسمساہٹ ہوئی وہ چونکی ضرور تھی لیکن اس نے نہ سر اٹھا کر دیکھا نہ کروٹ بدلی۔

''عظمٰنہ ......'' اس نے ذرا جھک کر پھر پکارا لیکن اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ ''عظمٰنہ، میری بات سنو، تمہیں معلوم ہے ناں وہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوا جو مما نے تمہیں اور مجھے بتایا تھا ایسا کچھ نہیں ہے، یقین کرو، میں تمہارے والدین کی اولاد نہیں ہوں، میرا ان سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے، انہوں نے مجھے پالا ضرور تھا وہ بھی صرف تین سال اور میں ہمیشہ انہیں والدین سمجھتا رہا کیونکہ مجھے یہی بتایا گیا تھا اسی لیے میں نے ان کی تصویر پر وہ لکھا تھا جو بالکل غلط تھا۔'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آگیا۔ ''عظمٰنہ وہ میرے والدین نہیں تھے' وہ صرف تمہارے والدین تھے۔ تمہیں اپنے والدین کا علم تو ہے تم اپنوں میں ہی تھیں، تم اپنی حقیقت سے واقف تھیں لیکن مجھے تو اپنے والدین کا علم بھی نہ تھا میرا تو کوئی بھی نہ تھا۔ عظمٰنہ تم جانتی ہو ناں کہ کچھ غلط نہیں ہوا، ہم ایک دوسرے کے لیے اب بھی وہی ہیں جو ہم سمجھتے تھے۔'' اس نے عظمٰنہ کے قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھ اس کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں پر رکھ دیے تو عظمٰنہ نے اس کے ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے۔

''شہ......ہیر......'' وہ بے اختیار چیخنے لگی اس کی چیخیں سن کر سب ہی اس کے روم کی طرف دوڑے تھے جن میں ڈاکٹر اور کچھ نرسیں سب سے آگے تھے لیکن سرجن شہیر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں عظمٰنہ کے قریب آنے سے روک دیا تھا۔ اسے پھر دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی، پھر چیختے، چیختے وہ رونے لگی، اس کا رونا رک ہی نہیں رہا تھا سب اس کی حالت دیکھ کر پریشان تھے، اس کے مما، پپا تو اس کی طرف ایسے دیکھ رہے تھے، جیسے ان کی بچی کھچی پونجی بھی لٹ رہی ہو۔

''گھبرائیں نہیں یہ اس نوعیت کا دورہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کا جمود ٹوٹ رہا ہے، اب یہ ٹھیک ہو جائے گی اور اس طرح رونا اس کے لیے بہت ضروری تھا۔'' ڈاکٹر نے سمجھاتے ہوئے کہا اس کی حالت دیکھ کر سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

شہیر نے اسے بازوؤں میں لے کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور دھیرے، دھیرے اس کے بال سہلاتا رہا، سب متحوش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ڈاکٹرز نے سب کو خاموش رہنے کا اس طرح اشارہ کیا جیسے کہہ رہے ہوں اس وقت یہ سب بہت ضروری تھا۔ پھر بتدریج اس کے رونے میں کمی آتی چلی گئی۔ شہیر ابھی تک اس کے بال سہلا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، کچھ لمحے ایسے ہی گزر گئے تب شہیر نے آہستہ، آہستہ اسے تکیے کے سہارے بٹھا دیا اور خود سیدھا ہو کر بیٹھ گیا لیکن اس کا ایک ہاتھ ابھی تک عظمٰنہ کے ہاتھ میں تھا اور عظمٰنہ کے چہرے پر ایسا دھوپ چھاؤں کا منظر تھا جیسا موسلا دھار بارش کے بعد دھوپ نکلنے پر ہوتا ہے۔

مما نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس نے بے اختیار ان کی طرف دیکھا اور مما کہہ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے، پپا کو بھی دیکھ کر آج کتنے دن بعد اس کی آنکھوں میں شناسائی کا تاثر تھا۔ اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا جیسے بہت دن بعد خواب سے جاگی ہو۔

''عظمٰنہ۔'' شہیر نے سرگوشی کی تو اس نے حیا سے

Downloaded From http://paksociety.com

آنکھیں جھکا دیں۔ سب اس کے بیڈ کے گرد کھڑے ہو گئے تھے۔ سعود نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا تم ہمیں نہیں جانتیں، ہم تمہارے چچا ہیں اور یہ تمہاری چچی ہیں، یہ تمہاری بہن ماہا اور یہ تمہارے بھائی توقیر ہیں۔ ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔'' چچا اس سے سب کا تعارف کروا رہے تھے اور وہ سب کو دیکھ، دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اور بیٹی ہمارا ایک بیٹا یہ شہیر احمد بھی ہے۔'' انہوں نے شہیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

''بیٹا، غلط فہمی کی بنا پر جو اذیت تم دونوں کو اٹھانی پڑی اس کے لیے ہم سخت شرمندہ ہیں بعض اوقات بزرگوں کی غلطیاں بچوں کو بھگتنی پڑتی ہیں۔ شہیر اور تمہارے مما، پپا بھی بالکل تمہاری طرح لاعلم تھے اسی لیے یہ سب کچھ ہوا، اب تمام پریشانیاں ختم ہو چکی ہیں البتہ تم خوش ہو ناں......؟'' انہوں نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، نازیہ بے اختیار اسے پیار کرنے لگیں۔

''ہماری بیٹی تو ماشاء اللہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے، یہ تو اپنی تصویروں سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ دیکھیں سعود اس میں تو ثانیہ بھابی اور شہود بھائی دونوں کا حسن یکجا ہو کر بے مثال بن گیا۔'' نازیہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے کہہ رہی تھیں اور اس کی آنکھ میں چمکتے جگنو دیکھ کر مما کے دل میں ڈھیروں سکون بھر گیا۔

''مس عظمٰی......! اب آپ بالکل ٹھیک ہیں، اپنے مہمانوں سے خوب باتیں کریں اور خوب ہنسیں بولیں۔'' ڈاکٹر بہت خوش تھے اور وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی سب کو دیکھ، دیکھ کر مسکرا رہی تھی جو اس کے اپنے تھے اور جن سے وہ اب تک جدا رہی تھی اور آج اچانک انہیں اپنے قریب دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی تھی اور آج ان کے درمیان بیٹھے ہوئے اسے اپنے ماں، باپ کی یاد بھی آئی تھی جنہیں اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔

''اب آپ انہیں جوس پلائیں اور اچھی، اچھی چیزیں کھلائیں پھر دیکھیں یہ آج ہی کتنی صحت مند ہو جاتی ہیں۔'' ڈاکٹر سب سے ہی مخاطب تھے۔

''کیا ہم انہیں مٹھائی بھی کھلا سکتے ہیں؟'' توقیر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں، ہر چیز کھلا سکتے ہیں یہ کوئی بیمار تو نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر مسکرا رہے تھے۔

''اگر یہ بیمار نہیں تو یہاں اسپتال میں ان کا کیا کام ہم آج ہی انہیں گھر لے جاتے ہیں۔'' ماہا نے عظمٰی سے لپٹتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا۔

''بالکل آپ لے جا سکتی ہیں، میں ابھی ان کی ڈسچارج فائل بنا دیتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے باہر جاتے ہوئے کہا تو ان کی بات سن کر سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

''ڈاکٹر رکیں پہلے اس خوشی میں مٹھائی تو کھا لیں۔'' سعود نے ڈاکٹر کو کرسی پیش کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی سب کے ساتھ مٹھائی کھانے میں مصروف ہو گئے۔

شہیر نے مٹھائی کا پیس عظمٰی کے منہ میں ڈالتے ہوئے صحت یابی کی مبارکباد دی تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''مبارک ہو بھابی......'' توقیر اور ماہا نے خوب صورت بوکے پیش کرتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ سب ہی اسے گھیرے ہوئے اس پر اپنی محبتیں نچھاور کر رہے تھے، اسے آج پہلی مرتبہ اتنی ڈھیروں محبتیں اور پیار ملا تھا کہ اسے اپنا وجود اس پیار کی بارش میں بھیگتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پور، پور اس بارش سے سیراب ہو رہی تھی۔ اس کے مما، پپا کی آنکھیں خوشی سے بھر آئیں، اس نے خواب آگیں نظروں سے شہیر کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں محبت کے دریا موجزن تھے تو وہ اس دریا میں ڈوبتی چلی گئی۔

Downloaded From http://paksociety.com

غفلت

پروین عظیم

آج پھر زرینہ کی طبیعت خراب تھی تھکن سے اس کا برا حال تھا اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ بستر سے اٹھے اور گھریلو امور انجام دے مگر چھوٹے بچوں کا ساتھ اور بیمار ساس جو اللہ کے بعد اس کے رحم وکرم پر تھیں، ناچار وہ اٹھی اور سب کو ناشتا دیا، بچے قریبی اسکول میں داخل تھے، ناشتے کے بعد خود ہی اسکول چلے گئے۔ شوہر کی معمولی ملازمت اور محدود تنخواہ، چار بچے اور دووھ

Downloaded From http://paksociety.com

خود بیمار ماں کا خرچ..... شکر ہے گھر اپنا تھا جو سر چھپانے کا آسرا تھا۔ گھر کا سب کام زرینہ کو ہی کرنا پڑتا تھا، آج تو کپڑوں کا ڈھیر بھی پڑا تھا اُس نے دماغ میں سب کام کی ترتیب بنائی کہ کہاں سے کام شروع کیا جائے مگر تھکن اسے کچھ کرنے ہی نہیں دے رہی تھی خیر کسی طرح اس نے کام نمٹائے اور قریبی کلینک سے بخار اور جسم کے درد کی دوا لے آئی۔ اس نے ڈاکٹر کو بتایا کہ ہر تھوڑے دنوں بعد اس کی ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے کہ بستر سے اٹھنے کا دل ہی نہیں چاہتا۔ ڈاکٹر نے کچھ بلڈ ٹیسٹ لکھ دیے جو دوسرے ضروری کاموں کی وجہ سے وہ نہیں کروا پائی۔ رو پیٹ کر پھر اسی طرح زندگی رواں دواں ہو گئی۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا بچے اور رشید بھی گھر میں ہی تھے۔ اس نے گھریلو سامان اور ساس کی دوا کا پرچہ شوہر کو دیا اور آنے والے خرچ سے بھی آگاہ کیا کہ زرینہ کی چھوٹی بہن کی شادی اسی ماہ تھی، رشید نے اسے اطمینان دلایا کہ پیسوں کا وہ بندوبست کر رہا ہے جلد ہی وہ اس کی اور بچوں کی شاپنگ کروا دے گا۔ اس کا میکا قریب ہی تھا، میکے میں بھی سفید پوشی کا ہی بھرم قائم تھا۔ شادی قریب آئی تو وہ ساس کے کھانے پینے کا بندوبست کر کے اپنی امی کے یہاں چلی جاتی وہاں دن بھر تیاریوں میں مصروف رہ کر رات کو گھر آ جاتی، اس دوران بھی کئی دفعہ اس کی حالت بگڑی، سب نے اسے کام کی زیادتی گردانا، خیر شادی انجام پائی۔ پرانی روٹین پھر شروع ہوئی۔ اب ایک تشویش کی بات یہ ہوئی کہ اس کا وزن تیزی سے کم ہونے لگا۔ پورا پورا دن وہ بس زندہ رہنے کی خاطر... کچھ نہ کچھ کھاتی ضروری کام کسی طرح نپٹاتی۔ اس دفعہ وہ کلینک گئی تو ڈاکٹر نے رپورٹ کے بارے میں پوچھا اور غصے کا اظہار بھی کیا کہ بی بی آپ اپنی زندگی سے کھیل رہی ہیں، آپ سنجیدگی سے اپنی حالت کے بارے میں نہیں سوچ رہیں اور اب آپ آئیں گی تو جو ٹیسٹ میں نے لکھ کر دیے ہیں ان کی رپورٹ کے ساتھ ہی آئیں گی اور اس کے شوہر کو بلوا کر اسے بھی خوب ڈانٹا کہ تمہاری بیوی کی اتنی حالت خراب ہے کتنی دفعہ ٹیسٹ لکھ کر دیے مگر تم لوگ اپنی ہی کرتے ہو، ڈاکٹر کے سمجھانے پر رشید نے کسی طرح پیسوں کا انتظام کر کے ٹیسٹ کروائے۔ رپورٹ دیکھ کر تو ڈاکٹر کی اپنی حالت بری ہو گئی کیونکہ اس میں کینسر تشخیص ہوا تھا اور وہ بھی تقریباً آخری اسٹیج پر تھا مزید ٹیسٹ ہوئے تو پتا چلا کہ سینے پر کوئی شدید چوٹ لگنے کی وجہ سے اس پر بروقت کوئی توجہ نہیں دی گئی، وہ چوٹ کینسر میں تبدیل ہو گئی اور رفتہ رفتہ وہ جسم کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ زرینہ سے چوٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ ہاں چھوٹا بیٹا ایک دفعہ بہت ضد کر رہا تھا اس کا سر زوردار طریقے سے سینے سے ٹکرایا تھا بہت شدید چوٹ لگی تھی اور کافی دن تکلیف رہی کچھ شرم، کچھ پیسوں کی تنگی کی وجہ سے اس نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی لیکن یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ وہ اندرونی چوٹ اتنی بھیانک شکل اختیار کر کے کینسر میں تبدیل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اگر پہلے توجہ کر لی جاتی تو دوا کے ذریعے اندرونی چوٹ کا علاج ممکن تھا۔ کسی چوٹ کو خاص طور پر سینے کی چوٹ کو تو بالکل بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ زرینہ کے ساتھ یہ ہی ہوا کافی تکلیف اٹھا کر زرینہ کا انجام وہی ہوا جو اس مرض میں ہوتا ہے سب کو روتا چھوڑ کر زرینہ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی۔

پیچھے رہ جانے والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی تاکہ آئندہ کوئی زرینہ ایسی غفلت کا شکار نہ ہو...

Downloaded From Paksociety.com

بات ذرا سی

ہالہ احمد

شاہینہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنا سر ہاتھوں میں دیے بیٹھی تھی۔ سوچ، سوچ کر اس کا دماغ ختم ہونے لگا تھا مگر جس الجھن میں وہ گرفتار تھی اس کی سلجھن کا کوئی ایک سرا بھی اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر گھڑی کی طرف دیکھا..... رات کے دس بج چکے تھے۔ اصولاً اس وقت تک اسے سو جانا چاہیے تھا ورنہ صبح اٹھنا محال ہوتا، اسکول میں بھی تمام دن جمائیاں لیتے اور سستی سے لڑتے ہی گزرنا تھا اور پھر کولیگز کے دس طرح کے سوالات جن کے جوابات دینے سے وہ قاصر تھی۔ ظاہر ہے جس الجھن کی وجہ وہ خود نہیں جانتی تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

اس کے بارے میں کسی اور کو کیا بتا سکتی تھی۔ اماں جی اپنے کمرے میں کب کی سو چکی تھیں سو وہ بھی صوفے سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر آ گئی۔ کمبل کھول کر خود پر ڈالا اور آنکھیں موند لیں۔

شاہینہ اماں جی کی چار اولادوں میں آخری نمبر پر تھی۔ اس سے بڑی دو بہنیں اور ایک بھائی سب شادی شدہ اور بال بچوں والے تھے۔ ایک بہن اور بھائی تو خیر پاکستان سے باہر تھے اور جو ایک بہن پاکستان میں تھی وہ بھی دوسرے شہر میں رہائش پزیر ہونے کے باعث مہینوں بعد ہی آ پاتی تھی۔ اماں جی کی تمام تر ذمے داری شاہینہ ہی کے کاندھوں پر تھی۔ ابا جی بارہ برس قبل دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ تب بھائی کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ہونے سے شاہینہ کو کوئی خاص تفکرات لاحق نہ تھے مگر اس کی شادی ہونے اور پھر اس کے باہر چلے جانے سے تمام تر بار ایک اکیلی شاہینہ کے اوپر آ پڑا تھا۔ پہلے پہل تو وہ گھبرائی مگر رفتہ، رفتہ سب ٹھیک ہوتا چلا گیا۔ اماں جی کی خاطر وہ اپنے لیے آنے والا ہر رشتہ بھی ٹھکراتی چلی گئی تھی۔ اس کے خیال میں اس کی اماں جی کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔ اور اب تو وہ خود عمر کے چونتیسویں برس میں قدم رکھ چکی تھی۔ چھوٹی، چھوٹی مشکلات پر گھبرانا اب اسے بچکانہ سا لگتا...... گیارہ برس پہلے سے وہ ایک پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کر رہی تھی۔ شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا اس نے کچھ عرصہ پہلے شروع کیا تھا۔ دو مہینے بعد بھائی کچھ پیسے بھیج دیتے تھے سو اس کا اور اماں جی کا گزارہ بڑے آرام سے ہو رہا تھا۔ اور جہاں تک بات تھی تنہائی کی تو اسکول اور ٹیوشنز کی وجہ سے شاہینہ کا وقت کافی اچھا گزر جاتا تھا۔ باقی جو وقت بچتا اس کے لیے گھر کے کام، ان کے ساتھ، ساتھ ٹی وی، کمپیوٹر اور موبائل پر نت نئے گیمز اس کا سہارا بن جاتے...... وہ اماں جی کے ساتھ کتنی باتیں کر لیتی...... بس کھانا اور دوا وقت پر انہیں دینا اور طبیعت وغیرہ کے بارے میں پوچھ لینا، اس کے خیال میں اماں جی کو ان سب کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

ایک ڈیڑھ ماہ سے وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اماں جی گھر میں آنے والے مہمانوں سے آہستہ آواز میں باتیں کرتی تھیں اور جب شاہینہ کمرے میں جاتی تو وہ ایک دم خاموش ہو جاتیں جیسے وہ کوئی بات شاہینہ کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ پہلے تو اس نے نظر انداز کیا مگر پھر جب ہر ہمسائی، رشتے دار، حتیٰ کہ شاہینہ کی کوئی سہیلی بھی آتی تو اماں جی شاہینہ سے نظر بچا کر ایسا ہی کرتیں مگر اس کے آ جانے پر انہیں جیسے سانپ سونگھ جاتا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہر ایک کے سامنے ایسا کیا کہہ دیتی ہیں جو اس کے منہ پر نہیں کہا جا سکتا...... یہی سب سوچ، سوچ کر اس کا ذہن مشل ہو رہا تھا۔

آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب اماں جی سے ملنے کوئی آئے گا تو وہ چھپ کر ان کی باتیں سنے گی...... وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنا اخلاقی طور پر گناہ کے زمرے میں آتا ہے مگر وہ ہر صورت اس عجیب وغریب مشکل کو حل کرنا چاہتی تھی۔ اس کی نیت صاف تھی۔

اگلے ہی دن شام کے وقت جب وہ بچوں کو برآمدے میں ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔ ساتھ والی زاہدہ خالہ چلی آئیں، شاہینہ نے ان سے کہا کہ وہ اماں جی کے کمرے میں چلی جائیں خود دانستہ وہ وہیں بیٹھی رہی...... زاہدہ خالہ کے اندر جاتے ہی وہ بھی تیزی سے اٹھی اور دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی مگر اس طرح کہ وہ اماں جی اور زاہدہ خالہ کو نظر نہیں آ سکتی تھی مگر ان دونوں کی آوازیں بہت واضح انداز میں اس تک پہنچ رہی تھیں۔ سلام دعا اور حال احوال کے بعد اماں جی نے شاہینہ کے بارے میں پوچھا تو زاہدہ خالہ نے انہیں تسلی دینے کے سے انداز میں بتایا کہ شاہینہ برآمدے میں بچوں کو پڑھانے میں مصروف ہے۔ اس پر اس کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر اس نے جو کچھ سنا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اونچا، اونچا روئے۔ وہ برآمدے میں آئی بچوں کو چھٹی

Downloaded From http://paksociety.com

دی اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

اس نے اپنی تمام زندگی اور اپنی زندگی کے بہترین سال اماں جی کی خاطر قربان کر ڈالے تھے، نوکری، ٹیوشنز، گھر کے اندر باہر کی سب ذمے داریاں ...... یہ سب اماں جی کے علم میں نہیں تھا کیا؟ اور پھر بھی آج وہ ہر ایرے غیرے کے سامنے کہہ رہی تھیں کہ شاہینہ کو ذرا سا احساس نہیں کہ بوڑھی بیمار ماں گھر میں ہے، اسے دومنٹ بھی ان کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں ہے، وہ دنیا جہاں کے سب کام نمٹا لیتی ہے مگر ماں کے لیے اس کے پاس کوئی وقت نہیں...... شاہینہ خوب، خوب روئی...... جب جی کچھ ہلکا ہوا تو اس نے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا شروع کیا کہ اماں جی کو یہ شکوہ کیوں ہوا...... اس نے اپنی صبح سے شام تک کی روٹین پر غور کیا...... صبح نماز کے بعد ناشتا بنانا اور اسکول جانے کی تیاری کرنا پھر اماں جی کو ناشتا دینے کے بعد خود بھاگتے دوڑتے ناشتا کرنا اور اسکول کو روانہ ہونا...... تین بجے کے قریب واپسی...... افرا تفری میں کھانا پھر بچوں کی آمد، شام کو فراغت ہونے پر ٹی وی پر ایک کے بعد ایک ڈراما، رات کو کمپیوٹر پر وقت گزاری یا اسکول کا کوئی کام...... اس سب کے دوران اماں جی کی دوا اور نماز کا وقت وہ کسی نہ کسی طرح نکال ہی لیتی تھی یہ تھی روز و شب کی روٹین...... اب جو شاہینہ نے غور کیا تو اسے لگا کہ اماں جی حق بجانب ہی تو ہیں...... اس بھاگ دوڑ بھری زندگی میں اماں جی کے پاس بیٹھ کر سکون سے بات کرنے کا وقت تو واقعی اس کے پاس نہیں تھا۔ ٹھیک ہے وہ یہ سب کچھ انہی کے لیے کر رہی تھی مگر انہیں بھی تو دوسراہٹ کی ضرورت تھی۔ سارا دن اپنے کمرے کی دیواروں کو تکنا یا نماز تسبیح کرنا بس یہی مصروفیت تھی ان بیچاری کی...... وہ کس سے بات کرتیں؟ کسے بتاتیں کہ ان کا دل کیا چاہتا ہے؟

اب جب سرا ہاتھ لگ ہی گیا تھا تو اس کا حل بھی تو نکالنا تھا۔ شاہینہ نے سوچنا شروع کیا کہ اگر وہ شام میں بچوں کو پڑھانا چھوڑ دے تو وہ سارا وقت سکون سے اپنے کام نمٹاتے اور اماں جی کے ساتھ گزارہ جا سکتا تھا پھر اس نے حساب لگایا کہ ٹیوشنز سے پیسے نہ بھی آئیں تو اسکول کی تنخواہ اور پھر بھائی کی بھیجی رقم کل ملا کر ان دونوں کے لیے کافی تھی۔ ٹیوشنز چھوڑ دینے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ کل مہینے کی آخری تاریخ تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کل سے بچوں کو منع کر دے گی سو اس نے ایسا ہی کیا...... وہ تین چار گھنٹے جو پہلے بچوں کے ساتھ سر کھپاتے گزرتے تھے اب وہ ان تین چار گھنٹوں میں ایسا کرتی کہ اماں جی کو ان کے کمرے سے باہر لا کر لاؤنج میں صوفے پر بٹھا دیتی۔ ٹی وی بھی چل رہا ہوتا، وہ آرام سے بیٹھی رات کے کھانے کی تیاری بھی کرتی جاتی اور ساتھ ہی ساتھ اماں جی سے ڈھیر باتیں بھی...... اپنے اسکول میں گزرے دن کی ساری روداد انہیں سناتی خود ان سے پوچھتی کہ ان کا دن کیسا گزرا انہوں نے کیا، کیا...... ساتھ ہی ٹی وی پر چلنے والے پروگراموں پر تبصرے بھی ہوتے۔

اگلے دن کے لیے کپڑے وغیرہ وہ رات کو ہی استری کر لیتی...... سو صبح نماز کے بعد اتنا ٹائم ہوتا کہ وہ ناشتا بنا کر اماں جی کے پاس بیٹھ کر آرام سے ناشتا کرتی اور ساتھ ہی اخبار میں سے اہم خبریں پڑھ، پڑھ کر انہیں سناتی جاتی۔ پھر ان سے گلے مل کر ان سے دعائیں لے کر اسکول کے لیے نکلتی...... اس وقت اماں جی کے بوڑھے نحیف چہرے پر سکون اور خوشی دیدنی ہوتی۔ شاہینہ بھی انہیں دیکھتی تو ایک تسلی بخش مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل جاتی۔ ایک ذرا سی تبدیلی نے اس کی بوڑھی ماں کو تنہائی کا شکار ہونے سے بچا لیا تھا۔ بس ایک ذرا سی بات تھی۔ واقعی بوڑھے اور بچے میں کوئی فرق نہیں ہوتا...... دونوں ہی محبت اور توجہ کے طلب گار ہوتے ہیں...... اور اگر انہیں یہ دونوں چیزیں نہ ملیں تو پھر وہ دوسروں سے شکایت کرتے ہیں...... مگر ان کا دل بہت معصوم اور محبت سے لبریز ہوتا ہے۔ شاہینہ کو یہ بات بہت جلد سمجھ میں آ گئی تھی۔

www.paksociety.com

Downloaded From Paksociety.com

مکمل ناول

ہوں بس تمہارا

تحسین اختر

''معظمہ، آج مجھے تمہارے تایا جان کی طرف جانا ہے تم چلوگی ساتھ؟''

''امی جی، تایا جان کی طرف..... کوئی خاص کام ہے کیا؟''

''بس ویسے ہی..... کیا ایک دوسرے کی طرف بس کسی کام سے ہی آجایا جاتا ہے، کتنے دن ہوگئے بھابی اور بچوں کی خبر نہیں لی۔''

''سوچ لیں..... واپسی پر آپ افسردہ دل کے ساتھ ہی واپس آئیں گی۔'' مقیت جو پاس ہی اپنی کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا بولے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''کوئی بات نہیں..... بس میرا دل مچل رہا ہے بچوں سے ملنے کو.....'' وہ آج جانے کو بالکل تیار تھیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Downloaded From http://paksociety.com

اور معظمہ جانتی تھی وہ اب کسی صورت اپنا پروگرام ملتوی نہیں کریں گی۔

''ٹھیک ہے امی جان میں ذرا کپڑے بدل لوں۔'' وہ اندر کی طرف جاتے ہوئے بولی تھی۔

''دریہ تمہارے بابا کے اسٹوڈنٹ جاتے ہیں تو تم انہیں تازہ روٹی بنا دینا...... سالن میں نے پکا کر رکھ دیا ہے۔''

''جی امی بنادوں گی......'' دریہ تابعداری سے سر ہلا کر کہنے لگی۔

منفیت نے ان کو رکشا لادیا تھا یوں وہ دونوں ماں، بیٹی عبدالحنان کے گھر آ گئی تھیں۔ عبدالحنان کے چمکتے دمکتے گھر کی وہی روٹین تھی جو وہ ہمیشہ سے دیکھتی آئی تھیں۔ فرزین اور لائبہ سو رہی تھیں، مبشر جانے کہاں تھا۔ بھابی صاحبہ نک سک سے تیار ملازمہ کے سر پر کھڑی دوپہر کا کھانا بنوا رہی تھیں۔

''اوہ...... شہناز تم! آؤ، آؤ...... اند آؤ...... معظمہ بھی آئی ہے۔'' بلقیس خاتون نے خوش دلی سے دیورانی اور بھتیجی کا استقبال کیا...... وہ دونو مسکراتے ہوئے اندر آ کر بیٹھ گئیں۔

''کتنے دن ہوگئے تھے بچوں کو اور آپ کو دیکھے ہوئے۔ آج صبح سے ہی میں نے سوچ لیا تھا آج بھائی کی طرف ضرور جانا ہے۔''

''اچھا کیا تم آ گئیں۔ تمہارے بھائی صاحب کسی کام سے اسلام آباد جا رہے تھے تو مجھے بھی ساتھ لے گئے...... رات کو ہی ہم واپس آئے ہیں، سچ بتاؤں سفر سے جوڑ، جوڑ دکھ رہا ہے۔'' وہ شروع ہوگئی تھیں اور ان کے اشارے پر ملازمہ ان لوگوں کے لیے ٹرالی بھر کر کھانے پینے کا سامان لے آئی تھی۔

''لو یہ ڈرائی فروٹ کھا کر دیکھو کتنے عمدہ ہیں۔ تم

Downloaded From http://paksociety.com

نے آج تک نہ کھائے ہوں گے۔ ہم اسلام آباد سے لائے ہیں۔'' وہ کرسٹل کی خوب صورت پلیٹ شہناز کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھیں۔

''شکریہ... میں لے لیتی ہوں۔'' شہناز کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔ اس نے ان کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر واپس ٹرالی میں رکھ دی تھی۔

''تائی جی، فرزین اور لائبہ کہاں ہیں؟'' معظمہ نے بور ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے کہاں ہونا ہے، نہ کوئی کام ہے نہ کاج...... اپنے کمرے میں پڑی سو رہی ہوں گی۔''

''میں دیکھتی ہوں انہیں......'' معظمہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''شہناز تم بیٹھو ذرا...... میں ملازمہ کو دیکھ لوں...... اب کھانا کھائے بغیر تو تم کو نہیں جانے دوں گی۔''

''نہیں نہیں بھابی پلیز...... کھانا ہم کھا کر آئے ہیں...... اس تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ارے تکلف کیسا...... میں تمہیں ذرا وہ شاپنگ بھی تو دکھاؤں جو میں نے اسلام آباد سے کی ہے۔ رضیہ او رضیہ میرے کمرے میں جو بیگ پڑا ہے وہ تو لانا۔'' ساتھ ہی انہوں نے ملازمہ کو پکارا تھا اور اٹھتے، اٹھتے پھر بیٹھ گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے تو آج دیورانی ہاتھ لگی تھی۔ اس پر اپنی امارت کا رعب بھی تو ڈالنا تھا۔ شہناز پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔ جیٹھانی کے گھر جتنا وقت بھی کٹنا تھا ایسے ہی گزرنا تھا۔

عبدالاحد اور عبدالحنان دو بھائی تھے، عبدالاحد میتھس کے ٹیچر تھے اور اپنی گزر اوقات کالج کی محدود تنخواہ میں اور ٹیوشنز میں ہی پوری کرتے تھے۔ ان کے چار بچے تھے اور چاروں ذہانت اور محنت کی دولت سے مالا مال تھے، انہوں نے اپنے بچوں کو اور کچھ دیا ہو یا نہ مگر اچھی اور نیک تربیت ضرور دی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان کے بچے ان کا نام خوب روشن کر رہے تھے۔ شہناز ان کی بیوی ایک سلیقہ مند، پڑھی لکھی اور کفایت شعار خاتون تھیں۔ بیوی کے ان گنوں نے عبدالاحد کے گھر کو چار چاند لگا دیے تھے۔ ان کے برعکس عبدالحنان ان کے بھائی جن کی فطرت ان سے بالکل الگ تھی۔ وہ زندگی میں بس پیسے کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ انہیں... عبدلاحد کی طرح ٹیچری کرنا پسند نہیں تھی۔ وہ زندگی میں محنت سے پیسہ نہیں کمانا چاہتے تھے بلکہ زندگی سے پیسہ چھین لینا چاہتے تھے، انہوں نے کاروبار شروع کر رکھا تھا اور کئی طریقوں سے کئی شارٹ کٹس سے اپنے کاروبار اور پیسے کو بڑھانے میں لگے رہتے۔ ان کے تین بچے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھے۔ عبدالحنان کو... عبدلاحد کی طرح بچوں کی تربیت کی بھی کوئی فکر نہیں تھی۔ بس جائز یا ناجائز طریقہ کوئی سا بھی ہو ان کے خیال میں دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھنا چاہیے اور ان کی اس سوچ کا عکس ان کے بیوی بچوں کی فطرت میں بھی واضح دکھائی دیتا تھا۔

واپسی کے سفر میں شہناز بہت خاموش تھیں، معظمہ نے ماں کی حد سے بڑھی ہوئی خاموشی کو نوٹس کیا تھا۔

''امی جان تائی اماں نے آپ کو کیا کیا دکھایا۔'' ماں کی خاموشی توڑنے کے لیے معظمہ نے ویسے ہی پوچھا تھا۔

''بہت کچھ...... ان کو تو چیزوں کی پہلے ہی کوئی کمی نہیں ہے مگر پھر بھی وہ ہر بار ڈھیروں نئی چیزیں دکھاتی ہیں جو وہ خرید کر لاتی ہیں۔ پیسہ تو بھائی صاحب پر مینہ کی طرح برس رہا ہے، بتا رہی تھیں... اس بار باہر کی کسی کمپنی کے ساتھ انہوں نے کوئی بڑی ڈیل کی ہے، بہت زیادہ منافع ہونے کا امکان ہے۔''

''چلیں چھوڑیں، ہمیں کیا لینا دینا ان کے پیسے سے۔'' معظمہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں ان سے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے، میں نے بھی کئی بار تمہارے بابا سے کہا ہے وہ بھی نوکری ووکری چھوڑ کر بھائی صاحب کی طرح کوئی بزنس کر لیں۔ مگر وہ مانتے کب ہیں، انہیں تو اپنی نوکری، اپنا علم، اپنے اسٹوڈنٹس عزیز ہیں، وہ ان تینوں میں سے کوئی ایک

Downloaded From http://paksociety.com

چیز بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔“

”بابا جانی صحیح کرتے ہیں جو علم کا خزانہ ان کے پاس ہے، دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

”یہ علم کا خزانہ زندگی کی کتنی ضرورتوں کو صحیح طرح بھر پاتا ہے، بس کھینچ کھانچ کر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔“

”گزارہ ہو تو جاتا ہے ناں، خدانخواستہ ہمیں کسی کے آگے ہاتھ تو نہیں پھیلانا پڑتا۔“ معظمہ نے کہا تھا

اتنے میں رکشا ان کے گھر کے سامنے جا رکا تھا۔ شہناز بجھے چہرے کے ساتھ اتر کر رکشے والے کو کرایہ دینے لگی تھیں۔

”واہ ہمارے پیچھے بڑی موجیں ہو رہی ہیں۔“ معظمہ ماں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو سامنے صحن میں مقیت، دریہ اور آیان تینوں بیٹھے گنے کا جوس پی رہے تھے۔ ایک طرف گنوں کا گٹھر پڑا تھا اور ایک طرف چھلکوں کا ڈھیر لگا تھا۔ معظمہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آجاؤ بڑے مزے کے گنے ہیں۔“

”کون لایا ہے؟“ معظمہ ان کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی اور خوب موٹا تازہ گنا اٹھا لیا تھا۔

”بابا کا ایک اسٹوڈنٹ اپنے گاؤں گیا تھا وہ لایا ہے، گنے بھی اور ساگ بھی۔“ دریہ نے تفصیل بتائی تھی۔

”تمہارے بابا کہاں ہیں؟“ شہناز نے چادر اتار کر دوپٹا اوڑھا اور چادر کو تہ لگاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”مغرب کی نماز ادا کرنے گئے ہیں۔“

”میں بھی ذرا نماز پڑھ لوں...... ابھی تو نماز کا وقت ہے۔“ شہناز وضو کرنے کے لیے آستین چڑھانے لگی تھیں۔

☆☆☆

دیا جب شام کی دہلیز پہ جلتا ہے
جب رات کو چاندنی پھولوں پہ چڑھتی ہے
اس رات ہم تیرا چہرہ تلاش کرتے ہیں
سنو!
ہم تمہیں بہت یاد کرتے ہیں

آیان نے میڈیکل کی مشکل اور خشک پڑھائی سے بور ہو کر شاعری کی ایک کتاب اٹھائی تھی اور اس میں لکھی اس نظم نے بے ساختہ ہی کسی کی من موہنی صورت اس کے تصورات میں لا کھڑی کی۔

”فرزین آئی لو یو......“ اس نے دل میں فرزین کو مخاطب کیا تھا اور جب سے اس کی تایا زاد فرزین اس کے دل کی رانی بنی تھی، وہ دن میں کتنی ہی بار اسے دل ہی دل میں یونہی مخاطب کرتا رہتا تھا۔ فرزین ایک نک چڑھی اور فیشن کی دلدادہ لڑکی تھی، وہ آیان کو کہاں لفٹ کرواتی 'یہ آیان ہی تھا جو اس کا خیال کسی طرح سے بھی دل سے نہیں نکال پاتا تھا۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہونے پر اس نے کتابیں بند کیں اور فرزین کی محبت کی یاد کو دل میں بسائے بستر پر آن لیٹا۔

وقت دبے پاؤں آہستہ، آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ مقیت کے خواب بہت اونچے تھے وہ ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بننا چاہتا تھا وہ سول سروس کا اعلیٰ امتحان پاس کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے وہ دن رات ایک کیے ہوئے تھا۔ عبدالاحد کہتے تھے کہ بڑے، بڑے خواب دیکھنے چاہئیں اور پھر ان کی تعبیروں کو پانے کے لیے حوصلے بھی بڑے رکھنے چاہئیں...... وہ اپنے شاگردوں اور اپنی اولاد کو ایسے ہی ہمت دلاتے رہتے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے شاگرد بہت اعلیٰ پوسٹوں پر تعینات تھے۔

”مقیت بیٹا فارغ ہو کر یہ کپڑے تو اپنے تایا ابا کے گھر دے آنا۔ لائبہ اور فرزین نے منگوائے ہیں انہیں ایسے کپڑے سلوانے ہیں۔“ شہناز کپڑوں کا ایک شاپر مقیت کے پاس رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

”امی جان میں تو جلدی فارغ نہیں ہو سکتا۔ ابھی ساجد آنے والا ہے مجھے اس کے ساتھ لائبریری جانا ہے، آپ ایسا کریں بھائی کو دے دیں وہ دے آئیں گے۔ آج ویسے بھی انہیں چھٹی ہے۔“ وہ صحن میں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

کھڑے شیو بناتے آیان کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا تھا۔ ”ویسے بھی انہیں تایا ابا کے گھر جا کر زیادہ خوشی ہوتی ہے۔“

”مجھے کیوں زیادہ خوشی ہونے لگی وہاں جا کر......“ آیان تولیا کندھے پر لٹکائے شیو کرتے، کرتے اس کے قریب آ گیا ویسے بھی اسے لگا تھا کہ اس کے دل کا راز اب زیادہ دیر تک راز نہیں رہنے والا......کیونکہ اگر مقیت کو خبر ہوگئی تو سمجھ ... سارے زمانے کو خبر ہوگئی۔

”ویسے ہی کہہ رہا ہوں آپ جانے کیا سمجھے......“ وہ شرارتی ذہین نگاہیں بھائی کے چہرے پر جما کر بولا تھا۔

”امی جان میں دے آؤں گا۔ اسے تو اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی عادت ہے۔“

”اِدھر...... اور اُدھر کی......واہ کیا شعر بنا دیا ہے۔“ وہ پھر مزے لے کر بولا تھا اور آیان اسے گھورتے ہوئے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ مقیت سے باتوں میں کبھی نہیں جیت سکتا تھا۔

لان میں گہرے عنابی رنگ کے پھول جا بجا کھلے تھے اور ان پھولوں کے درمیان کھڑی موبائل پر بات کرتی ہوئی فرزین انہی پھولوں کی خوب صورتی کا حصہ لگ رہی تھی۔ آیان نے بائیک گیٹ کے اندر لا کھڑی تھی اور شاپر سنبھالتے ہوئے اس کی طرف چلا آیا تھا۔

”السلام علیکم......“ اس نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام......“ فرزین نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”کیسی ہو؟“

”ٹھیک ٹھاک......“ وہ موبائل کان سے ہٹا کر بولی تھی۔

”یہ امی نے بھیجے ہیں کپڑے۔“

”اوہ، اچھا شکریہ......“ وہ شاپر پکڑتے ہوئے کہنے لگی۔

”شکریہ کس بات کا...... یہ کوئی بہت بڑا کام تو نہیں تھا۔“

”آپ اندر چلے جائیں، سب لوگ اندر ہی ہیں، میری ایک دوست آنے والی ہے، میں اس کا انتظار کر رہی ہوں‘ ہمیں مل کر شاپنگ کے لیے جانا ہے۔“

”نہیں میں اندر نہیں جا رہا......تم سب کو میرا سلام کہہ دینا۔ مجھے ذرا جلدی ہے، ایک اور کام سے بھی جانا ہے۔“ دیدارِ یار کی پیاس تو بجھ گئی تھی، اسے واقعی ایک کام تھا اس لیے وہ اندر جانے کے بجائے وہیں سے پلٹ آیا تھا۔

☆☆☆

عبدالحنان کو باہر کی کمپنی کا آرڈر مل گیا تھا اور اس آرڈر سے انہیں لاکھوں کا فائدہ ہونے والا تھا۔ وہ بہت خوش تھے انہوں نے گھر میں سب کو اس آرڈر کا بتا رکھا تھا، ایک دم سے اتنے سارے منافع کا سن کر سب گھر والے بھی بہت خوش تھے۔

”ہم ایک پارٹی رکھیں گے اور اس پارٹی کو لوگ مدتوں یاد کریں گے۔“ بچے الگ ہی پلان بنا رہے تھے۔

”کیوں نہیں......تم لوگ جیسے چاہو اس خوشی کو سلیبریٹ کر سکتے ہو۔“

”میں تو آپ کے ساتھ دبئی جاؤں گی شاپنگ کے لیے......“ ہمیشہ کی طرح بلقیس خاتون کا ایک ہی مطالبہ تھا۔

”تم عورتیں شاپنگ کرتے، کرتے تھکتی نہیں ہو، تمہارا دل کیوں نہیں بھرتا چیزیں اکٹھی کرنے سے۔“ عبدالحنان نے بیوی کو چھیڑا۔

”ہر کسی کا اپنا، اپنا شوق ہوتا ہے اور یہ ہم عورتوں کا شوق ہے۔“ وہ اٹھلاتے ہوئے بولیں۔

”اس بار میں بھی ماما کے ساتھ جاؤں گی۔“ فرزین جو پاس ہی بیٹھی اپنے ناخن فائل کر رہی تھی وہ ماں، باپ کی گفتگو سنتے ہوئے بولی تھی۔

”ضرور جانا، میں تو تم دونوں بہنوں سے ہر بار ہی کہتی ہوں مگر تم لوگوں کے پاس میرے ساتھ جانے کا

Downloaded From http://paksociety.com

ٹائم ہی نہیں ہوتا۔“

”لائبہ کا تو مجھے پتا نہیں لیکن اس بار میں تو آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گی۔“

”اوہو میرا تو پھر ڈبل خرچہ ہوگا۔“ عبدالحنان آج بڑے دنوں بعد بڑی فرصت اور فریش موڈ میں بیٹھے تھے۔

”پاپا جان آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔“ فرزین ہنستے ہوئے بولی۔

”پاپا کی جان پیسہ جب جیب سے جاتا ہے تو پھر فرق کیوں نہیں پڑتا...... بہت فرق پڑتا ہے۔ ویسے بیگم صاحبہ آج کیا باتوں ہی باتوں میں ٹرخائیں گی اس وقت کوئی چائے، ساتھ کوئی کباب شباب ہو جائیں۔“ وہ خوشگوار موڈ میں بولے۔

”ہاں، ہاں، ہاں کیوں نہیں رضیہ او رضیہ......“ بیگم صاحبہ نے کچن کی طرف منہ کر کے ملازمہ کو پکارا تھا۔

☆☆☆

فرزین کی گاڑی عین راستے میں خراب ہوگئی تھی۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ کوئی ٹیکسی مل جائے اور وہ گھر چلی جائے۔ گاڑی ڈرائیور آ کر لے جائے گا مگر ابھی تک کوئی ٹیکسی نہیں ملی تھی۔ اتنے میں ایک موٹر سائیکل سوار تیزی سے اس کے قریب سے گزرا اور پھر تیزی سے واپس بھی آ گیا تھا۔

”کیا ہوا فرزین جی۔“ مقیت سر سے ہیلمٹ اتار کر اس کے پاس آ کر بولا تھا۔

”گاڑی خراب ہوگئی ہے۔“ وہ بے بسی سے بولی تھی۔

”اگر آپ کو میری شاہی سواری پر بیٹھنے میں کوئی اعتراض نہ ہو تو پھر آ جائیں میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

”ہوں، چلو“ مقیت کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ کر اس کی بائیک پر بیٹھ گئی۔ مقیت کی بائیک آسمانوں سے باتیں کرنے لگی تھی۔

”مقیت، آہستہ چلاؤ۔“ وہ اس کے کندھے کو مضبوطی سے پکڑ کر چیخی تھی۔

”اچھا، آپ تو بہت ڈرپوک ہیں، میں تو آپ کو بہت بہادر سمجھتا تھا۔“ وہ بائیک کی اسپیڈ کم کرتے ہوئے بولا۔

”میں بہادر ہی ہوں لیکن بائیک پر میرا بیٹھنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“ وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

”حالانکہ آپ کو تجربہ کرنا چاہیے کیونکہ میرے بھائی کے پاس تو بائیک ہی ہے بس......“ وہ آدھی بات منہ میں بڑبڑا کر بولا تھا۔

”کیا کہہ رہے ہو۔“

”کچھ نہیں...... لیں آپ کا گھر آ گیا۔“ وہ بائیک روک کر بولا۔

”شکریہ بہت، بہت...... اندر آؤ ناں یہاں سے ہی واپس چلے جاؤ گے۔“

”میں کب واپس جانے لگا ہوں، میں اندر ہی تو آ رہا ہوں......“ وہ گیٹ سے اندر آتے ہوئے بولا......

فرزین اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ٹک، ٹک کرتی اندر چلی گئی۔

”بسم اللہ...... مقیت بیٹا آیا ہے۔“ بلقیس خاتون دیور کے گھرانے کے ہر فرد کا استقبال بڑے جوش و خروش سے کرتی تھیں۔ خاندان کے دوسرے بہت سے گھروں کی طرح اس گھرانے پر بھی اپنی دولت کی شوشا مار کر انہیں ایک گونہ سکون ملتا اور پھر تائی جی کی شیخی بھری باتیں جی بھر کے سن کر وہ گھر لوٹا تھا۔

☆☆☆

نفیسہ پھپو کی بیٹی فروا کی شادی تھی۔ معظمہ اور دریہ، فروا کی شادی میں شرکت کے لیے دو دن پہلے ہی پھپو کے گھر آ گئی تھیں۔ فروا چونکہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے انہوں نے اس کی بہنوں کی کمی پوری کر دی تھی۔ نہ صرف یہ کمی پوری کی تھی بلکہ پھپو کے گھر کے سارے کام خوش اسلوبی سے سنبھال لیے تھے۔ پھپو تو اٹھتے بیٹھتے انہیں دعائیں دیتے نہ تھکتی تھیں۔ جبکہ

Downloaded From http://paksociety.com

فرزین اور لائبہ مہندی والے روز غیروں کی طرح فنکشن میں شریک ہوئی تھیں۔ اور سارا وقت جدید تراش خراش کے قیمتی ملبوسات پہنے فل میک اپ کیے ماں کے ساتھ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھی رہی تھیں۔ پھپو کو تو وہ بھتیجیاں کم اور شوپیس زیادہ لگ رہی تھیں۔

''تمہاری یہ کزنز کسی اور ہی جہاں کی مخلوق لگ رہی ہیں۔'' فروا کی چچازاد نے ان پر تبصرہ کیا تھا۔

''کیوں بیچاریاں ٹھیک ٹھاک تو ہیں، تمہیں کسی اور ہی جہاں کی مخلوق کیوں لگ رہی ہیں۔''

دریہ جو فروا کے ددھیالی رشتے داروں سے اس دوران دوستیاں کر چکی تھی...... ہنستے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ارے کیسے بن، بن کر بول رہی ہیں۔ کیسے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی ہیں تو اور ہی جہان کی مخلوق لگیں گی ناں......'' اسی چچازاد نے کہا۔

''چلو چھوڑو انہیں...... آؤ مہندی کے تھال سجاتے ہیں۔'' معظمہ نے بات بدلنے کی خاطر سب کی توجہ دوسری طرف کی...... یوں وہ سب اس تبصرے کو ادھورا چھوڑ کر مہندی کے تھال سجانے اٹھ کھڑی ہوئی۔

فرزین سیاہ چمکتی دمکتی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں قیامت ڈھا رہی تھی۔ وہ جونہی کمرے سے باہر نکلی تو پہلا ٹکراہی آیان سے ہوا۔ آیان اپنی آنکھوں میں شوق کے سارے جہان بسائے اسے گہری نظروں سے تکنے لگا۔

''میرا راستہ چھوڑیں۔'' وہ نہ تو گھبرائی تھی اور نہ ہی عام لڑکیوں کی طرح شرمائی، لجائی تھی بلکہ اس نے پتھریلے تاثرات کے ساتھ آیان سے کہا تھا۔

''کون، کون سا راستہ چھوڑوں، تمہارا تو ہر راستہ میری ہی طرف آتا ہے۔''

''ویسے بائی دا وے، آپ میڈیکل کالج میں شاعری پڑھنے جاتے ہیں کیا......؟'' اس کی بات پر وہ طنز سے ایک، ایک لفظ چبا، چبا کر بولی تھی۔

''نہیں خیر ایسی بھی بات نہیں ہے وہاں تو میں میڈیسن ہی پڑھنے جاتا ہوں۔ باقی رہی شاعری کی بات تو یہ تو آپ کو دیکھ کر خود بخود لبوں پر اتر آتی ہے۔''

وہ پھر شوخ ہوا تھا حالانکہ وہ بہت سنجیدہ، متین سا بندہ تھا۔ مگر جب سے دل ہمک، ہمک کر اس دشمنِ جاں کی طرف جانے لگا تھا تب سے فرزین کو دیکھتے ہی اس کی ساری متانت، ساری سنجیدگی جانے کہاں جا سوتی تھی پھر ایک شوخ سا آیان جنم لیتا تھا جو بس فرزین کا تھا اور ایک فرزین تھی جو اس خالص محبت کو کسی صورت اپنانے پر تیار نہیں ہوتی تھی۔

''مگر میں آپ کو پسند نہیں کرتی، میرا راستہ بھی کچھ اور ہے اور میری منزل بھی کہیں اور......'' وہ بڑے خشک سے انداز میں جتا کر وہاں سے چلتی بنی...... اور ایک تاریکی سی تھی جس نے آیان کے چہرے اور دل سمیت پورے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔ وہ وہیں چپ کا چپ کھڑا رہ گیا تھا۔ کیا اس کی محبت اتنی ناپائیدار تھی جو فرزین کا دل نہ جیت پائی۔

☆☆☆

مقیت کے سی ایس ایس کے امتحانات شروع ہو گئے تھے، عبدالاحد کے گھر میں ایسا لگتا تھا جیسے امتحان صرف مقیت کا نہیں بلکہ پورے گھر کا ہے۔ سارے گھر والے اونچی آواز میں سانس بھی نہیں لیتے تھے کہ مقیت کی پڑھائی میں خلل نہ پڑ جائے...... وہ بھی دن رات ایک کیے ہوئے تھا۔ اس نے تیاری بھی بہت کی تھی پھر عبدالاحد کے شاگردوں نے جن میں سے کئی منسٹری میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے انہوں نے بھی مقیت کی کافی مدد کی تھی۔ مقیت کو اور باقی سب گھر والوں کو پورا یقین تھا کہ مقیت اس امتحان میں کامیاب ہو جائے گا۔ آیان کی ہاؤس جاب چل رہی تھی وہ بھی دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں گھر میں کم ہی نظر آتا تھا۔ اس کے شب و روز اسپتال میں ہی گزر رہے تھے۔ عبدالاحد کے سب بچوں نے زندگی میں کڑی محنت کی تھی اور اب تو اس محنت کے پھل کے پکنے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

''ماما مجھے بیس ہزار چاہئیں......'' مبشر ہاتھ میں پکڑا

Downloaded From http://paksociety.com

ہواسیب کترتے ہوئے بے پروائی سے بولا تھا۔

''مگر کیوں ابھی کل ہی تو میں نے تمہیں دس ہزار روپے دیے ہیں، آج پھر تم بیس ہزار مانگنے آگئے ہو۔ غضب خدا کا دو دنوں میں ہی تم ساری پاکٹ منی اڑا دیتے ہو اور پھر آئے دن مجھ سے پیسے مانگتے رہتے ہو، اتنے پیسے درختوں پر نہیں لگتے جو میں تمہیں توڑ، توڑ کر دیتی جاؤں تمہارا باپ دن، رات محنت کر کر کے ان پیسوں کو کماتا ہے۔'' بلقیس خاتون کو آج مبشر پر بہت غصہ تھا انہوں نے اسے کھری، کھری سنا دی تھیں۔

''اوہو ماما یہ مڈل کلاس لوگوں کی طرح مجھے بار، بار نہ جتایا کریں کہ میرا باپ ہمارے لیے کتنی محنت کرتا ہے، آفٹر آل ہم انہی کی اولاد ہیں، وہ ہمارے لیے نہیں کریں گے تو اور کس کے لیے محنت کریں گے۔'' وہ آدھ کھایا سیب ہوا میں اچھال کر بیزاری سے بولا تھا۔

''تو جاؤ، میں نہیں دیتی پیسے ویسے..... میرے پاس نہیں ہیں۔''

''اوہ کم آن ماما جانی..... ایسے تو بی ہیومت کیا کریں۔'' وہ ماں کے قریب آکر ان کے گلے میں بازو ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔ ''ایک ہی تو اکلوتا بیٹا ہوں میں آپ کا..... آپ مجھے نہیں دیں گی تو اور کس کو دیں گی۔'' وہ جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آیا تھا۔ اور یہی وہ پوائنٹ تھا جس پر آکے ساری مائیں ہار جاتی ہیں۔ بلقیس خاتون نے بھی مسکرا کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی اور پیسے نکالنے کے لیے الماری کی طرف بڑھیں۔

عبدالحنان دن رات اپنے بزنس کو بڑھانے کے چکروں میں لگے رہتے اور بلقیس خاتون کو شاپنگ کا کریز تھا۔ غرض دونوں میاں، بیوی کے پاس وقت نہیں تھا کہ اکلوتے بیٹے کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکیں کہ وہ کیا کرتا پھرتا ہے جب ناجائز ذرائع سے دولت آنے لگے تو خرچ بھی ایسے ہی کاموں میں ہوتی ہے۔ ان کا بیٹا بھی باپ کے پیسے پر عیش کرتا پھر رہا تھا۔

☆☆☆

لائبہ واش روم میں تھی اور اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ فرزین کسی کام سے کمرے میں آئی تو موبائل کو بجتے دیکھ کر اس نے لائبہ کا موبائل اٹھا لیا تھا۔ ''سنی کالنگ'' کے الفاظ موبائل کی اسکرین پر روشن تھے، اس سے پہلے کہ وہ کال اٹینڈ کرتی لائبہ واش روم سے نکل آئی تھی۔

''اوہو یہ کیا کر رہی ہو آپی..... میری پرسنل چیزیں تو نہ چھیڑا کرو۔'' وہ جلدی سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر بولی تھی۔

''اچھا..... اب ہم تم میں کچھ پرسنل ہوا کرے گا؟''

''ہاں ناں، ہوتی ہیں کچھ چیزیں پرسنل..... خاص الخاص.....''

''یہ سنی صاحب کون ہیں، جن کا ابھی فون آیا تھا۔''

''ملواؤں گی تمہیں کسی دن سنی سے بھی..... دیکھنا کیسا وجیہہ ڈیشنگ پرسنالٹی کا مالک بندہ ہے اور جناب مجھ پر جان دیتا ہے۔''

''لیکن موصوف ہیں کون..... کچھ حدود اربعہ بیان کرو۔''

''وہ جنید ہے ناں میرا کلاس فیلو..... اسی کا کزن ہے۔ این سی اے میں پڑھ رہا ہے، جنید کے ساتھ ہی ایک دو بار ہماری یونی آیا تھا بس پھر کیا تھا۔ موصوف مجھے دیکھتے ہی میرے حسن پر لٹو ہوگئے، بڑی لینڈ لارڈ فیملی سے تعلق ہے سنی کا..... باپ کی گارمنٹس کی فیکٹریز ہیں اور تایا قومی اسمبلی کے رکن ہیں۔ سیاست اور دولت دونوں چیزیں ان کے خاندان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔''

''اور اس یاور کا کیا بنا.....؟''

''یاور.....! اس کا کیا بننا تھا..... جب مجھے پتا چلا کہ پیچھے سے بس ایویں ہی ہے بس اس کی شوشا ہی ہے پھر کیا تھا، میں نے اسے چھوڑنے میں منٹ نہیں لگایا۔'' دونوں بہنیں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑی تھیں۔

''تمہیں ایک اور مزے کی بات بتاؤں؟'' فرزین، لائبہ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔ لائبہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

"آیان صاحب کا بھی دعویٰ ہے مجھ سے یعنی فرزین عبدالحنان سے محبت کرنے کا۔" وہ مزے لے کر بولی تھی۔

"آیان یعنی چچا عبدالاحد کا آیان......؟ آپ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔" لائبہ کو یہ اس سال کا سب سے لطف دینے والا جوک لگا تھا۔

"ہاں تو اور کیا......"

"اور آپ......؟"

"میں پگلی ہوں کیا...... میں اس سے محبت کروں گی اس سڑے ہوئے ڈاکٹر سے؟ جس کے پاس سوائے ڈگری کے کچھ نہیں۔" وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"چلیں محبت نہ کریں مگر کبھی، کبھی گھاس تو ڈال دیا کرو آپی۔"

"ہونہہ...... میرا اسٹینڈرڈ ابھی اتنا لو نہیں ہوا......" وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

اور لائبہ نے ایسے تاثرات دیے جیسے کہہ رہی ہو۔ "ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔"

☆☆☆

دن یونہی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہوئے گزر رہے تھے کہ عبدالحنان کے کاروبار میں نقصان ہونا شروع ہوگیا، کبھی وہ دن تھے کہ وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو وہ سونا بن جایا کرتی تھی۔ منافع پر منافع، کمیشن پر کمیشن...... اور اسی اندھی دولت پر گھر والے عیش کر رہے تھے۔ مگر کاروبار میں نقصان کا پہلا جھٹکا ہی اتنا شدید تھا کہ عبدالحنان کا دل کمزور پڑ گیا اور وہ بستر سے جا لگے۔ ڈاکٹر نے طبیعت بگڑنے کا سبب شدید اسٹریس اور ٹینشن بتایا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ جائز اور ناجائز ہر طریقے سے دولت کمائی تھی، یہ نہیں پتا تھا کہ جب یہی دولت راستے میں دیوار بن کر آ کھڑی ہوگی تو پھر کیا ہوگا۔

پہلا اٹیک بہت شدید تھا بس اتنا ہوا تھا کہ...
عبدالحنان کی جان بچ گئی تھی باقی وہ کسی کام کے نہ رہے تھے۔ اِدھر وہ بستر پر پڑے اُدھر کاروبار مزید گھاٹے میں جانے لگا کیونکہ اب اس کاروبار کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ اکلوتا جوان بیٹا نشے کا اتنا عادی ہوگیا تھا کہ اسے کئی، کئی گھنٹے خود اپنا ہوش نہیں رہتا تو وہ باپ کے کاروبار کو کیا سہارا دیتا۔

☆☆☆

"میں کہتا تھا ناں کہ دولت ہاتھ کا میل ہے، آنی جانی چیز ہے، اس سے زیادہ ناپائیدار چیز دنیا میں دوسری اور کوئی نہیں...... اور تب تم لوگ کہتے تھے نہیں بابا جان دولت ہی سب کچھ ہے۔ جبکہ میں کہتا تھا کہ تعلیم ہی سب کچھ ہے، آج خود ہی دیکھ لو، تعلیم نے تم سب کو کتنا مضبوط سہارا دیا ہے اور کہاں کھڑا کر دیا ہے اور اپنے تایا کا حال دیکھ لو...... کتنی دولت تھی ان کے پاس کتنا تھوڑا وقت گزرا ہے اور ریت کے ذروں کی طرح کیسے ان کے ہاتھوں سے یہ دولت اُڑنے لگی ہے۔" عبدالاحد کو بھائی کی بیماری اور ان کے حالات کا بہت دکھ تھا۔ وہ اپنے سب بچوں کو بٹھا کر ہمیشہ کی طرح سمجھانے لگے۔ ان کی ایک طرف مقیت بیٹھا تھا جو سی ایس ایس کامیابی سے پاس کر کے فارن سروس میں ایک اہم سیٹ پر تھا۔ آیان کامیاب ڈاکٹر تھا اور دونوں بیٹیاں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکی تھیں۔

"جی بابا جان آپ کا فلسفہ آج میری سمجھ میں آیا ہے۔" مقیت نے کہا تھا۔

"بیٹا جتنی مرضی کتابیں پڑھ لو مگر جب تک زندگی کو قریب سے نہیں دیکھو گے برتو گے نہیں تب تک اسے گزارنے کا سلیقہ بھی نہیں آئے گا۔"

"جی بابا جان، آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔" سب بچوں نے تائید کی۔

☆☆☆

"سنی میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں۔" لائبہ اپنے گھر کے بگڑتے حالات سے خوفزدہ تھی جیسی زندگی وہ گزارتی آئی تھی اسے ہر حال میں ہر قیمت پر بر

Downloaded From http://paksociety.com

ویسی ہی زندگی چاہیے تھی۔ اس کا بستر پر پڑا بیمار باپ آج کل جو سبق انہیں پڑھا رہا تھا، وہ ان کی سمجھ سے بالا تر تھے۔ اور ایسی زندگی تو بس سنی ہی اسے دے سکتا تھا۔ سنی اس کے ساتھ بہت اچھا ٹائم گزارتا تھا مگر اس نے کبھی اسے پروپوز نہیں کیا تھا۔ شاید اس کی کلاس میں لڑکے اور لڑکی بس دوستیاں کر سکتے ہیں، ٹائم پاس کر سکتے ہیں مگر شادی ہر کسی کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ آج جب وہ ملے تو لائبہ نے ہمت کر کے اس سے خود ہی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''جانِ من میں بھی تمہارے بغیر کب رہ سکتا ہوں۔'' وہ اس کا دودھیا ملائم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔

''پھر ہم کب تک ایسے ملتے رہیں گے...... میں تمہارے دل میں بھی رہنا چاہتی ہوں اور گھر میں بھی...... میرا مطلب ہے اب ہمیں شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''او سلی گرل، تم کتنا آگے کا سوچ رہی ہو، ابھی بہت لائف پڑی ہے ایسی باتوں کے لیے...... ابھی جتنا ٹائم گزر رہا ہے بہت اچھا گزر رہا ہے، میں اسے ایسے ہی رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ لائبہ کے پاگل پن پر ہنس دیا تھا، اسے کیا پتا تھا کہ آج کل وہ کس فرسٹریشن سے گزر رہی تھی۔

''تم میری باتوں پر ہنسو مت...... زندگی اب اتنی بھی زیادہ نہیں ہے کہ اسے ایسے ہی ویسٹ کر دیا جائے۔'' وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

''اوہو...... کیا آج بور کر رہی ہو، اوکے بابا تم کہتی ہو تو اس بارے میں بھی سوچ لیتے ہیں۔ مگر ابھی تو یہ بڑا انجوائے کرنے دو جو سامنے پڑے، پڑے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ اس کا دھیان بٹاتے ہوئے بولا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے، بڑا موڈ خراب ہے تمہارا بھی اور باہر ماما جانی کا بھی۔'' لائبہ کمرے میں آئی تو فرزین کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''اگر بات ایسی ہوگی جو قابلِ قبول نہ ہو تو لازماً موڈ تو خراب ہوگا۔'' فرزین نے بستر کی چادر جھٹک کر صاف کی تھی اور خود اس پر نیم دراز ہو گئی تھی۔

''اچھا کون سی بات؟'' لائبہ نے پوچھا تھا۔

''محترم چچا اور چچی لوگ آئے تھے وہ بھی آیان صاحب کا پروپوزل لے کر...... ہونہہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہیں۔ پاپا کی کچھ طبیعت خراب ہے اور اس کی وجہ سے ان کا بزنس کچھ ڈاؤن جا رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا اسٹینڈرڈ اتنا گر گیا ہے کہ اب میں آیان صاحب سے شادی کر لوں۔ ماما نے تو انہیں ٹکا سا جواب دے دیا ہے، وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ ان کی ہمت کیسے ہوئی ایسا پروپوزل لے کر آنے کی......'' فرزین نہایت استہزائیہ انداز میں اسے بتانے لگی۔

''اوہ، اچھا کیا آپ لوگوں نے انہیں صاف جواب دے دیا۔'' لائبہ کو بھی اپنے چچا کا گھرانا کبھی اپنے برابر نہیں لگا تھا۔

''تو اور کیا کرتے اٹھا کر اس پروپوزل کو سر پر سجا لیتے......''

''ہونہہ...... آپی تمہارے تو طلب گار ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، تمہیں ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے......''

''ارے میں اور اس آیان کی ٹینشن لوں گی؟ ابھی مجھ پر اتنا برا وقت بھی نہیں آیا۔'' فرزین نے نخوت سے کہا تھا اور لائبہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''ایک بادشاہ کو خبر ملی کہ اس کے شہر میں ایک بہت نیک بزرگ آئے ہیں، بادشاہ نے ان سے ملنے کی کوشش کی لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ شہر کے کئی دروازے تھے، بادشاہ کبھی کسی دروازے کے پاس تو کبھی کسی دروازے کے پاس ان بزرگ کا انتظار کرتا لیکن دوسرے دن پتا چلتا کہ وہ تو کسی اور دروازے سے چلے گئے۔ آخر کار بادشاہ تھا سارے دروازے بند کروا دیے اور ایک دروازہ کھلا رکھ کر وہاں ان کا انتظار

Downloaded From http://paksociety.com

کرنے لگا۔ جب ایک ہی دروازہ کھلا رہ گیا تو بزرگ کا وہیں سے گزر ہوا۔ بادشاہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو بادشاہ نے کہا۔

''اب جا کے آپ سے ملاقات ہوئی ہے جب میں نے شہر کے سارے دروازے بند کروا دیے۔'' بزرگ نے جواب دیا۔ ''انسان کو رب کی راہ بھی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ سارے دروازے بند کر کے صرف ایک دل کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔'' تو میرے بچو! بس ایک دل کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیے تا کہ بندے کو رب کی راہ نصیب رہے۔ اگر ہمارا دل ہی زنگ آلود رہے گا، دل کا دروازہ قفل لگا کر بند رہے گا تو ہم رب کی کیسے سنیں گے، کیسے اس تک جا پائیں گے۔'' عبدالاحد کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی اور طلبا کا ایک گروہ دم سادھے سن رہا تھا۔ ان کی باتیں، ان کے الفاظ دلوں پر اثر کرتے تھے۔ وہ اپنے..... اسٹوڈنٹس کو دنیا کی تعلیم کے ساتھ، ساتھ دین کی باتیں بھی سکھاتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان سے پڑھے ہوئے بچے جہاں زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب تھے وہیں روحانی، دینی و اخلاقی تعلیم سے بھی مالا مال ہوتے تھے۔ آج کا سبق ختم ہوا تو سارے طلبا ایک، ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ عبدالاحد وہیں اپنی کرسی پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کی بھاوج نے کل ان کو اور ان کی بیوی کو بہت بری طرح ذلیل کیا تھا۔ ان کا بہت دل دکھا تھا۔ انہوں نے دل سے یہ دکھ مٹانے کی بہت کوشش کی تھی مگر بار، بار بھاوج کا رویہ یاد آتا اور انہیں ڈسٹرب کرتا تھا۔

''سر میں آ جاؤں......؟'' وہ گہری سوچ میں گم تھے جب انہوں نے کسی کی آواز سنی تھی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہاج دروازے پر کھڑا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

''ارے وہاج تم! آؤ، آؤ اندر آ جاؤ، باہر کیوں کھڑے ہو۔'' وہاج ان کا بہت قیمتی اور لائق فائق شاگرد تھا۔ قیمتی اس لیے کہ وہاج جیسے لڑکے صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہاج ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا مگر نخرہ اس خاندان میں نام کو نہ تھا۔ وہاج کے والدین نے اپنے بچوں کی بنیاد اعلیٰ اقدار پر کی تھی اور بعد میں جب وہ عبدالاحد کی شاگردی میں آیا تھا تو انہوں نے اس کو ہیرا بنا دیا تھا۔ آج کل وہ ایس پی کے عہدے پر فائز تھا۔

''سر آج میں اکیلا نہیں آیا، بابا بھی ساتھ آئے ہیں۔''

''ارے واہ! یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے، کہاں ہیں عبدالرحمٰن صاحب......'' اتنے میں وہ بھی گاڑی پارک کر کے اندر آ گئے تھے۔ عبدالاحد صاحب سے وہ بڑی گرم جوشی سے ملے تھے۔ کچھ دیر حال احوال پوچھنے اور اِدھر اُدھر کی رسمی باتیں کرنے کے بعد... عبدالرحمٰن نے کوئی خاص بات کرنے کا عندیہ ظاہر کیا..... عبدالاحد نے اندر گھر میں اچھی سی چائے بھجوانے کا پیغام دے دیا تھا۔

''بتایئے ایسی کون سی بات ہے جسے کرنے سے پہلے آپ اجازت چاہ رہے ہیں۔'' عبدالاحد نے... عبدالرحمٰن سے مسکرا کر کہا۔

''کچھ باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں، وہاج کو آپ سے بہتر کون جانتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے اپنی فرزندی میں لے لیں، ہم لوگ اس کی والدہ سمیت چاہتے ہیں کہ آپ اپنے گلشن کا ایک پھول ہمارے آنگن میں لگا دیں تا کہ ہمارا آنگن بھی مہکتا رہے۔'' عبدالرحمٰن نے بے حد شائستہ انداز میں کہا۔

''میں سمجھا نہیں......'' بات تو عبدالاحد کی سمجھ میں آ گئی تھی وہاج جیسے لڑکے کو فرزندی میں لینا اور... عبدالرحمٰن صاحب کے گھرانے سے رشتہ جوڑنا سعادت کی بات تھی لیکن وہ دل کی خوشی چھپا کر بولے تھے۔ ایسا تو انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ بیٹھے بیٹھائے ان کی بیٹیوں کا نصیب یوں کھل جائے گا واقعی خدا پاک کی ذات مسبب الاسباب ہے اس بات کا یقین انہیں آج اچھی طرح آیا تھا۔

''سر جی بات اتنی مشکل نہیں ہے، آپ اپنی

Downloaded From http://paksociety.com

دونوں بیٹیوں میں سے جس کا بھی چاہیں ہاتھ ہمیں تھما دیں۔'' عبدالرحمٰن صاحب نے اس بار کھل کر بات کی تھی۔

''بھائی صاحب وہاج سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے اور آپ کا سارا گھرانا بھی میرے سامنے ہے لیکن مجھے کچھ موقع دیں تاکہ میں اپنے گھر والوں سے بھی مشورہ وغیرہ کرلوں۔''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں...... آپ جیسے مناسب سمجھیں صلاح مشورہ کریں۔'' اتنے میں گھر سے چائے آگئی تھی۔

''آپ لوگ پہلے چائے تو پئیں پھر باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔'' عبدالاحد چائے سرو کرنے کو بڑھے۔

''سر جی آپ چھوڑیں، میں چائے بناتا ہوں۔'' وہاج نے ٹرے اپنے سامنے کرتے ہوئے سعادت مندی سے کہا تھا۔

وہاج کو بھی جانتے تھے۔ ایسا اچھا رشتہ تو مقدر والوں کو ملا کرتا ہے۔ گھر میں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور قرعۂ فال معظمہ کے نام نکل آیا تھا۔ معظمہ بڑی تھی اور دریہ چھوٹی...... اس لیے گھر میں آنے والا پہلا رشتہ اس کے لیے ہی مناسب تھا۔ یوں رسماً کچھ دنوں کا ٹائم نکال کر وہاج کے گھر والوں کو ہاں کا پیغام بھجوا دیا گیا تھا۔

چونکہ عبدالاحد کو اپنے بیمار بھائی کا احساس تھا اس لیے انہوں نے بیٹی کی شادی نہایت سادگی سے کر کے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

''یہ معظمہ کی قسمت کیسی تیز نکلی...... اس کا شوہر دیکھا کتنا جاذب نظر اور ڈیشنگ پرسنالٹی کا مالک ہے۔'' شادی سے واپس آکر فرزین اور لائبہ کا تبصرہ بے ساختہ تھا۔

''ڈیشنگ کیسے نہ ہوتا آخر پولیس آفیسر ہے۔'' لائبہ بھی ابھی تک جل بھن رہی تھی۔

''اور تو اور اس کی ساس کیسے واری صدقے جا رہی تھیں۔ معظمہ کے۔'' بلقیس خاتون کو بس یہی دکھ مارے جا رہا تھا کہ دیورانی کی بیٹی کی سسرال والے کس قدر رکھ رکھاؤ والے لوگ تھے۔

''ماما، چچا کا پورا گھرانا شروع سے ہی ایسا ہی ہے میسنا سا...... اندر ہی اندر سب کچھ کرنے والا۔'' فرزین کا بھی دل جل رہا تھا۔

''اور ایک ہم لوگ ہیں بس شو ہی شو میں مارے جاتے ہیں۔'' لائبہ نے کہا تھا۔

''خیر چھوڑو، ہمارا مقابلہ وہ لوگ کیسے کر سکتے ہیں۔'' فرزین اب بھی خود کو بہت کچھ سمجھتی تھی۔

''یہ تو نہ کہو اب تو انہوں نے بھی بڑی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے...... معظمہ جس خاندان میں گئی ہے وہ ہم سے زیادہ ہی ہیں۔'' بلقیس خاتون نے کہا تھا۔

''بس قسمت کی بات ہے ناں......'' لائبہ بولی اور کھٹ، کھٹ کرتی کمرے میں چل دی۔

☆☆☆

''دیکھو لائبہ، میں اس طرح کی بات گھر میں نہیں کر سکتا۔ میرے ممی اور ڈیڈی ایسی بات سن کر طوفان اٹھا دیں گے۔'' لائبہ صبح شام سنی کی جان کھا رہی تھی، آج سنی نے بھی اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''کیوں طوفان اٹھائیں گے، آخر مجھ میں کس چیز کی کمی ہے؟''

''بات کمی کی نہیں ہے...... دراصل وہ میری شادی کینیڈا میں مقیم اپنی بھانجی سے کرنا چاہتے ہیں چونکہ بابا کو اپنی بہن سے بہت پیار ہے تو وہ اس رشتے پر کوئی بھی کمپرومائز نہیں کریں گے۔''

''سنی ہمارے پیرنٹس بھی کیسے ہیں، پہلے لبرل ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، بچوں کو آزاد کر دیتے ہیں کہ وہ جو چاہے کرتے پھریں اور جب بچے اپنی مرضی پر آجاتے ہیں تب ان کی بیک ورڈ سوچ سامنے آجاتی ہے اور پھر وہ پاکستانی معاشرے کے وہی مجبور پیرنٹس بن جاتے ہیں جو اس معاشرے کا خاصہ ہیں، میں تو کہتی ہوں ہمارے پیرنٹس سے

Downloaded From http://paksociety.com

زیادہ ڈپلومیٹک کوئی نہیں ہے خود بھی دوغلے اور ان کی پالیسی بھی دوغلی...... ہونہہ......'' وہ اس کی بات پر طیش میں آگئی تھی۔

''جو بھی ہے اب پیرنٹس کو تو ہم نہیں چھوڑ سکتے ناں......'' سنی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ویسے بھی اپنے ڈیڈی کا اسے پتا تھا کہ بات، بات پر اسے گھر سے نکل جانے کی دھمکی دیتے رہتے تھے۔

''تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟'' لائبہ نے اپنے مطلب کی بات نکالی۔

''یہ میں نے کب کہا۔'' سنی نے لائبہ کے ساتھ اچھا ٹائم گزارہ تھا۔ ان کی دوستی بھی بہت تھی۔ وہ لائبہ کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''تو پھر......؟'' لائبہ سوالیہ نشان بنی بیٹھی تھی۔

''اگر تمہارا مسئلہ میرے ساتھ میرج کرنا ہی ہے تو پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں، میں تمہیں الگ رکھ لوں گا۔ میں اتنا تو افورڈ کر سکتا ہوں۔'' سنی نے ایک نیا حل پیش کیا تھا۔

''اور ایک شادی ڈیڈی کی بھانجی کے ساتھ بھی کرو گے؟'' لائبہ تلخی سے بولی تھی۔

''وہ بھی مجبوری ہے، تم اگر اتنا کمپرومائز کر سکتی ہو تو میں آج ہی کورٹ میرج کرنے کو تیار ہوں۔''

''اور جب تمہارے ممی، ڈیڈی کو پتا چلے گا تو وہ کیسے ری ایکٹ کریں گے؟''

''یہ بعد کا مسئلہ ہے ابھی سب کے بارے میں اتنا مت سوچو...... ویسے بھی میں ان کی بھی مانوں گا تو انہیں اتنا اعتراض نہیں ہوگا۔'' سنی نے لائبہ کو نئی سوچ میں ڈال دیا تھا۔

''تم کورٹ میرج کرو گی؟'' لائبہ نے فرزین سے یہ بات شیئر کی تھی اور فرزین نے ماما کو بتا دیا تھا۔

''تو اور کیا کروں...... مبشر نشے میں دھت رہتا ہے، پاپا بیمار ہیں، بستر سے اٹھ نہیں سکتے۔ کاروبار ڈاؤن جا رہا ہے بلکہ سب کچھ ختم ہونے کے قریب ہے، ایسے میں سنی اگر مجھے سہارا دے رہا ہے تو ماما پلیز مجھے اس سہارے کو تھامنے دیں۔'' اس کی بات کسی حد تک درست تھی۔ بلقیس خاتون خاموش رہ گئیں پھر اس نے دو دن بعد کورٹ میرج کر لی تھی۔ بلقیس خاتون نے اسے دلہن بنا کر گھر سے ہی رخصت کیا تھا یہ اور بات کہ اس رخصتی میں کوئی بھی شریک نہیں ہوا تھا۔ سنی نے اس کے لیے الگ گھر لے کر اس کو ڈیکوریٹ کروایا تھا۔ وہ اسے رخصت کروا کر وہیں لے آیا تھا۔ بلقیس خاتون کو بیٹی کو اس طرح وداع کرنے کا کوئی دکھ نہ تھا، ایک طرح سے ایک سل انہیں اپنے سینے سے ہٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

عبدالحنان کی طبیعت آج کل روز بروز بگڑنے لگی تھی، کسی دوا سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ پہلا ہارٹ اٹیک ہی اتنا شدید تھا کہ اس نے ان کے دل کو نوے فی صد ناکارہ کر دیا تھا۔ لیٹے، لیٹے ان کی سانس چڑھتی تھی اور وہ آکسیجن کے بغیر صحیح طرح سانس بھی نہیں لے پاتے تھے۔

''بلقیس، مبشر کو میرے پاس لے کر آؤ۔'' اس دن صبح سے ہی ان کی طبیعت بہت خراب تھی۔ فرزین نے ایمبولینس بلوائی تھی، وہ انہیں اسپتال شفٹ کرنا چاہ رہے تھے حالانکہ ایک ڈاکٹر باقاعدگی سے گھر میں ان کا معائنہ کرنے آتا تھا لیکن آج اس ڈاکٹر نے بھی کہہ دیا تھا کہ انہیں اسپتال ایمرجنسی میں شفٹ کر دیا جائے۔ اسپتال جانے سے ذرا دیر پہلے انہوں نے اکھڑی سانسوں کے درمیان کہا تھا۔

''ہاں میں نے بلوایا ہے ابھی آ جاتا ہے۔'' مبشر کا تو کل سے ہی کوئی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا بلقیس نے شوہر سے جھوٹ بولا تھا۔

''آ جاتا تو اچھا تھا۔'' عبدالحنان دور خلا میں تکتے ہوئے بولے۔ بلقیس کے بھی دل کو کچھ ہوا آخر انہوں نے بیوی بچوں کے لیے زندگی بھر دن رات اتنی محنت کی اور اپنا آرام برباد کیے رکھا۔

''آ جائے گا...کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔'' بلقیس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی دینے

Downloaded From http://paksociety.com

والے انداز میں کہا۔

''اچھا پھر عبدالاحد کو ہی فون کردو وہی آجائے۔'' انہیں بھائی کی یاد آئی۔

''اچھا میں فون کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ذرا کمرے سے باہر نکلی تھیں اور یہی وہ وقت تھا عبدالحنان کی روح بھائی اور بیٹے سے ملے بغیر ہی قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ جب تک ایمبولینس آئی تب تک... عبدالحنان فوت ہوچکے تھے۔ فرزین اور بلقیس خاتون انہیں پاگلوں کی طرح جھنجوڑ رہی تھیں مگر انہیں اٹھنا تھا نہ وہ اٹھے۔

☆☆☆

بھائی کی بے وقت موت نے عبدالاحد کو بہت پریشان اور گم صم کردیا تھا۔ وہ جیسے بھی تھے روز ملتے تھے یا نہیں مگر بڑے بھائی تو تھے۔ ان کا ہونا ہی... عبدالاحد کے لیے بڑی ڈھارس تھا اور اب جبکہ وہ نہیں رہے تھے تو عبدالاحد کو ان کی کمی بہت محسوس ہوئی تھی۔

''بابا کھانا کھالیں، آپ نے صبح بھی نہیں کھایا تھا۔'' دریہ کھانے کی ٹرے لیے باپ کے پاس کھڑی تھی۔

''بیٹا مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بابا ایسے تو آپ بہت کمزور ہوجائیں گے۔ تھوڑا سا کھالیں۔'' وہ ان کے سامنے ٹرے رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''جانے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاسکتا ناں...... آپ خود کو سنبھالیں۔ ایسے تو آپ خود بیمار ہوجائیں گے۔'' شہناز اٹھ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

''وہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاسکتا مگر کیا کروں...... بھائی جان کی صورت آنکھوں کے سامنے سے ہی نہیں ہٹتی۔'' عبدالاحد نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

''لائیں میں بابا کو کھانا کھلاتا ہوں۔'' مقیت ساری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے بابا کے پاس بیٹھ کر ٹرے اپنے سامنے کی اور چھوٹے، چھوٹے نوالے بنا کر ان کے منہ میں ڈالنے لگا۔

''میں اور آیان بھائی ہیں ناں آپ کے بازو، آپ کے بیٹے اور آپ کے بھائی۔'' کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ وہ انہیں تسلی بھی دے رہا تھا۔ عبدالاحد کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ، ٹوٹ کر گرنے لگے۔ مقیت کی باتوں میں کوئی شک نہیں تھا وہ دونوں بھائی ان کے بیٹے بھی تھے اور سہارا بھی۔

☆☆☆

''ماما میں پاپا کا بزنس سنبھالوں گا۔'' مبشر آج کچھ ہوش میں تھا اس لیے ماں کے پاس بیٹھا بڑے، بڑے دعوے کررہا تھا۔

''تمہیں اپنا ہوش ہوگا تو تم بزنس سنبھالوگے ناں......'' ماں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''میں یہ نشہ وشہ بھی چھوڑ دوں گا۔''

''جس دن چھوڑو گے اس دن بات کرنا مجھ سے...... تمہارا باپ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے بستر پر جا پڑا تھا۔''

''ماما اب ایسے تو نہ کہیں، پاپا میری وجہ سے نہیں بلکہ بزنس میں نقصان کی وجہ سے بستر سے جالگے تھے۔''

''اور اب دیکھو جانے کہاں سے اتنے بزنس پارٹنر نکل آئے ہیں، کسی نے ہمارے پیسے نہیں دینے بلکہ جو بھی آتا ہے ہم سے پیسہ مانگنے ہی آتا ہے کہ... عبدالحنان صاحب نے مجھ سے اتنے لاکھوں لیے تھے اور فلاں کہتا ہے مجھ سے اتنے لاکھ...... میں تو قرضہ لوٹاتے، لوٹاتے ہی تھک گئی ہوں، اب تو فیکٹری کے منیجر صاحب بھی کہہ رہے تھے کہ بیگم صاحبہ اکاؤنٹ بالکل خالی ہوگیا ہے۔ اب میرا زیور رہ گیا ہے یا یہ گھر بکنے کو۔ جس کی چھت تلے ہم بیٹھے ہیں۔'' بلقیس خاتون بیٹے کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی تھیں۔

''اچھا ماما دس ہزار ہیں آپ کے پاس؟'' اس نے ایسے منہ بنا کر ماں کی بات سنی تھی جیسے اس سے زیادہ بڑا ہمدرد ماں کا کوئی نہیں...... کچھ دیر چپ رہنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

''میں پیسوں کا ہی رونا تو رو رہی ہوں اور تم کہتے ہو دس ہزار ہیں آپ کے پاس...... پھوٹی کوڑی نہیں ہے میرے پاس جسے تم دھوئیں میں اُڑا سکو۔'' وہ تلخی سے چلائی تھیں۔

''پیسے نہیں دینے تو مت دیں مگر چیخئے چلائیں تو مت۔'' وہ تن فن کرتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''یہ فرزین بھی جانے کہاں رہ گئی ہے، ابھی تک گھر واپس نہیں آئی۔'' وہ دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑائی تھیں۔

''کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ میرے گھر چلو...... تمہاری فرسٹریشن اور ٹینشن ختم ہو جائے گی۔'' یونیورسٹی میں فرزین اپنی کلاس فیلو شینا کے ساتھ بیٹھی گھر کے حالات کا رونا رو رہی تھی جبھی شینا نے اسے پریشان دیکھ کر آفر کی۔

''وہاں کیا کروں گی۔ یہ فرسٹریشن تو میرے اندر رچ بس گئی ہے۔''

''تم چلو تو...... کچھ ہلا گلا کریں گے، تمہارا دل بہل جائے گا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' فرزین ابھی گھر واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ ماما اور مبشر ہر وقت لڑتے رہتے تھے یا پھر لوگ پیسے مانگنے آتے رہتے اور ماما ہر وقت چیختی رہتیں۔ پاپا کے بعد جس طرح ان کے گھر کا نقشہ بدلا تھا۔ اس چیز نے اس کے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ وہ شینا کے ساتھ اس کے گھر آ گئی تھی۔

گھر آ کر شینا نے واقعی اسے بہت انجوائے کروایا تھا۔ اچھا سا کھانا کھلایا...... پھر تیز میوزک لگا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر تھرکنے لگی...... فرزین کا دل واقعی بہل گیا تھا۔ وہ شینا کے ساتھ ڈانس کرنے میں محو تھی جب شینا کے بھائی نے شینا کے کمرے میں جھانکا اور اسے ڈانس میں گم دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ فرزین کو احساس ہوا کہ کوئی اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو واقعی وہاں کوئی کھڑا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا تھا۔

''یہ کون تھا؟'' فرزین قدم روک کر شینا سے پوچھنے لگی۔ شینا بھی اپنے بھائی کو دیکھ چکی تھی۔

''ارے تمہیں نہیں پتا سیف بھائی ہیں۔''

''اچھا تو یہ ہیں تمہارے سیف بھائی'' شینا کی باتوں میں اکثر ہی سیف بھائی کا ذکر ہوتا تھا۔ اس لیے فرزین غائبانہ تو اس نام سے واقف تھی مگر چہرہ آج دیکھا تھا۔

''ہاں تمہیں تو پتا ہے ان کی اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے اور کل ہی لندن سے شوٹ کر کے آئے ہیں۔''

''اچھا......'' وہ لمبا سا اچھا کر کے بولی تھی۔

''چلو آؤ...... پھر سے شروع کرتے ہیں۔'' شینا پھر سے میوزک چلانے لگی۔

''نہیں یار...... بس...... اب میں تھک گئی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''او کے......'' شینا بھی اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ قیامت کون تھی؟'' فرزین کے جانے کے بعد سیف نے شینا سے پوچھا تھا۔

''یہ...... میری دوست فرزین تھی۔''

''بھئی کیا ڈانس کرتی ہے، میں تو دیکھ کر مبہوت ہی رہ گیا یار......''

''ہاں، وہ چیز ہی ایسی ہے۔'' شینا بے پروائی سے بولی تھی۔

''تم نے اب تک اسے کہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ یہ ماڈلنگ کی دنیا میں آئے تو تہلکہ مچا دے گی۔ تم اس سے بات کرو ناں...... ایسا حسن چھپا کر رکھنے والی چیز تھوڑی ہوتی ہے۔'' سیف کے منہ میں... تو گویا پانی بھرا جا رہا تھا۔

''اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے کیونکہ آج کل ویسے بھی بیچاری کے حالات بہت خراب جا رہے ہیں وہ بہت ڈپریس ہے۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔''

Downloaded From http://paksociety.com

''شرم کرو کچھ بھائی، کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر تمہیں کیا مل جائے گا۔''

''میں مجبوری سے نہیں اس کے حسن سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں تم دیکھنا وہ جب اسکرین پر آئے گی تو ان سوکھی سڑی اور ادھار لیے ہوئے حسن والی ماڈلنگ کی کیسے چھٹی کروادے گی۔''

''اچھا، اچھا اب صبر بھی کرو.....کل یونیورسٹی میں اس سے بات کروں گی۔''

''تم نے اس سے بات نہیں کرنی بلکہ اسے منانا ہے، آخر اس کی دوست ہو تم اُسے منا سکتی ہو۔''

''اوکے.....کل دیکھی جائے گی ناں.....'' شینا کو ہمیشہ سے سیف کی جلد بازی سے بڑی چڑ تھی وہ جس کام کے پیچھے پڑ جاتا اسے کر کے ہی دم لیتا تھا۔

''ہوں آفت تھی یار.....'' سیف نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا اور فرزین کا ناچتا تھرکتا سراپا اس کی نظروں کے سامنے بار، بار گھومنے لگا تھا۔

☆☆☆

''میں اور ماڈلنگ......! نہیں شینا تم نے سوچ بھی کیسے لیا مجھے گھر سے ہرگز اجازت نہیں ملے گی۔'' فرزین، شینا کی بات سن کر بولی تھی۔

''اوہ کم آن، گھر کی تو تم بات ہی نہیں کرو، میں جیسے تمہارے بارے میں جانتی نہیں ہوں ناں، باپ تمہارا اس دنیا میں نہیں رہا اور تمہاری ماما وہ تو بہت لبرل ہیں، وہ تمہیں کیوں منع کریں گی بلکہ اس طرح کے حالات میں تو وہ تمہیں خود اجازت دیں گی کہ تم کچھ کما کر لاؤ۔'' شینا نے اسے صاف آئینہ دکھایا تھا۔

''اور ویسے بھی جتنا حسین اور فوٹو جینک تمہارا چہرہ ہے اور جتنا دلکش تمہارا سراپا ہے، کیا تمہیں نہیں لگتا کہ یہ ظلم ہے جو تم نے خود کو ایسے چھپا کر رکھا ہے بھئی تم تو ایک پبلک فگر بن سکتی ہو۔'' شینا نے بڑے انداز سے اسے رام کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے تو لگتا ہے میرا بھائی تم پر لٹو ہو گیا ہے، ماڈلنگ کی آفر تو اس نے تمہیں ویسے ہی کر دی ہے۔ لگتا ہے اس کا دل ودل بھی تم پر آ گیا ہے۔'' شینا اب اسے چھیڑنے لگی تھی۔

''تمہارے بھائی جیسے میں نے ہزاروں دیکھے ہیں۔'' فرزین گردن اکڑا کر بولی اب کے شینا اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ فرزین، شینا اور سیف کی آفر کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتی مبشر نے گھر میں اِک طوفان اٹھا دیا تھا۔ اس نے جوئے میں لاکھوں ہار دیے تھے اور اب ماں کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جبکہ بلقیس خاتون کو تو غش پہ غش آ رہے تھے۔ عبدالحنان کے بعد مبشر کے اس اقدام نے صحیح معنوں میں انہیں کوڑی، کوڑی کا محتاج کر دیا تھا۔

''ہائے یہ دن دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی۔'' بلقیس خاتون کا واویلا جاری تھا۔

''میں کہہ تو رہا ہوں آپ سے میں دوبارہ سے سب کچھ حاصل کر لوں گا۔'' ماں کے بین سن کر اسے غصہ آ رہا تھا، وہ پہلے سے بھی زیادہ جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔

''کیسے حاصل کر لو گے..... کیسے؟ مجھے بتاؤ، تم نے تو اپنے باپ کے بعد ہمیں سڑک پر لا کھڑا کیا ہے..... اب اور کیا کرو گے..... ہائے لوگوں کے بیٹے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور ایک یہ ناخلف ہے جس نے تخت کو تختہ بنا ڈالا۔''

''ماما بس بھی کریں..... میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' وہ دھڑ، دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

''ماما آپ کے لاڈ پیار اور بے جا طرف داری نے ہی آج اسے ان حالوں میں پہنچا دیا ہے۔'' فرزین جو کب سے ماں اور بیٹے کا ڈراما دیکھ رہی تھی مبشر کے جانے کے بعد ماں سے بولی کیونکہ آج کل وہ مبشر کے منہ کم ہی لگا کرتی تھی۔ اس نے ایک دو بار اسے ٹوکا تھا اور مبشر نے بڑے چھوٹے کا لحاظ کیے بنا اس سے اتنی... بدتمیزی کی کہ اس نے اس سے بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

''ہر ماں اپنے بیٹوں سے لاڈ پیار کرتی ہے، میں نے کون سا دنیا سے انوکھا کیا۔ بس میرا تو نصیب ہی خراب نکلا.....'' بلقیس خاتون موٹے، موٹے آنسوؤں سے رونے لگی تھیں۔ فرزین بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں جا گھسی تھی اس گھر میں کسی کو کچھ کہنا ہی فضول تھا۔ ماں، بیٹا دونوں اپنی، اپنی جگہ پر درست تھے، دونوں اپنا قصور ماننے پر تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔

☆☆☆

''دریہ کیسا جا رہا ہے تمہارا این جی او کا کام.....؟''

اس شام موسم بہت پیارا تھا، کئی دن کے شدید حبس کے بعد بادل گھر کر آئے تھے اور گنتی کی چند بوندوں نے برس کر گویا اپنا قرض ادا کر دیا تھا۔ اس شام کی چائے پر بہت عرصے بعد سب اکٹھے ہوئے تھے۔ معظمہ اور وہاج بھی آئے بیٹھے تھے ورنہ سب اپنی، اپنی زندگی میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ دنوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ جبھی وہاج نے دریہ سے پوچھا تھا۔

''اے ون جا رہا ہے وہاج بھائی..... سچ پوچھیں تو دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔''

''آج کل ہماری چھوٹی ان خواتین کے لیے کام کر رہی ہے جن پر کسی بھی وجہ سے تیزاب ڈال کر انہیں جلا دیا جاتا ہے اور پھر ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے معاشرے کا ناکارہ اور قابلِ نفرین فرد بنا دیا جاتا ہے۔'' آیان، دریہ کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

''ہماری چھوٹی کب اتنی بڑی ہو گئی ہمیں پتا ہی نہیں چلا..... اور اب تو یہ بڑے، بڑے کام کرنے لگی ہے۔'' مقیت نے اسے چھیڑا۔

''یہ کباب لیں ناں، آپ نے تو ایک بھی نہیں کھایا۔'' معظمہ نے شرگیں لہجے میں وہاج سے کہا، سب کو باتوں کی پڑی تھی اور اسے ایک پتی ورتا عورت کی طرح اپنے مجازی خدا کا خیال تھا۔

''ہوں، اب پتا چلا وہاج بھائی آپ کی صحت کا راز کیا ہے، یہ جو سب کہتے ہیں ناں کہ شادی کے بعد آپ نے بہت ویٹ بڑھا لیا ہے، اب سمجھ آئی ہے کہ یہ محترمہ ہیں اس کارہائے نمایاں کے پیچھے۔'' دریہ نے بہن کو چھیڑتے ہوئے وہاج سے کہا۔

''تمہیں آج پتا چلا ہے حالانکہ میں ہر کسی سے کہتا ہوں کہ میرا نہیں میری زوجہ محترمہ کا قصور ہے اس میں۔'' وہاج نے اپنی پلیٹ میں تیسرا کباب رکھا تھا اور ساتھ ہی دریہ کی بات کا جواب بھی دیا تھا۔ سب وہاج کی اس حرکت پر ہنس پڑے تھے۔

''میں دیکھوں امی جان کے وظائف ختم ہو گئے ہوں تو انہیں بھی چائے دے آؤں.....'' معظمہ اس... شریر پارٹی کی شرارتوں کا جواب نہیں دے سکتی تھی اس لیے اڑنے کے لیے پر تولنے لگی تھی۔

''محترمہ آپ بیٹھیں، یہ کام میں کر لیتی ہوں آپ کے شوہرِ نامدار کیا سوچیں گے کہ میری بیگم صاحبہ سے ان کے گھر والے کام ہی کرواتے جاتے ہیں حالانکہ اپنے گھر میں بیگم صاحبہ ہل کر پانی بھی نہیں پیتیں.....'' دریہ نے معظمہ کو کندھوں سے تھام کر دوبارہ بٹھایا۔

''شوہرِ نامدار صاحب کیا آپ کو ایسے لگتے ہیں۔'' وہاج نے بھی اسے آنکھیں دکھائی تھیں اور وہ ہنستے ہوئے ماں کو دیکھنے چلی گئی تھی۔

''اور ڈاکٹر صاحب آپ کی طرف کے کیا حال احوال ہیں، کب تک ایسے ہی کنوارے پھرتے رہیں گے۔ کچھ بات بنی کہ نہیں۔'' وہاج نے دریہ کے جانے کے بعد آیان سے کہا تھا۔ آیان کی فرزین کے لیے پسندیدگی اب کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ جس طرح اپنے لیے تجویز کردہ ہر رشتے کو وہ ٹالتا رہا تھا اس سے گھر والوں کو بڑی جلدی پتا لگ گیا تھا کہ اندر کھاتے بات کچھ اور ہے اور پھر بھلا ہو مقیت کا جس نے سب گھر والوں کو اس محبت کے بارے میں بتا دیا تھا جو یک طرفہ ہی رہ گئی تھی۔

''بس کیا بتائیں جب سے تایا جان کی ڈ-تھ ہوئی ہے تب سے ان لوگوں سے ملنا ملانا برائے نام ہی

Downloaded From http://paksociety.com

رہ گیا ہے۔ جب بھی بابا جان یا ہمارے گھر کا کوئی فرد ان کی طرف جاتا ہے، وہ لوگ ملنا ہی نہیں چاہتے، آخر تھک ہار کر ہم بھی بیٹھ گئے ہیں۔'' آیان نے سنجیدگی سے بتایا۔

''ہوں، یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' وہاج نے سنجیدگی سے کہا۔

''تائی جان سمجھیں تو پھر ہے ناں.....'' آیان نے سرد آہ بھر کر کہا تھا۔

''اگر قسمت میں ہوا تو ضرور کچھ ہو جائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہاج نے آیان کو تسلی دی تھی۔

''اسی امید پر تو دنیا قائم ہے۔''

''کیوں نہیں...... میں ذرا بابا جان سے مل لوں۔'' وہاج نے آیان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اور عبدالاحد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں نئے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
دشمنوں سے ہی غمِ دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

وہ ایک کیس اسٹڈی کر رہا تھا کہ کھلی کھڑکی سے آتی ہوا میں ایک دم سے بارش کی بوندیں بھی شامل ہوگئیں اور کئی ایک نے تو اس کے چہرے کے ساتھ آ کر ٹکرانا شروع کر دیا تھا۔ بارش...... اس نے فائل واپس رکھی اور اپنا چشمہ اتار کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تھا۔ باہر موسم بہت سہانا تھا۔ ٹھنڈی مہکتی رات پورے چاند کی روشنی کے ساتھ سُبک خرامی سے اپنے سفر پر گامزن تھی اوپر سے چلتی ٹھنڈی ہوا اور بارش کا تڑکا...... اسے لگا ایسی رات پہلے تھی اور نہ دوبارہ آئے گی...... ساتھ ہی اسے ٹوٹ کر فرزین یاد آئی تھی۔ فرزین کی یاد اور دل کا عجیب تال میل تھا۔ دل میں کوئی سہانی بات بعد میں اترتی تھی فرزین کی یاد پہلے آ موجود ہوتی تھی۔ اب تو اس دشمنِ جاں کو دیکھے دن بھی بہت بیت گئے تھے۔ فرزین کا ملنا مشکل نہ تھا مگر رشتوں میں معاشرتی اونچ نیچ نے اس ملنے کو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی بنا دیا تھا۔

''کاش فرزین تم میرے دل کی بات سمجھ سکتیں۔'' اس نے زیرِ لب کہا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اسے اب بارش میں مکمل بھیگنا تھا پھر ہی بارش کی خوب صورتی کا قرض ادا ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا......'' مقیت آج ہی لندن سے لوٹا تھا۔ وہ ایک کانفرنس کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے لندن گیا تھا۔ اور آج ہی واپس آیا تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس نے اپنے بیگ سے کپڑے نکالنے چاہے تو لیڈیز شرٹ، ٹراؤزرز اور جانے کیا، کیا اس کے ہاتھ آتا گیا۔ خوش رنگ کھلتے ہوئے زنانہ کپڑے کوئی جادو کے زور سے ہی اس کے بیگ میں ڈال سکتا تھا کیونکہ اس نے آتے ہوئے اپنی ساری پیکنگ خود کی تھی اور اپنی ساری چیزیں اپنے ہاتھوں سے رکھی تھیں۔ مگر اب ایسا کالا جادو چل گیا تھا کہ مردانہ کے بجائے اس کے بیگ سے ساری زنانہ چیزیں نکل رہی تھیں۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر کچھ خیال آنے کے بعد اس نے بیگ کو ذرا غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ ایک ہی کلر، ایک ہی سائز حتیٰ کہ ایک ہی کمپنی کا ہونے کے باوجود کوئی ایسی چیز تھی جو بیگ کو دیکھتے ہوئے اس کو کھٹک رہی تھی کہ یہ بیگ اس کا نہیں بلکہ کسی اور کے ساتھ ائرپورٹ پر تبدیل ہوگیا ہے کیونکہ اس کا اپنا بیگ ایک دوبار کا استعمال شدہ تھا اور مذکورہ تبدیل شدہ بیگ بالکل نئی نکور حالت میں تھا... جیسے بس اسے خریدا گیا اور اس میں چیزیں بھر دی گئی تھیں۔

''زمر شاہ فرام کراچی......'' بیگ کی تلاشی لینے کے بعد آخر ایک چھوٹی سی پاکٹ سے موبائل فون کا خالی پاؤچ برآمد ہوا جس پر زمر شاہ فرام کراچی کے

Downloaded From http://paksociety.com

الفاظ تحریر تھے۔ اب زمر شاہ فرام کراچی اس سے اتنا تو پتا چل گیا تھا کہ یہ کسی لڑکی کا بیگ تھا۔ وہ تو اس کے سامان سے کوئی اندھا بھی تصدیق کر سکتا تھا اور اب باقی کا پتا ائرپورٹ انکوائری سے ہی چل سکتا تھا۔ اتنے آدھے ادھورے ایڈریس سے زمر شاہ نامی لڑکی کا پتا کیسے لگ سکتا تھا۔

وہ مصروف ہی اتنا ہوتا تھا کہ کئی دن تک بیگ والا معاملہ اس کے ذہن سے نکل ہی گیا ویسے بھی اس کی کوئی بہت قیمتی چیز یا بہت ضروری چیز تو بیگ میں نہیں تھی کہ جس کی اسے اشد ضرورت ہوتی بس کپڑے اور دوسرا چھوٹا موٹا سامان ہی تو تھا لیکن دوسری طرف شاید اپنے بیگ کی ضرورت محسوس کر لی گئی تھی کہ چند دنوں بعد اسے کسٹم کی طرف سے ایک کال موصول ہوئی تھی کہ زمر شاہ اپنا بیگ واپس لینا چاہتی ہے اور اس کا واپس کرنا چاہتی ہے، اس نے اپنے ایک ملازم کو بلایا کہ وہ بیگ واپس کر آئے پھر جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ وہ خود ہی ائرپورٹ چلا آیا تھا۔

''میں زمر شاہ...... یہ رہا آپ کا بیگ......'' اس نے پہلے کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروایا تھا اور پھر بیگ اس کے حوالے کیا تھا۔

''مجھے مقیت عبدالاحد کہتے ہیں اور یہ رہا آپ کا بیگ۔'' اس نے بھی بغیر کسی حجت کے اس کا بیگ واپس کر دیا تھا۔

''چیک کر لیں، آپ کا سامان پورا ہے؟''

''مجھے کوئی ٹینشن نہیں، یہ کوئی ایسا ضروری سامان نہیں تھا۔ باقی آپ بھی اپنا سامان چیک کر لیں کہیں کوئی چیز مس تو نہیں ہے۔'' وہ بھی از راہِ مروت بولا تھا۔

''شکریہ میرے سامان میں بھی کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔'' وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اور اپنا بیگ لے کر چلی گئی تھی۔ مقیت نے بھی اپنی راہ لی تھی۔

☆☆☆

آیان اس بڑے سارے بل بورڈ کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ بیچ چوراہے پر لگا ہوا وہ بورڈ اور اس پر دل لبھانے والی مسکراہٹ سے سجا چہرہ کسی کا بھی ہو سکتا تھا مگر فرزین عبدالحنان کا نہیں...... یہ آیان کا خیال تھا رات ہی وہ اس کو یاد کر رہا تھا اور صبح اسپتال جاتے ہوئے وہ اسے یوں بل بورڈ پر نظر آ گئی تھی آیان کو وہ اپنا الوژن، اپنا وہم ہی لگا تھا۔

''اب کیا ہر چہرے میں تیرا چہرہ دکھائی دیا کرے گا مجھے۔'' وہ خیالوں ہی خیالوں میں اس سے مخاطب تھا۔

لیکن فرزین سے اتنی مشابہت کیسے ہو سکتی ہے اس کے دائیں گال کے وسط میں چمکتا کالا تل ستواں ناک اور بھرے ہوئے ہونٹ اتنی حسین تو بس وہی تھی۔ اس نے تھوڑا سا آگے جا کر گاڑی پھر واپس موڑی تھی اور ایک بار پھر اس بورڈ کے سامنے جا کھڑی کی تھی۔

''فرزین......'' آنکھیں لاکھ بار جھپکنے پر بھی یہی بتا رہی تھیں کہ وہ کوئی اور نہیں بس فرزین ہی ہے۔ اس نے وہیں کھڑے، کھڑے موبائل نکالا تھا اور فرزین کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ کئی بار بیل جانے کے بعد اس کا فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

''ہیلو......'' فرزین کی نیند میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''تم نے ماڈلنگ کب سے شروع کر دی ہے۔'' اس نے بغیر کسی سلام و دعا کے اس سے پوچھا تھا۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس کے تفتیشی انداز پر فرزین کی بھی آنکھیں پوری طرح سے کھل گئی تھیں...... وہ بے رخی سے اکھڑے سے انداز میں بولی تھیں۔

''یہ میرا مسئلہ ہے یا نہیں لیکن یہ میرے خاندان کا مسئلہ ہے...... میرے تایا کے خاندان کا مسئلہ...... اب کیا ہمارے خاندان کی لڑکیاں یوں بیچ سڑکوں پر دعوتِ نظارہ دیا کریں گی۔'' وہ ایک، ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

''یہ پرانی باتیں ہیں، نئے دور کے نئے تقاضے

Downloaded From http://paksociety.com

ہیں اور اس زمانے میں ایسی دقیانوسی باتیں کوئی نہیں کرتا۔ اب ماڈلنگ بھی ایک پروفیشن ہے اور اسے کوئی بھی اپنا سکتا ہے۔'' وہ سیف کی زبان بول رہی تھی۔

''بے شک نئے دور کے نئے تقاضے ہوں گے مگر ایک فیملی کی عزت کبھی دقیانوسی نہیں ہوتی۔ ماڈلنگ پروفیشن ضرور ہے مگر باعزت اور باوقار خاندانوں کا نہیں...... تم تائی سے میری بات کرواؤ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے تمہیں ایسا کام کرنے کی اجازت ہی کیوں دی۔''

''میں کسی سے کوئی بات نہیں کرواؤں گی اور آپ اپنے کام سے کام رکھیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' فرزین نے کہا اور ساتھ ہی فون بند کر دیا تھا۔ دوسری طرف بجتی ٹوں، ٹوں کی آواز آیان کا منہ چڑانے لگی تھی اور وہ اسٹیئرنگ پر مکا مار کر رہ گیا تھا۔ آج فرزین نے جو کام کیا تھا وہ کسی صورت بھی قابلِ قبول نہیں تھا۔

وہ گھر پہنچا تو فرزین کا ٹی وی پر چلتا ایڈ سارے گھر والے دیکھ چکے تھے اور کم و بیش سب کی رائے اس جیسی ہی تھی۔ سب نے ہی اس کے اس اقدام کو سخت ناپسند کیا تھا۔

''بند کرواسے......'' آیان نے دریہ سے کہا تھا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا دی تھی۔

''فرزین آپی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' دریہ نے ٹی وی بند کیا اور ساتھ ہی تبصرہ بھی۔

''مرحوم تایا کی فیملی نے ہمیشہ ناپسندیدہ کام ہی تو کیے ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دباتے ہوئے بولا۔

''آپ نے ان سے بات کی؟''

''ہوں...... لیکن وہ تو کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی۔'' اسے فرزین خود سے مزید دور ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''بابا بھی تائی کی طرف گئے تھے انہیں سمجھانے۔''

''پھر......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دریہ کی جانب دیکھنے لگا۔

''پھر کیا انہوں نے بابا سے ملنے سے ہی انکار کر دیا۔''

''اب میں تمہارے بابا کے ساتھ جاؤں گی۔'' شہناز بیگم بھی لاؤنج میں آکر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

''امی جان آپ بالکل ان کی طرف نہیں جائیں گی۔''

''بھلا کیوں......؟''

''اگر چچی یا فرزین نے آپ کو کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو پھر ہم میں سے کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا اور خواہ مخواہ بات بڑھے گی ہی۔''

''تمہارے بابا نے تو بہت ٹینشن لی ہے بھتیجی کی۔ بی پی ہائی کر کے اندر لیٹے ہوئے ہیں۔''

''بات تو ٹینشن والی ہی ہے لیکن آپ نے بابا سے کہنا تھا کہ وہ اپنی طبیعت خراب نہ کریں۔''

''میں تو سمجھا، سمجھا کر تھک گئی ہوں اب تم ہی انہیں سمجھا سکتے ہو۔''

''میں دیکھتا ہوں انہیں۔'' وہ اپنی پریشانی اور تھکن بھول کر باپ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

''واہ میں نہ کہتا تھا کہ اِک بار اسکرین پر آکر دیکھو تہلکہ مچ جائے گا۔ تمہارے پہلے ہی ایڈ نے ہر طرف ہلچل مچا دی ہے۔ اب تمہیں میرے ساتھ ہی کام کرنے کا کنٹریکٹ سائن کرنا ہوگا۔'' سیف بہت خوش تھا۔ وہ فرزین اور شینا کے ساتھ اس خوشی کو منا رہا تھا۔

فرزین بھی اپنی پزیرائی ہوتے دیکھ رہی تھی اور حد سے زیادہ خوش تھی۔ بہت جلد وہ فرسٹریشن سے نکل آئی تھی۔ خود کو اس انداز میں اسکرین پر دیکھنا کہ خود پر ہی رشک آئے بہت خوش کُن تھا۔ جب اس نے ایک بھاری چیک ماں کو دیا تھا تو بلقیس خاتون کے سارے اندیشے بھی بھک سے اڑ گئے۔ انہیں بھی فرزین کے اس اقدام سے بہت خوشی ہوئی تھی۔ یوں بیٹی بیٹھے بٹھائے لاکھوں کمانے لگی تھی۔ ان کی نظر میں اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

''میں کون سا کہیں اور جانے لگی ہوں، میں اب

Downloaded From http://paksociety.com

آپ کے ساتھ ہی کام کروں گی۔'' فرزین نے دنیا داری نبھائی تھی حالانکہ وہ اتنی تو چالاک تھی کہ سمجھ سکتی کہ بس ایک بار شوبز میں قدم جمانے کی دیر ہے پھر کہاں کا سیف اور کیسی اس کی پابندیاں اور وہ ایک ہی رات میں بہت اونچا اڑنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔

دولت اور شہرت ایک دم سے ہی اسے اپنے گھر کی باندی لگنے لگی تھی۔

''بھائی اب اچھا سا کھانا بھی کھلا دو اس خوشی میں۔'' شینا نے منہ بنا کر کہا تھا۔

''ارے ہاں بھئی، آج تم دونوں کا ڈنر میری طرف سے..... فرزین کے کامیاب ایڈ کی خوشی میں۔''

''ہرا.....'' شینا نے نعرہ لگایا اور فرزین مسکرا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''اُف.....'' وہ جیسے ہی باہر نکلنے لگا کسی سے بہت زور سے ٹکرا گیا تھا۔ ابھی تازہ، تازہ کی گئی شاپنگ زمین پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ دوسری طرف بھی جس سے ٹکرایا تھا اس کو بھی دن میں تارے نظر آگئے تھے۔

''زمر شاہ آپ.....'' پہلی نظر میں ہی وہ پہچان گیا کہ وہ بیگ والی زمر شاہ ہی ہے۔

''اوہ آپ.....'' وہ بھی اسے پہچان گئی تھی۔

''سوری..... آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔''

اس نے اپنے شاپر اکٹھے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''چوٹ تو بہت لگی ہے مگر اب لگ گئی ہے۔ اس لیے آپ کیا کر سکتے ہیں۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولی تھی۔

''میں مرہم لگا سکتا ہوں، اس درد کی دوا کر سکتا ہوں۔'' وہ مقیت عبدالاحد ہی تھا جو اس لڑکی کی جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب، ڈوب کر ابھرنے لگا تھا۔

زمر شاہ سے دوسری ملاقات بھی اچانک اور اتفاقیہ ہی تھی مگر لگتا تھا ان اتفاقیہ ملاقاتوں میں کوئی اور پہلو بھی نکل سکتا تھا۔

''آپ ڈاکٹر ہیں کیا؟'' وہ ہنسی تھی۔

''نہیں مگر ڈاکٹر کا بھائی ضرور ہوں۔''

''پھر آدھے ڈاکٹر ہی ہوئے ناں..... گھر میں ایک بھی ڈاکٹر ہو تو دوسرے گھر والے بھی ڈاکٹر بن جاتے ہیں۔''

''چلیں آئیں قریب ہی کافی شاپ ہے، باقی گپ شپ وہاں بیٹھ کر ہو جائے گی.....'' مقیت نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''چلیئے آپ کی دعوت کوئی بے وقوف ہی رد کر سکتا ہے۔'' وہ اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔

''اور آپ بے وقوف ہرگز، ہرگز نہیں لگتیں۔'' وہ بھی دو بدو بولا تھا۔

مقیت خود کو بڑا شارپ سمجھتا تھا اور وہ تھا بھی..... لوگ اس کے قابو میں آتے تھے وہ کسی کے قابو میں نہیں آسکتا تھا مگر زمر شاہ کی آنکھوں میں وہ اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ اس دن جب وہ کافی شاپ سے اٹھے تو ایک دوسرے سے کافی حد تک شناسا ہو چکے تھے۔ سیل نمبرز کا تبادلہ ہو چکا تھا، گھروں کے ایڈریس تک نوٹ ہو چکے تھے اور پھر دونوں جلد ہی دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے آج بہت ترنگ میں ہو۔'' رات ڈنر ٹیبل پر سب سے پہلے آیان نے اسے بات، بات پر چٹکلے چھوڑتے پایا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''سامنے بریانی نظر آرہی ہو تو میں خود بخود ترنگ میں آجاتا ہوں۔'' وہ مقیت تھا اتنی جلدی پکڑ میں آنے والا نہیں تھا۔

''یہ بریانی کا کمال تو نہیں لگتا۔''

''یہ بریانی کا ہی کمال ہے۔''

''مجھے تو کچھ اور کالا، کالا لگ رہا ہے۔''

''نہ کچھ کالا ہے نہ لال، پیلا.....''

''یہ تم لوگ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔'' شہناز بیگم پاس ہی بیٹھی ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''امی جان یہ خاص زبان ہے، یہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔'' مقیت نے اٹھ کر ماں کے گلے

Downloaded From http://paksociety.com

میں بانہیں ڈال کر پیار سے کہا تھا۔

''ہٹو بھی...... میں سب سمجھتی ہوں۔'' شہناز بیگم نے کہا اور دونوں کے قہقہے گونجنے لگے تھے۔

☆☆☆

وہ آج سے پہلے کبھی اس طرح روتی ہوئی گھر نہیں آئی تھی۔ خالی ہاتھ اجڑی صورت لیے ہوئے۔ بلقیس خاتون کے گلے لگ کر وہ اس طرح روئی تھی کہ بلقیس خاتون کو اس سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

''ماما، سنی نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے، اس نے میری محبت کو دو ٹکے کا کر دیا ہے۔ اصل میں وہ مجھ سے محبت کرتا ہی نہیں تھا۔ میں اسے پوجتی تھی، اسے چاہتی تھی تو اس کی مردانگی کی تسکین ہوتی تھی وہ ایک باندی کی طرح سمجھتا تھا مجھے...... اگر بیوی سمجھتا تو اس طرح ہاتھ پکڑ کر گھر سے نہ نکالتا......'' وہ رو رہی تھی بکھر رہی تھی۔

''مگر ہوا کیا ہے...... کوئی لڑائی جھگڑا، کوئی اختلاف؟'' بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر بلقیس خاتون کا دل کٹ رہا تھا۔

''نہیں، کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ اس کے پیرنٹس کو ہماری شادی کا پتا چل گیا ہے اور وہ سنی کی شادی اپنی فیملی میں کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے طلاق دلوا کر...... مجھے گھر سے نکال کر اور سنی نے اپنے پیرنٹس کی بات مان لی ہے۔ وہ اسٹیٹس اور دولت کے بغیر نہیں رہ سکتا اور اگر وہ اپنے باپ کی بات نہیں مانتا تو اسے ان کی دولت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ سو اس نے آسان راستہ چن لیا اور مجھے چھوڑ دیا۔'' وہ ایک بار پھر بلک، بلک کر رو پڑی تھی۔

''میری بچی، میں تمہیں کہتی تھی ناں کہ اس شادی کی گارنٹی کون دے گا اور تم نے کہا تھا میری محبت...... اس محبت کے پیچھے تم نے خود کو برباد کر لیا۔ اب کہاں گئی وہ نامراد محبت......''

''ماما میں سنی کے بغیر نہیں رہ سکتی...... آپ اسے فون کر کے کہیں کہ بے شک وہ ایک اور شادی کر لے لیکن مجھے مت چھوڑے مجھے طلاق مت دے...... میں اس کے بغیر کیسے جی پاؤں گی۔'' لائبہ ماں کے آگے ہاتھ باندھے بیٹھی تھی۔

''نہ رو، میری بچی...... خود کو سنبھالو... میں اسے ابھی فون کرتی ہوں۔'' بلقیس خاتون فوراً اپنے داماد کو فون کرنے کے لیے اٹھیں۔ مبادا انہیں دیر ہو جائے اور وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔

''آنٹی پاپا جب تک طلاق نامہ نہیں لیں گے انہوں نے شرط رکھی ہے وہ مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔'' سنی بے پروائی سے ان سے کہنے لگا۔

''تم انہیں سمجھاؤ بیٹا، لائبہ تمہاری دوسری شادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن رہی پھر وہ کیوں ایک بات کی ضد کیے بیٹھے ہیں، تم بے شک ایک چھوڑ دو، دو شادیاں کرو لیکن میری بیٹی کو بھی اپنے نام کا پابند رہنے دو...... وہ تمہارا کیا لے گی۔ اس کی زندگی ایسے خراب مت کرو بیٹا......'' وہ التجائیہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''آنٹی آپ کا کیا خیال ہے، میں لائبہ کو چھوڑ کر خوش ہوں اور کیا میں نے اپنے ماں، باپ کو نہیں سمجھایا ہوگا۔'' وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگا تھا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا...... جب میری بیٹی اجڑی حالت میں میرے در پر آ بیٹھی ہے تو میں کیسے مان لوں کہ تم کتنا سچ بول رہے ہو۔'' وہ بھی بلقیس خاتون تھیں زیادہ عرصہ داماد کی منتیں نہ کر سکیں...... اپنے مزاج کے مطابق بولی تھیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے اگر آپ کو میری بات کا یقین ہی نہیں تو مجھ سے بات کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ لائبہ کو ڈائیورس کے پیپرز مل جائیں گے۔'' اس نے سنگدلی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ دوسری طرف بلقیس خاتون سنو، سنو کرتی رہ گئی تھیں۔

''تم نے خود کو کیسے اتنا گرا لیا، کیسے اتنا ڈی گریڈ کر لیا کہ اس کے پاؤں بھی پڑ گئیں، اس کی منتیں بھی کر لیں اور وہ الٹا تمہاری سننے کے تمہیں دوسری شادی کا

Downloaded From http://paksociety.com

سناتا رہا۔" فرزین نے سنا تو لائبہ پر چڑھ دوڑی تھی۔
"تو اور کیا کرتی، مجھے کسی نہ کسی طرح تو اپنا گھر بچانا تھا۔"
"تو پھر بچالیا گھر......؟ گھر یوں نہیں بچائے جاتے۔"
"پھر تم ہی بتا دو کہ گھر کیسے بچائے جاتے ہیں، اگر تمہارے پاس کوئی طریقہ ہے تو مجھے بتا دو، میں وہی طریقہ آزما کر اپنا گھر بچالوں گی۔"
"تم نے اس شخص کو اس کی اوقات سے زیادہ سر پر چڑھا لیا تھا۔" آج کل فرزین کا ایک کے بعد ایک ایڈ مشہور ہو رہا تھا اور سیف سمیت انڈسٹری کے کئی مرد اس کے آگے پیچھے پھرتے نظر آتے تھے کیونکہ وہ ان لوگوں کے لیے سونے کا انڈا دینے والی مرغی بنی ہوئی تھی۔ ایسے میں اسے مرد کا عورت کی منتیں کرنا اچھا لگتا تھا نہ کہ ایک عورت کا مرد کی جوتیاں چاٹنا۔
"تم اس مرد کے آگے بچھ گئیں اور وہ تمہیں اپنی جاگیر سمجھ کر پاؤں تلے روندتا چلا گیا۔ اگر اس کے سامنے ذرا اکڑ گئی ہوتیں تو وہ آج تمہیں برباد کرنے سے پہلے سو بار سوچتا۔"
"چھوڑو بہنا، یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ میری محبت پا کر وہ بھی مغرور تھا نہ میں اس کے پاؤں کی جوتی تھی اور نہ وہ میرا مالک......ہم بس ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور اسی محبت کی بنیاد پر ہم لوگوں نے اپنا گھر بنایا تھا۔"
"تو پھر وہ گھر کیوں ٹوٹا، کیا محبت کی بنیاد اتنی کمزور تھی۔" فرزین نے لائبہ کا جی بھر کر مذاق اڑایا تھا۔
"مجھے نہیں پتا...... مجھے کچھ نہیں پتا......" فرزین کے سوالوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تھی اور پھر جو، جو چیز اس کے ہاتھ میں آئی تھی اس نے اٹھا، اٹھا کر پھینکنی شروع کر دی تھی۔
"جائیں ماما اپنی بیٹی کو سنبھالیں جا کر...... ایک مرد کے پیچھے وہ پاگل ہو رہی ہے۔" فرزین نے باہر آکر بلقیس خاتون سے کہا تھا اور وہ اس کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔

☆☆☆

اس چھت تلے رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈا پڑ رہا تھا۔ کیا حسین چہرے تھے وہاں اور کیا دل کشی تھی وہاں...... بے فکری ہی بے فکری، خوش باش، میک اپ زدہ چہرے، مترنم ہنسی بکھیرتی عورتیں اور چمکتی نگاہوں والے مرد......اِک جوش تھا، اِک شوق تھا جو اس حسین شام کی گود میں سمٹ آیا تھا۔ یہ ایوارڈ شو کی ایک بڑی تقریب تھی اور شوبز سے وابستہ چمکتی دمکتی ہستیاں سبھی اس چھت تلے جمع تھیں۔ آج فرزین بھی ان کے درمیان موجود تھی، بلیک، بیک لیس اور سلیولیس بلاؤز اور ریڈ اور بلیک چمکتی ساڑی میں وہ ایک قیامت ہی تو لگ رہی تھی۔ اور جب اسے سال کی بہترین ماڈل کا ایوارڈ ملا تب اس کا جوش و خروش دیکھنے والا تھا۔ کئی حاسدانہ نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں اور کئی پُرشوق نگاہیں اس کا قرب سمیٹ لینا چاہتی تھیں۔ وہ لچکتی ہوئی اسٹیج پر آئی اور بل کھاتی ہوئی اپنے ایوارڈ کو چومتی ہوئی واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھی، میزبان اس کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا اور اس کی تنی ہوئی گردن مزید تن گئی تھی۔ اٹھا ہوا سر کچھ اور بھی بلند ہو گیا تھا۔ اسے سب اپنے ارد گرد نہایت حقیر لگ رہے تھے۔ لڑکیاں اور ہم عصر ماڈلز کمتر اور مرد پاؤں کے نیچے بچھی زمین جیسے لگ رہے تھے۔
"مبارک ہو۔" سیف آج اسے پرپوز کرنے والا تھا۔ شینا کی بات صحیح تھی وہ پہلے ہی دن اس لڑکی پر مرمٹا تھا۔ پہلی مبارک باد بھی اسی نے فرزین کو دی تھی۔
"تھینک یو......" وہ بے پروائی سے بولی۔ آج کل وہ سیف سے زیادہ ملک سلیم کے قریب تھی۔ وہ فلم انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ تھا اور وہ اس کی منظورِ نظر بنی ہوئی تھی۔ اس لیے سیف کو لفٹ ذرا کم ہی کرواتی تھی۔
"میں نے تمہارے لیے پی سی میں ایک ٹیبل ریزرو کروا رکھی ہے، ہم یہاں سے سیدھے وہیں جائیں گے۔" سیف اس کے مزید قریب ہوا اتنا کہ

Downloaded From http://paksociety.com

اس کے حسین بے داغ جسم پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کرنا چاہا تھا۔

''تم نے مجھ سے پوچھے بغیر ٹیبل کیوں ریزرو کروائی۔ ابھی شاید میرا کچھ اور پروگرام بن جائے۔'' وہ سیف کو یہ نہ کہہ سکی کہ ابھی اگر ملک سلیم کا کوئی پروگرام بن گیا تو وہ سیف کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے ساتھ جائے گی۔

''میں پہلے بھی تو تم سے پوچھے بغیر کرواتا تھا۔ اب تو ہمیں لنچ یا ڈنر اکٹھے کیے بھی بہت دن ہو گئے۔ آج تو موقع بھی ہے اور دستور بھی۔'' سیف خواہ مخواہ ہی مسکرائے جا رہا تھا۔

''او کے..... مگر آئندہ خیال رکھنا۔ اب میں مصروف بھی تو بہت ہوتی ہوں، کہیں بھی اپائنٹمنٹ ہو سکتی ہے میری۔'' اس نے سیف کی آفر قبول کر کے گویا اس پر احسان کیا تھا۔ سیف کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔

☆☆☆

بلقیس خاتون اور لائبہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھیں۔ بلقیس خاتون بڑے جوش و خروش جبکہ لائبہ بجھے دل کے ساتھ ایوارڈ شو کی یہ تقریب دیکھ رہی تھی۔ فرزین کا چہرہ بار، بار ٹی وی اسکرین پر ابھر رہا تھا۔ بلقیس خاتون کو کچھ عرصے سے اپنی اس بیٹی پر بڑا فخر محسوس ہونے لگا تھا۔

''یہ ہوتی ہے زندگی اور اسے ایسے گزارتے ہیں، تم نے تو بھری جوانی میں اپنی زندگی کو روگ لگا لیا ہے ایک مرد کے پیچھے اپنی پوری زندگی کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے۔'' وہ ساتھ، ساتھ لائبہ کی بھی کلاس لے رہی تھیں۔

''میں نے اس سے محبت کی تھی، اسے چاہا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ میری زندگی کا بیڑا غرق کر دے۔'' وہ چیخی تھی۔ اونچا، اونچا بول کر اور اونچا رو، رو کر وہ اندر کا غبار نکالا کرتی تھی۔

''دیکھ لو اپنی بہن کو کتنی سمجھدار ہے، کیسے مردوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہے۔''

''مرد کہاں کے بھی ہوں، کیسے بھی ہوں کبھی عورت کی جوتی کی نوک پر نہیں رہتے، یہ مرد قوم بڑی شاطر اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی قوم ہے، اپنے مطلب تک ہی عورت کی جوتی کی نوک پر رہتے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی تھی۔ اس کی باتوں میں تجربے کا رنگ چھلکتا تھا۔

''چلو مطلب تک ہی سہی......'' بلقیس خاتون نے ہنکارا ابھرا۔ ساتھ ہی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔

''اب اٹھ کر دیکھ لیں باہر کون ہے، اب کون سے ملازم ہیں جو جا کر دروازہ کھولیں گے۔'' لائبہ نے انہیں جتایا تھا۔

''فکر کیوں کرتی ہو فرزین ملازم بھی رکھوائے گی، ابھی تک اسے کوئی قابلِ بھروسا ملا نہیں ورنہ وہ اب تک ایک چھوڑ دو ملازم رکھوا چکی ہوتی۔'' آج کل بلقیس خاتون کی باتوں میں پہلے جیسا طنطنہ اور رعب داب آنے لگا تھا۔ ایک یہ لائبہ کی ٹینشن گلے پڑ گئی تھی ورنہ گئے سنہرے دن پھر سے واپس آنے کو تھے۔

''بھائی یہ کیا ہے؟'' انہوں نے سائن کر کے رجسٹری لے لی تھی اور اندر لا کر لائبہ کے ہاتھ میں تھما دی تھی، یہ لائبہ ہی پڑھ کر بتا سکتی تھی کہ اس میں کیا ہے، ڈاکیا نفی میں سر ہلا کر چلا گیا۔

''ڈائیورس پیپر......'' سنی نے لائبہ کو طلاق بھیج دی تھی۔ لائبہ، ماں کے بازوؤں میں لہرا گئی تھی۔

''ہائے میری بچی......'' بلقیس خاتون اسے تھام کر چلائی تھیں۔

☆☆☆

''تمہاری تو نیا کسی پار لگتی دکھائی نہیں دیتی، نہ ہی تم میری کوئی بات سنتے ہو، میں نے سوچ لیا ہے اب میں مقیت کی شادی کر دوں گی۔'' شہناز بیگم آج آیان کو گھیرے بیٹھی تھیں، عام ماؤں کی طرح ان کے دل میں بھی لاکھوں ارمان تھے کہ بیٹے کے سر پر سہرا سجائیں اور اپنی ساری خواہشیں پوری کریں مگر بیٹا تھا کہ بات ہی نہیں سنتا تھا۔

Downloaded From http://paksociety.com

’’جیو ماں ہزاروں سال جیو.....‘‘مقیت لپک کر ماں کے پاس آیا تھا اور ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔

’’بس اب تمہارے سر پر ہی سہرا سجے گا۔‘‘ وہ اس کی بلائیں لے کر بولی تھیں۔

’’امی جان لڑکی دیکھنے کا بھی آپ کو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا، ایک لڑکی ہے میری نظر میں...... اگر آپ کہیں تو میں اس کا پتا بتاؤں آپ کو۔‘‘ وہ کان کھجاتے ہوئے بولا۔

’’ارے واہ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں بھی سبحان اللہ...... میں تو اپنے بیٹوں کو بہت ہی شریف سمجھتی تھی مگر مجھے کیا پتا تھا کہ یہ لڑکیوں کو پہلے ہی پھنسائے ہوئے ہیں، ارے تم دونوں اتنے ہوشیار نکلے کہ ماں کے کرنے کے قابل کوئی کام بھی نہیں چھوڑا۔‘‘ شہناز نے دونوں کی خوب خبر لی تھی۔

’’پیاری ماں بس ایک ہی کام ہم نے کیا ہے باقی سارے کام تو آپ ہی کریں گی ناں......‘‘

’’جو اصل کام تھا جب وہی کر لیا تو باقی کاموں کی کیا اہمیت ہے۔‘‘

’’ارے بیگم صاحبہ کن کاموں کی بات ہو رہی ہے۔‘‘ عبدالاحد بھی اپنا چشمہ اور اخبار اٹھائے آگئے تھے۔

’’آپ کے چھوٹے صاحب زادے نے بھی لڑکی تلاش کر لی ہے، کہہ رہے ہیں ایک کام ہم نے کر لیا ہے باقی آپ لوگ کر لیں۔‘‘ وہ شوہر کی طرف دیکھ کر بولیں۔

’’کیوں بھئی، یہ تمہاری ماں کیا کہہ رہی ہے؟‘‘ وہ مقیت کی طرف مڑے۔

’’بابا زمر شاہ نام ہے اس کا...... ماں، باپ نہیں ہیں، ایک پھوپی ہے جس کے پاس وہ رہتی ہے۔ کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتی ہے۔‘‘ وہ باپ کے قریب بیٹھ کر انہیں تفصیل بتانے لگا تھا۔

’’چلو بھئی ہمارے صاحب زادے سے ایڈریس لو اور کل ہی وہاں جانے کی تیاری کرو، میں اور آپ اپنی ہونے والی بہو کو دیکھ کر آتے ہیں، نیک کام میں دیر کس بات کی۔‘‘ وہ بیٹوں کے دوست تھے انہیں یہ بات اچھی لگی تھی کہ مقیت نے گھر والوں کو اپنی پسند کا بتا دیا تھا۔ ورنہ آج کل لڑکے باہر ہی باہر کیا نہیں کرتے اور جب سب کچھ کر گزرتے ہیں تب ماں، باپ بیچاروں کو خبر ہوتی ہے۔

’’سنو زمر، میرے گھر والے تمہارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔‘‘ اپنے کمرے میں جا کر اس نے زمر کو کال کی تھی۔

’’وہ کس لیے؟‘‘ وہ حیرانی سے پوچھنے لگی تھی۔

’’ارے تمہارا پروپوزل بلکہ میرا پروپوزل تمہارے لیے لے کر۔‘‘

’’لیکن مقیت ابھی سے...... ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔‘‘

’’مجھے تو بہت جلدی ہے کہ میں تمہارے حقوق باضابطہ طریقے سے اپنے نام کروالوں۔‘‘

’’اوکے...... میں تمہیں شام میں کال کر کے بتاؤں گی۔ آخر مجھے بھی گھر میں بتانا ہے، تم پھر انہیں بھیجنا۔‘‘

’’ہاں تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے اپنی پھوپی اماں سے بات کر لو ناں......‘‘

’’اوکے کرلوں گی...... پھر بات کرتے ہیں۔‘‘ اس نے جلدی سے مقیت سے جان چھڑائی تھی اور فون بند کر دیا تھا۔

’’سر وہ تو میرے پیچھے ہی پڑ گیا ہے، ابھی مشکل سے ہماری دو چار ملاقاتیں ہوئی ہیں اور وہ میرے گھر رشتہ لے کر آنے کی بات کر رہا ہے۔‘‘ مقیت سے جان چھڑا کر اس نے ہمدانی صاحب کو فون کیا تھا جو ملازمت میں مقیت کے سب سے بڑے حریف تھے اور بیورو کریٹس کی ایک پارٹی میں مقیت نے ان کی بہت انسلٹ کی تھی۔ وہ خود کو بڑا پارسا سمجھتا تھا۔ ہمدانی صاحب اس وقت تو چپ کر گئے لیکن انہوں نے مقیت کی پارسائی کا نقاب الٹنے کے لیے زمر شاہ کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ زمر شاہ کی طرف وہ اتنی آسانی سے مائل

Downloaded From http://paksociety.com

ہوجائے گا یہ تو ہمدانی صاحب کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ ائرپورٹ پر مس زمر شاہ کا بیگ بھی جان بوجھ کر مقیت کے بیگ کے ساتھ تبدیل کیا گیا تھا۔

''تو آنے دو تمہارا کیا جاتا ہے، جتنا وہ تمہارے جال میں پھنستا ہے اسے پھنسنے دو، ہاں ہر ملاقات میں اس کے ساتھ دو چار یادگار تصویریں ضرور بناتی رہنا پھر دیکھنا ان تصویروں کو میں کہاں تک لے جاتا ہوں، آج کل جس پروموشن اور نیک نامی کے وہ خواب دیکھ رہا ہے، وہ سب خواب ہی رہ جائے گا۔''

''لیکن سر میرے گھر والے کہاں سے آئیں گے؟''

''وہ بھی کہیں نہ کہیں سے آہی جائیں گے، بس اسے ایک عدد پھوپی کا ہی تو بتایا ہے، فکر نہ کرو پھوپی کا انتظام بھی ہوجائے گا۔ اوکے..... تصویروں کا خیال رکھنا۔'' ہمدانی نے اسے یاد دہانی کرواکر فون بند کردیا تھا۔

''بیچارہ مقیت۔'' زمر شاہ نے موبائل کو مسکرا کر دیکھا تھا۔

☆☆☆

ملک سلیم کی نوازشیں اور عنایتیں فرزین پر بڑھتی جارہی تھیں۔ وہ جتنا فرزین کو نواز رہا تھا وہ اتنا ہی اس کے قریب اور سیف سے دور ہورہی تھی۔ سیف تو اس کے پیچھے پاگل ہورہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا فرزین اس کی پراپرٹی ہے، اس کا اثاثہ ہے اس کی دریافت ہے، بس وہ اس کے ساتھ ہی کام کرسکتی ہے لیکن اس کے خیالوں کے برعکس فرزین بہت اونچا اُڑنے لگی تھی اتنا کہ اس کی حدود سے باہر نکلی جارہی تھی۔

''میرا یہ ایڈ تم ہی کروگی۔'' سیف نے اسے فون کیا تھا۔

''میں نے کہا ناں سیف میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہے، ہاں دو تین ماہ بعد کا ٹائم تم رکھ سکتے ہو۔''

''دو تین ماہ بعد..... پروڈکٹ ابھی مارکیٹ میں آرہی ہے اور کلائنٹ اس کا ایڈ دو تین ماہ بعد چلائیں گے تو اسے خریدے گا کون..... مجھے یہ ایڈ ابھی اسی ہفتے چلانا ہے تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔''

''اوکے، اوکے.....میں ایک بار پھر سے اپنا شیڈول چیک کرتی ہوں اگر اس میں گنجائش نکل آئی تو میں ضرور تمہارے لیے کام کروں گی۔ آخر پہلے بھی تو میں تمہارے لیے کام کرچکی ہوں۔'' اس نے سیف کو ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

''گنجائش تمہیں نکالنی ہی پڑے گی، میں انکار نہیں سننا چاہتا۔'' سیف نے کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

رابطے اور مزید معلومات کے لیے

ثمر عباس 0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کرسکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

Downloaded From http://paksociety.com

''بہت اونچا اڑنے لگی ہے اس کے پر کترنے ہی پڑیں گے۔'' سیف نے آج فرزین کی حد دیکھ لی تھی۔ سیف سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے صاف ٹال رہی ہے اور سیف ایک شاطر کھلاڑی تھا اسے اگر کسی کو آسمان پر پہنچانا آتا تھا تو اس کے قدموں تلے سے سیڑھی کھینچ لینا بھی خوب آتا تھا۔

''ملک سلیم کی پارٹی کب ہے؟'' اس نے ملک سلیم کے پی اے سے پوچھا تھا جو اس کا اچھا مخبر اور دوست تھا۔

''چار دن ہی رہ گئے ہیں پارٹی میں۔''

''اس بار اس نے کون سا کلب بک کروایا ہے؟'' پی اے نے کلب کا نام بتا دیا تھا۔

''اور کون، کون آرہا ہے اس پارٹی میں؟'' پی اے نے مشہور و معروف ہستیوں کے نام گنوانے شروع کر دیے تھے۔

''اس بار لڑکیاں کہاں سے آرہی ہیں۔''

''اپنی انڈسٹری کی ہی ہیں۔''

''فرزین تو پھر ضرور ہوگی اس میں۔''

''کیوں نہیں سر...... اس کے بغیر پارٹی سجتی ہے بھلا......''

''بس ٹھیک ہے...... بہت، بہت شکریہ......''

سیف نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور ساتھ ہی اس دن کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا جب مشہور و معروف ہستیاں جن میں سیاست دان بھی تھے اور دوسرے بہت سے نامور لوگ بھی جب وہ شوبز کی لڑکیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آئیں گے تو ہر ٹی وی چینل کے لیے کتنی مرچ مسالے کی خبر ہوگی۔ اور فرزین پر تو اور بھی بہت کچھ ڈال کر وہ چار دن بعد اس کا کیرئیر ختم کر دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

زمر شاہ نے بہت اصرار سے مقیت کو اس ریسٹورنٹ بلایا تھا۔ وہ نہ صرف یہ ڈیسائڈ کرنا چاہتی تھی کہ اس کے ماں، باپ کب اس کی پھوپی اماں سے ملنے آئیں گے بلکہ وہ مقیت کے ساتھ اپنی برتھ ڈے بھی سیلیبریٹ کرنا چاہتی تھی۔ مقیت اس کے لیے گولڈ کا نازک سا بریسلیٹ لایا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو زمر......'' مقیت نے اس کو وش کیا تھا اور ساتھ ہی خوب صورت سا بریسلیٹ اس کی کلائی میں سجا دیا تھا۔ زمر شاہ نے اس موقع کو یادگار بنانے کے لیے اپنی اور مقیت کی کافی ساری تصویریں بنائی تھیں۔ مقیت کو بھلا کیا اعتراض تھا۔ زمر اب کون سا اس کے لیے غیر رہ گئی تھی۔

ویٹر گرم، گرم سوپ لے کر آیا تھا اور شومئی قسمت کہ سوپ اس کے ہاتھ سے چھلکا اور زمر کی شرٹ کو داغدار کر گیا۔ مقیت نے ویٹر کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

''اٹس او کے...... مس ٹھیک ہو جاتی ہے۔'' پہلے زمر نے ویٹر کی جان چھڑائی اور پھر واش روم کی طرف چلی گئی تھی شرٹ صاف کرنے۔ یہاں پر زمر کی قسمت دھوکا دے گئی تھی کہ اس کا موبائل جلدی میں ٹیبل پر ہی رہ گیا تھا۔ وہ واش روم میں شرٹ دھونے کے بعد اپنا میک اپ درست کرنے لگ گئی تھی۔ زمر کے سیل پر بار، بار میسج ٹون بج رہی تھی۔ مقیت نے اچانک ہی سیل اٹھا لیا تھا اور پھر جوں، جوں وہ ہمدانی کے آئے میسج پڑھتا گیا تھا توں، توں اس کی حالت غیر ہوتی گئی تھی۔

اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا...... پہلے اس نے اس میں سے اپنی اور زمر کی ساری تصویریں ڈیلیٹ کی تھیں اور پھر سب کچھ وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ وہ اس مکار لڑکی کا چہرہ زندگی بھر نہیں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت سمجھدار سمجھتا تھا لیکن اسے آج پتا چلا تھا کہ اس دنیا میں لوگ کیسے، کیسے بہروپ لیے پھرتے تھے۔

زمر میک اپ تازہ کر کے واپس آئی تو خالی ٹیبل اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

''یہ مقیت کہاں گیا اُف......'' اسے موبائل کی اسکرین پر ہمدانی کے سارے میسج کھلے نظر آگئے تھے، وہ کیوں چلا گیا تھا اسے سب سمجھ آگئی تھی۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ہمدانی سے جو پیسے وہ کھاتی رہی تھی اب ہمدانی صاحب تو اسے آسانی سے چھوڑنے والے نہیں تھے۔

Downloaded From http://paksociety.com

''مقیت خیر تو ہے، کیوں بے وقت اندھیرا کیے لیٹے ہو۔'' شہناز بیگم نے نوٹ کیا تھا کہ جب وہ گھر سے گیا تھا تو بہت خوش، خوش اور تیار شیار ہو کر گیا تھا اور اب جبکہ کچھ ہی دیر میں واپس آیا تو بہت بجھے چہرے کے ساتھ گھر واپس آیا تھا۔

''امی جان، لائٹ بند ہی رہنے دیں، روشنی اچھی نہیں لگ رہی۔'' شہناز بیگم نے ابھی کمرے کی ایک ہی لائٹ جلائی تھی کہ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹا طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری...... روشنی کیوں نہیں اچھی لگ رہی۔'' وہ اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اور اس کا ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹانے لگی تھیں۔

''امی جان ہم تو لوگوں کے ساتھ فیئر ہوتے ہیں لیکن لوگ کیوں ہمارے ساتھ فیئر نہیں ہوتے، کیوں ہمارے ساتھ دھوکا کر جاتے ہیں۔'' وہ گہری سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''کچھ لوگوں کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے سب لوگ ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔'' وہ پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بولی تھیں۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آج میرے بیٹے نے کہاں سے دھوکا کھایا ہے۔''

''زمر شاہ سے۔'' اس وقت ماں سے بڑھ کر ہمدرد اسے کوئی چاہیے بھی نہیں تھا۔

''زمر شاہ سے؟'' وہ زیرلب بڑبڑائی تھیں، یہ نام تو ابھی چند دنوں سے ان کے بیٹے کے دل کی دھڑکن اور چہرے کی خوشی بنا ہوا تھا اور یہ خوشی اتنی عارضی ثابت ہوئی تھی ان کا اپنا دل بھی دکھ سے بھر گیا تھا۔

''ہاں، اس نے مجھے بہت بڑا دھوکا دیا ہے، وہ سب ایک فراڈ تھا، اس کا ملنا، مجھ سے محبت کرنا، سب فراڈ تھا......'' وہ بھرائے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''وہ میرے دشمنوں کی طرف سے ایک سزا تھی جو مجھ پر مسلط کر دی گئی تھی۔ امی جان کس کردار کی یہ لڑکیاں ہوتی ہیں جو معصوم لوگوں کے دلوں سے کھیل جاتی ہیں، اس نے مجھ سے فراڈ کیا لیکن میں نے تو اس سے سچی محبت کی ہے۔''

''جانے ایسی لڑکیوں کی تربیت کن گودوں میں ہوتی ہے، میں تو خود نہیں سمجھ سکتی۔ بیٹا ٹینشن نہ لو ابھی تمہارا کچھ نہیں بگڑا۔ خدا پاک نے پہلے قدم پر اس کا کردار تمہارے سامنے کھول دیا، اسے تم پر عیاں کر دیا یہ اس کا کرم ہے، تم اپنے آپ کو سنبھال لو، ایسے لوگوں کے پیچھے خود کو برباد نہیں کرتے، اللہ بہتر کرے گا،

حادثہ

مزدور نے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرتے ہوئے کارخانے کے مالک سے کہا۔ ''جناب! میری شادی ہوگئی ہے۔''

مالک بولا۔ ''کارخانے کے باہر ہونے والے حادثات کے ہم ذمے دار نہیں ہیں۔''

مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

غزل

آج یوں موسم نے دی جشنِ محبت کی خبر
پھوٹ کر رونے لگے ہیں میں، محبت اور تم
ہم نے جونہی کر لیا محسوس منزل ہے قریب
راستے کھونے لگے ہیں میں، محبت اور تم
چاند کی، کرنوں نے ہم کو اس طرح بوسہ دیا
دیوتا ہونے لگے ہیں میں، محبت اور تم
دھر گیا الزام جب سے اپنی حرمت پر کوئی
بارشیں دھونے لگے ہیں میں، محبت اور تم
آج پھر محرومیوں کی داستانیں اوڑھ کر
خاک میں سونے لگے ہیں میں، محبت اور تم
کھو گئے انداز بھی آواز بھی، الفاظ بھی
خامشی ڈھونے لگے ہیں میں، محبت اور تم

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety
پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1
پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں پھر ماں، بیٹا مل کر چائے پیتے ہیں۔'' شہناز بیگم کو بیٹے کی حالت پر بہت دکھ ہوا تھا لیکن انہوں نے اپنے انداز میں تسلی دی تھی۔

''ماں یہ زخم بھرنے میں بہت دن لگیں گے، چوٹ جتنی گہری ہے مندمل بھی اتنے ہی عرصے میں ہوگی۔'' ماں کے جانے بعد وہ کمرے کے ہلتے پردے کو دیکھ کر سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

ملک سلیم کی پارٹی بری طرح فلاپ ہوئی تھی، سیف نے کلب پر پولیس کا ریڈ کروادیا تھا۔ ایس پی وہاج کی سربراہی میں اور مختلف ٹی وی چینلو والوں کی موجودگی میں یہ چھاپا کامیاب ٹھہرا تھا ورنہ جتنے بڑے لوگ وہاں موجود تھے وہ کبھی ایسا نہ ہونے دیتے۔ میڈیا اور پولیس والوں کے سامنے وہ منہ چھپا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے بس چند ایک کا چہرہ میڈیا والے دکھانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ فرزین اور ملک سلیم کو اس پارٹی کا ذمے دار ٹھہرایا جارہا تھا۔ فرزین کا کیرئیر اور ساکھ واقعی ایک ہی شام میں سیف نے برباد کر کے رکھ دی تھی۔ ساتھ ہی اس نے ملک سلیم کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ اس ریڈ میں فرزین کا ہاتھ ہے کیونکہ ایس پی وہاج فرزین کا رشتے دار ہے۔ (یہ بھی اس نے پتا چلا لیا تھا) ملک سلیم کو سیف کی یہ بات سچی معلوم ہورہی تھی، وہ بھی اس شام جی بھر کر فرزین سے بددل ہوگیا تھا۔

''چلو آؤ میرے ساتھ.....'' وہاج نے اپنا اثر رسوخ استعمال کرتے ہوئے فرزین کا نام اور چہرہ میڈیا پر نہیں آنے دیا تھا اور اسے اپنی گاڑی میں بٹھالیا تھا۔

''دیکھ لی شوبز والوں کی چالاکیاں!'' وہ بری طرح رورہی تھی اسے نہیں پتا تھا کہ اس کلب کے مرکزی ہال میں تو پارٹی کا انتظام ہے اور باقی کمروں میں کیا، کیا ہورہا ہے، اور کون، کون وہاں بند ہے۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ وہاں کون، کون موجود ہے اور کیا کررہے ہیں۔'' وہ وہاج سے نظریں نہیں ملا پارہی تھی۔

''یہ کام تمہارے جیسی لڑکی کے لیے ہے بھی نہیں، بہت شوق پورا کرلیا ہے تم نے، اب بس اس کام کو چھوڑو اور گھر بیٹھو...... آج میری وجہ سے تمہارا اور ہمارے خاندان کا نام میڈیا پر آنے سے بچ گیا ورنہ آج کی شام ہمارے خاندان کی کیسے عزت اچھالی جاتی' تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔''

''میں سوچ سکتی ہوں۔'' اتنے میں اس کے موبائل پر ملک سلیم کی کال آنے لگی تھی۔ موبائل اس کی گود میں دھرا تھا وہاج 'ملک سلیم کا جلتا بجھتا نام اسکرین پر دیکھ چکا تھا۔

''کال اٹینڈ کرو، سنو یہ کیا کہہ رہا ہے۔'' وہاج نے کہا۔

اس نے وہاج کے کہنے پر کال اٹینڈ کی تھی۔

''تم نے مجھ سے کون سی دشمنی نکالی ہے میری پارٹی پر چھاپا پڑوا کر...... میں آج بلکہ ابھی سے تم سے اپنے سارے کانٹریکٹ ختم کرتا ہوں۔'' وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ پھنکار رہا تھا۔

''ہونہہ......پہلی بات تو یہ کہ میں نے چھاپا نہیں پڑوایا لیکن تم میری بات نہیں مانو گے اور میں تمہیں اس کا یقین بھی نہیں دلاؤں گی...... باقی رہی کام کی بات تو مجھے اب تمہارے کام کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ میں یہ کام خود ہی چھوڑ رہی ہوں۔'' فون بند کر کے اس نے مسکرا کر وہاج کی طرف دیکھا تھا۔ وہاج بھی وکٹری کا نشان بنا کر مسکرا دیا تھا۔

''تم کام نہیں کروگی تو ہم کہاں سے کھائیں گے؟'' بلقیس خاتون بیٹی کا فیصلہ سن کر پریشان ہوگئی تھیں۔

''میں نے یہ کب کہا کہ میں کام نہیں کروں گی، میں نے یہ کہا ہے میں شوبز میں کام نہیں کروں گی۔''

''پھر کیا کروگی کوئی معمولی سی جاب کرلوگی، لوگ تمہیں پہچاننے لگے ہیں تم اب کوئی کام نہیں کرسکتی ہو۔''

''میں اپنا بزنس شروع کرلوں گی میرے پاس اتنے پیسے ہیں۔'' وہ ایک عزم کے ساتھ بولی تھی۔

Downloaded From http://paksociety.com

"فکر نہ کریں آپ کو بھوکا نہیں مرنے دوں گی۔"

اتنے میں اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا تو سیف کا نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ دی تھی اس شخص نے اس کی اچھی بھلی زندگی میں طوفان اٹھایا تھا وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر اس نے فرزین کو سزا دی تھی تو سزا اسے خود بھی ملنی چاہیے تھی۔

"فرزین آپی ہمارے گھر کے سامنے پولیس آئی ہے۔" لائبہ جو کھڑکی میں گم صم کھڑی تھی گیٹ پر پولیس کی گاڑی رکتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

"پولیس ..مگر کیوں......؟" فرزین بھی پریشان ہو اٹھی تھی بلقیس خاتون بھی پولیس کا نام سن کر فرزین کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"او...... یہ تو وہاج بھائی ہیں، ساتھ میں چچا اور چچی جان بھی ہیں۔" لائبہ نے جوش سے کہا تھا فرزین کی کب سے رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ وہ ان کا استقبال کرنے سب سے آگے بڑھی تھی۔ چچا ابا نے اس کا ماتھا چوم کر اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ اسے چچا ابا سے بالکل اپنے پاپا جیسی خوشبو آئی تھی پھر چچی اماں نے اسے باہوں میں بھر لیا تھا۔ بلقیس خاتون بھی خوشی کے آنسو لیے دیورانی کی طرف بڑھی تھیں۔ بیٹے کے نشے اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ ہونے والے حادثوں نے بلقیس خاتون کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی تھی۔ انہیں اب رشتے ناتے صحیح طرح نظر آنے لگے تھے۔

"لائبہ میری بچی تم کیوں پیچھے کھڑی ہو، میرے پاس آؤ ناں......" شہناز بیگم نے گم صم کھڑی لائبہ کو بھی کھینچ کر گلے لگایا تھا۔ کچھ دیر بعد کمرے میں یوں سب گھل مل گئے تھے جیسے صدیوں کے آشنا ہوں جیسے دونوں گھروں کے درمیان کوئی فرق نہ رہا ہو، جیسے دونوں گھرانوں کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھایا گیا ہو۔

"بھائی عبدالاحد مجھے معاف کر دینا، میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔" بلقیس خاتون کو ایک، ایک بات یاد تھی کہ کس طرح عبدالاحد اپنے لائق

مارچ 2017 کا دلکش شمارہ

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

مزید

خطوط کی محفل، محفل شعر و سخن اور مرزا امجد بیگ کی کھوج کا نتیجہ

منقسم عورت

دو کشتیوں کا سوار بے شک ڈوبتا ہے مگر مانجھی چاہے تو سوار کو ایک ہی کشتی کا مسافر بنا کر کنارے لگا سکتا ہے۔ ایسا ہی اس نے بھی کیا...... آخری صفحات پر **نشور ہادی** کا تحفہ

عمر جاوداں کی تلاش

منگولوں کی وحشت اور خانہ بدوشی کا قصہ تمام ہوا اور اسلام کی کرامات نے نقشہ ہی بدل ڈالا...... **الیاس سیتاپوری** کے قلم کا جادو

شیش محل

اسماء قادری کے قلم سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے والے خاندان کا حوصلہ اور آبلہ پائی کا دلگداز ماجرا۔

ماروی

رفتہ رفتہ اختتام کی جانب گامزن کرداروں پر مشتمل اس طویل داستان کا آخری پڑاؤ

اس کے علاوہ

منظر امام، سیما کمال، تنویر ریاض، سلیم انور اور دیگر قلمکاروں کی دلچسپ تحریریں آپ کی منتظر

Downloaded From http://paksociety.com

فائق ڈاکٹر بیٹے کا رشتہ فرزین کے لیے لائے تھے اور کس طرح انہوں نے اسے ذلیل کر کے گھر سے نکالا تھا۔

''یہ معافی ایک ہی صورت میں ہو سکتی ہے بھابی جی اب۔'' عبدالاحد بھی بولے تھے۔

''وہ کیا......؟''

''کہ میں اس روز کی طرح ایک دفعہ پھر اپنی خالی جھولی آپ کے آگے پھیلا دوں اور آپ میری جھولی بھر دیں۔'' وہ چھوٹے ظرف کے مالک نہیں تھے.....

بے شک آج وہ اس گھرانے سے بہت آگے تھے، بہت اوپر تھے ان کے بیٹوں اور ان کے مرحوم بھائی کی بیٹیوں کا کوئی جوڑ نہیں تھا لیکن وہ اس فرق کو نہیں مانتے تھے۔ انہوں نے دونوں بچیوں کے لیے اپنا دامن پھیلا دیا تھا۔

''عبدالاحد میں تمہارے سامنے بہت چھوٹی عورت ہوں، میری طلاق یافتہ بیٹی کا رشتہ بھی تم اپنے آفیسر بیٹے کے لیے مانگ رہے ہو۔ میں اس قابل ہوں نہ میری بیٹیاں......'' بلقیس خاتون عبدالاحد کی بات سن کر ہاتھ باندھ کر رونے لگی تھی۔ شہناز بیگم نے اٹھ کر ان کے بندھے ہاتھ کھولے تھے اور انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''ہم اپنے دونوں بیٹوں کی رضامندی سے ہی آئے ہیں، جب مقیت کو کوئی اعتراض نہیں ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ بھی خوشی سے ہاں کر دیں۔'' شہناز بیگم نے کہا تھا اور گم صم کھڑی لائبہ اور فرزین کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ساری عمر انہوں نے چچا اور ان کی فیملی کو کسی کھاتے میں نہیں رکھا تھا اور اپنی چچا اور ان کی فیملی نے ان کے سارے عیبوں کو ڈھک لیا تھا۔

''بس اب یہ رونا دھونا ختم کر دیں۔ آج سے خوشیاں اس گھر کا راستہ دیکھیں گی۔'' وہاج جو اس سارے معاملے میں اب تک خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا اٹھ کر اپنے ساتھ لایا ہوا مٹھائی کا ڈبا کھولتے ہوئے بولا اور باری، باری سب کا منہ میٹھا کروانے لگا۔

''لڑکیوں، اب جاؤ کچن میں ذرا اچھی سی چائے بنا کر لاؤ، کیا گھر آئے مہمانوں کو بس مٹھائی پر ٹرخانے کا پروگرام ہے۔'' وہاج نے فرزین اور لائبہ سے کہا تھا۔

''وہاج بھائی ابھی لائے چائے۔'' کہہ کر وہ دونوں کچن میں گھس گئی تھیں۔

☆☆☆

چچا کے جس گھر کو انہوں نے ساری عمر کچھ نہیں جانا تھا کچھ نہیں سمجھا تھا، آج اسی گھر میں دونوں بہنیں دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ اس گھر کے در و بام رنگوں اور روشنیوں میں نہائے ہوئے تھے۔ سب بہت خوش تھے۔ پرانے رشتوں پر نئے ناتوں کی پنیری لگ گئی تھی۔ مقیت جو زمر شاہ کے دھوکے سے بہت ہرٹ ہوا تھا اور اب کبھی نہ شادی کرنے کا فیصلہ کر بیٹھا تھا جب عبدالاحد نے اپنی طلاق یافتہ بھتیجی کا پرپوزل اس کے سامنے رکھا تھا تو اس نے بغیر سوچے سمجھے ہاں کر دی تھی کیونکہ محبت کر کے دیکھ لی تھی اب کسی کے دامن کو خوشیوں سے بھر کر زندگی کا مزہ لینے کی باری تھی۔ اور یقیناً ایسا کر کے زندگی اسے بہت کچھ عطا کرنے والی تھی بہت کچھ دینے والی تھی۔ اپنے لیے تو سبھی جیتے ہیں کسی کے لیے جینا اصل بہادری ہوتی ہے اور اسی بات کا سبق ساری عمر عبدالاحد نے اپنی اولاد کو پڑھایا تھا۔

باقی رہی آیان اور فرزین کی بات...... آیان کو آج اپنی محبت مل گئی تھی گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی تھی۔ اس نے بھی کھلے دل سے فرزین کی ساری نادانیاں معاف کر دی تھیں، اسے معاف نہ کرتا تو کیا کرتا، وہ فرزین کی جگہ کبھی کسی اور کو نہیں دے سکتا تھا۔

''میرا مزاج عجیب سا ہے
تمہاری سوچوں میں گم رہا ہوں
ہزار ہا بار چپ ہی چپ میں پکارتا ہوں
سنو میں کب سے یہ کہہ رہا ہوں
میں جو ہوں، جیسا، جہاں کہیں ہوں
ہوں بس تمہارا......

ΔΔ

Downloaded From http://paksociety.com

اختر شجاعت

تحمل، عفو و درگزر ...... صفتِ الٰہی

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے...... جو یکتا و لاشریک ہے اور اسی کے لیے حمد و ستائش ہے۔ وہ زندگی و موت دینے والا ہے۔ اور وہ ایسا زندہ ہے جس کے لیے موت نہیں...... اس کے ہاتھ میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔

انسانی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ مصائب بھی آتے ہیں، دکھ درد بھی جھیلنا پڑتے ہیں لیکن انسان کا روحانی کمال اسی میں پوشیدہ ہے کہ مصائب کو ہنسی خوشی برداشت کرے...... انسانی وقار کا ہر لمحہ لحاظ رکھے ...... انسانیت سوز رویہ نہ اختیار کرے۔

آج ہمارا موضوع تحمل، عفو و درگزر ہے۔ جس کا آج کل ہمارے معاشرے میں سختی سے فقدان نظر آتا ہے۔

''عفو'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی معاف کرنا...... بخشش کرنا...... درگزر کرنا...... بدلہ نہ لینا...... مٹا دینا...... ڈھانپ لینے اور گناہ پر پردہ ڈالنے کے ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں کسی کی زیادتی اور برائی پر انتقام کی قدرت و طاقت کے باوجود انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا ''عفو'' کہلاتا ہے۔

قدرت و طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اگر انسان انتقام نہ لے سکے تو یہ عفو نہیں ہوگا بلکہ اسے بے بسی کا نام دیا جائے گا...... عفو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کردے...... مگر معاف کرنے پہ اس کی طبیعت آمادہ نہ ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل کی رضا و خوشی کے ساتھ معاف کرے اور اگر ممکن ہو تو اس کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔

عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور امتیازی صفت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیار کرنے کی بار، بار تلقین فرمائی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے......

''بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔'' (سورۂ نساء)

''بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔'' (سورۂ نساء)

''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور برائیوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (سورۂ شوریٰ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عفو و درگزر کی تلقین فرمائی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ ''اے محبوب ...... لوگوں سے درگزر کرو اور ان کے لیے بخشش مانگو......'' عفو وصفِ مومنین ہے...... جب اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ساتھ درگزر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں عفو و درگزر سے کام لیں۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے کہ ''پس معاف کر دیا کرو اور درگزر کرتے رہا کرو......'' (سورۂ بقرہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''جو مسلمان ہے وہ طنز و تشنیع نہیں کرتا...... لعنت نہیں بھیجتا...... بدزبانی اور فحش کلامی نہیں کرتا۔''

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔''

Downloaded From http://paksociety.com

☆☆☆

ایک بار ایک شخص نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی..... ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے تو کوئی نصیحت فرمائیں..... '' ارشاد ہوا..... '' غصہ نہ کیا کرو..... '' اس نے تین بار یہ سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

درحقیقت غصہ انسانیت کے وقار کو مجروح کرتا ہے۔ متانت اور بردباری کو چھین لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی اخلاقی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر انہیں مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف یا اذیت پہنچے تو اس کا انتقام نہیں لیتے بلکہ تحمل و بردباری کے ساتھ اسے بخوشی برداشت کرتے ہیں..... درحقیقت کسی کی زیادتی پر ضبط اور اس کی غلطی سے چشم پوشی کرنے کا نام ہی تحمل و بردباری ہے۔

اگر اللہ کے ان نیک بندوں کے ساتھ کوئی عداوت رکھے اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو وہ حلم اور بردباری کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے دلوں میں کینہ اور نفوس میں جھگڑے کا وجود نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح یوں بیان فرمائی ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول اور میرے منتخب بندے ہیں........ نہ بدمزاج بدخو ہیں نہ بازاروں میں شور کرنے والے..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر کرتے ہیں.....

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اگر کسی نے بدسلوکی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی انتقام نہیں لیا..... اور آپ نے کبھی اپنے دستِ مبارک سے کسی کو نہیں مارا..... بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی کو مارنا پڑے..... کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی..... جو مل جاتا کھا لیتے اور نہ ہی کبھی کسی خادم کو جھڑکا..... تحمل و بردباری اور مدارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کا خاصہ تھا۔

☆☆☆

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی مگر کبھی آپ نے مجھے اُف تک نہیں کہا..... جب کبھی مجھ سے کوئی کام آپ کی مرضی کے خلاف ہو گیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جب کبھی ازواج مطہراتؓ میں سے کسی نے مجھے ملامت بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا۔ ''اسے چھوڑ دو جو کچھ ہوا قضا و قدرت (تقدیر الٰہی) سے ہوا۔''

حضرت ابوذر غفاریؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... جہاں کہیں تم رہو اللہ سے ڈرو اور برائی کا بدلہ نیکی سے دو وہ نیکی اس برائی کا خاتمہ کر دے گی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ ''جسے نرم روئی عطا کی گئی ہو سمجھ لو اسے بھلائی مل گئی اور جسے نرم مزاجی سے کوئی حصہ نہ ملے وہ بھلائی سے محروم ہو گیا۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ظالم کے ظلم پر صبر کرنے کا پہلا بدلہ یہ ہے کہ تمام لوگ مظلوم کے مددگار ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک برا کلمہ برداشت کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت بکر بن عبد اللہ کو بہت سی گالیاں دیں آپ خاموش رہے..... کسی نے آپؒ سے کہا کہ آپ اسے گالیاں کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا..... میں اس کی کوئی برائی نہیں جانتا جس کی وجہ سے اسے برا کہہ سکوں..... اور بہتان لگانا میرے لیے جائز نہیں۔

☆☆☆

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے جنت میں اونچے، اونچے محلات دیکھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا..... یہ کس کے لیے ہیں.....؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو

Downloaded From http://paksociety.com

غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں معاف کردیتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”تم ہر جائی نہ ہو جاؤ اور کہنے لگو کہ اگر لوگ احسان کریں تو ہم بھی احسان کریں گے اگر وہ ظلم کریں تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے آپ کو اس چیز کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو اگر وہ ظلم کریں تو تم ظلم نہ کرو.....“ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی کا بدلہ دے بلکہ وہ ہے کہ اگر تم اس کے ساتھ تعلقات منقطع کرو تو وہ تمہارے ساتھ میل جول رکھے.....شریفانہ اخلاق کی نشانی یہ ہے کہ تم اسے معاف کرو جو تم پر ظلم کرے اور وہ جو تم سے قطع تعلق کردے..... اس کے ساتھ میل جول رکھو اور جو تمہیں مجروح کردے اس کے ساتھ بخشش کرو۔“

☆☆☆

حضرت امام حسنؓ کے تحمل و بردباری کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز حضرت حسنؓ کوفہ کے دارالخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے..... صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپؓ کو اور آپؓ کے والدین کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے..... اس نے پھر کہا آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں..... حضرت امام حسنؓ نے اپنے غلام سے فرمایا طشت میں چاندی بھر کر لاؤ اور اسے دے دو۔ پھر فرمایا..... اے شخص..... ہمیں معذور سمجھنا گھر میں اس کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ ورنہ اس کے دینے سے انکار نہ ہوتا..... جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک روز مسجد میں درس دے رہے تھے۔ ایک شخص جسے آپؒ سے عداوت تھی اس نے کچھ نامناسب الفاظ کہے..... آپؒ نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے۔ اور شاگردوں کو بھی منع کردیا کہ اس کی طرف توجہ نہ دیں۔ جب آپؒ درس سے فارغ ہو کر مکان کی طرف چلے تو وہ شخص بھی آپ کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ راستے میں جو کچھ اس کے منہ میں آیا تو بلاجھجک آپ کو کہتا رہا..... جب امام صاحب اپنے مکان کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ بھائی..... یہ میرا گھر ہے تمہیں جو کچھ کہنا باقی رہ گیا ہو تو اسے جلد پورا کرلو کیونکہ اب میں مکان کے اندر جاتا ہوں تمہیں پھر موقع نہ ملے گا۔

☆☆☆

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک آدمی نے ان سے عرض کی ..... آپ کی مجلس میں بعض لوگ ایسے آتے ہیں کہ جن کا مقصد آپؒ سے استفادہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان کا ارادہ آپ کے کلام میں غلطیاں تلاش کرنا اور سوالات کے ذریعے آپ کو تنگ کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ اس طرح آپؒ کو بدنام کریں..... حضرت حسن بصریؒ مسکرائے پھر فرمایا..... اپنے اوپر آسانی پیدا کرو..... میرے دل میں جنت میں جانے کا خیال آیا تو میں نے اس کی خواہش کی..... میرے دل میں رحمٰن کی مجاورت کا خیال آیا تو میں نے اس کی خواہش کی..... مگر میرے دل میں کبھی بھی لوگوں سے بچنے کا خیال نہیں آیا..... اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کا خالق، رازق انہیں زندہ اور مارنے کا اختیار رکھنے والا بھی ان کی باتوں سے محفوظ نہیں تو پھر میرے دل میں لوگوں سے بچنے کا خیال کیسے آسکتا ہے۔

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی..... اے میرے رب..... !لوگوں کی زبانوں کو مجھ سے دور رکھیے..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... اے موسیٰ! یہ تو میں نے اپنے لیے بھی نہیں کیا..... تمہارے لیے کیسے کرسکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی..... اے عبادت گزار سردار کے بیٹے! تمہارا خالہ زاد آصف کب تک میری نافرمانی کرتا رہے گا اور میں ہر بار اس کی حرکتوں کو درگزر کرتا رہوں گا.....

Downloaded From http://paksociety.com

میری عزت و جلال کی قسم! اگر میں اس پر اپنی عنایتوں میں سے کسی ایک عنایت پر اس کا مواخذہ کرلوں تو اسے دوسروں کے لیے مثال اور بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بنا کر چھوڑ دوں......

جب آصف، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی بتلا دی...... آصف وہاں سے نکل کر ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گئے...... پھر آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کہنے لگے۔ ''اے میرے اللہ اور میرے آقا...... تو...... تو ہے اور میں، میں ہوں...... اگر تو مجھ پر رحمت نہ کرے تو میں کیسے توبہ کروں اور اگر تو مجھے گناہوں سے نہیں بچائے گا تو میں کیسے بچوں گا...... میں تو ضرور دوبارہ گناہ کروں گا...... اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کی طرف وحی فرمائی...... کہ تو نے سچ کہا...... تو...... تو ہے...... اور میں، میں ہوں...... میں تیری توبہ قبول کرتا ہوں (یعنی گناہوں کو درگزر فرماتا ہوں) اور تجھ پر اپنی رحمت بھیجتا ہوں اور میں ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت (رحم و درگزر) کرنے والا ہوں......'' سبحان اللہ اس عظیم رب کی کیا شانِ رحیمی ہے۔

ایک بار حضرت قیس بن عاصمؓ کے لیے ان کی ایک کنیز نے کباب کی ایک سیخ تیار کی، وہ سیخ دے رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری کہ حضرت کے صاحبزادے اس بری طرح زخمی ہوئے کہ وفات پا گئے...... کنیز کے خوف کی کچھ انتہا نہ رہی...... مگر حضرت قیسؓ نے کنیز سے کچھ نہ کہا اور اسے خوفزدہ دیکھ کر آزاد کر دیا......

حضرت امام حسینؓ مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ کنیز کے ہاتھ سے گرم شوربے کا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت امام حسینؓ کے کپڑوں پر گرا...... اور امام کے کپڑے خراب ہو گئے...... مگر آپؓ نے خفگی کے بجائے اسے آزاد کر دیا۔

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے......'' اے لوگو! اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو...... یعنی اللہ تعالیٰ میں جو صفات ہیں مثلاً رحم، مہربانی کرم، لطف و عنایات...... بندے کو بھی ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

لیکن باری تعالیٰ کی بہت بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بندوں کو گناہ کرتے دیکھتا ہے لیکن وہ عفو درگزر سے کام لیتا ہے حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کو بھی روزی دیتا ہے جو اس کی ذات میں شرک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ مگر وہ عظیم الشان رب جس کی تمام صفات میں سے ایک صفت عفو و درگزر کی ہے اور اس نے اپنے بندوں کو بھی اس صفت کا عکس اپنے اندر پیدا کرنے کی تاکید کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے۔'' اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ و استغفار کو قبول کرتا ہے۔

'' (اللہ ہی) وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف فرماتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں غفور، غفار، عفو، تواب وغیرہ ہیں جو اس کی صفت عفو و درگزر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر عفو و درگزر سے کام لیا۔ اپنی تمام زندگی میں کسی سے بدلہ نہیں لیا...... انتہائی اشتعال انگیز مواقع پہ بھی حلم اور بردباری کا مظاہرہ کیا۔

فتح مکہ کا واقعہ تاریخ کا سب سے انوکھا اور عفو و درگزر کا اعلیٰ ترین واقعہ ہے۔ کسی شخص کو مسلسل تیرہ سال تک ستایا گیا ہو اس پر گندگی پھینکی گئی ہو... اس کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے ہوں۔ پاگل اور جادوگر کہا گیا ہو...... سماجی قطع تعلق کیا ہو...... دورانِ نماز اوجھڑی ڈالی گئی ہو حتیٰ کہ سکون کی سانس لینی تک محال ہو اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، تیرہ برس تک اذیتیں اور مظالم سہتے رہے اور جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اہلِ مکہ پریشان تھے کہ نہ جانے ہم سے کیا سلوک کیا جائے مگر اس دن آپؐ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا...... ''آج کے دن تم

Downloaded From http://paksociety.com

پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک موقع پر ایک کافر کو زیر کرلیا اور عین اس وقت کہ اس کو قتل کرنے کے قریب تھے تو اس نے آپؓ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل سے ہاتھ کھینچ لیا..... کافر کو سخت حیرت ہوئی..... مولا علیؓ نے فرمایا..... میں تجھے اللہ کے لیے قتل کررہا تھا لیکن اب اس عمل میں میرا نفس بھی شامل ہوگیا.....

درحقیقت جو چیزیں معاف کردینے سے روکتی ہیں وہ انسان کا غصہ اور انتقام لینے کا جذبہ ہے تو غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے..... اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اس سے کہیں زیادہ قدرت واختیار رکھتا ہے۔ اگر میں نے اس پر اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کی تو ہوسکتا ہے کہ روزِ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے غصے سے محفوظ نہ رہ سکوں..... جبکہ مجھے عفو و درگزر کی ضرورت ہوگی.....

بعض قدیم آسمانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ نے وحی نازل فرمائی..... ”اے انسان! جب تجھے غصہ آیا کرے تو مجھے یاد کرلیا کر میں اپنے غصے کے وقت تجھے یاد کروں گا اور ان لوگوں میں شامل نہیں کروں گا جن کی قسمت میں ہلاکت لکھی جاچکی ہے۔“

غصہ کرنے سے چہرہ بگڑ جاتا ہے انسان سوچے کہ غصہ کرنے والا آدمی پاگل کتے اور خونخوار درندے کے مشابہہ ہوتا ہے۔

حالتِ غصہ میں پانی سے وضو یا غسل کرلینا چاہیے کیونکہ غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے اور آگ پانی ہی سے بجھتی ہے۔

غصہ شیطان کی طرف سے ہے..... اور شیطان آگ سے بنا ہے..... اور آگ پانی سے بجھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”جو شخص ایسے وقت میں غصہ دبائے کہ اگر اسے نکالنا چاہتا تو نکال لیتا..... اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا دل رضا سے بھر دے گا۔“

”اللہ کے نزدیک غصے کے اس گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ محبوب نہیں جسے کسی بندے نے پیا ہو اور جب کوئی بندہ غصہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دل ایمان سے بھر دیتا ہے۔“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”خیر یہ نہیں ہے کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہو یا اولاد زیادہ ہو..... بلکہ خیر یہ ہے کہ تمہارے پاس علم اور حلم (بردباری) کی کثرت ہو اور لوگوں پر اللہ کی عبادت کا حوالہ دے کر فخر نہ کرو اگر تم کوئی اچھا عمل کرو تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے نیک عمل کی توفیق بخشی..... اگر کوئی گناہ کرو تو اللہ کی مغفرت چاہو.....“

ہم لوگوں کا مزاج بہت عجیب ہوچکا ہے، جلد بازی، چڑچڑاپن..... بے صبری تنتناہٹ، غصہ، جھنجلاہٹ ان تمام چیزوں نے مل کر ہمارے مزاج کو تباہ و برباد کردیا ہے۔

نرمی، بردباری، تحمل، برداشت، عفو و درگزر جیسے اوصاف تو کیا الفاظ ہی اب نایاب ہوچکے ہیں۔ اسی لیے تو ہم اخلاقی پستی کی طرف گرتے چلے جارہے ہیں..... حد تو یہ ہے کہ اگر کسی کو دین کے حوالے سے کوئی بھلائی کی بات سمجھائی جائے ..... نماز یا کسی اور احسن بات کی دعوت دی جائے تو جواباً سخت ترش الفاظ کا سامنا کرنا پڑتا ہے..... ایسا کرتے ہوئے کبھی اپنے رب کا خیال نہیں آتا..... اس کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ یہ مقام باعثِ شرم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ وہ ہمیں اپنی صفتِ خاص عفو و درگزر سے کچھ عطا فرمادے۔ ہم کو خوش اخلاقی، رحم دلی، معافی، و درگزر، بدگمانی، غیبت، حسد اور دوسری بری عادات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے..... آمین۔

نوٹ

قارئینِ کرام محترمہ اختر شجاعت بے حد مستند اور قابلِ احترام شخصیات کی کئی، کئی جلدوں پر مشتمل تصانیف سے اس مضمون کے لیے استفادہ کرتی ہیں۔

Downloaded From http://paksociety.com

بیادِ بانو قدسیہ

نزہت اصغر

''افسوس، ہم سب کی بانو آپا اس دنیائے فانی سے انتقال کر گئیں۔'' یہ جملہ چار فروری کے بعد بانو قدسیہ کے ہر مداح کی زبان پر تھا...... اس خبر پر دل غم سے بوجھل ہو گیا کہ نہ صرف ہمارے ملک کی بلکہ بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیبہ و ڈراما نگار اب ہم میں نہ رہیں۔

بانو قدسیہ اور اشفاق احمد دو بے حد بڑی اور معزز ادبی شخصیات کہ جن کے ذکر کے بغیر جدید اردو ادب اور ڈراما نگاری کا فن ادھورا محسوس ہو......

بانو آپا کے اسلوب نگارش، ان کے اندازِ فکر اور قلم کی گہرائی و گیرائی پر لکھنا کم از کم ہمارے لیے تو بے حد مشکل امر ٹھہرا کہ جن کی تصانیف ہم محض تفریحِ طبع کے لیے نہیں بلکہ فکری تربیت کے لیے بھی پڑھا کرتے ہیں...... ان کے لکھے گئے ڈرامے کسی بھی قسم کے گلیمر کی امداد کے بنا اس قدر خوب صورت، مؤثر اور پُر حیرت ہوا کرتے تھے کہ ان کا بیان کرنا مشکل ہے۔ بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے نشیب و فراز، پیچ و خم اور فلسفۂ حیات کا بیان اتنی پُر اثر کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کے ذریعے بہ آسانی ناظر و قاری کے ذہن تک پہنچانا ہر

Downloaded From http://paksociety.com

کسی کے بس کی بات نہیں......

ان کی تحریریں ان کی زندگی کے مشاہدے و تجربات کا بہترین نچوڑ ہیں۔ جبھی چھوٹے، چھوٹے جملے بھی اس قدر بھرپور حقیقت لیے ہوتے ہیں کہ پڑھ کر قاری کچھ دیر سر دُھنتا رہے...... مثلاً اپنی ایک کہانی ”سمجھوتا“ میں بانو آپا لکھتی ہیں......

”گھر ہمیشہ مہربانیوں سے لٹتے ہیں۔ نئی محبتوں سے اجڑتے ہیں...... ایسی مہربانیاں جو گھر کی سالمیت کو دیمک بن کر چاٹ جاتی ہیں۔ ایسی مہربانیاں جو ماں سے زیادہ چاہ کر کی جاتی ہیں۔ جب کوئی چاہنے والا گھر کے ایک فرد کی انا کو جگا کر اسے وہ سارے مظالم سمجھاتا ہے جو گھر کے دوسرے فرد اس پر کرتے رہے ہیں، وہ ان ساری لڑائیوں کے ڈھکے چھپے معنی واضح کر دیتا ہے تو گھر کی پہلی اینٹ گرتی ہے...... گھر کی ایک، ایک اینٹ محبت سے اکھاڑی جاتی ہے جب باہر کا چاہنے والا لفظوں میں شیرینی گھول کر گھر والوں کے خلاف بہکاتا ہے تو پھر کوئی سالمیت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہر انسان کمزور لمحوں میں خودترسی کا شکار رہتا ہے۔“

ان کی ایک کہانی ”ناخواندہ“ جو ایک سیلف میڈ انسان کی بپتا ہے اس میں بانو آپا کچھ یوں لکھتی ہیں......

”انسان کے بڑھنے پھولنے کے طریق نے اس سے سب مسرتیں چھین لی ہیں...... یہ ساری قیمت جو زندگی ہم سے وصول کرتی ہے آگہی کی قیمت ہے۔“

ان کی تحریریں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے ہر طبقے کے افراد کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ و مطالعہ کیا ہو جبھی تو اس طبقے کی دلی و ذہنی کیفیات کو...... بہ آسانی بیان کر دیتی ہیں یعنی نفسِ مضمون پر مکمل دسترس ہی ان کے قلم کا امتیاز رہا۔

ان کی اسی تجزیاتی فکر کے نتیجے میں سطحِ قرطاس پر نہایت مشاقی سے بکھرنے والے جملے نہایت جامع اور پُراثر ہیں۔

اگرچہ ان کے کام میں مشکل نویسی بھی نظر آتی ہے لیکن جب آپ کسی تحریر کو بصد شوق و جستجو پڑھتے ہیں

مختصر سوانحی خاکہ

پیدائش: 28 نومبر 1928ء فیروزپور

وفات: 4 فروری 2017ء لاہور

گریجویشن: از کینیئرڈ کالج لاہور، پوسٹ گریجویشن گورنمنٹ کالج لاہور۔

تصانیف: ویسے تو بے شمار ہیں مگر چند ایک کے نام یہ ہیں۔

معرکتہ آلآرا۔ ناول، راجہ گدھ، شہرِ بے مثال، موم کی گلیاں۔

افسانے: آتش زیرِ پا، ناقابلِ ذکر، امربیل، دوسرا دروازہ، بازگشت۔

ڈرامے: آدھی بات، دوسرا قدم، حوا کے نام، تماثیل

تاثرات: مردِ ابریشم (قدرت اللہ شہاب)

اور وہ سمجھ بھی آنے لگتی ہے تو یہی مشکل انداز آپ کو ایک طرح کا سرور بخشتا ہے اور یہی ایک مصنف کی کامیابی ہے، جس میں بانو قدسیہ کو ملکہ حاصل ہے۔

لطیف و سُبک احساسات و جذبات سے لے کر پتھریلی چٹانوں جیسی فکر، آسانی سے قاری کے ذہنوں تک پہنچانا بے شک انہی کا خاصہ ہے۔

غرضیکہ بانو قدسیہ کی پُرتنوع شخصیت اور تحریر پر لکھنا بھی ایک مشکل امر ہے۔ آج ان کا کام ہمیں ان کی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے اور دلاتا رہے گا۔

اس فانی دنیا میں انسانوں کا آنا جانا قدرتی امر ہے مگر ایسے باہنر، قابل اور صحیح معنوں میں عملی کردار کی حامل شخصیات کا چلے جانا بے حد محسوس ہوتا ہے۔

پروردگار بانو قدسیہ کی مغفرت کرے اور ان کے خاندان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (الٰہی آمین)

آئی جو تیری یاد تو آنکھیں برس پڑیں
اس وقت ترے درد کا دل پر نزول ہے

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

باتیں بہار و خزاں کی

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

ہم ہمیشہ ہی سے کچھ نہ کچھ نیا اور دلچسپ کرتے چلے آئے ہیں سو آج بھی ایک مختصر مگر جامع سوالنامہ حاضر خدمت ہے تاکہ آپ کی اپنی شخصیت کے بھی کچھ نہاں پہلو سب کے سامنے آئیں اور آپ کے ذاتی افکار، خیالات اور تجربات سے ہم سب بھی آگاہ ہوں اور لطف بھی اٹھائیں۔ امید ہے آپ کو یہ چھوٹا سلسلہ بہت پسند آئے گا۔

سوالات حاضر خدمت ہیں۔

یاسمین اقبال، لاہور

1۔ ”پڑھ اپنے رب کے نام سے۔“ یعنی ہمیں سب سے پہلا حکم پڑھنے کا ہی ملا اور پھر نبی کریمؐ کا فرمان ہے کہ ہم میں سے سب سے بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ خواتین ہوں یا مرد حضرات، ہم اپنی تعلیم و ہنر کے ساتھ اچھے اخلاق و کردار سے ہی اپنی شخصیت کو پُراثر بنا سکتے ہیں۔

2۔ میرے شوہر کا دبئی میں چھوٹا سا کاروبار تھا۔ ہارٹ اٹیک کے باعث ان کی موت واقع ہوگئی...... میرے شوہر کا ایک بے حد قریبی عزیز جو اُن کے لیے کام کرتا تھا ان کی ہر چیز پر قابض ہوگیا۔ میں اور میرے بچے پائی، پائی کے لیے محتاج ہوگئے۔ ہم جن معاشی پریشانیوں اور ذہنی اذیتوں سے گزرے یہ ایک الگ داستان ہے۔ جب پریشانیوں سے گزرتی دل میں پکا عہد کرتی اس شخص کو جس نے ہمیں برباد کیا مرنے کے بعد بھی معاف نہیں کروں گی لیکن کبھی، کبھی سادے سے انداز میں کہی گئی بات بھی ہماری زندگی کا رخ بدل دیتی ہے۔ ماہِ فروری کے پاکیزہ کے شمارے میں نگہت اعظمی کی تحریر معافی کے بعد پڑھ رہی تھی۔ جس کا مختصر سا اقتباس میری زندگی کا رخ بدل گیا وہ کہتی ہیں۔

” خدا ایسا رحیم ہے وہ اپنے بندوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر بھی معاف کر دیتا ہے۔ لیکن ہم کس قدر کم ظرف ہوتے ہیں کہ کسی کی غلطی معاف نہیں کرتے...... میں نعوذ باللہ خدا تو نہیں اور نہ ہی میرا ظرف اتنا بڑا ہے پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ روزِ محشر میں جب خدا کے سامنے پیش ہوں تو میرا شمار خدا کے معاف کرنے والے بندوں میں ہو۔“

جی ہاں ان لفظوں نے مجھ پر جادو کی طرح اثر کیا۔ میں بھی اس گناہ گار شخص کو جس نے میرا اور میرے یتیم بچوں کا حق کھایا سچے دل سے معاف کرتی ہوں کیونکہ روزِ محشر میں جب خدا کے سامنے جاؤں تو میرا شمار بھی خدا کے معاف کرنے والے بندوں میں ہو۔ (بہت خوب صورت بات کی آپ نے)

3۔ مجھے پاکیزہ کا ہر سلسلہ پسند ہے، یہ ایک مکمل اور پرفیکٹ رسالہ ہے، اس میں وہ سبھی کچھ ہے جو ہم پڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمیں دینی اور دنیاوی ہر بات بتانے کے علاوہ جب ہم اداس ہوں تو انجم آپی کا

جلترنگ ہماری اداس زندگیوں کو مسکاتا بھی ہے، بیمار ہوں تو ایک اچھے معالج کی طرح ہومیو کلینک ہماری صحت کا خیال بھی رکھتا ہے، افسانوں اور ناولوں کے علاوہ ذکیہ آپا کی تحریریں اور اختر شجاعت کا شمع ہدایت بہت پسند ہیں، یہ ہمیں روحانی طور پر بھی سرشار کر دیتی ہیں۔ یعنی روح کی غذا کا بھی مکمل بندوبست ہے۔

بہنوں کی محفل میں آپ جس طرح خطوط کے جوابات دیتی ہیں میں لفظوں میں بیان ہی نہیں کر سکتی...... ماؤں جیسی محبت اور شفقت ہوتی ہے آپ کے انداز میں...... اللہ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے، آمین۔

Downloaded From http://paksociety.com

1۔ روز و شب کے اس گزرتے گورکھ دھندے میں خواتین اپنی شخصیت کو کیسے پُر اثر بنا سکتی ہیں، آپ کا مشورہ اپنے تجربے کے حوالے سے......

2۔ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ قصہ، واقعہ یا لمحہ جس نے آپ کے فکر و خیال کا رخ موڑ دیا۔

3۔ پاکیزہ کے مختلف سلسلے کیوں پسند ہیں؟ اور آپ کون سا ایسا سلسلہ شروع کرنا چاہیں گی جو سب کو پسند بھی آئے؟

4۔ پاکیزہ مصنفات سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں......کوئی دل کی بات؟

5۔ اپنے تعارف کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کیجیے۔

آپ کے قیمتی خیالات کا انتظار رہے گا۔ آپ چاہیں تو اپنی تصویر بھی ارسال کر سکتی ہیں۔

4۔ یوں تو پاکیزہ کی تمام مصنفات ہر موضوع کو احاطۂ تحریر میں لا رہی ہیں سبھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اچھی اور معیاری تحریروں کا ہی اعجاز ہے کہ جناب ہم تین دہائیوں سے بھی اوپر ہو گیا ہے پاکیزہ سے منسلک ہیں، لوگ جعلی پیروں اور باباؤں کے چکروں میں پھنس جاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان کے بارے میں ضرور لکھا جانا چاہیے تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل ہو۔

5۔ اللہ بخشے ساسو ماں کہا کرتی تھیں۔

جیہڑا ایہدی پوڑی چڑھ جاندا اے ایہدے ای گیت گاوندا اے۔ جو اس کی سیڑھی ایک بار چڑھ جاتا ہے (سیڑھی سے مراد میں اوپر والی منزل پر رہتی ہوں) وہ اسی کے ہی گیت گاتا ہے۔

میں سراپا محبت ہوں
محبت سے دلوں کو جیت لیتی ہوں

(بہت خوب)

☆ ثنا مرتضیٰ......کراچی

1۔ یہ زندگی کے روز و شب اور یہ غم روزگار...... اور... خواتین ظاہر ہے اپنی تعلیم، ہنر، صلاحیت اور اخلاق سے اپنی شخصیت کو باوقار اور پُر اثر بنا سکتی ہیں، کہتے ہیں عورت جتنی سنجیدہ، باوقار اور پُر اعتماد ہوتی ہی کامیاب ہوتی ہے......مگر بعض دفعہ یہ صفات مرد کو ہضم نہیں ہوتیں، وہ عورت کو سہا ہوا دبا اور حکم بجا لانے والی ہی سمجھتے ہیں مگر ہمیں خود سوچنا چاہیے کہ ہم بھی ایک انسان ہیں اور پروردگار نے ہمارے بھی واضح حقوق رکھے ہیں تو جناب ہم اپنی مثبت صلاحیتوں اور خوش اخلاقی کے ذریعے مرد کی منفی سوچ پر قابو پا سکتے ہیں۔

2۔ زندگی میں قدم، قدم پر چونکا دینے والے واقعات و لمحات آتے رہتے ہیں۔ کبھی شاپنگ کرتے ہوئے بس میں سفر کرتے ہوئے یا کسی فقیر کی صدا سنتے ہوئے بھی اِک نیا رخ خیالات کو مل جاتا ہے۔ میری زندگی میں میری والدہ کی بیماری اور ان کی وفات بہت گہرا اثر کر گئی...... میں سمجھتی ہوں میں مزید حساس، ذمے دار اور دوسروں کے مزید دکھ درد محسوس کرنے والی ہو گئی ہوں۔

3۔ پاکیزہ بہت ہی اچھا رسالہ ہے۔ والدہ کو پڑھتے دیکھا اور آس پاس کے لوگ بھی پاکیزہ ہی پڑھا کرتے، حد یہ ہے کہ میری ساس صاحبہ بھی بہت شوق سے پڑھتی تھیں مگر آج کل وہ علیل ہیں اس لیے پڑھنا چھوٹ گیا (آپ لوگ بھی ان کی صحت کی دعا ضرور کیجیے گا) اس کے سبھی سلسلے پسند ہیں، کھانا پکانے کی ترکیبیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ میں تو یہی سلسلے جاری رکھنا چاہوں گی۔ ہاں قابلِ عمل اور آسان ٹوٹکے بھی ضرور دیا کریں۔

4۔ پاکیزہ مصنفات تو خود ہی اتنا اچھا لکھتی ہیں میں مزید کیا بتاؤں......ہاں کوشش کیا کریں کہ نوجوان بلکہ کم عمر لڑکیوں کے مسائل اور ان سے نمٹنے کی سعی اور ماؤں کی تربیت پر بھی ضرور قلم اٹھائیں۔

5۔ میرا تعارف تو شاید میری یہی تحریر ہو......میں کم سخن اور کافی حساس خاتون ہوں......بعض دفعہ تو اپنے پیاروں سے بھی اپنی فیلنگز شیئر نہیں کر پاتی بہر حال ایک شعر حاضر ہے۔

مسئلہ ہوں تو نگاہیں نہ چراؤ مجھ سے
اپنی چاہت سے توجہ سے مجھے حل کر دو

Downloaded From http://paksociety.com

پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں

خوش گفتار، خوش مزاج، ذہین اور اپنے شعبے میں مشّاق ماہر نفسیات

تنویر عشرت

سے معلومات افروز باتیں

عزیز قارئین اس امر سے تو ہم سب ہی واقف ہیں کہ مارچ کا مہینہ بہاروں کی نوید لاتا ہے اور مارچ کی ۸ تاریخ کو عالمی سطح پر خواتین کا دن منایا جاتا ہے۔ یوں تو ہر دن ہی خواتین کا ہوتا ہے کہ اگر ایک دن کیا چند گھنٹے بھی گھریلو امور میں خواتین فعال نہ رہیں تو گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ گویا ایک گھر کی تمام بہاریں اور رونقیں خواتین کے دم سے ہی ہیں۔

Downloaded From http://paksociety.com

مارچ کی مناسبت سے ''پاکیزہ کے مہمان'' میں اس مرتبہ معروف نفسیات داں ''تنویر عشرت'' مدعو ہیں۔ پاکیزہ کی مہمان کے حصے میں یہ اعزاز بھی آیا ہے کہ آپ پاکستان کی پہلی آرگنائزیشنل سائیکالوجسٹ ہیں۔ آپ نے آرگنائزیشنل سائیکالوجی کے میدان کو اداروں اور مینجمنٹ سائنسز کے اداروں میں متعارف کروایا ہے۔ تنویر عشرت آرگنائزیشنل سائیکالوجی میں بلا شبہ ایک رہنما کا درجہ رکھتی ہیں۔ اپنے پیشے سے آپ کی ایمانداری اور اخلاص لائقِ ستائش ہے۔ تنویر عماً خواتین، بچوں اور نوجوانوں کے لیے کام کر رہی ہیں۔ آپ صدا کاری میں بھی کمال رکھتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان کراچی کے توسط سے کئی نامور خواتین کے کامیاب انٹرویوز کر چکی ہیں۔ مثبت سوچ اور عملی رویّے نے آپ کی شخصیت کو بہت باغ و بہار بنا دیا۔ تنویر طبعاً حساس اور ہمدرد ہیں۔ سماجی کاموں میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ کئی مقامی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہی ہیں۔ تنویر عشرت UNDP کی باقاعدہ ٹرینر ہیں۔ ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ تنویر عشرت سے یہ ملاقات ہمارے قارئین کے لیے رہنما اور معلومات افزا ثابت ہو۔

آج ایک نفسیات داں کا انٹرویو آپ کی نذر ہے۔ پڑھیے اور پڑھنے کے بعد اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال آئے تو ضرور کیجیے۔

پاکیزہ ✧...... بچپن میں اس سوال کے جواب میں کہ بڑی ہو کر آپ کیا بنیں گی؟ آپ کیا کہتی تھیں؟

تنویر عشرت ❖...... میں کہتی تھی کہ میں بڑی ہو کر امی بنوں گی۔

پاکیزہ ✧...... (واہ بہت خوب) امی بننے کا خیال کیسے آیا؟

تنویر عشرت ❖...... کیونکہ مجھے امی کے زرق برق کپڑے اور زیورات بہت اچھے لگتے تھے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ امی بن کر یہ سب چیزیں مجھے حاصل ہو جائیں گی۔

پاکیزہ ✧...... یہ شوق اب بھی برقرار ہے یا ملبوسات و زیورات کے معاملے میں سادگی پسند ہیں؟

تنویر عشرت ❖...... اب مجھے ان چیزوں کا شوق اور ضرورت بالکل نہیں ہے۔ اب میری زندگی کی ترجیحات بالکل مختلف ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے اپنی امی سے بہترین کیا سیکھا اور اس کا کیا نتیجہ رہا؟

تنویر عشرت ❖...... میں نے اپنی امی سے باحیا

Downloaded From http://paksociety.com

رہنا سیکھا۔اس حیا نے مجھ میں بلا کی خوداعتمادی اور مضبوطی عطا کی۔جس کے ذریعے میں اپنا مقام حاصل کرسکی۔

پاکیزہ ✧......نفسیات داں بننے کا خیال کب اور کیوں آیا؟

تنویرعشرت ❖......نفسیات داں بننے کا خیال مجھے کلاس 8th میں آیا۔کیوں آیا؟اس کی وجہ تو معلوم نہیں لیکن ایسا لگتا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

پاکیزہ ✧......نفسیات کی تعریف کیا ہے؟

تنویرعشرت ❖......میری نظر میں نفسیات انسان کو سمجھنے کا علم ہے۔اس علم کا مطالعہ انسان کو انسانیت کی تکمیل تک پہنچاتا ہے۔اس علم کے ذریعے انسانیت کی معراج کو پایا جاسکتا ہے۔

پاکیزہ ✧......علمِ نفسیات کی کتنی شاخیں ہیں؟

تنویرعشرت ❖......نفسیات کی اتنی شاخیں ہیں جتنے انسانوں کے روپ ہیں لیکن باقاعدہ طور پر نفسیات کی اہم شاخیں یہ ہیں۔بچوں کی نفسیات، تعلیمی نفسیات، ذہنی امراض کی نفسیات، سماجی نفسیات، اداروں کی نفسیات، جرائم کی نفسیات اور ذہنی نفسیات شامل ہیں۔

پاکیزہ ✧......اداروں کی نفسیات اور جرائم کی نفسیات کی معاشرے کی فلاح کے لیے کیا اہمیت کیا ہے؟

تنویرعشرت ❖......بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ معاشرتی ترقی اور امن کے لیے یہ بے حد ضروری ہیں۔

پاکیزہ ✧......نفسیات میں ایم اے اور ایم ایس سی دونوں کی اسناد دی جاتی ہیں‘ ایک ہی مضمون میں آرٹس اور سائنس کی سند کس بنیاد پر دی جاتی ہے؟

تنویرعشرت ❖......نفسیات کے ساتھ آرٹس کے مضامین پڑھنے والے طالب علموں کو ایم اے کی سند ملتی ہے۔جبکہ نفسیات کے ساتھ گریجویشن لیول پر سائنس کے مضامین پڑھنے والوں کو سائنس کی سند ملتی ہے۔کچھ جامعات میں نفسیات میں ماسٹرز کرنے والوں کو سائنس کی سند لازمی ملتی ہے۔چاہے انہوں نے آرٹس کے مضامین منتخب کیے ہوں۔کیونکہ دراصل نفسیات ایک سوشل سائنس کا مضمون ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ نے بی اے آنرز، ایم اے اور ایم فل کے لیے نفسیات کی کون، کون سی شاخوں کا انتخاب کیا؟

تنویرعشرت ❖......میں نے بی اے آنرز میں عمومی نفسیات کا انتخاب کیا اس کے بعد ماسٹرز میں ہمارے ہاں دو فیلڈز آفرز کی گئیں۔ایک کلینیکل نفسیات اور دوسری آرگنائزیشنل نفسیات۔میں نے آرگنائزیشنل نفسیات کا انتخاب کیا اور کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ نفسیات کی پہلی طالبہ تھی جس نے اس فیلڈ کا انتخاب کیا۔اس کے بعد ایک مقامی یونیورسٹی میں مینجمنٹ کے مضامین پڑھایا کرتی تھی۔وہاں اسی یونیورسٹی میں میرا ایم فل میں ہیومن ریسورس مینجمنٹ میں داخلہ ہوگیا۔اس طرح میرا ایم فل مینجمنٹ سائنسز کی فیکلٹی سے ہوگیا۔

پاکیزہ ✧......آپ نے ماسٹرز کے لیے کلینکل سائیکالوجی کی بہ نسبت آرگنائزیشنل سائیکالوجی کو ترجیح کیوں دی؟

تنویرعشرت ❖......اس لیے کیونکہ کلینکل سائیکالوجی میں ہم ذہنی امراض کا علاج کرتے ہیں جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ پرہیز‘علاج سے بہتر ہے اور اداروں کی نفسیات دراصل نارمل لوگوں کی ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔اور ان کی ذہنی صحت کو یقینی بناتی ہے۔لہٰذا اس کے ذریعے ہم انسانوں کو ذہنی مریض بننے سے پہلے ہی ان کی ذہنی صحت کو بہتری کی طرف لے جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......مینجمنٹ پڑھاتے، پڑھاتے اس میں دلچسپی بڑھنے کی وجہ سے مینجمنٹ سائنسز میں ایم فل کا خیال آیا یا اور کوئی سبب ہے؟

تنویرعشرت ❖......دراصل اداروں کی نفسیات ہیومن ریسورس مینجمنٹ ہے لہٰذا نفسیات کا علم اس

Downloaded From http://paksociety.com

ریڈیو پاکستان کراچی پر تنویر عشرت (درمیان میں) پروفیسر ڈاکٹر خالدہ غوث (دائیں طرف) کا انٹرویو کرتے ہوئے پروگرام پروڈیوسر یسمارضا (بائیں طرف) بھی ہمراہ ہیں

مضمون سے بہت زیادہ منسلک ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ کے ایم فل کے مقالے کا موضوع کیا ہے؟

تنویر عشرت ❖...... میرے ایم فل کے مقالے کا موضوع پبلک پرائمری اسکول ٹیچرز موٹیویشن ہے۔

پاکیزہ ✧...... واہ بہت خوب! آپ نے اسی موضوع کا انتخاب کیوں کیا؟

تنویر عشرت ❖...... اس لیے اس موضوع کا انتخاب کیا کہ ہمیں ایسے موضوعات پر ریسرچ کرنا چاہیے جن موضوعات پر تحقیق کر کے معاشرے میں بہتری لائی جائے۔ مجھے لگتا ہے کہ پرائمری ٹیچرز وہ ہستیاں ہیں جو معاشرے میں بہتری لاسکتی ہیں اور اگر وہ خود موٹیویٹ ہوں گی تو بچوں کی شخصیت کی تعمیر اور انہیں نکھارنے میں اپنا کردار منصفی سے ادا کرسکیں گی۔

پاکیزہ ✧...... تدریس کے پیشے سے کب منسلک ہوئیں؟

تنویر عشرت ❖...... درس و تدریس کے پیشے ہی سے باقاعدہ طور پر ۱۹۹۳ء سے میں منسلک ہوں بطور لیکچرار۔

پاکیزہ ✧...... کیا آپ سمجھتی ہیں کہ نصابِ تعلیم مرتب کرتے وقت طلبا و طالبات کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا چاہیے؟

تنویر عشرت ❖...... جی ہاں نصابِ تعلیم معاشرے کی ضروریات کے ساتھ، ساتھ طالب علموں کی ضروریات، صلاحیتوں اور عمر کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کرنا بے حد ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧...... کیا آپ نفسیات کے موجودہ نصابِ تعلیم اور اس کی تدریس سے مطمئن ہیں؟

تنویر عشرت ❖...... جہاں انسان مطمئن ہو جاتا ہے وہیں ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔ نفسیات کا موضوع انسان ہے اور انسان لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہونے والی مخلوق ہے اور تمام مضامین میں نفسیات کے نصاب کو سب سے زیادہ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور پڑھانے کے مختلف طریقۂ کار میں بھی۔

پاکیزہ ✧...... اچھا تو آپ کس تبدیلی کی آرزو مند ہیں؟

تنویر عشرت ❖...... آج ہم ٹیکنالوجی کے دور میں رہ رہے ہیں تو اس حوالے سے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے۔ نصاب کو معاشرے کی ضروریات اور ثقافت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے ورنہ نفسیات ایک نظریاتی علم بن کر رہ جائے گا اور عملی زندگی میں اس کی افادیت نہیں رہے گی۔ طریقۂ تدریس میں بھی نئی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... کسی بھی نفسیاتی مریض کی شناخت کیسے ہوتی ہے کہ یہ نفسیاتی مسئلے کا شکار ہے؟

تنویر عشرت ❖...... نفسیاتی مرض کی شناخت کے لیے مختلف نفسیاتی امراض کی تشخیص کے ٹیسٹ استعمال

Downloaded From http://paksociety.com

کیے جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... کیا سماجی و معاشی مسائل انسان کی نفسیات پر پیچیدہ اثرات مرتب کرتے ہیں؟

تنویر عشرت ❖...... جی بالکل! یہ مسائل انسانی نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن یہ اثرات مثبت اور منفی دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ یہ انسان کی مرضی ہے کہ وہ مسائل کے ذریعے اپنی شخصیت تعمیر کرے اور مضبوط ہو جائے یا پھر مسائل کا شکار ہو کر برباد ہو جائے۔

پاکیزہ ✧...... والدین کے باہمی جھگڑوں اور پھر علیٰحدگی سے متاثر ہونے والے بچوں کو معاشرے کے لیے کیسے فعال بنایا جا سکتا ہے؟

تنویر عشرت ❖......ہمیں اس طرح کے بچوں کے لیے باقاعدہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسا میں نے پہلے کہا پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ لہٰذا اگر والدین کی تربیت کی جائے کہ وہ بچوں کی شخصیت کی تعمیر کس، کس طرح کر سکتے ہیں تو یہ نوبت ہی نہ آئے گی، لیکن ہمارے ہاں اس طرح سے باقاعدہ تربیت کی سہولیات اور طلب موجود نہیں ہے تو اب ان بچوں کے لیے معاشرتی ادارے بنانے کی ضرورت ہے۔ جس میں کہ بچوں کی مشاورت اور بچوں کی بحالی کے ادارے بنانے چاہئیں۔

پاکیزہ ✧...... یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فطرتاً محبت کرنے والے، ذہین اور حساس بچے بھی حیرت انگیز طور پر ضدی، غصہ ور اور پڑھائی سے کتراتے ہیں؟ اس متضاد رویّے کا سبب کیا ہے؟

تنویر عشرت ❖......اس میں حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ دیکھیں جو بچے ذہین اور حساس ہیں ان کو خاص توجہ اور تربیت کی ضرورت ہے۔ جب ان کی صلاحیتوں کے مطابق ماحول اور رویّے نہ ملیں تو یقیناً وہ بچے ضدی اور غصیلے ہو جاتے ہیں اور پڑھائی سے ان کی توجہ بٹ جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... کمسن بچیوں کے ساتھ ہونے والے تشدد اور عصمت دری کے شرمناک واقعات عام ہو رہے ہیں۔ کیا یہ بچیاں ایسے کسی بھی حادثے سے گزرنے کے بعد سابقہ معمول کے مطابق زندگی بسر کر سکتی ہیں؟

تنویر عشرت ❖......ایسی بچیوں کو باقاعدہ نفسیاتی مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ یہ تکلیف دہ واقعات ان کی پوری زندگی پر محیط ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ بچیاں بڑی ہو کر نارمل زندگی نہیں گزار سکتیں۔ اس مسئلے کو ہمیں سنجیدگی سے لینا چاہیے۔

پاکیزہ ✧...... ایک سروے کے مطابق آج کل نوجوان لڑکیوں بالخصوص طالبات میں منشیات کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

تنویر عشرت ❖...... ہیجانی کیفیات، احساسِ شکستگی اور محرومی ہے۔ مائیں بچیوں کی جذباتی تربیت نہیں کر پاتیں۔ لہٰذا ابتداً یہ بچیاں صنفِ مخالف کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور پھر جذباتی مسائل کا شکار ہو جاتی ہیں اور وہ تکلیف دہ ہیجانی کیفیت سے نمٹنے کے لیے منشیات کا سہارا لیتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......انہیں اس دلدل سے کیسے نکالا جا سکتا ہے؟

تنویر عشرت ❖......انہیں اس دلدل سے نکالنا مشکل کام ضرور ہے مگر ناممکن نہیں انہیں اس دلدل سے بچانے کے لیے اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ ماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی بچیوں کی تربیت اور کونسلنگ کریں۔ بچیوں کو گھریلو خاص طور پر ان کی دلچسپی کے کاموں اور پڑھائی دونوں میں مصروف رکھیں۔ تاکہ ان کی توانائی اور وقت بہتر طور پر استعمال ہو سکیں۔ پڑھائی اور کام کے ذریعے ان کو اپنے اہم ہونے کا احساس ہو۔ اس طرح صحت مند طرزِ زندگی ان پر غالب رہے۔ اور وہ اس دلدل میں جانے سے بچ سکتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......نوجوان لڑکیوں کے گھر سے فرار ہونے اور خودکشی کے واقعات میں بھی حیرت انگیز اور تکلیف دہ حد تک اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے تحت لڑکیاں یہ منفی اور انتہائی قدم

Downloaded From http://paksociety.com

COMMECS کے کونووکیشن میں اپنے فارغ التحصیل اسٹوڈنٹس کے ہمراہ

اٹھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں؟ انہیں اس سے کیسے باز رکھا جا سکتا ہے؟

تنویر عشرت ❖...... ماں باپ کی ضد اور سختی بچیوں کے ان رویوں کا باعث بنتی ہے۔ ایسے واقعات ان گھروں اور معاشروں میں زیادہ ہیں جہاں بچیوں کو ان کی شناخت نہیں دی جاتی۔ ان کی عزت نہیں کی جاتی، ان کو جیتی جاگتی مخلوق نہیں سمجھا جاتا تو کچھ بچیاں تو خودکشی کر لیتی ہیں جو کہ ایک انتہائی منفی عمل ہے۔ یہ لڑکیاں اتنی زیادہ گھٹن کا شکار ہوتی ہیں کہ مرنا ان کو زندہ رہنے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو لڑکیاں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں وہ دراصل زندہ رہنا چاہتی ہیں۔ ان کے اندر زندہ رہنے کی خواہش ہے۔ بلاشبہ طریقۂ کار غلط ہے لیکن اس میں معاشرے اور والدین کا قصور ہے کہ وہ اس بچی کو شخصی آزادی نہیں دیتے۔ اور پھر وہ فرار کا یہ راستہ اختیار کرتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... خواتین کے مابین مقابلے بازی، حسد، نفرت اور انتقام کے منفی جذبات کیا کسی نفسیاتی کشمکش کا نتیجہ ہوتے ہیں؟ ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

تنویر عشرت ❖...... جی ہاں اس کے بھی نفسیاتی عوامل ہیں اور نفسیاتی مسائل امراض کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ان پر قابو پانے کے لیے ہمیں عورت کو خودمختاری کی سطح پر لانا ہوگا۔ عورت کو اس کی ذات کی پہچان کرانا ہوگی۔ اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ اس کی ذہنی، نفسیاتی اور روحانی نشو ونما کرنی ہوگی اور جب عورت روحانی طور پر مضبوط ہو جائے گی تو خود بخود یہ حسد، ہر طرح کی مسابقت، نفرت کے منفی جذبات، مثبت جذبات اور رویوں میں ڈھل جائیں گے۔

پاکیزہ ✧...... اکثر ضعیف العمر افراد اپنے حال سے زیادہ ماضی میں سفر کرتے ہیں اور ماضی سے جڑی باتوں کو حال کا حصہ بنانے پر مُصر ہوتے ہیں۔ ایسے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ان کی دل آزاری بھی نہ ہو اور ان کی صحت بھی محفوظ رہے؟

تنویر عشرت ❖...... دیکھیں ضعیف العمر افراد کو سمجھانے کے بجائے کوشش کریں کہ اگر آپ ان کی بات مان سکتی ہیں تو مان جائیں ورنہ جس طرح آپ چھوٹے بچوں کو سمجھاتے اور بہلاتے ہیں اسی طرح ان کے ساتھ بھی کیجیے۔

پاکیزہ ✧...... فعال زندگی بسر کرنے والے وہ ضعیف العمر افراد جو جسمانی کمزوری کے باعث اب متحرک نہیں رہے۔ ایسے افراد کی نفسیات کے پیشِ نظر کس طرح کا رویّہ اختیار کیا جائے کہ وہ زندگی سے مایوس ہونے کے بجائے بخوشی اسے بسر کریں؟

Downloaded From http://paksociety.com

تنویرعشرت ❖......ان کو تنہا نہ چھوڑیں ان کے اردگرد رہیں اور ان سے باتیں کریں۔ انہیں وھیل چیئر پر بٹھا کر پارک میں یا کہیں بھی سیر کو لے جائیں۔

پاکیزہ ✧......خود نمائی اور خود ستائی جسے خود پرستی بھی کہہ سکتے ہیں کے جذبات انسانی فطرت کا حصہ ہیں یا انسانی نفسیات کا نتیجہ؟

تنویرعشرت ❖...... انسانی نفسیات' انسانی فطرت کا مطالعہ کرتی ہے خود نمائی اور خود ستائی کے جذبات بلاشبہ انسانی فطرت کا حصہ ہیں اور اسی انسانی فطرت کو مثبت انداز میں قابو کرنے کا نام اسلام ہے۔

پاکیزہ ✧......مؤثر ذرائع ابلاغ کے توسط سے کبھی عوام الناس کو اپنے نفسیات کے حاصل کردہ علم کا فائدہ پہنچانے کا موقع آپ کو ملا؟

تنویرعشرت ❖......جی ہاں اکثر ریڈیو کے ذریعے مجھے اپنی بات عوام الناس تک پہنچانے کا موقع ملا ہے۔

پاکیزہ ✧......عوام الناس کو نفسیاتی مشورے دینے کے لیے آپ کے معتبر و مستند ذرائع کون، کون سے ہیں؟

تنویرعشرت ❖...... ہمارے یہاں عوام الناس کی مشاورت کے لیے معتبر و مستند ذرائع بہت زیادہ موجود نہیں ہیں لیکن پھر بھی ہر اچھے اسپتال میں ایسی سہولیات مل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے نفسیاتی معالج اپنے کلینک میں بھی پریکٹس کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... کیا کسی ایسے نفسیاتی مریض کا کامیاب علاج ممکن ہے جو علاج نہیں کروانا چاہتا؟

تنویرعشرت ❖......اس شخص میں تبدیلی کبھی نہیں آسکتی جو خود کو بدلنا نہ چاہے اس صورتِ حال میں صرف اللہ تعالیٰ اس شخص کو بدل سکتا ہے کیونکہ جب انسان خود اپنے دل سے تبدیلی کا خواہاں نہ ہو تو کوئی اسے تبدیل نہیں کرسکتا اور ہم نفسیات داں ان ہی لوگوں کا علاج کرتے ہیں جو کہ ہمارے پاس ذہنی آمادگی کے ساتھ آتے ہیں۔ ہم کسی کو پکڑ کر زبردستی علاج کرنے کے قائل نہیں۔

پاکیزہ ✧......نفسیات کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند طالبات کی رہنمائی کے لیے کیا کہیں گی؟

تنویرعشرت ❖......نفسیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے طالبات کو یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیے کہ یہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہے اور انسان دنیا کی سب سے زیادہ پیچیدہ، نفیس اور دھوکا دینے والی مخلوق ہے۔ لہٰذا نفسیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ذہانت، محنت، دلچسپی اور استقامت کی ضرورت ہے۔

پاکیزہ ✧...... ماہرینِ نفسیات کے لیے مشہور ہے کہ نفسیاتی مریضوں کا علاج کرتے، کرتے خود نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ اس قول میں کس حد تک صداقت ہے؟

تنویرعشرت ❖...... جی ہاں اس بات میں صداقت ہے۔ اس ضمن میں ایک تحقیق کی گئی تھی جس سے یہ بات سامنے آئی کہ وہ افراد جو کہ پہلے سے ہی کسی ذہنی مرض، ذہنی تناؤ یا ذہنی انتشار کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نفسیات کا مطالعہ کر کے وہ اپنا علاج کریں گے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ نفسیات کے مطالعے سے اپنا علاج کرنے کی کوشش میں ناکام ہو جاتے ہیں اور زیادہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ افراد جو کہ ذہنی پختگی اور ٹھہراؤ رکھتے ہیں' وہ بہت کامیاب انسان بن جاتے ہیں اس نفسیاتی علم کو حاصل کرنے کے بعد۔

پاکیزہ ✧......آپ سماجی بہبود میں بھی دلچسپی لیتی ہیں اس ضمن میں آپ نے معاشرے کی بہتری کے لیے عملاً کیا کردار ادا کیا؟

تنویرعشرت ❖......سب سے بڑا سوشل ورک میں سمجھتی ہوں رزقِ حلال ہے جو کام بھی آپ ایمانداری اور درستگی کے ساتھ کریں وہ سوشل ورک ہے۔

پاکیزہ ✧......کیا آپ ہمارے معاشرے میں تیزی سے پھیلنے والی بعض برائیوں کو پڑوسی ملک کے ڈراموں کے اثرات کا شاخسانہ سمجھتی ہیں؟

تنویرعشرت ❖......اگر اپنا گھرانا خود صحیح راستے پر ہو تو پڑوسی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لہٰذا بلاوجہ ہی پڑوسی

Downloaded From http://paksociety.com

IOBM کے اسٹوڈنٹ کے ساتھ سمسٹر کے آخری دن

ملک پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ پڑوسی ملک کے ڈرامے دیکھنا ہماری اپنی خواہش ہے کوئی زبردستی نہیں۔ ہمیں اپنی خواہشات اور ترجیحات پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں بھیج کر ارادے کا اختیار دیا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اچھائی کا راستہ چنتے ہیں یا برائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... فرصت کے اوقات میں آپ کی دلچسپیاں؟

تنویر عشرت ❖...... میرے پاس فرصت کے لمحات نہیں ہوتے۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمّے داریوں اور معاشرتی میل جول سے جو وقت بچ جاتا ہے اس میں کتابیں پڑھتی ہوں اور غور و فکر کرتی ہوں۔ یہ میرے لیے بہترین دلچسپیاں ہیں۔ اس کے علاوہ موسیقی مجھے اچھی لگتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... زمانۂ طالب علمی کا کوئی ایسا مشغلہ جس میں آج بھی آپ کی دلچسپی برقرار ہے؟

تنویر عشرت ❖...... میں زمانۂ طالب علمی میں بھی اپنی کلاس فیلوز کو پڑھاتی تھی اور آج بھی پڑھا رہی ہوں۔ درس و تدریس میرے لیے نہ صرف ایک مقدس کام ہے بلکہ ایک مشغلہ بھی ہے۔ اس کام میں، میں بہت زیادہ خوشی اور اطمینان حاصل کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... قدرتی موسم آپ پر جلدی اثر انداز ہوتے ہیں یا دل کے موسم؟

تنویر عشرت ❖...... گو کہ قدرتی موسم دل پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن دل کے موسم کے اثرات میری جلد پر زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... طبعاً آپ سنجیدہ مزاج ہیں یا شوخ و چنچل؟

تنویر عشرت ❖...... اس کا انحصار صورتِ حال پر ہوتا ہے مثلاً کب اور کہاں سنجیدہ ہونا ہے اور کہاں اور کب کس کے ساتھ شوخ و چنچل ہونا ہے اور میں اس کا بہت خیال رکھتی ہوں۔ موقع محل کے مطابق سنجیدگی اور شوخی کا تعین ہی دراصل زندگی کا سلیقہ ہے۔

Downloaded From http://paksociety.com

پاکیزہ ✧......آپ کا تصورِ حیات کیا ہے؟

تنویر عشرت ❖......میری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ذریعہ بننا اور روحانی درجات کی بلندی ہے۔

پاکیزہ ✧...... ”زندگی بے بندگی شرمندگی“ آپ کیا کہتی ہیں؟

تنویر عشرت ❖......میں اس بات سے بالکل اتفاق کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......آزادیٔ نسواں کے لیے آپ کی سوچ کیا ہے؟

تنویر عشرت ❖......آزادی اور آوارگی میں فرق ہے میں آزادیٔ نسواں کی قائل ہوں اور آوارگیٔ نسواں کی سخت خلاف۔ (بہت خوب کہا)

پاکیزہ ✧...... ہر سال عالمی یومِ نسواں کے موقع پر خواتین کے زخم بھرتے بھی ہیں یا مزید ہرے ہو جاتے ہیں؟

تنویر عشرت ❖......عالمی یومِ نسواں خواتین کے زخم بھرے یا نہیں، یہ ہرے کرنے کا دن ہرگز نہیں ہے بلکہ اس دن کو اس لیے منایا جانا چاہیے کہ عورت اپنے آپ کو پہچانے، اس دنیا میں اس کا کیا کردار ہے اسے اجاگر کیا جائے۔ عورت کے اپنے مقام و مرتبہ کے حصول کی کوشش کا دن ہے۔

پاکیزہ ✧......کون سا مذہبی و قومی تہوار جوش و خروش سے مناتی ہیں؟

تنویر عشرت ❖......تقریباً سارے ہی تہوار میں جوش و خروش سے مناتی ہوں بلکہ موقع ملے تو اپنے مذہب اور قومیت کے علاوہ میں دوسروں کے تہواروں میں بھی شامل ہو جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......خریداری اکثر خواتین کی کمزوری ہوتی ہے۔ آپ کے اس شوق کا کیا عالم ہے؟

تنویر عشرت ❖...... میں خریداری کے معاملے میں بہت قناعت سے کام لیتی ہوں میرے پاس پیسے بھی ہوں تو بلاضرورت خریداری نہیں کرتی۔

پاکیزہ ✧...... گھریلو امور بالخصوص کھانا پکانے سے کتنی دلچسپی ہے؟

تنویر عشرت ❖...... مجھے کئی گھریلو امور سے دلچسپی ہے اور خاص طور پر کھانا پکانا میرا شوق ہے۔ جب میں پڑھائی لکھائی کے کاموں سے اکتا جاتی ہوں تو باورچی خانے کا رخ کرتی ہوں اور کوئی کھانا بنا کر خوشی محسوس کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... واہ بہت خوب۔ ہمارے قارئین کی دلچسپی کے لیے ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو لوگ آپ سے فرمائش کر کے پکواتے ہیں؟

تنویر عشرت ❖......کھنڈویاں لوگ مجھ سے فرمائش کر کے بنواتے ہیں لیکن اس کی ترکیب ذرا پیچیدہ ہے لہٰذا اس کو پکاتے ہوئے مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تفریحی مقام، کھیل، موسیقی، نغمہ کون سے ہیں؟

تنویر عشرت ❖...... پسندیدہ رشتہ میرے طالب علم، پسندیدہ رنگ مزاج کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، پسندیدہ خوشبو زعفران کی ہے، پسندیدہ موسم محبت کا ہے، پسندیدہ وقت محبوب (وسیع تر معنی میں) سے ملاقات کا، پسندیدہ کتابیں کئی ہیں، پسندیدہ ڈش موڈ پر منحصر ہے، پسندیدہ تفریحی مقام جو اَب تک دیکھا نہ ہو، پسندیدہ کھیل کوئی خاص نہیں ہے، پسندیدہ موسیقی صوفیانہ کلام ہے، پسندیدہ نغمے کئی ایک ہیں۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ پڑھنے والی نوجوان لڑکیوں اور طالبات کے لیے کوئی پیغام؟

تنویر عشرت ❖...... پاکیزہ پڑھنے والی نوجوان لڑکیوں اور طالبات کے لیے پیغام ہے کہ وہ اپنے دل، دماغ، جسم، جذبات اور روح کو پاکیزہ رکھنے کی ازحد کوشش کریں۔

پاکیزہ ✧...... بہت بہت شکریہ تنویر آپ کا کہ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات ہمارے قارئین کی نذر کیے۔

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

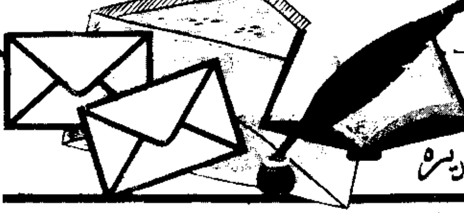

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ......!

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا......اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو......یا الٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے......الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆ پیاری بہنو......! آپ بھی جانتی ہیں کہ مارچ کا مہینہ موسم بہار کے نام سے منسوب ہوتا ہے......جب کلیاں چٹکتی ہیں......اور پھول ڈالی ڈالی جھوما کرتے ہیں تب فضا میں ہر سو پھولوں کی خوشبو پھیل جاتی ہے......مگر اس بہار کو آتے ہی خزاں نے نگل لیا......جو ہمارا لاہور لہو، لہو ہوگیا......اور پھر ایک دھما کا سیہون شریف میں کہ جہاں سے امن و سلامتی اور بھائی چارے کا پیغام پھیلایا جاتا ہے۔ کیسے ایک خودکش بمبار نے اپنے چیتھڑے اڑاتے ہوئے کتنی زندگیوں کے چراغ بجھا دیے......(یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے) دل کو کسی صورت قرار نہیں آرہا ہے۔ پل بھر میں کیا سے کیا ہوگیا......دل تو اس کم عمر تیمور کی ناگہانی موت پر بھی غم زدہ ہے جسے اپنی ڈیوٹی دینے کے دوران دہشت گردوں نے اڑا دیا......کیسے برداشت کی ہوگی ایک بائیس سال کے بچے نے وہ تکلیف جسے بیس گولیوں نے چھلنی کر دیا تھا......اب تو مہنگائی سے نجات کی دعا سے پہلے عافیت کی دعا مانگنی ہے......یا الٰہی ہم سب کو دہشت گردوں سے نجات دے جو زندہ رہ جانے والوں کا بھی کلیجا نوچ کر لے جاتے ہیں۔

☆☆☆

☆ اب ایک خوشی کی بات آپ کو بتاؤں......ماشاء اللہ......ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے ہاتھ سے لکھا ہوا سترھواں قرآن پاک مسجدِ نبویؐ میں رکھ دیا گیا ہے (سبحان اللہ) جب آپ عمرے یا حج کے لیے جائیں تو مسجد نبویؐ میں گیٹ نمبر 5 سے اندر داخل ہوں وہاں ایک ہال میں دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے قرآن پاک رکھے گئے ہیں......جہاں اب ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا قرآن پاک بھی موجود ہے اور آپ سب اس کی زیارت کر سکتے ہیں۔ اور وہ انشاء اللہ وہاں قیامت تک رہے گا......(سبحان اللہ) ذکیہ بلگرامی جب یہ خوشی کی بات مجھے بتا رہی تھیں تو رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں آج سعودی گورنمنٹ سے میرے پاس سرٹیفکیٹ بھی آیا ہے اور میں سب سے پہلے تم سے اپنی یہ خوشی شیئر کر رہی ہوں ......انہوں نے مزید بتایا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی عزت سے نوازے گا......مگر یہ بات ان سے برسوں پہلے حکیم سعید نے کہی تھی آپ کا نام پوری دنیا میں جانا جائے گا اور پورا عالمِ اسلام آپ کے اس کام کو دیکھے گا اور اس وقت ذکیہ نے دل میں سوچا تھا کہ ایسا بھلا کیونکر ہوسکتا ہے مگر حکیم سعید مرحوم کی یہ بات واقعی سچ ثابت ہوئی۔ ہماری اور ادارہ پاکیزہ کی جانب سے ڈھیروں مبارک باد......اور ہمیں یہ فخر ہے کہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی ہمارے پاکیزہ کے لیے بطورِ خاص لکھتی ہیں (جزاک اللہ)

☆ پیاری بہنو! تازہ ترین سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے پہلے اور اپنے کھٹے میٹھے خطوط سے لطف اندوز ہونے سے قبل ہمیشہ کی طرح ...... صرف ایک بار درودِ ابراہیمیؑ پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے (ابھی پڑھ لیں) اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے

Downloaded From http://paksociety.com

لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مصنفہ رضوانہ پرنس کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے دبئی گئیں...... اور وہاں بے حد پُر لطف وقت گزارہ.....(ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی سینئر تبصرہ نگار اور شاعرہ **شمسہ الماس**، ناروے سے اس ماہ پاکستان آ رہی ہیں۔(خوش آمدید)

☆ شاعرہ **شگفتہ شفیق**، لندن میں منعقد مشاعروں میں شرکت کر کے واپس کراچی آ چکی ہیں۔(ماشاءاللہ)

☆ مصنفہ **رفاقت جاوید**، اسلام آباد سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں۔(ماشاءاللہ......) **رفاقت جاوید** کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ اسلام آباد کی ایک ادبی تقریب میں ان کے ناول **رنگِ خلش** جو پاکیزہ میں قسط وار شائع ہوا تھا کو بہترین ناول کا ایوارڈ دیا گیا ہے۔(مبارکاں)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار **ساجدہ ظفر**، کمالیہ کے شوہر نے ایک ٹی وی چینل سے ائرکنڈیشنر جیتا ہے اس سے پہلے فریج جیتا تھا۔(اب اپنے میاں سے کہو کہ گاڑی بھی جیت لیں)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور ہر دل عزیز شخصیت **ڈاکٹر ممتاز ضیا** بیمار ہیں اور اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔

☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار **نگینہ ضیا بنگش**، کراچی کے شوہر ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری **آرزو شاہد**، کراچی کے شوہر کے پیر کی سرجری ہوئی ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری **شہلا ظفر**، کراچی بے حد بیمار ہیں۔

☆ شاعرہ **فریدہ جاوید فری**، لاہور ان دنوں بیمار ہیں۔

☆ صحافی **شائستہ زریں** کی والدہ اسپتال سے گھر آ چکی ہیں مگر تا حال بسترِ علالت پر ہیں۔

☆ پاکیزہ کی قاری **ستارہ شیخ**، سندھ بیمار ہیں۔

☆ مستقل تبصرہ نگار **پروین افضل شاہین** کی والدہ کی طبیعت ناساز ہے۔

☆ آپ سب کی لاڈلی تبصرہ نگار **امینہ عندلیب**، سلانوالی ان دنوں بے حد بیمار ہیں۔

☆ **صدف کاشف** کی چھوٹی بہن کوئٹہ میں شدید علیل ہے......اس کے دماغ پر سوجن ہو گئی ہے۔

انتقالِ پُرملال

☆ مقبول اور محبوب مصنفہ **بانو قدسیہ** اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں۔

☆ مصنفہ **سلمیٰ غزل**، کراچی کی بڑی بہن **رضیہ زمان** انتقال کر گئیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری **نادیہ علی**، اسلام آباد کے چچا **ڈاکٹر لالی** جو کوئٹہ کے جانے پہچانے سرجن تھے، انتقال کر گئے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار **گلشاد نذیر**، مری کی والدہ **گلاب بیگم**، راول پنڈی انتقال کر گئیں۔

☆ مصنفہ طیبہ **عنصر مغل**، راول پنڈی کے جیٹھ انتقال کر گئے۔

☆ مستقل قاری **ثمینہ سعید**، کراچی کے چچا، تین گھنٹے بلڈنگ کی لفٹ میں پھنسے رہنے کے باعث انتقال کر گئے۔

نوٹ: تمام مرحومین کے بلندیٔ درجات کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

☆☆☆

✍ **ہاجرہ ریحان**، کراچی سے۔" پہلے تو میں آپ کے ادارے اور خاص طور سے انجم انصار آپا سے بہت معذرت کرنا چاہتی ہوں کہ لکھنے کے شروع کے دنوں میں جذبات میں آ کر میں نے ایک بہت ہی احمقانہ حرکت کی کہ جو کہانی آپ کو بھیجی

Downloaded From http://paksociety.com

وہی کہانی دوسرے ڈائجسٹ میں بھی روانہ کردی...... لہٰذا میری وجہ سے آپ لوگوں کو یہ مسئلہ پیش آیا اور میں اس بات کی، اس غلطی کی پوری پوری ذمے داری لیتی ہوں۔ آپ نے توجہ دلائی ہے تو میں بہت شرمندہ بھی ہوں۔ میں انجم انصار آپا سے بہت ہی شرمندگی محسوس کررہی ہوں کہ وہ تو اس طرح محبت سے بات کرتی ہیں اور میں ہی یہ فضول حرکتیں کرتی پھررہی ہوں۔ میں تو شرمندگی سے ان سے بات بھی نہیں کرپارہی ہوں...... مگر یہ میری کم علمی اور ناتجربہ کاری کہ میں یہ حرکت کرگزری ہوں لہٰذا پلیز مجھے معافی مانگنے اور معافی ملنے کی امید آپ سب سے ہے۔'' (پیاری ہاجرہ رات گئی بات گئی...... تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں...... غلطیاں ہم سب سے ہی ہوا کرتی ہیں۔ ہمیں بس اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ اپنی غلطیوں کو دُہرانا نہیں چاہیے...... ہاں اپنا خیال رکھنا)

☆ **مریم**، غازی پور سے۔ ''پہلی بار کسی بھی پرچے میں اپنی رائے دے رہی ہوں مجھے گم شدہ محبت۔ ناول بہت پسند آرہا ہے۔ اسے ہر محبت کرنے والے کو ضرور پڑھنا چاہیے...... باجی آپ کی ہر کہانی میں لڑکیوں کے لیے بہت اچھے مشورے ہوتے ہیں...... مجھے پاکیزہ سارا کا سارا ہی پسند ہے۔ شیریں حیدر اور رفعت سراج کے ناول پڑھ کر بہت مزہ آرہا ہے۔ ہاں اب عظمیٰ کی غیر حاضری برداشت نہیں ہورہی ان کو جلدی لے کر آئیں...... اس کے ساتھ آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا میں اپنے افسانے آپ کو بھیج سکتی ہوں......'' (مریم اس محفل میں خوش آمدید...... اور ہاں آپ اپنی کہانیاں، نظمیں، غزلیں سب مجھے جلدی سے بھیج دیں...... رفعت سراج، شیریں حیدر اور عظمیٰ آفاق شکریہ کہہ رہی ہیں)

☆ **مسز افتخار شوق**، میاں چنوں سے۔ ''میں نے برستی بارش میں جاکر پرچہ خریدا اور اب پورا پڑھ بھی ڈالا...... انجم باجی کا ناول، شیریں حیدر کا نیا ناول اور رفعت سراج کے تو کیا کہنے...... سب زبردست جارہے ہیں۔ سحر ساجد کا من جانباز م بہت عمدہ تحریر ہے۔ رائٹرز کے انٹرویو میں کیوں گیپ آیا...... ماہ پارہ صفدر اور صفدر ہمدانی کی باتیں بہت مزیدار تھیں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ہاں پاکیزہ کے لیے ایک خبر میں نے پہلے بھی بتائی مگر چھپی نہیں تھی کہ پچھلے ماہ ملتان میں محکمہ تعلیم کی جانب سے ای ڈی او کی پروموشن ٹریننگ تھی جو دو ہفتے جاری رہی جس میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا پنجاب کے مختلف اضلاع سے اساتذہ، ہیڈ مسٹریس وغیرہ آئے ہوئے تھے اور جناب آپ کی بہن نے اس میں سیکنڈ پوزیشن لی۔'' (مبارکاں)

☆ **شاہینہ مبارک**، ہالہ سے۔ ''ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی پاکیزہ پورا کا پورا پسند آیا...... ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا نیا سلسلہ تو حد سے زیادہ پسند آیا ہے۔ روحانی مشورے بھی ہمارے بے حد کام آتے ہیں۔ گم شدہ محبت کا ہر ماہ سسپنس کے ساتھ جاری ہے ابھی تک یہ پتا نہیں چل رہا کہ صبا کی شادی آخر کس سے ہوگی۔ رفعت سراج اور شیریں حیدر میری پسندیدہ مصنفات ہیں (میری بھی پسندیدہ مصنفات ہیں) رضوانہ پرنس نے بھی اچھا لکھا...... جلترنگ ہر ماہ سب کو خوب ہنساتا ہے۔ ماہ پارہ صفدر کا انٹرویو سالے کی اہم تحریر تھی۔ ڈاکٹر فاطمہ بہت اچھی لگیں......'' (پسندیدگی کا شکریہ)

☆ **آسیہ عامر**، کراچی سے۔ ''عذرا آنٹی کا بیٹا اور بہو بہت اچھے لگے۔ رائٹرز کی تصاویر واضح نہیں تھیں۔ ماہ پارہ صفدر کا انٹرویو پڑھ کر بچپن کی یادیں تازہ ہوگئیں...... آپ کا ناول ماشاء اللہ ایک سال کا ہوگیا ہے اور اسے پڑھ کر بہت مزہ آرہا ہے۔ سحر ساجد بھی بہت عمدگی سے اپنا ناولٹ بڑھا رہی ہیں، رفعت سراج اور شیریں حیدر کی اقساط بھی پسند آئیں۔'' (شکریہ)

☆ **صفیہ بیگم**، لالہ موسیٰ سے ''پاکیزہ اپنے بچپن سے پڑھ رہی ہوں جب میں چھوٹی سی تھی تو اس کا پہلا ناول پاکیزہ پڑھا تھا جو سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا۔ اس وقت میں باقاعدگی سے تو نہیں بلکہ سرسری سا دیکھ لیا کرتی تھی...... چاندنی پہلا ناول تھا جب مجھے پاکیزہ نے اپنا اور آپ کا اسیر بنایا...... اب تو ایک، ایک لفظ پڑھتی ہوں اور بہت کچھ سیکھتی ہوں۔ شیریں حیدر میری پسندیدہ لکھاری ہیں۔ ناول، امرت میں انہوں نے نور پور کا ذکر کیا ہے۔ اپنے ناول شیشوں کے مسیحا میں بھی نور پور کا

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

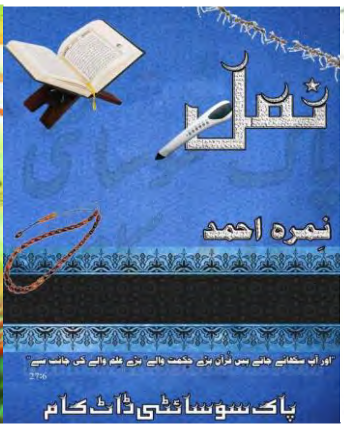

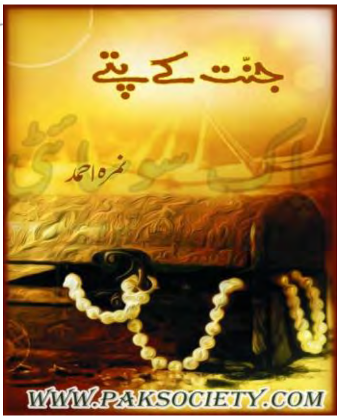

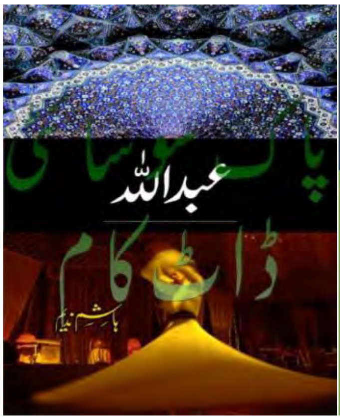

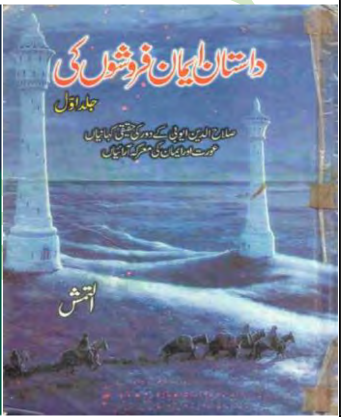

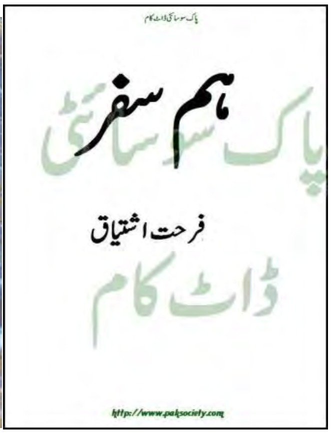

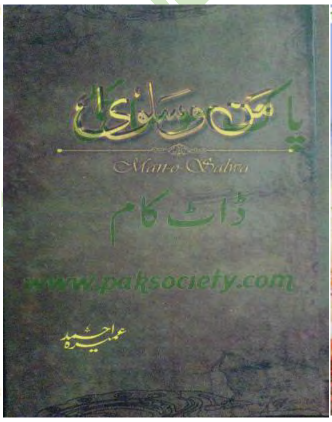

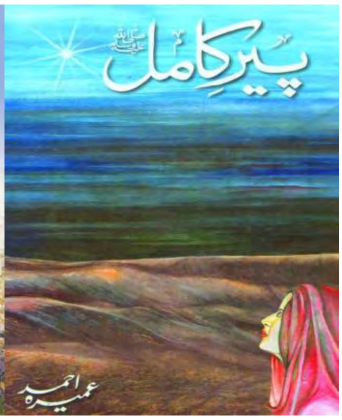

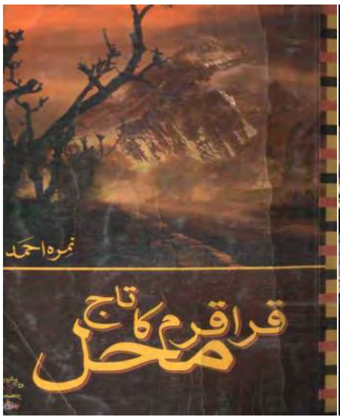

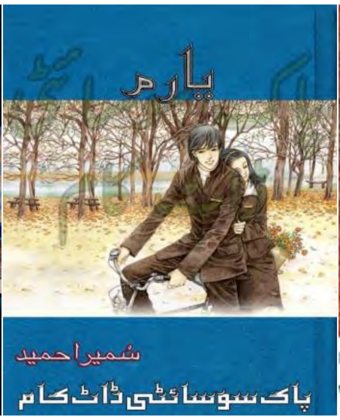

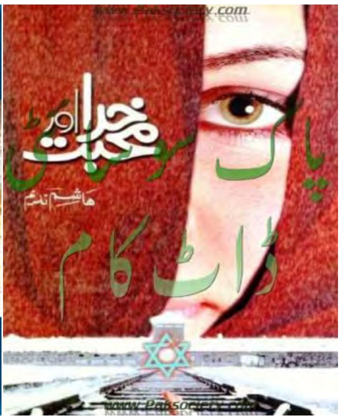

Downloaded From http://paksociety.com

بے حد ذکر ہے۔ دیگر افسانوں میں بھی رہتا ہے۔ آپ کا ناول بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ رفعت سراج، رضوانہ پرنس بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ شائستہ زریں نے ماہ پارہ صفدر کا انٹرویو لے کر دل خوش کر دیا۔'' (آپ کی آراء اور فرمائشیں پہنچائی جارہی ہیں رہی بات نور پور کی تو مصنفہ جس جگہ سے محبت کرتی ہے تو وہ گاہے بہ گاہے کسی نہ کسی حوالے سے ذکر آجاتا ہے جیسے مجھے راول پنڈی اور اسلام آباد نہ صرف خوب صورت ترین لگتے ہیں بلکہ ان سے میری دیرینہ یادیں جڑی ہوئی ہیں عمر کا ایک حصہ وہاں بسر ہوا ہے اس لیے لامحالہ وہ میری تحریروں میں بھی از خود آجاتے ہیں)

مسز نزہت اشفاق، کراچی سے۔ ''ڈاکٹر ممتاز ضیا اور تمام بیمار پاکیزہ قارئین کی صحتِ کُلی کے لیے دعا کی۔ ٹائٹل اچھا نہیں لگا۔ شیریں حیدر کے ناول کی قسط پسند آئی۔ رفعت سراج اس مرتبہ اپنی ڈگر سے ہٹ کر لکھ رہی ہیں اور ہمیں مزہ آرہا ہے۔ گم شدہ محبت تو ہے ہی ہمارا پسندیدہ ناول...... اس دفعہ ماہ پارہ صفدر کا انٹرویو بہت اعلیٰ رہا...... ذکیہ بلگرامی کا نیا سلسلہ بے حد خوب صورت ہے اور انہیں ہماری دلی مبارک پہنچادیں۔'' (ذکیہ بلگرامی شکریہ کہتی ہیں)

ثوبیہ، شیخوپورہ، کراچی سے۔ ''پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں مگر رابطہ پہلی مرتبہ کر رہی ہوں۔ ان دنوں عدت میں ہوں، حوصلے کی کمی ہو رہی ہے۔ نماز، تلاوت کے بعد پاکیزہ میں دل لگاتی ہوں۔ انجم باجی آپ کی باتوں سے چاہے آپ کسی سے بھی کریں پڑھ کر تقویت سی ہوتی ہے۔'' (پیاری بہن اس محفل میں خوش آمدید...... اب آپ باقاعدگی سے اس محفل میں شرکت کریں اور اپنا حوصلہ مضبوط رکھیں کیونکہ اب آپ اپنے بچوں کی ماں بھی ہیں اور باپ بھی...... آپ کی ذمے داری مزید بڑھ گئی...... اس لیے آپ کو اپنا پہلے سے زیادہ خیال رکھنا ہوگا)

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''اس مرتبہ کا پاکیزہ افسانوں کے لحاظ سے بے حد شاندار رہا۔ سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے، لاجواب، ہم رحم دلی، دریا دلی اور فراخ دلی اگر دکھاوے کے لیے کرتے ہیں تو واقعی بیکار ہے بات تو جب ہے کہ ایک ہاتھ سے دے تو دوسرے ہاتھ کو پتا نہ ہو۔ لگتا ہے صبا کے ساتھ گم شدہ محبت میں کچھ اس طرح ہونے والا ہے کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم...... اور افسانوں کا تو کیا کہنا ہر کہانی مثالی...... لاجواب، اصلاحی سبق آموز اور بامقصد۔ نگہت اعظمی نے خوب لکھا چراغ سے چراغ جلتا ہے کاش ہر ساس ایسی ہی ہو۔ خوب صورت آنکھیں بھی اچھا رہا...... خواہشوں کے دریا...... کا مقصد اچھا تھا لیکن اختتام اچھا نہ تھا، عورت کی عزت پر حرف آنے لگے تو پھر راز چھپانے کا مطلب......؟ قانتہ رابعہ ہمیشہ اچھا ہی لکھتی ہیں ویسے آج کل زیادہ تر افسانوں میں ساس کا رول بڑا positive دکھایا جارہا ہے ورنہ عموماً زیادہ تر ساسیں اپنے منہ میاں مٹھو ہی بنی رہتی ہیں، بہو کی تعریف ان سے ہضم نہیں ہوتی اور اپنی خامی انہیں نظر نہیں آتی۔ نادانی بس ٹھیک ہی لگا۔ بنت زہرا سب پر بازی لے گئیں۔ عشق رہنما بے مثال لاجواب۔ غزالہ عزیز ہمیشہ اچھا ہی لکھتی ہیں مگر جس طرح کا ماحول دکھایا ہے اس میں زویا کی بے تکلفی زین سے سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ بہرحال چھوٹی عمر کے کزنز جوان ہونے کے بعد خود بخود بڑوں کا احترام کرنے لگتے ہیں نہ کہ عشق بہرحال اینڈ اچھا تھا اس لیے اچھا ہی لگا۔ شمیم فضل خالق کہنہ مشق مصنفہ، بے حد مقصدی اور سبق آموز افسانہ میرا عشق بھی تو، خواہشوں کی بے رنگ تتلیاں طوالت کے باوجود بہتر رہا کاش کے مصنفہ تحریم میں کوئی بدلاؤ لے آتیں کیا یہ ضروری ہے کہ ہر خوب صورت لڑکی بد دماغ اور نخریلی ہو......؟ ماہ پارہ اور صفدر صاحب کا انٹرویو لاجواب تھا۔ آپ سے ایک درخواست ہے۔ میری ایک دوست کی 14 سالہ بیٹی کے سر میں بے تحاشا جوئیں ہیں بے حد لمبے اور گھنے بال...... کوئی ٹوٹکا کوئی اینٹی لائس شیمپو نہیں چھوڑا مگر جوئیں اور لیکھیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔'' (بہنوں کوئی ٹوٹکا بتائیں)

✉ عاشفہ مسعود، فیصل آباد۔ بہت عرصے بعد آئیں، دونوں کہانیاں مل گئی ہیں۔ شائع ہوجائیں گی اور کوئی حکم......؟

سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ ''اس ماہ فرح طاہر نے کمال کا افسانہ لکھا جو لوگ سیرت کے بجائے

Downloaded From http://paksociety.com

خوب صورتی کو ترجیح دیتے ہیں ان کے ساتھ واقعی ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔شیریں حیدر نے اچھا لکھا۔سیمار ضا ردا کا منی ناول پسند نہیں آرہا...... سیما بنت عاصم نے بھی بہت اچھا لکھا۔رفعت سراج کی میں فین ہوں مگر یہ ناول ان کی ڈگر سے مختلف لگ رہا ہے۔ہما بیگ کی تحریر بالکل بھی پسند نہیں آئی ۔ عذرا رسول کی بہو بہت پیاری لگی مگر کوریج پھیکی، پھیکی سی تھی۔ بہنوں کی محفل کی کیا بات ہے، جلترنگ میں دوسرا خاکہ بہترین تھا۔ایسے خاکے اگر ٹی وی پر آئیں تو مزہ آجائے۔گم شدہ محبت میں حاصلِ مطالعہ شہلا کی گفتگو رہی آپ نے اس کردار کی خوبیاں، خامیاں بہت عمدگی سے بیان کی ہیں۔ ماہ پارہ صفدر کا انٹرویو بہترین رہا۔'' (بھر پور تبصرے کا شکریہ......اب سب کی پسند ناپسند تو مختلف ہی ہوا کرتی ہے، ہماری رفعت ایک نئے انداز میں بڑی خوب صورت کہانی لکھ رہی ہیں جسے ہمارے بے شمار قارئین بہت پسند بھی کر رہے ہیں)

ریحانہ امجد، ملکوال سے۔''بہت عرصے بعد اس محفل میں حاضر ہوئی ہوں۔ میں حال ہی میں عمرہ کر کے آئی ہوں۔انجم باجی میں نے آپ کے نام کا طواف کیا اور تمام پاکیزہ بہنوں کے لیے دعا کیں...... دوسرا طواف اپنی روٹھی ہوئی دوست روبینہ سید کے نام کا کیا جو ان دنوں امریکا میں ہے۔'' (جزاک اللہ)

فریدہ جاوید فری، لاہور سے۔''اس مرتبہ بھی افسانے اور ناولٹ بہترین لگے خاص کر شمیم فضل خالق کا افسانہ میرا عشق بھی تو......امرت، شیریں حیدر کا ناول بہترین تھا اور سب کے افسانے بھی بے حد شاندار تھے۔سدرہ کلثوم کے والد کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ دے اور سدرہ کو صبر عطا کرے، آمین۔طیبہ عنصر مغل نیا نام ہے مگر لکھتی بہت ہی اچھا ہیں خواہشوں کے دریا پڑھ کر مزہ آگیا۔سب سے پہلے تو آپ کا ناول گم شدہ محبت کی قسط پڑھتی ہوں، واہ کیا ناول ہے......نگہت غفار کے بیٹے کی شادی کا احوال پڑھ کر بے حد اچھا لگا۔ بیٹا اور بہو صبا بے حد پیارے لگ رہے ہیں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

نورین شہزاد، کراچی سے۔''تعریف اس کی، کی جاتی ہے جسے تعریف کی ضرورت ہو۔ پاکیزہ کی تعریف ہی یہ ہے کہ ہم سب اسے پسند کرتے ہیں، پڑھتے ہیں، لکھتے ہیں......اس کے تمام سلسلے پاکیزہ ڈائری، جلترنگ، میں اکثر گنگناتی ہوں، خوش ذائقہ، بزم پاکیزہ، روحانی مشورے، ہومیو کلینک، ناولٹ، افسانے تمام بہت اچھے ہیں۔ایک ریکوئسٹ ہے چھوٹی سی کہ بزم پاکیزہ کی جگہ کوئی افسانوی مقابلہ رکھ لیں جس میں بہنیں حصہ لیں۔اس طرح بہت سا نیا ٹیلنٹ بھی سامنے آئے گا اور بہت سی بہنیں جو لکھنا چاہتی ہیں وہ لکھ سکیں گی۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے کہ کیا بزم پاکیزہ کا سلسلہ ختم کر دیا جائے یا اس کے ساتھ نئی مصنفات کے لیے کوئی نیا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے)

نسرین، لاہور سے۔''سب سے پہلے آپ کی خوب صورت محفل پڑھتی ہوں، آپ اتنے پیار اور خلوص سے بات کرتی ہیں کہ بہت اچھا محسوس ہوتا ہے۔آج تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ محفل میں بھرپور طریقے سے شامل ہونا ہے۔ یقیناً آپ ویلکم تو کہیں گی ناں...... (خوش آمدید) پاکیزہ اس قدر خوب صورت اور معیاری تحریریں شائع کرتا ہے کہ میں تو اگلا رسالہ آنے تک تھوڑا، تھوڑا کر کے پڑھتی ہوں تاکہ پورا مہینہ ہی اس سے اچھی طرح لطف اندوز ہوا جاسکے۔اس کی یوں تو تمام تحریریں ہی منفرد ہوتی ہیں مگر مجھے ناولٹ اور مکمل ناول زیادہ متاثر کرتے ہیں کہ عموماً ایک ہی بار ان کی کہانی مکمل ہو جاتی ہے۔سلسلے وار ناولز کی اپنی اہمیت ہے مگر اگلی قسط کا انتظار بہت تکلیف دہ ہے......خیر میں تو مکمل ہو جانے کے بعد سارے ناول دوبارہ سے پڑھتی ہوں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ......آپ کا ناولٹ بھی موصول ہو گیا ہے)

شاہدہ ذاکر، دبئی سے۔''میرے خط کو رسالے میں جگہ دینے اور کہانی کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ......ایک

Downloaded From http://paksociety.com

ہفتے کے لیے پاکستان آئی تھی آپ سے ملنے کا بے حد شوق تھا لیکن مصروفیات نے اجازت نہ دی۔ آپ کی حوصلہ افزائی سے دو کہانیاں ارسال کر رہی ہوں، آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔" (شاہدہ آپ کی دو کہانیوں میں سے ایک کہانی قابلِ اشاعت ہے۔ آپ اپنے کراچی ایڈریس اور فون نمبر سے ہمیں مطلع کریں)

✍ **حافظہ ست البنات**، تونسہ شریف سے۔ "باجی شمارہ کل شام ہی ملا ہے۔ صرف بہنوں کی محفل ہی اٹینڈ کی ہے ابھی...... اور مجھے کچھ کہنا ہے کہ لفظ، لفظ سے خوشبو محسوس ہوئی۔ اُف باجی انسان درندگی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ بچے کی زندگی جو تھی اللہ پاک نے جانور کے ذریعے بچا لیا۔ واقعی باجی اللہ پاک ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ باجی پچھلے ماہ اِک خط بھیجا تھا۔ باجی آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں...... پچھلے دو تین خطوں میں میری کوئی بھی بات آپ کو ناگوار لگی ہے تو باجی میں بہت، بہت معذرت چاہتی ہوں۔" (گڑیا میں آپ سے بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔ آپ نے گزشتہ خط میں اپنا نام نہیں لکھا تھا اور اس خط میں بھی اس طرح لکھا ہے کہ پڑھا نہیں جا رہا...... آپ باقاعدگی سے اس محفل میں شرکت کیجیے مجھے خوشی ہوگی)

✍ **تسنیم کوثر**، کراچی سے۔ "فروری کا شمارہ پڑھا اور تمام افسانے اور ناولز عمدہ لگے۔ خاص طور پر گم شدہ محبت میں شہلا کا اپنے اتا ؤلے پن پر شرمندہ ہونا اچھا لگا بلکہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہونا۔ اس بات نے میرے خیال میں ناول کے وقار میں بہت اضافہ کیا ہے۔ شیریں حیدر، امرت اچھا لکھ رہی ہیں مگر اسٹوری میں پیچ و خم بہت زیادہ ہیں، سمجھنے میں ٹائم لگتا ہے۔ من جانباز م بھی اچھا جا رہا ہے مگر اس کی کہانی بھی مشکل ٹائپ کی ہے۔ ہم کو عبث بدنام کیا، بیمار رضا ردا بھی کافی دل سے لکھ رہی ہیں مگر معذرت کے ساتھ اس ناول میں دل نہیں لگ رہا بور یت ہو رہی ہے۔ جلترنگ میں ایسی بھابی اور اس سادگی پر نے بہت مزہ دیا۔ افسانوں میں نگہت اعظمی کا معافی کے بعد بہت شاندار لگا۔ خوب صورت آنکھیں، روزی نے بہت خوب لکھا مختصر مگر دلکش افسانہ تھا۔ پیاری انجم باجی مختصر تبصرہ لکھ رہی ہوں کیونکہ گھر میں میرے بیٹے کی شادی کا فنکشن تقریباً شروع ہو چکا ہے۔ مارچ میں شادی ہے۔ ماشاءاللہ میرے بیٹے نے سی اے کیا ہے اور ماشاءاللہ آنے والی دلہن بھی Dow کی اسٹوڈنٹ ہے اور آخر میں عرض ہے کہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تحریر پڑھ کر دل کو بہت سکون ملتا ہے۔ اللہ نے انہیں بہت نوازا ہے دین کی بہت سمجھ اور علم کا بہت خزانہ ہے ان کے پاس اللہ ہمیں بھی ایسی سمجھ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، آمین۔" (پیاری تسنیم تبصرے کا شکریہ ہاں بیٹے کی شادی کی پیشگی مبارک باد)

✍ **ساجدہ ظفر**، کمالیہ سے۔ "اس بار خط لکھنے میں تاخیر ہوگئی۔ دراصل ساس صاحبہ کی رحلت کے بعد ہم تاحال پہلے والی روٹین پر واپس نہ آسکے۔ ساس کے بعد گھر کی رونق ہی ماند پڑ گئی ہے۔ اور کہیں آنے جانے کا بہت مسئلہ بن چکا ہے۔ ساس کی موجودگی میں ایسا کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔" (ہاں ایسا تو ہوتا ہے بزرگوں کی برکت ہی علیحدہ ہوتی ہے)

✍ **یاسمین کنول**، پسرور سے۔ "جنوری کا پاکیزہ ملا دل کو بے حد خوشی ہوئی۔ نئے سال کا تحفہ لگا اور آپ نے تو واقعی مجھے نئے سال کا گفٹ عطا فرمایا ہے تصویر کے ساتھ خبر اور غزل شائع فرما کر، سونے پر سہاگا بہنوں کی محفل میں بھی ذکر فرما دیا جس کے لیے بے حد، بے حد شکر گزار ہوں، آپ کی محبت کی مقروض ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ (گڑیا یہ آپ کا حق ہے پاکیزہ آپ کا اپنا رسالہ ہے) پاکیزہ کے لیے نئے سال کی نئی خواہشات آپ نے یہ اچھا کیا ہر ورق پر کہانی کا عنوان لکھ دیا بڑا اچھا لگا تبدیلی انسانی فطرت ہے۔ ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں ہے۔ باقی پاکیزہ ماشاءاللہ نئے سال کی اچھی پیش کش کی آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہر سلسلے میں محنت کا رنگ نظر

Downloaded From http://paksociety.com

آ تا ہے۔ اب اداریے سے لے کر روحانی مشوروں تک خلوص، چاہت کا رنگ نظر آتا ہے جو آپ کو قارئین سے ہے۔ آپ صرف ذہنی تفریح کا ہی خیال نہیں رکھتیں، روحانی سکون بھی بہم پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں، گم شدہ محبت، من جانبازم، وہ میر نہیں ہوں اور شمع ہدایت زندہ باد......'' (شکریہ)

ظلِ شاہین، رحیم یار خان سے۔ ''سالِ نو نمبر پاکیزہ پر کافی محنت کی گئی ہے۔ سرورق پر باوقار سی دوشیزہ اچھی لگی۔ شمع ہدایت درود شریف کی فضیلت حکم الٰہی کی روشنی میں اور احادیث کے حوالے سے ایک جامع اور بہترین تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ اختر شجاعت کو جزائے خیر دے۔ شائستہ زریں کا سروے اس بار زبردست ہے بہت اچھے موضوع کا انتخاب کیا۔ افسر سلطانہ اور بلقیس جمال کے جوابات اچھے لگے ویسے تو سب خواتین نے ہی مناسب جوابات دیے ویلڈن شائستہ...... باتیں بہار و خزاں کی...... میں اس بار ہم بھی شریک ہیں انجم باجی بہت، بہت شکریہ آپ کا۔ پاکیزہ ڈائری ساری ہی اچھی ہے۔ روحانی مشورے واقعی آپ کی طرف سے ایک تحفہ ہیں، باجی آپ نے مختصر درود شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے کا کہا ہے تو کیا اس کا بھی ثواب درود ابراہیمؑ جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کے برابر ہے؟ یہ ضرور بتایئے گا۔ (درود ابراہیمؑ کا مقام سب سے بلند ہے) اپنے فیورٹ گم شدہ محبت کی یہ قسط پڑھی، کہانی ایک دم سے کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ صبا کا ہیرو کون ہوگا ندیم خان یا عامر ابھی تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ شکر ہے کہ شہلا جیسی بے وقوف لڑکی اس دلدل سے نکل آئی۔ شیریں حیدر کے نئے ناول امرت کا بھی آغاز ہے اس لیے تبصرہ محفوظ......رضوانہ پرنس کا افسانہ، کہہ رہی ہے زندگی...... ایک دلخراش تحریر اللہ تعالیٰ ایسی بہنوں سے بچائے جہاں ساس جو کہ ایک ماں بھی ہے ہاتھ جوڑ کر بہو سے معافی مانگتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی لڑکیوں کو ہدایت دے۔ نگہت سیما کا افسانہ...... بریت منفرد عنوان منفرد موضوع اور منفرد اندازِ تحریر جو کہ نگہت آپا کی پہچان ہے ایک پُراثر گمبھیر اچھوتی سی کہانی جس نے روح و دل کو بہت متاثر کیا۔ آخر میں جلترنگ پڑھتی ہوں تاکہ کچھ ریلیکس ہو جاؤں مگر یہاں بھی ایک بھوا اپنی نند کو بذریعہ خط بے حساب سنا رہی تھی۔ باجی کیا بھابیاں، نندوں کو واقعی حقیر اور کمتر سمجھتی ہیں؟'' (جی نہیں نہ بھابی بری اور نہ ہر نند...... یہ سب تو ہنسنے ہنسانے کی باتیں ہیں ان کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت نہیں)

اسما صدیقہ، کراچی سے۔ ''آپ کی حسِ مزاح کی تحریریں روتے ہوئے لوگوں کو اندر سے ہنساتی ہیں اور پڑھنے والے کو اپنائیت والا پاکیزہ ماحول میسر آتا ہے۔ سارے رسالے کو پڑھ کر یہی مجموعی تاثر سامنے آتا ہے۔ (شکریہ) عمیرہ احمد کا انٹرویو بھی لیں ان کی کہانیاں پڑھتے ہوئے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ طب و صحت کا صفحہ بھی انٹرویو کا طلب گار ہے خصوصاً ماہرین طب سے کسی ایک پرابلم پر بات کی جائے اس سے رسالہ مزید مقبول ہوگا۔'' (آپ کی تجاویز نوٹ کر لی گئی ہے۔ اور جناب اس مرتبہ ماہر نفسیات سے ملاقات کیجیے)

نیلم شہزادی، کوٹ مومن سے۔ ''پاکیزہ ایک بہترین ڈائجسٹ ہے سحر ساجد کا من جانبازم بہت ہی اچھا ہے۔ مریم جہانگیر کا افسانہ نائلہ آپی بہت سادہ اور سچا لگا۔ کوئی بناوٹ نہیں...... ایک دم حقیقت، فیصلہ تو بہت زیادہ پسند آیا۔ سلسلے وار سلسلے، مستقل عنوانات بھی شاندار ہوتے ہیں'' (اس محفل میں خوش آمدید...... پاکیزہ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ)

سنبل ملک اعوان، شاہدرہ سے۔ ''دسمبر کے پاکیزہ میں سب سے پہلے آپ کا ناول پڑھا......شہلا کی محبت حارث کے دل کو نرم کر رہی ہے۔ ہالہ احمد کے افسانے بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ سب افسانے ایک سے بڑھ کر ایک ......معاشرے کی عکاسی کرتے ہوئے تھے جس میں لڑکی کے قدم اگر والدین کی دعاؤں کے بغیر گھر سے نکلتے ہیں تو دھکے اور آنسو اس کا مقدر بنتے ہیں جبکہ جو لڑکی عزت سے اپنے والدین کی مرضی اور رضامندی سے اپنے لیے کسی چیز کا انتخاب کرتی ہے اس کے لیے راستے کے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں۔ آپی عظمیٰ کی کتاب مل گئی ہے۔ رفعت سراج کا ناول مزیدار اور بے حد سبق آموز ہے۔ یادیں خوشبو سی، حنا دیہ احمد کا اچھا افسانہ تھا۔ لوگ پرانی چیزوں کا ڈھیر گھر میں لگائے رکھتے ہیں مگر کسی کو

Downloaded From http://paksociety.com

دینے کے لیے دل چاہیے۔'' (ہاں ایسا تو ہوتا ہے)

☜ **ارم کمال**، فیصل آباد سے۔ ''اداریہ ہر دفعہ کی طرح متاثر کن رہا۔ اللہ اور اس کا نور ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا پُر نور مضمون دل و دماغ روشن کر گیا۔ اللہ تعالیٰ ذکیہ بلگرامی صاحبہ کو صحت والی لمبی زندگی عطا کرے، آمین۔ گم شدہ محبت میں حارث کی نیا تو پار لگی ساتھ ہی شہلا کو بھی اپنی غلطیاں سمجھ آ گئیں۔ رفعت سراج کا یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، سپر ب جا رہا ہے۔ شیریں حیدر کا امرت بھی اپنے اسرار و رموز میں الجھانے میں کامیاب رہا ہے۔ نگہت اعظمی کا معافی کے بعد انسپائرڈ کر گیا۔ ویسے ایسی ساس آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ خواہشوں کے دریا میں، طیبہ عنصر مغل میں گناہگار تو علیشہ تھی اگر بچہ غلط طریقے سے حاصل کیا بھی تھا تو بعد میں میاں کو اعتماد میں لیتی تا کہ اس کا گھر تو تباہ ہونے سے بچ جاتا۔ قصہ ایک خوشگوار شام کا اہتمام کر کے ہم سب کے دل کو خوشیوں سے بھر دیا۔ سب کی تصویریں انوکھی خوشی سے سرشار کر گئیں۔ ڈاکٹر فاطمہ اور ذیشان (اللہ نظر بد سے بچائے) بہت پیارے لگ رہے تھے۔ انجم باجی شلوار قمیص میں بہت ڈیسنٹ اور اسمارٹ لگ رہی تھیں، تھوڑی سی اسمائل کی کمی تھی۔ (وجہ) عذرا رسول، نزہت اصغر سب کو میرا بہت سلام...... بہنوں کی محفل تو ہمارا ہوم سوئٹ ہوم ہے ابھی ہم سب اپنے دکھ، سکھ، شوخیاں، مستیاں سب انجم باجی سے شیئر کرتے ہیں۔ رفعت سراج کے والد صاحب کا بہت افسوس ہوا۔ اللہ ان کے والد کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے، آمین۔'' (آپ کی تفصیلی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

☜ **یاسمین اقبال**، لاہور سے۔ ''خوب صورت سرورق سے سجا فروری کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ ماہ پارہ صفدر سے مل کر بہت اچھا لگا وہ بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی اور اپنا بچپن یاد آ گیا۔ ذکیہ آپا کی تحریروں کی تو میں شیدائی ہوں ان کی صحت و تندرستی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ اور اس کے نور کو ہماری زندگیوں میں پھیلا رہی ہیں، اللہ انہیں سلامت رکھے...... گم شدہ محبت میں عامر نے تو صبا کو بہت پریشان کر رکھا ہے۔ صبا کو اس قدر پریشانی میں دیکھ کر تو ہم بھی پریشان ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اسے جلد پریشانیوں سے نکال لیں گی۔ آپی میں امی سے ملنے کراچی آئی ہوئی ہوں کل واپسی ہے۔ ٹرین میں پڑھوں گی تو یقیناً ایک طویل اور لمبا سفر خوشگوار انداز میں کٹ جائے گا۔ کوثر خالد صاحبہ کو کتاب کی ڈھیروں مبارک باد...... فریدہ جاوید فری کو بیٹے کی شادی پر مبارکاں، شبارکاں۔ جو بہنیں بیمار ہیں ان کی صحت یابی کے لیے ڈھیروں دعائیں......'' (یاسمین اس شرط پر معاف کر رہی ہوں کہ اب غیر حاضر نہیں ہوں گی)

☜ **توقیر ہاشمی**، منڈی بہاؤ الدین سے۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا۔ گم شدہ محبت بہت اچھا جا رہا ہے۔ رفعت سراج جی ویل ڈن...... زبردست، امرت کے تو کیا کہنے...... شیریں حیدر جی آپ کا یہ ناول ضرور امر ہوگا...... منی ناول سیما رضا ردا جی کا بہت اچھا ہے۔ بہنوں کی محفل میں شرکت اس لیے نہ کر سکی کہ مسلسل سفر میں تھی۔ منڈی سے واہ کینٹ کیونکہ میرے اکلوتے بھائی بابر ہاشمی کے ہاں شادی کے چار سال بعد اللہ تعالیٰ نے خوب صورت سا بیٹا عطا کیا ہے۔ بچے کا نام محمد حسن ہاشمی رکھا ہے۔ بہنوں کی محفل پڑھ کر مزہ آ گیا، پاکیزہ ڈائری، بزم پاکیزہ، جلترنگ، میں اکثر گنگناتی ہوں سب اپنی، اپنی جگہ پر زبردست ہیں پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ قصہ اک خوشگوار شام کا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ آپ کی تصویر دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ خاص طور پر ڈاکٹر فاطمہ بہت پیاری لگیں۔'' (شکریہ)

☜ **شازیہ ہاشم**، میواتی، پنجاب سے۔ ''سب سے پہلے اپنے پسندیدہ ناول من جانا زم کی طرف گئی۔ موی عجیب سا کیس بن گئی ہے۔ اور اس میں مجھے سعد کی پڑھی جانے والی انگلش پوئم بے حد اچھی لگی۔ یہ عشق ہے جاناں پڑھ کر بے ساختہ زبان ان کلمات کو ادا کروانے پر مجبور ہو گئی کہ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا زینہ ہے۔ ویسے مجھے زُلف کے بابا بے حد پسند آئے۔ بنت سحر ویلڈن یار! کمال کر دیا آپ نے صورِ محبت لکھ کر...... واقعی دنیا کی محبت نرا دھوکا و فریب ہے صرف اور صرف رب کی محبت ہے جو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ میں

Downloaded From http://paksociety.com

وہ نہیں ہوں، مختصر تحریر تھی مگر ثمرہ کا قدم جو گھر سے باہر نکل گیا ذرا پسند نہ آیا۔ ڈیئر سفینہ آپ نے اچھا لکھا۔ مگر اتنا ضرور کہنا چاہوں گی اگر ہم ایسی تحریریں لکھیں جس میں لڑکی گھر سے بھی چلی جائے مگر پھر بھی خوش و خرم رہے تو پلیز یہ چیز لڑکیوں کو اس بات پر ابھار سکتی ہے کہ وہ گھر سے قدم باہر نکال سکتی ہے۔ نگہت سیما نے ہمیشہ کی طرح منفرد موضوع چن کر ایک عجیب سی دلکشی لیے تحریر لکھ ڈالی۔ چلو پھر سے مسکرائیں۔ حبا کی پاکستان سے محبت اچھی لگی اور سکندر کی محبت میں پختگی کمال کی تھی اور اس کے بعد کہہ رہی ہے زندگی ڈیئر رائٹر رضوانہ آپ نے معاشرے کے اہم نکتے پر قلم اٹھایا بہت اچھا لگا کاش ...... ! آج بھی بہو، بیٹی بن کر دکھا دے تو کیا بات ہے۔ ماہین کے بابا کا سمجھانا بہت اچھا لگا......"

(بھرپور تبصرے کا شکریہ)

ثنا کنول اللہ دتہ، لودھراں سے۔ "میں چار سالوں سے پاکیزہ کے لیے لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان سالوں میں، میں خود میں ہمت جمع کرتی رہی کہ کچھ ایسا لکھوں جو عذرا رسول کو پسند آجائے وہ جھٹ سے کہہ دیں۔ بہت خوب زبردست لکھا تم نے بچی اور میں مارے خوشی کے کتنی دیر ہی کچھ نہ بول سکوں۔ میری عمر سولہ سال ہے کچھ سال بعد شادی بھی ہو جائے گی۔ میری نظر بہت ویک ہے ابھی سے نظر کا چشمہ لگا ہوا ہے جو پاکیزہ سے میری محبت کا ثبوت ہے۔ آپ جانتی ہیں میں اس وقت تک کچھ نہیں جب تک آپ ساتھ نہ دیں اور اگر آپ ساتھ دیں تو شاید میں بھی رائٹر بن جاؤں۔" (پیاری بیٹی ثنا بلاشبہ کم عمری میں تم میں ماشاء اللہ بہت ٹیلنٹ ہے۔ تم نے جو افسانے لکھ کر بھیجے ہیں ان میں سے ایک اس دفعہ شامل ہے مگر تمہیں راہنمائی کی ضرورت ہے۔ کسی بھی دن مجھے فون کر لو میرا نمبر ہے۔ 021,36964779)

آپ سے اجازت لینے سے قبل پھر بتا دوں کہ پاکیزہ کا اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر 1 اور مئی کا شمارہ سالگرہ نمبر 2 ہوں گے۔ ان دونوں خصوصی نمبرز میں آپ اپنے انٹرویوز تصویر یا بغیر تصویر کے بھی ارسال کر سکتی ہیں۔ اپنی تحریریں بھیجنے کے لیے ایڈریس آپ کو اسی صفحے کے اختتام پر مل جائے گا۔ آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہیں اور پھر وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہیں۔ اے میرے بلندیوں پر رہنے والے رب میں تجھ سے بہت راضی ہوں، میرے مالک تو بھی مجھ سے راضی ہو جا...... میرے مہربان خالق میری توبہ قبول کر لے اور مجھ کو معاف کر دے...... یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحم، یا کریم...... ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز بغیر حساب کتاب کیے ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے...... ہمیشہ عافیت والی زندگی عطا فرمانا تاکہ ہم تیرے دین کو ساری دنیا میں پہنچا سکیں اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے۔ (آمین، ثم آمین)

یا مجیبُ، یا مجیبُ، یا مجیبُ آخر میں ایک بار پھر درود ابراہیمی پڑھ لیں۔

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118

Downloaded From http://paksociety.com

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

ساری زمیں ہے تیری سب آسمان تیرے
کون و مکاں کے مالک دونوں جہان تیرے
واحد ہے ذات تیری کوئی نہیں ہے تجھ سا
شمس و قمر ستارے سب ہیں نشان تیرے
آئے کئی پیمبر دنیا کی رہبری کو
سب میں تھا نور تیرا سب ترجمان تیرے
کلیوں میں تیری خوشبو پھولوں میں رنگ تیرا
دکھلائے ہیں نظر نے کیا، کیا نشان تیرے
دل ہو کہ کوئی گھر ہو موجود ہے وہاں تو
تو ہر جگہ ہے رہتا سارے مکان تیرے
کر رحمتوں کی بارش کرتی دعا کنول ہے
رحمت کے میرے سر پر سب سائبان تیرے

شاعرہ: یاسمین کنول

مرسلہ: صبا نور، لیہ

نور کی شمع

آؤ ہم سب مل کر بیٹھیں بات کریں اور عہد کریں
اپنے، اپنے گھر میں سب کو نور کی شمع جلانا ہے
ایک خدا اور ایک نبی ایک ہی اپنا قرآں ہے
سارے مسلم بھائی، بھائی سارے جہاں کو بتانا ہے
اپنے، اپنے مسلک پر چلنے والو چلتے جاؤ
غم ہو خوشی ہو یا کوئی مشکل مل کر ہاتھ بٹانا ہے
کبھی نہ ان کو دوست بنانا کافر ہوں یا مشرک ہوں
قرآں میں اللہ نے کہا ہے وعدہ ہم کو نبھانا ہے
مضبوطی سے تھامے رہنا اللہ کی رسی کو لوگو!
آخر اپنے گھر میں تم کو نور کی شمع جلانا ہے

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

نعت رسول مقبول

نگاہوں میں ایسے سمائے مدینہ
نظر کچھ نہ آئے سوائے مدینہ
مثال اس کی کون و مکاں میں نہیں ہے
ہیں سب سے حسیں جلوہ ہائے مدینہ
فضاؤں میں ہے جسمِ اطہرؐ کی خوشبو
مہکتی ہے جس سے صبائے مدینہ
جہاں ہر قدم پر ہو بارانِ رحمت
نہیں کوئی بستی سوائے مدینہ
منور تجلی سے ہوں میری آنکھیں
کچھ ایسے مناظر دکھائے مدینہ
مزہ ہو حضوری کا بھی جس میں شامل
اس انداز سے یاد آئے مدینہ
سجاتا رہے جو میری خلوتوں کو
وہ شہرِ تمنا بسائے مدینہ
محبت کی معراج ہو مجھ کو حاصل
ہر اِک اشک میں جھلملائے مدینہ
ہے دولت یہی میرے فکرو نظر کی
میرا فن ہے حافظ برائے مدینہ

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

اللہ کی رضا

اے مالک کائنات..... میری عزت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔
اور میری فکر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے..... اس لیے مجھے ویسا بنا دے جیسا تو چاہتا ہے۔ آمین

از: ایمان چوہدری..... فیصل آباد

خاموشی

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو درجہ خاموشی کی وجہ سے انسانوں کو ملتا ہے وہ ساٹھ برس کی نفل

Downloaded From http://paksociety.com

عبادت سے بہتر ہے۔''

از: لاریب، چونیاں

اللہ سے تجارت

جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آجاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرلیا کرو......(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

مصائب

مصائب گناہوں کا نتیجہ ہوتے ہیں اور گناہ گار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مصیبتوں کے نزول کے وقت واویلا کرے......(امام ابوحنیفہؒ)

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

گل

ابھی موسم نہیں ایسا کہ جب چاہو کھلا لو گل
میرا گل دان بننے تک ابھی اپنے سنبھالو گل
میں اس سے کس طرح کہتا ابھی دل تھام کے رکھو
کہ خوشبو تو بکھرتی ہے جہاں چاہے چھپالو گل
جہاں سر پر نچھاور ہو کے بھی مل جائیں مٹی میں
تم اس راہِ محبت میں بکھرنے سے بچالو گل
جو غنچہ پھول ہوجائے وہ پھر غنچہ نہیں بنتا
تم اپنے ہونٹ جب چاہو کرو غنچہ بنالو گل
کسی کی زندگی کانٹوں سے کیوں الجھی کسے پروا
وہ مرجائے تو پھر دستور ہے مرقد پہ ڈالو گل
تو کیا جشنِ بہاراں سرخرو اب اس طرح ہوگا
گر اپنے گل نہیں کھلتے تو اوروں کے چرالو گل
اب اس بہروپ سے رکھنی ہے لاج اپنی بہاروں کی
کہ من کانٹوں سے چھلنی ہو مگر تن پہ سجالو گل
ابھی تک کھا کے پتھر بھی ملامت کے جو بے حس ہے
وہ یوں شاید تڑپ اٹھے جو تم اس پر اچھالو گل
نہیں قسمت میں جب تک جلوۂ فصلِ بہار آصفؔ
خزاں آزردہ ذہنوں کے لیے لفظوں میں ڈھالو گل

شاعر: مرزا آصف رسول

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

رحمتیں

میں اداس ہوسکتا ہوں، دکھی ہوسکتا ہوں، رنجیدہ ہوسکتا ہوں مگر اے شیطان میں کبھی مایوس نہیں ہوسکتا، کیونکہ میرے رب کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔

از: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

گلاب کی خوشبو

آئی پھر سے گلاب کی خوشبو
ہر طرف ہے بہار کا جادو
سارا گلشن ہرا بھرا دیکھو
ہر شگوفہ نیا نیا دیکھو
نکھری، نکھری نسیم ہے اب تو
مہکی، مہکی شمیم ہے اب تو
ہر پرندہ ملہار گاتا ہے
کیسا دل پر نشہ سا چھاتا ہے
انؐ کی آمد کی دھوم ہے جگ میں
بس محبت کا نور ہے جگ میں
ہے درود و سلام کی محفل
یا خدا کے انعام کی محفل
آج کیسی ہے روشنی چھائی
گویا جنت زمین پر آئی
آج کی صبح کس قدر روشن
انؐ کی آمد سے کھل گئے گلشن
سارے طاغوت خوف سے بھاگے
زندگی کے نشان اب جاگے
دیکھو عالم پہ رحمتیں چھائیں
اس جہاں پر عنایتیں آئیں
وہ غریبوں کا ہم نوا آیا
رہ دکھانے کو رہنما آیا
چھا گیا آج روشنی بن کر
بے سہاروں کا آسرا بن کر
زندگی کی خراب ساعت میں
ظلم کی قہر کی قیامت میں

Downloaded From http://paksociety.com

نام اس کا ہوا ہے مرہم آج
درد، ہوتا ہے جیسے کم، کم، آج
آج روشن ہر ایک ساعت ہے
ان کی آمد کی سب عنایت ہے
لاکھ انؐ پر درود ہم بھیجیں
آؤ مل کر سلام ہم بھیجیں
مخفیِ نارسا کا جی چاہے
وقتِ آخر یہی گھڑی آئے

شاعرہ: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

ایک آزمودہ علاج

اگر آپ کے معدے میں جلن ہے تو رات کے وقت ایک گلاس میں آدھا پانی اور آدھا دودھ بھر کر فریج میں رکھ دیں۔ اور صبح جب اٹھ کر ٹھنڈا دودھ فریج سے نکال کر پینا چاہیں تو آپ کو معلوم ہو کہ وہ تو آپ کا چھوٹا بھائی پی کر اپنے دوستوں کے ساتھ میچ کھیلنے جا چکا ہے تو آپ کے معدے کی جلن ٹھیک ہو جائے گی...... ہاں ہونٹوں پر جلن ہو گی تو بے شک خوب گرج لیں...... مگر دودھ تو گیا...... تو اب مسکرائیں کہ کوئی بات نہیں دودھ کون سا اصلی تھا۔

شگفتہ، شگفتہ: از عظمیٰ آفاق

مرسلہ: طاہرہ، خوشاب

ورثہ

بیٹیاں بھی تو ماؤں جیسی ہوتی ہیں
ضبط کے زرد آنچل میں اپنے
سارے درد چھپا لیتی ہیں
روتے، روتے ہنس پڑتی ہیں
ہنستے، ہنستے دل میں اپنے رو لیتی ہیں
خوشی کی خواہش کرتے، کرتے
خواب اور خاک میں اَٹ جاتی ہیں
سو حصوں میں بٹ جاتی ہیں
گھر کے دروازے پر بیٹھی
امیدوں کے ریشم بُنتے......
ساری عمر گنوا دیتی ہیں

میں جو گئے دنوں میں
ماں کی خوش فہمی پر ہنس دیتی تھی
اب خود بھی تو...... عمر کی گرتی دیواروں سے ٹیک لگائے
فصل خوشی کی بوتی ہوں
اور خوش فہمی کاٹ رہی ہوں
جانے کیسی رسم ہے یہ بھی
ماں بیٹی کو ورثے میں
اپنا مقدر دے دیتی ہے

شاعرہ: نوشی گیلانی

مرسلہ: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

نظم

زندگی کے پُرپیچ راستوں میں
ہر قدم پر اک موڑ آتا ہے
دل ہزار کہتا ہے، اس طرف مڑ جاؤں
مگر ایک آواز آتی ہے اور کہتی ہے
اگر اس طرف تم ایک قدم بھی بڑھیں تو
ساری زندگی کے لیے
خوشبو اپنے چاہنے والوں کو کھو دو گی

شاعرہ: خوشبو نور محمد، کراچی

جواہرات سے قیمتی

☆ ضروری نہیں کہ کسی کی آہ یا بد دعا ہی تمہارا پیچھا کر رہی ہو بعض اوقات کسی کا ضبط اور بے پناہ صبر بھی تمہاری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ہو سکتا ہے۔

☆ انسان کو اپنی اوقات اس وقت پتا چلتی ہے جب اسے وہاں سے ٹھوکر پڑے جہاں اس نے سب سے زیادہ بھروسا کیا ہوتا ہے۔

☆ کسی کو معاف کر کے اچھے ضرور بنو مگر اس پر دوبارہ اعتبار کر کے بے وقوف مت بنو۔

☆ اپنے سوا کوئی بھی اپنا نہیں ہوتا، اپنی قدر کیجیے۔

از: ماہ زیب، چونیاں

زندگی

یہ جو زندگی کی کتاب ہے
یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے

Downloaded From http://paksociety.com

کہیں اِک حسین سا خواب ہے
کہیں جان لیوا عذاب ہے
کہیں آنسوؤں کی ہے داستاں
کہیں مسکراہٹوں کا بیان ہے
کہیں چہرے اس میں چھپے ہوئے
اِک عجیب سا یہ نقاب ہے
کہیں کھو دیا، کہیں پالیا، کہیں رولیا، کہیں گالیا
کہیں چھین لیتی ہے ہر خوشی
کہیں مہرباں بے حساب ہے
یہ جو زندگی کی کتاب ہے

از: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

بچھڑنے کا خوف

اتنا ٹوٹی ہوں کہ چھونے سے بکھر جاؤں گی
اب اگر اور دعا دو گے تو مر جاؤں گی
پھول رہ جائیں گے تو یونہی فقط گلدانوں میں
میں تو خوشبو ہوں ہواؤں میں بکھر جاؤں گی
اِک مسافر کی طرح ہوں میں تیری کشتی میں
تو جہاں مجھ سے کہے گا میں اتر جاؤں گی
ہاتھ پکڑو گے تو سایہ سا بنوں گی تیرا
ہاتھ چھوڑو گے تو پل بھر میں بچھڑ جاؤں گی

شاعرہ: فضیلہ اشتیاق فیضی
مرسلہ: کرن ناز، کھاریاں

وجہ

ایک بزرگ اپنا موبائل مرمت کرانے لے گیا۔
دکاندار نے چیک کرنے کے بعد کہا۔
''بابا جی اس میں تو کوئی نقص نہیں۔'' بزرگ ہلکی سی مایوسی اور آہستگی سے بولے۔
''تو پھر میرے بچوں کی کال کیوں نہیں آتی۔''

از: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

خوشی

آدمی: ''سر میری بیوی کھو گئی ہے۔''
ڈاکیا: ''یہ پوسٹ آفس ہے پولیس اسٹیشن نہیں ہے۔''
آدمی: ''معذرت چاہوں گا۔ کیا کروں یار......

کہاں جاؤں۔ خوشی کے مارے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

از: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

فریب

لفظوں میں سوچتی ہوں زہریلے رنگ بھر دوں
روحوں کی سرزنش سے اعلانِ جنگ کر دوں
اور اوڑھ لوں تکبر، شیطاں کو مات کر دوں
بن جاؤں اِک شکاری دنیا کو گھات کر دوں
تب ہی رہوں گی رہبر، گفتار جو جھوٹ کر دوں
دریا یہ کرلوں قبضہ پانی کو گھونٹ کر دوں
جھوٹا رکھوں تبسم، پیراہن کو خاک کر دوں
دے کے فریب خود کو دامن بھی چاک کر دوں
کیسے کروں دکھاوا، کیسے میں چلن بدل دوں
انگاروں کی دوستی کو کیسے چمن میں کر دوں

کاوش: طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی

اِک لڑکی تھی

اِک لڑکی تھی انجانی سی
پاگل سی بھولی سی، دیوانی سی
اپنی ہی دنیا میں رہا کرتی تھی
اِک سراب کے خواب بُنا کرتی تھی
ہنستے میں رویا کرتی تھی
رونے میں ہنسا کرتی تھی
کبھی لگتا تھا کوئی دماغی مریضہ تھی
کبھی خود سے لاپتا ہر مرض کی دوا تھی
اِک لڑکی تھی انجانی سی

شاعرہ: مہر النسا، کراچی

قسمت

خوش قسمتی اور بدقسمتی میں معمولی سا فرق ہے
خوش قسمتی آپ کے دروازے پر ایک بار دستک دیتی ہے جبکہ بدقسمتی اس وقت تک دستک دیتی ہے جب تک دروازہ کھل نہ جائے۔

مرسلہ: فردوس شازیہ، لاہور

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

جلترنگ

انجم انصار

ایک سے بڑھ کر ایک

خاندان بھڑوں کے چھتے جیسا بڑا ہوا اور اس پر حلقۂ احباب بھی وسیع ہو تو ہر وقت کا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

اور ایسے ہی کسی گھرانے میں اگر کوئی شادی آجائے تو تقریب والے گھر کی ہر بات پھول بن کر کھلتی ہے اور اینٹ بن کر ٹوٹتی ہے۔

اب جمال آپا کی شادی کا ارمان سب کو ہی تھا یوں بھی یہ گھر کی پہلی، پہلی شادی تھی۔ گھر کے لوگ خاندان بھر کی شادیوں میں نیوتے دے کر نڈھال سے آتے تھے اور جمال آپا اپنے بالوں میں مختلف قسم کے ہیئر کلرز اور مہندیاں لگا کر تھک چکی تھیں۔ جب سے انہوں نے یہ سنا تھا کہ جو لڑکیاں سیدھی مانگ نکالا کرتی ہیں ان کی شادیاں نہیں ہوا کرتیں تو انہوں نے سیدھی مانگ تو کیا آڑھی مانگ نکالنا بھی بند کر دی تھی اور بڑے ابا کی طرح اوپر کی طرف بال کر کے چوٹی گوندھ لیتی تھیں۔

اماں کے وظیفے رنگ لائے تھے یا آپا کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن بہر حال ان کا رشتہ پروفیسر ریاض سے طے ہو گیا تھا جو چشمے سمیت سب کو پسند آئے تھے۔

اب اللہ نے جمال آپا کا مقدر کھولا تو بڑے ارمان سے اماں نے سب کو شادی کے کارڈز ارسال کرنے سے پہلے خطوط بھی لکھ دیے حالانکہ اماں کا مزاج اور اخلاق کے ذائقے کریلے جیسے سمجھے جاتے تھے مگر ان کے خطوط کی عبارت شہد جیسی تھی، اپنی جان کی قسما قسمی تک کی گئی تھی۔

وہ رشتے دار جن کو کبھی رغبت سے سلام کرنے کو دل نہیں چاہا، ان کو بھی بلاوے کے خطوط ارسال کر دیے گئے تھے۔

مرے پر سو درے اور کہ خط پڑھتے ہی لوگ باؤلے بھی ہو گئے...... خطوط کی عبارت میں یہاں تک لکھ دیا گیا تھا کہ اگر تم لوگ نہیں آئے تو مرے منہ میں میری شکل نہ دیکھنا لوگ چونکہ دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ سب آگئے۔

ٹنڈو آدم سے بڑی خالہ اپنی بہوؤں سمیت آگئیں۔

چیچو کی ملیاں سے دونوں چچیاں آگئیں۔

میر پور خاص سے خاص طور سے... پھپھو اپنی دیور کی لڑکیوں کو لے کر آگئیں۔

پنڈی میں شدو خالہ کو خط ہی لکھا تھا وہ تار سمجھ کر اپنے کرائے داروں کے دو بچوں کو بھی لے کر آگئیں کہ آؤ تمہیں کراچی والوں کی شادی دکھا کر لاؤں۔

دیگر شہروں سے روز فون پر فون آرہے تھے کہ ہم کب تک پہنچیں، ہماری بیٹیوں نے گانوں کی کاپی تیار کر لی ہے جمال آپا کی شادی میں گائیں گی۔

بڑے تایا کی بیٹی نے فون پر یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مہندی کی رات ایسا دھمال ڈالیں گی کہ لڑکے والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔

تارا آپی کا فون سن کر ستار بھائی کے ہاتھ پاؤں پھول سے گئے اور لگے وہ اماں کو غصہ دکھانے......

''یہ آپ نے خط میں کیا لکھ دیا کہ تارا یہاں آکر پاگل پن کے مظاہرے کرنا چاہتی ہے۔''

''ارے تو کیوں پاگل ہو رہا ہے، تمہارے پورے ددھیال والے ساری زندگی ایسے ہی مظاہرے کرنے کے عادی رہے ہیں۔'' اماں ہر برائی کو کسی نہ کسی

Downloaded From http://paksociety.com

طرح گھسیٹ کر اپنی سسرال کی طرف لے جانے کی ہمیشہ کوشش کیا کرتی تھیں۔

مہمانوں کو وقت سے پہلے آتا دیکھ کر اماں کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

''اے لو یہ تو سب ہی چلے آ رہے ہیں بڑی آپا کی نواسی کی نند کو تو میں نے بھی ایسے ہی خط لکھ دیا تھا پتا تھا کہ وہ آئیں گی تھوڑی۔'' اماں، ابا کے غصے کے سامنے صفائیاں دیتی نظر آئیں۔

''شوکت آرا جب تم اپنی جہالت کا پکا، پکا ثبوت دو گی اور ہرایرے غیرے کو اتنی محبت سے بلاؤ گی تو سب کھانے کے چکر میں چلے آئیں گے۔'' یوں بھی ابا کو ہماری ننھیال سے ازلی بیر تھا۔ دراصل ہمارے نانا میاں نے ان کو سلامی بہت کم دی تھی اور وہ اپنی اس بےعزتی کو آج تک بھلا نہ پائے تھے۔

''اللہ بڑے ماموں کی کمر میں سخت تکلیف ہے، وہ زمین پر نہیں سو سکتے۔''

''چھوٹی خالہ! جاڑے میں گٹھیا کی مریضہ ہیں، ان کے لیے بھی پلنگ چاہیے، وہ زمین پر فرشی دری پر بچھی چاندنی پر نہیں لیٹ سکتیں۔''

''سردیوں میں بڑی خالہ کی نند کے ہاتھ پیر سوج جاتے ہیں، ان کو پلنگ کے ساتھ لحاف بھی دو چاہئیں......'' اماں ہولنے سے زیادہ ہولانے کی بھی قائل تھیں۔

''یہاں مہمانوں کے لیے فی کس ایک لحاف نہیں ہورہا ان لاٹ صاحبان کو دو، دو چاہئیں کیا ضرورت تھی انہیں کارڈ بھیجنے کی......'' ابا جی دہاڑے۔

''اب کارڈ بھیجتے ہوئے یہ تو نہیں سوچا جاتا کہ کن، کن افراد کو سردی کم لگتی ہے، کن کو زیادہ۔'' اماں کا غصہ برملا تھا۔

''مگر پریشان کُن مہمانوں کا طوق گلے میں ڈالنے کو کس نے کہا تھا؟'' ابا جی بھی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔

''شادیوں میں تمام عزیزوں کو پوچھا جاتا ہے ورنہ رشتے داروں اور غیروں میں فرق بھی کیا رہ جاتا ہے۔'' اماں نے اپنے جملے کے اختتام پر دادی اماں کو یوں دیکھا جیسے کمک آنے کی قوی امید ہو۔

''ہاں، ہاں شوکت دلہن بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں تو کہہ رہی ہوں میری غوثیہ کو بھی بلا لو وہ بیچاری اپنے چاروں بچوں کو لے کر ایک رضائی میں سو جائے گی مگر اس کو کسی نے کارڈ ہی نہیں بھیجا۔'' دادی اماں نے اپنی سوتیلی بہن کی نواسی کے حق میں آواز بلند کی......

''نہیں، نہیں غوثیہ کو ہرگز نہیں بلانا۔'' ہم سب بہنیں ایک ساتھ چیخیں......

''کیوں بھئی......؟ معصوم بچی نے ایسا کیا بگاڑ لیا ایسی نفرت کیوں......'' دادی اماں کو غصہ ہی تو آ گیا۔

''غوثیہ کام چور بہت ہے وہ چاہتی ہے کہ اس کے کام بھی ہم سب لوگ کر کے دیں۔'' میں نے رسان سے سمجھایا۔

''اے لو یہ کیا بات کہہ دی تم نے۔'' اب لگیں دادی اماں ہنسنے۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے غوثیہ واقعی ہڈ حرام سی ہے۔''

''غوثیہ نہیں ہر مہمان ہی ایسا ہوتا ہے کہ جہاں وہ جائے اپنے ہاتھ پیر چھوڑ کر پڑ جائے اور اس کا خیال ایسا کیا جائے جیسے وہ کوئی مریض ہو۔''

''لو پانی پی لو۔''

''یہ لو کھانے کی ٹرے......''

''کھانا کھا کر ٹرے وہیں رکھ دیجیے گا ہم آ کر اٹھا لیں گے۔''

''اے ہے......اٹھی کیوں، یہ لو تولیا منہ پونچھ لو۔''

''نہیں بھئی، اٹھو مت یہ تمہارے سرہانے ہی تو رکھا ہوا ہے اگال دان۔'' بڑی بھانجی نے گھر آتے ہوئے مہمانوں کا نقشہ بھی جھٹ کھینچ ڈالا۔

''ارے قسمت والوں کے ہاں آتے ہیں مہمان یہ بدنصیبوں کے ہاں کوئی نہیں آتا جو آتا ہے، اپنے نصیب کا کھاتا ہے تو مہمانوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں

Downloaded From http://paksociety.com

بس سردیاں ہیں اور گھر میں پلنگ کم ہیں اس لیے تھوڑی سی پریشانی ہوگئی ہے۔''

''ورنہ یہ شادی اگر گرمیوں میں ہوتی ہے تو پھر میرے ہاں مہمان اتنے زیادہ ہوتے کہ اتنے تو ابھیشیک اور ایشوریا کی شادی میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔''

''ہاں شوبز کا گھرانا ہے ناں۔'' اماں کی بات پر بڑے بھیا ہنس کر بولے۔

''کیوں نہیں، تمہاری پوری ننھیال میں ایک سے بڑھ کر ایک اداکار موجود ہے۔'' ابا جی بھی جملہ مارنے سے کہاں چوکتے تھے۔

اور اماں، ابا جی کو گھور کر ہی رہ گئیں کہ اس وقت بڑی پھپو آئی ہوئی تھیں اور اماں ان کے سامنے کوئی بھی فضیحتا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

ان دنوں حیرت کی بات یہ تھی کہ جمال آپا کی شادی کے مسائل سے زیادہ مہمانوں کے مسائل پر زیادہ گفتگو ہو رہی تھی۔ جبکہ مہمانوں کے آنے سے پہلے گفتگو کا رنگ کچھ اس طرح کا۔''

''پہناوُنی کے جوڑے گھٹیا ہونے چاہئیں۔''

''کسی بھی نند کو جوڑے دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''سسر کو شیروانی کا کپڑا دینے کے بجائے شوگر ٹیسٹ کرنے کا آلہ دے دو۔''

''جو چیز لڑکے والوں کے ہاں نہیں ہے، وہ نہیں دینی چاہیے تاکہ ہماری جمال کا سامان اس کے گھر والے استعمال نہ کر سکیں۔''

''نئی دلہن کو کم از کم ہفتے بھر اپنے کمرے سے نہیں نکلنا چاہیے اور نہ ہی بہت جلد ہر کسی سے فری ہونے کی ضرورت ہے۔''

''بڑی بھابی کی سلمیٰ کے بچے بیمار رہتے ہیں بڑا والا تو سانس کا مریض ہے گھر میں ہنگامی ادویات لاکر رکھو......''

''قیصر گائے کا گوشت نہیں کھاتی ہائے وہ دکھیا کیا کھائے گی۔''

''نسرین کو چھینکوں کی بیماری ہے اس کو ٹوکنا نہیں ورنہ اس کی چھینک پھنس جائے گی۔''

''زہرہ لال رنگ سے الرجی ہے، اس کے سامنے کوئی یہ رنگ نہ پہنے ورنہ وہ لڑنے مرنے پر اتر آئے گی۔''

''شوکت آرا تمہارے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے اور ایسے لوگوں کو بلایا نہیں جاتا بلکہ تقریب کے بعد یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے تو آپ سب کو کارڈ پوسٹ کیے تھے...... حیرت ہے آپ لوگ نہ آئے اور...... معذرت کی.....'' کیا ایسا آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

مگر اماں کی سب سے بے نیاز اپنی کمنٹری بدستور جاری تھی۔''

''عقیل چائے بہت پیتا ہے۔''

''لڈن خالو پان کے ساتھ تمبا کو اور قوام بھی کھاتے ہیں اور پان بھی انہیں لال ڈنڈی والے سانچی چاہئیں......اگر کوئی راج شاہی پان لے آیا تو وہ اکھڑ کر آجائیں گے غصے میں ہاں......''

''منصور روزانہ انگریزی اخبار پڑھتا ہے باتھ روم بھی اس کو ولایتی چاہیے۔''

''شفیع کی بیوی اچھی عادتوں کی ہے مذاق کی بات کا بھی برا مان جاتی ہے کوئی اس سے زیادہ بات نہ کرے......''

''شاہد کی بیوی ہونق ہے بھولنے کی عادت بھی ہے اور ڈراما بھی بہت کرتی ہے ذرا ذرا سی دیر بعد کہے گی۔ ارے میری فلانی چیز کھوگئی ارے میری ڈھمکی چیز کھوگئی خواہ مخواہ میزبان چور بنیں گے۔''

اور پھر آخری بات یہی ہے کہ پھوپی کے گھر سے پلنگ نہیں آئے۔

''چلو جاؤ اور بڑی آپا سے کہو کہ پلنگ بھجوا دیں۔'' ابا جی نے کہا تو اماں نے نوکر فوراً ہی دوڑا دیا۔

''پھپو جی کہہ رہی ہیں پلنگ تو ہمارے پاس آٹھ ہیں مگر وہ سارے کے سارے بیکار.... پڑے ہوئے

Downloaded From http://paksociety.com

ہیں۔کوئی کھٹ بنا آئے تو ان کے گھر بھجوا دینا چار پلنگوں کے پایوں پر زنگ لگ گیا ہے اس پر وہ روغن کروا کے بھیجیں گی۔“

”اے لو کھٹ بنا.....(پلنگ بننے والا) کب آتا ہے۔ میں نے تو دو سال سے اس کی آواز نہیں سنی.....“ اماں نے پھپوؤں کو سنایا۔

”اے ہے، تمہیں پتا ہی نہیں..... ہر دوسرے تیسرے دن آتا ہے بس تم اس کی آواز پر کان رکھو.....تم بھجوا دینا..... میں پلنگ صاف ستھرے کر کے بھیج دوں گی۔“

”واقعی پھپو.....!“ آپا نے ملتجی سے لہجے میں پوچھا۔

”ارے میری جان.....! کیوں نہیں بھیجوں گی۔ کوئی قبر میں لے کر تھوڑی جاؤں گی۔“

”میں تو صبح ناشتا کر کے جو سوتی ہوں تو ظہر کے وقت اٹھتی ہوں۔ کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ کون آیا، کون گیا.....“ اب پھپو تسلی کے پھائے رکھتے ہوئے آپا کا ماتھا علیحدہ چوم رہی تھیں۔

اور پھر واقعی اگلے دن کھٹ بنا آ گیا.....اماں نے آواز بھی سن لی..... نوکر کو دو درجن گالیوں سے ایسا الرٹ کیا کہ وہ اسے دوڑا کر پھپو کے گھر پہنچا کر بھی آیا اور سوتی ہوئی پھپو کو اٹھا کر بھی آیا۔ (جاتے وقت اس کو تنبیہہ کر دی گئی تھی)

شام کو خیال تھا کہ پلنگ اب آئے کہ تب آئے..... مگر پلنگ نہیں آئے..... اماں نے فون کر کے ان کی بہو کو یاد دہانی کرائی تو اس کے جواب میں پھپو خاصی ناراض سی آئیں۔

چائے کا کپ بھی ناگواری سے پیچھے کر دیا..... اماں کا پاندان بھی بے رغبتی سے دور دھکیل دیا اور انتہائی ترش سے لہجے میں اماں سے بولیں۔

”شوکت دلہن! میرے گھر کو کیا اپنے بھائیوں کا گھر سمجھ لیا تھا تم نے۔“

”اے لو.....! وہ کیوں سمجھوں گی..... میرے بھائی ہزار گز کے مکانوں میں رہتے ہیں اور آپ کا تو پانچ سو گز کا بھی نہیں ہے۔“ اماں نے تمسخر سے ہنستے ہوئے کہا۔ ”شاید ایک سو بیس گز کا کوٹھا ہے جسے تم کوٹھی کہتی ہو۔“ (اماں اپنے معاملات میں اپنی ہیٹی کہاں برداشت کرتی تھیں)

مگر پھپو سنی ان سنی کرتے ہوئے یوں گویا تھیں۔

”اے بی.....! ایمانداری کی کمائی آتی ہے میرے گھر..... کس ذلیل کھٹ بنے کو میرے گھر بھجوا دیا تھا۔ وہ منحوس ایک پلنگ کی بنائی ایک، ایک ہزار روپے مانگ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ مونجھ کا بان بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ تم کیا چاہتی ہو کہ میں اپنے ہزاروں روپے صرف پلنگ بنوانے میں خرچ کر دوں جو نہ کسی گنائی میں نہ چنائی میں..... پاگل سمجھ رکھا ہے؟ باؤلی نظر آتی ہوں؟ کیا کسی پاگل کتے نے مجھے کاٹا ہے؟ پیسہ ابل رہا ہے میرے پاس.....؟ حرام کی کمائی آ رہی ہے میرے پاس؟ یا تم مجھے کچھ دے کر بھول گئی ہو؟ میں نے اپنی چار بیٹیاں بیاہیں، اتنا تو تم نے کبھی نیوتا تک نہیں دیا اور میں ہزاروں روپے یونہی بہا دوں جو نہ کسی آتے میں نہ کسی کے کھاتے میں۔“ ان کے طعنے پتھروں کی طرح لگ رہے تھے اور ہم سب لہولہان سے گم صم سے بڑی پھپو کی شکل دیکھ رہے تھے کہ بات کیا تھی اور انہوں نے کیا کر دی تھی۔

اگر انہوں نے پلنگ نہیں دینے تھے تو کیا کسی اور مہذب طریقے سے وہ انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ بڑی بھابی نے ہنس کر بعد میں یہاں تک کہا تھا کہ اگر تمہاری پھپو یہی کہہ دیتیں کہ پلنگوں میں کھٹمل ہیں تو ہم نے کون سے کھٹمل والے پلنگ لے کر آنے تھے۔

شاید وہ یہ سمجھتی ہوں گی کہ ہم ہر حال میں وہ ضرور اٹھائیں گے جب ہی تو انہوں نے کھٹملوں کا بھی بودا سا بہانہ نہیں رکھا..... اب اگر اماں یہ کہتی ہیں کہ ہماری ددھیال والے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں تو کون سا غلط کہتی ہیں۔

☆☆☆

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

Downloaded From http://paksociety.com

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆حمنیٰ قندیل......کمالیہ

ادب نے دل کے تقاضے اٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا
پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

☆سلیمہ شاہین......ٹنڈو محمد خان

کچھ لوگ جی رہے ہیں شرافت کو بیچ کر
تھوڑی بہت انہی سے شرافت خریدیے

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

لُوٹ کچھ ایسی مچی تھی دن دیہاڑے شہر میں
کل سپیروں سے بھی سانپوں کے پٹارے چھن گئے
لُٹ گئے بازار میں میرے بھی سب پتھر کے چاند
اس کے ہاتھوں سے بھی مٹی کے ستارے چھن گئے

☆ممتاز خانم......کراچی

خلوصِ دل تو بڑی چیز ہے ہمیں تو یہاں
وہ لوگ کم ہی ملے جو کہ مہرباں سے لگے

☆لاریب......چونیاں

ہم کو تنہا، تنہا چھوڑ کے کس نگری کو چلتے ہو
چپ چپ چلنے والے لمحوں ٹھہرو ہم بھی چلتے ہیں

☆ماہ زیب......چونیاں

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے

☆صدف نورین......لاہور کینٹ

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

☆زرینہ مشتاق......منڈی بہاؤالدین

یہ سال بھی گزرا ہے تیرے پیار کے مانند
آتے ہوئے کچھ اور تھا جاتے ہوئے کچھ اور

☆شبنم کنول......گاؤں پاپانگری

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

☆ناظمہ شاہین......واہ کینٹ

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر

☆تسنیم کوثر......کراچی

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

☆ایمان چوہدری......فیصل آباد

لوگ مہنگائی کو روتے ہیں مگر حیرت ہے
کچھ بھی کرتے نہیں انسان کی ارزانی پر

☆زرینہ خان......بہارہ کہو

یہ دیواریں کسی کی منتظر ہیں
یہاں ہر سمت کیلینڈر ملیں گے
کوئی چالاک پانی پی گیا ہے
گھڑے میں اب فقط کنکر ملیں گے

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر

آواز کے ہمراہ سراپا بھی تو دیکھوں
اے جانِ سخن میں تیرا چہرہ بھی تو دیکھوں
یہ کیا کہ وہ جب چاہے مجھے چھین لے مجھ سے
اپنے لیے اس شخص کو تڑپا بھی تو دیکھوں

☆کائنات عبدالحلیم......میرپور خاص

بات چلی تو نیل گگن سے تارے توڑے لوگوں نے
کام پڑا تو آنکھ چرالی جان سے پیارے لوگوں نے

Downloaded From http://paksociety.com

☆یاسمین کنول......پسرور

لوگ بدلے ہیں رُت بھی بدلی ہے
اب وہ پہلے سی زندگی ہی نہیں
ان سے ملنے کی آس ہے دل میں
جن سے پہلے کبھی ملی ہی نہیں

☆توقیر ہاشمی......منڈی بہاؤالدین

اِک پل بغیر دیکھے اسے کیا گزر گیا
ایسے لگا کہ جیسے زمانہ گزر گیا
سب کے لیے بلند رہے ہاتھ عمر بھر
اپنے لیے دعاؤں کا لمحہ گزر گیا

☆رعنا امان اللہ......سرگودھا

وہ جیسے تتلیاں سی اُڑ رہی ہوں پھول خوشبو پر
تمہاری یاد میں اکثر یوں پل ہم نے گزارے ہیں
وہ خوشبو اب بھی آتی ہے فضا میں پھیل جاتی ہے
وہ منظر خواب بن کر بھی ہمیں تو اتنے پیارے ہیں

☆ارم کمال......فیصل آباد

کیسے جی سکتے اگر پل، پل کا کرتے احتساب
زیست کی خاطر بہت کچھ درگزر کرنا ہی تھا

☆یاسمین رشید......کراچی

خشک پتوں پہ ذرا پاؤں سنبھل کر رکھنا
دیکھنا شور ہواؤں میں بکھر جائے گا

☆مہرین ضیا بنگش......کیماڑی

صہبا سدا بہار ہے یہ گلستانِ فن
ممکن نہیں زوال، سخن کے کمال کو

☆صائمہ سجاد......کوہاٹ

وہ کیسا نغمۂ بے باک تھا جسے سن کر
طواف کرنے قفس کا بہار آئی تھی
مرے چمن کی بھی تقسیم اس طرح ہوگی
یہ بات ذہن میں شاہد کبھی نہ آئی تھی

☆سلمیٰ عمر......کھارادر، کراچی

موتی تو نہیں تھے کوئی پلکوں سے جو چنتا
ہم آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسو کی طرح تھے

خالد ہمیں دنیا نے سمجھا ہی نہ چاہا
گیا ہم کسی الجھے ہوئے گیسو کی طرح تھے

☆عظمیٰ زاہری......اوستہ محمد

آدمی نے خدا تراشے ہیں
ورنہ پتھر تو صرف پتھر تھے

☆نگہت اعوان......سرگودھا

رشتۂ عشق سلامت ہے تو ایسا بھی تو ہو
ہم تو اس کے ہیں، کسی دن وہ ہمارا بھی تو ہو

☆نیلوفر خان......بہارہ کہو

دل و جگر ہیں کہ گرمی سے پگھلے جاتے ہیں
کوئی چراغِ تمنا جلا کے بھول گیا

☆فرح طاہر قریشی......ملتان

کھوئی ہوئی ہوں اس قدر اپنی تلاش میں
موجود ہوں جہاں، وہاں اکثر نہیں ہوں میں

☆کوثر خورشید......یو کے

کچھ اہلِ گلستاں نے مجھے بخشے ہیں کانٹے
کچھ مجھ کو الجھ جانے کی عادت بھی بہت ہے

☆حمیرا اقبال......کراچی

کچھ لوگوں کو ٹھوکر کھا کر سمجھ آتی ہے
کوئی پتھر تو سرِ راہ پڑے رہنے دے

☆عائشہ اقبال......کراچی

وقت کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

☆زرینہ علی......بھکر

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

☆آسیہ شاہین......چوآسیدن شاہ

وہ ملا تو برسوں بعد بھی
میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
اسے میری چپ نے رُلا دیا
جسے گفتگو میں کمال تھا

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

منتخب غزلیں

ماہِ مارچ معروف شاعر افتخار عارف کا جہاں پیدائش کا مہینہ ہے وہیں انقلابی فکر کے حامی شاعر حبیب جالب کا ماہِ پیدائش بھی ہے اور ماہِ وفات بھی۔ اسی مناسبت سے ان دونوں شعرا کو خراجِ تحسین بھیجنے کی غرض سے ان کا کلام حاضر ہے۔

محبت کی رنگینیاں چھوڑ آئے
ترے شہر میں اِک جہاں چھوڑ آئے
پہاڑوں کی وہ مست شاداب وادی
جہاں ہم دلِ نغمہ خواں چھوڑ آئے
حسیں پنگھٹوں کا وہ چاندی سا پانی
وہ برکھا کی رُت وہ سماں چھوڑ آئے
بہت دور ہم آگئے اس گلی سے
بہت دور وہ آستاں چھوڑ آئے
بہت مہرباں تھیں وہ گلپوش راہیں
مگر ہم انہیں مہرباں چھوڑ آئے
یہ اعجاز ہے حسنِ آوارگی کا
جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے
چلے آئے ان راہ گزاروں سے جالبؔ
مگر ہم وہاں قلب و جاں چھوڑ آئے

کلام : حبیب جالب
(24 مارچ 1928ء - 13 مارچ 1993ء)

آسمانوں پر نظر کر انجم و مہتاب دیکھ
صبح کی بنیاد رکھنی ہے تو پہلے خواب دیکھ
ہم بھی سوچیں گے دعائے بے اثر کے باب میں
اِک نظر تُو بھی تضادِ منبر و محراب دیکھ
دوش پر ترکش پڑا رہنے دے، پہلے دل سنبھال
کیسی کیسی بستیاں آتی ہیں زیرِ آب دیکھ
بوند میں سارا سمندر آنکھ میں کُل کائنات
ایک مُشتِ خاک میں سورج کی آب و تاب دیکھ
کچھ قلندر مشربوں سے راہ و رسمِ عشق سیکھ
کچھ ہم آشفتہ مزاجوں کے ادب آداب دیکھ
شب کو خطِ نور میں لکھی ہوئی تعبیر پڑھ
صبح تک دیوارِ آئندہ میں کھلتے باب دیکھ
افتخارؔ عارف کے تند و تیز لہجے پر نہ جا
افتخارؔ عارف کی آنکھوں میں اُلجھتے خواب دیکھ

کلام: افتخار عارف
(21 مارچ 1944ء)

Downloaded From http://paksociety.com

خوش ذائقہ — پاکیزہ بہنیں

قیمہ اور بڑی ہری مرچیں

اشیا: قیمہ، ایک کلو۔ مرچیں آدھا کلو، تیل حسبِ ضرورت، دہی، ایک پاؤ۔ پیاز، چار عدد.... باریک کاٹ لیں۔ لہسن، ایک پوتھی۔ پسا ہوا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ ہرا دھنیا، ہری مرچ، سجاوٹ کے لیے۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: پہلے مرچیں لمبائی یا گولائی میں کاٹ کر انہیں تل کر سرخ کر کے رکھ لیں۔ پیاز گولڈن کر کے اس میں پھر قیمہ مع مسالا، دہی ڈال کر خوب اچھی طرح بھونیں جب قیمہ گل جائے تو اس میں تلی ہوئی مرچیں مع گرم مسالا اور کٹا ہوا دھنیا ڈال دیں اور پانچ منٹ تک دم دیں پھر چولھے سے اتار لیں۔ گرم، گرم نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

زرینہ مشتاق۔منڈی بہاؤالدین

مٹن کُنّا

اشیا: گوشت، بونگ کا آدھا کلو، سونف، پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ، پیاز، دو سے تین عدد (باریک کٹی ہوئی)۔ جائفل، آدھا چائے کا چمچ، پسی ہوئی۔ ادرک، آدھا چائے کا چمچ (پسا ہوا)۔ لہسن، ایک چمچ (پسا ہوا)۔ آٹا، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لونگ، چار عدد۔ الائچی، دو عدد۔ لال مرچ، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ پانی، تین گلاس۔

ترکیب: ایک دیگچی میں چار گلاس پانی آدھا ادرک، لہسن اور نمک ڈال کر گوشت گلنے کے لیے رکھ دیں۔ ایک الگ دیگچی میں پیاز کو ہلکا براؤن کر لیں اور اس میں بھی لہسن، ادرک کا پیسٹ، لال مرچ اور نمک ڈال کر مسالا اچھی طرح بھون لیں۔ یخنی میں سے گوشت نکال کر وہ بھی مسالے میں شامل کر لیں۔ لونگ، الائچی، جائفل اور سونف پیس کر مسالے میں ملائیں اور بچی ہوئی یخنی میں آٹا گھول کر وہ بھی سالن میں ملا دیں اور پندرہ منٹ تک پکائیں۔ مٹن کُنّا نان کے ساتھ سرو کریں۔

عروبہ ناز۔کوٹلی

بھوپالی اچار گوشت

اشیا: گوشت، ایک کلو۔ ٹماٹر، تین سے چار عدد۔ زیرہ سفید، ایک چائے کا چمچ۔ سونف، ایک چائے کا چمچ۔ رائی، ایک چائے کا چمچ۔ کلونجی، آدھا چائے کا چمچ۔ پسا دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ دہی، آدھا پاؤ۔ پیاز، چار عدد بڑے سائز کی (پسی ہوئی)۔ ادرک، لہسن کا پیسٹ، دو چائے کا چمچ۔ قصوری میتھی، ایک کھانے کا چمچ۔ ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ ہری مرچ، چھ عدد۔ نمک، ایک چائے کا چمچ۔ لیموں کا رس، آدھا کپ۔ گھی، ایک کپ۔

ترکیب: گوشت کو ادرک اور لہسن کے پیسٹ کے ساتھ پانی میں ابال لیں۔ اب گھی گرم کر کے اس میں پسی ہوئی پیاز شامل کریں پھر اس میں زیرہ، سونف، رائی، کلونجی، نمک، قصوری میتھی، ہلدی ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں ٹماٹر اور گوشت ڈال لیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو دہی، ہری مرچ اور لیموں کا رس ڈال کر دس منٹ تک پکائیں۔ جب سالن گھی چھوڑ دے تو آخر میں ہرے دھنیے سے گارنش کریں۔ مزے دار بھوپالی اچار گوشت کھانے کے

Downloaded From http://paksociety.com

لیے تیار ہے۔

سنبل ملک اعوان۔شاہدرہ

چنے کی دال کا بُھرتا

اشیا: چنے کی دال، آدھا کلو۔ پیاز، دوعدد۔ تیل، حسبِ ضرورت۔ سرخ مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ۔ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ ہرا دھنیا، پودینہ ہری مرچ، سجاوٹ کے لیے۔

ترکیب: پہلے دال، نمک، مرچ اور ادرک کو ابال لیں پھر ان تینوں کو پیس لیں۔کڑاہی میں گھی گرم کریں اور پیاز کے گول موٹے، موٹے لچھے اس میں ڈال دیں۔ جب پیاز نرم ہوجائے تو اس میں پسی ہوئی چنے کی دال ملا دیں۔ اور اب اسے خوب بھون لیں۔ جب اچھی طرح بھن جائے تو اتار کر اس میں پسا ہوا گرم مسالا اور کٹا ہوا ہرا دھنیا اور ہری مرچ ملا دیں۔ اسی ترکیب سے آلو اور بینگن کا بھرتا بھی تیار کیا جاسکتا ہے۔اس بھرتے کو مزید استعمال میں لانے کے لیے روٹی میں ڈال کر پکایا جاسکتا ہے جسے بھری روٹی یا بیرئی پراٹھا کہتے ہیں۔ہلکی بارش اور بوندا باندی ہورہی ہو تو اس موقع پر گرم، گرم روٹی یا پراٹھا کھانے کا لطف بھی بڑا غیر معمولی ہے۔

گاجر کا حلوا

اشیا: شکر، آدھا کلو۔ گھی، ایک پاؤ۔ بادام کی گری، ایک چھٹانک۔ گاجر، آدھا کلو۔ کھویا، آدھا پاؤ۔ زعفران یا زردرنگ، چٹکی بھر۔

ترکیب: سب سے پہلے گاجروں کو چھیل کر بیچ کا سفید حصہ نکال کر پانی یا دودھ میں ابال کر پیس لیں۔ پھر گھی میں الائچی کڑکڑا کر ہلکی آنچ پر ان ابلی ہوئی گاجروں کو مع کھوئے کے بھونیں۔ جب خوشبو آنے لگے تو اتار لیں۔ اگر سخت بنانا ہو تو شکر کا گاڑھا قوام کر کے اس میں پکائیں ورنہ یوں ہی شکر ملا کر پکالیں۔ آخر میں زعفران پیس کر ملا دیں اور بادام کی ہوائیاں کاٹ کر چھڑک دیں۔مزیدار حلوا تیار ہے۔

ایلیا شیراز۔کراچی

اورنج ڈیلائٹ

گرمیوں میں تو آپ مینگو ڈیلائٹ سے لطف اندوز ہوتے ہے پر سردیوں میں موسمی پھل، مالٹے، کینو سنگترے اور موسمی سے بنے اورنج ڈیلائٹ سے فیض یاب ہوں۔

اشیا: موسمی یا میٹھے مالٹے دو درجن، سرخ پھانکوں والے مالٹے چھ، عدد۔ ونیلا کسٹرڈ، گاڑھا گاڑھا سا ایک ڈونگا تیار کرلیں۔(کسٹرڈ نہ بنا پائیں تو چار چمچ کارن فلاور لے لیں) چینی، ایک کپ، ملک پیک، کریم دو عدد۔اورنج جیلی ایک پیکٹ خوب اچھی سی جمالیں۔

ترکیب: گاجر اور سیب کے جوسر میں موسمی اور مالٹوں کا جوس نکالیں تاکہ گاڑھا، گاڑھا نکلے...... اگر بیج آجائیں تو چمچ سے نکالیں یا موٹی جالی سے چھانیں تاکہ گودا ضائع نہ ہو۔ایک ساس پین میں آدھا کلو نیم گرم دودھ لیں ایک پیالی چینی اچھی طرح گھول لیں۔ اب اسے چولھے پر چڑھائیں اور کارن فلاور ڈال کر پکائیں۔ گاڑھا آمیزہ ہونے پر اتارلیں۔ گٹھلیاں نہ پڑیں......اسے فریج میں رکھ کر یخ ٹھنڈا کرلیں۔ اگلے مرحلے میں نکلے ہوئے جوس اور اس آمیزے کو بیٹر کی مدد سے پھینٹیں اور اس میں کریم شامل کرتے جائیں۔ جب اچھی طرح یکجاں ہوجائے تو سرخ پھانکوں والے مالٹے چھیل کر اور پھانکوں کی بڑی صفائی سے جھلی اور بیج نکال کر دو حصے کرلیں اور سرونگ ڈش میں تہہ جمانے کے انداز میں سجائیں پھر اس کے اوپر یہ مکس کیا ہوا آمیزہ ڈال دیں۔ آخر میں جمی ہوئی اورنج جیلی سے گارنش کردیں......مزیدار موسمی سویٹ ڈش تیار ہے۔

مرسلہ: رابعہ شاہد، راس الخیمہ

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

بزمِ پاکیزہ پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆صائمہ سجاد بنگش.....کوہاٹ

سوال: چلو کہیں دور..... یہ مکان چھوڑ دیں.....؟

جواب: مکان چھوڑنا.....مشکلات میں سے ایک ہے.....جہاں ہم رہتے ہیں وہ در و دیوار ہم سے لپٹ جاتے ہیں، وہ اپنے مکینوں کو نکلنے ہی نہیں دیتے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆لائبہ کائنات.....لاہور

سوال: دل کو دل سے راہ ہوتی ہے.....بائی ائیر یا بائی روڈ.....

جواب: آج کل تو یہ راہیں بذریعہ موبائل مل رہی ہیں۔

☆حوریہ جمیل.....لاہور

سوال: برسات کے بعد کیچڑ ہوجاتی ہے اور پیار کے بعد؟

جواب: اکثر لوگ لیچڑ سے ہوجاتے ہیں۔

☆نسرین یاسین.....حیدرآباد

سوال: شرمیلی آنکھیں کن آنکھوں کو کہا جاتا ہے؟

جواب: جو ڈبل ڈیکر کا جل لگا کر نخرہ دکھانا جانتی ہوں کبھی دونوں ہاتھ ان پر رکھ کر وہ ہنس دیں.....اور کبھی آنکھیں جھکا کر زیرِ لب وہ سب کہہ دیا.....جو کوئی آنکھیں کھول کر بھی نہ کہہ پائے۔

☆ناعمہ تحریم.....ملیر، کراچی

سوال: بچت کا بہترین طریقہ ہر بیوی کے لیے.....؟

جواب: شوہر کے والٹ سے ان کے والٹ کی اوقات کے مطابق کچھ نہ کچھ پیسے روزانہ کی بنیاد پر نکال کر ایک علیحدہ اور پوشیدہ تھیلی میں جمع کرتی رہیں۔

☆امامہ.....لطیف آباد، سندھ

سوال: صورت اور سیرت میں کون سی چیز اہم ہے؟

جواب: ہر جگہ مختلف ڈیمانڈز ہوتی ہیں.....مگر اچھی سیرت والی ہر شخص کو از خود خوب صورت بھی لگنے لگتی ہے۔

☆کوثر ناز.....پنجاب

سوال: منگیتر دیوانہ ہو تو؟

جواب: بیچارے کو پتھر مت مارنا۔

☆امانہ تجمل.....کراچی

سوال: مشرقی عورتیں زیادہ بولتی ہیں یا مغربی؟

جواب: بس آپ یہ سمجھ لیجیے.....چپ رہنا کوئی بھی نہیں جانتیں۔ ہر مشرقی عورت تھوڑا بہت دوسرے کو موقع دے دیتی ہے۔

☆صبا نور.....کمالیہ

سوال: یہ چھٹی کا دن اتوار آپ کو کیسا لگتا ہے؟

جواب: بہت چھوٹا لگتا ہے.....اگر اس کا دورانیہ دو دن کا ہوجائے تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔

☆ارم کمال.....فیصل آباد

سوال: زندگی کی کتاب کا سب سے یادگار اور خوب صورت صفحہ کون سا ہوتا ہے؟

جواب: بہت سے ہوتے ہیں مگر جو اپنے پیاروں سے وابستہ ہوں وہ سب یادگار بن جاتے ہیں۔

☆پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

سوال: اگر کوئی ہمارے بارے میں غلط فہمی کا شکار

Downloaded From http://paksociety.com

ہوتو اس کی غلط فہمی کیسے دور کریں؟
جواب: آپ اس کے پاس جا کر انتہائی ملائمت سے بتادیں کہ میں اصل میں اتنی بدتمیز نہیں ہوں۔
☆آسیہ شاہین ......چو آسیدن شاہ
سوال: انسان پیسے کے پیچھے کیوں بھاگتا ہے جبکہ یہ ہمیشہ پاس رہنے والی چیز نہیں ہاتھ کا میل ہے؟
جواب: اب میلے کچیلے اور گندے لوگ زیادہ دکھائی دیتے ہیں اور پھر اپنی گندگی کسی کو خود کہاں نظر آتی ہے۔
☆مریم بنت کاشف ......حیدرآباد
سوال: یہ آج کل کے دوست اتنے مطلبی، خودغرض اور لالچی کیوں ہوتے ہیں مخلص اور وفادار کیوں نہیں ہوتے؟
جواب: اچھے برے ہر طرح کے دوست ہوتے ہیں ہاں ہر ہاتھ ملانے والا دوست نہیں ہوتا۔
☆نائمہ ......کراچی
سوال: جب کوئی پیار سے بلائے گا......تم کو......؟
جواب: ٹی وی کے ڈرامے اور رسائل کے ناول یاد آجائیں گے کہ پیار سے بلانے والے لوگ اب مطلبی زیادہ نظر آرہے ہیں۔
☆نسرین ......حیدرآباد
سوال: بدتمیزی کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟
جواب: ہر ایک کی ترجیحات مختلف ہیں بعض لوگ گالیاں کھا کر بھی بدمزہ نہیں ہوتے۔
☆مسز نگینہ ضیا بنگش ......کراچی
سوال: میرے بدخواہوں کے لیے سب سے بڑی سزا کیا ہوگی؟
جواب: آپ کا خوش رہنا۔
☆انعم ......کراچی
سوال: میری نندیں بڑی تک چڑھی سی ہیں، کیسے پاؤں گی ان پر قابو......شادی کے بعد؟
جواب: دو چار جنگوں میں وہ جیت جائیں گی اور ایک آدھ میں آپ پھر عادت ہوجائے گی ایسی رونق بھری باتوں کی۔

☆فرزانہ ......پنجاب
سوال: بتائیں وہ باہر سے میرے لیے کیا گفٹ لے کر آرہے ہیں؟
جواب: وہی......جو آپ روزانہ فون پر ان کو رٹوا رہی ہوں گی۔
☆غزالہ عالم ......کراچی
سوال: اگر اُن کی پتنگ کٹ گئی تو......؟
جواب: تو آپ خوب تالیاں بجا کر......فریحہ پرویز کا دل ہوا بو کاٹا والا گانا بھی گا لیجیے گا۔
☆امینہ عندلیب ......سلانوالی
سوال: فیس بک پر ایسے لوگ بھی اپنے آپ کو اسکالر ظاہر کیا کرتے ہیں......کیا واقعی؟
جواب: جن کی اپنی تعلیم تو کیا، اپنی معلومات بھی بے حد ناقص ہوتی ہیں۔
☆نجمہ ......سندھ
سوال: کسی نے کیا خوب کہا ہے دل دیتا ہے رو رو دہائی کسی سے کوئی پیار نہ کرے......مگر کیوں بھئی؟
جواب: ہاں بات اس لیے صحیح ہے۔
بڑی مہنگی پڑے گی یہ جدائی کسی سے کوئی پیار نہ کرے
☆ریحانہ منظور ......پنجاب
سوال: جب لوگ اپنی باتوں سے کلیجا چھلنی کردیں تو......؟
جواب: کوشش کریں ان سے سامنا کم سے کم ہو۔
☆فیروزہ ......دبئی
سوال: نظر لگنے کی حد تک خوب صورت کس کو کہتے ہیں؟
جواب: جو آپ کو دل سے پیارا لگے......وہ اس حد تک خوب صورت لگا کرتا ہے۔
☆ایس فریدہ ......پنجاب
سوال: کیا اس سال بھی ان کی اماں ہمارے گھر جھولی پھیلا کر نہیں آئیں گی؟
جواب: ضرور آئیں گی......بس تم اُن کی تگڑی سی دعوت کردو۔

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

حسن نکھاریے

مہ جبیں

حسین اور پُرکشش بہنو! ماہِ فروری میں ہم نے منہ اور حلق کی بدبو دور کرنے کے کچھ نسخے بتائے تھے اب مزید بھی حاضر ہیں۔

☆رات سوتے وقت باقاعدگی سے دانت صاف کریں چاہے ٹوتھ برش اور پیسٹ سے، چاہے انگلی اور منجن سے، چاہے دنداسے یا مسواک سے اس کے علاوہ امرود کی کچی ٹہنی سے بھی دانت صاف کیے جاسکتے ہیں۔

☆انار کے چھلکے کے اندرونی حصے سے، لونگ کے تیل اور نمک سے اور میٹھے سوڈے اور نمک سے بھی دانت صاف کیے جاسکتے ہیں۔ دھنیے اور پودینے کی نرم ڈنڈیاں بھی یہ کام بخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ پودینے کی تازہ پتیاں تو خوش ذائقہ ہوتی ہی ہیں، جبھی تو پیپرمنٹ کے ذائقے کو دنیا بھر میں پسند کیا جاتا ہے۔

چہرے کے نکھار کے لیے

☆اورنج جوس جہاں پینا مفید وہیں اس کے دو چمچے ہتھیلی میں لے کر چہرے پر مساج بھی کرسکتی ہیں...... پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆مالٹے اور کینو کے چھلکے سکھا کر اور پیس کر ابٹن بنانے کی ترکیب بہت پرانی ہے اس میں آپ ہم وزن جو کا آٹا اور مسور کی دال کا پاؤڈر کچے دودھ کے ساتھ گھول کر لگائیں اور اس کے نتائج سے فیض یاب ہوئیں ......

☆آج کل خوش ذائقہ کھیروں کی بہتات ہے، سلاد کے لیے کھیرا کاٹیں اور دو تین قتلوں کو باریک کر کے چہرے پر لگائیں، کچھ دیر آنکھوں پر رکھیں بہت سکون ملتا ہے۔

☆ایک گڈی پودینے کو ڈنڈی سمیت دھو کر دو لیٹر پانی میں ایک جوش دے کر ٹھنڈا کر کے فریج میں رکھ دیں۔ صبح شام آدھا، آدھا کپ پی لیں۔ جلد میں نکھار آئے گا۔

☆اسی طرح کھیرا، گاجر، مولی اور ٹماٹر کھانے کے ساتھ، ساتھ جلد پر بھی استعمال کریں۔ یہ سب نسخے دیرپا اور باکفایت ہیں۔

☆نیم کا صابن ڈھونڈنے سے بہتر ہے۔ نیم کے پتے پیس کر اسے بیسن میں اور کچے دودھ کے ساتھ گھول کر اس سے چہرہ دھوئیں تو کیل مہاسوں میں بھی افاقہ ہوگا۔ بکری کا کچا دودھ چہرے کی جلد کے لیے مفید ہے۔

☆آلو کے فرائز بنا کر کھانے سے بہتر ہے کہ اسے ابال کر سلاد کے طور پر کھا لیا جائے۔ کچے آلو کو پیس کر چہرے، گردن اور ہاتھوں پر ملیں یہ مرہم اور اینٹی سیپٹک کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔

☆ہونٹوں کے گلابی پن کے لیے چٹکی بھر زعفران، بالائی میں ملا کر لگائیں...... اسٹرابری کھائیں اور ہونٹوں پر بھی لگائیں...... چقندر اور ٹماٹر کاٹیں تو ہونٹوں پر بھی لگائیں۔

☆کچی سبزیوں پر مشتمل سلاد میں دو چمچ عرقِ لیمو اور زیتون یا تل کا تیل شامل کر کے کھائیں۔ سانسوں میں مہک آئے گی۔

☆گنے کے موسم میں کوشش کریں کہ اس کا رس پینے کے بجائے دانتوں سے کاٹ کر گنڈیری ضرور کھائیں۔ قدرتی برش کا کام دیتی ہے۔

ان نسخوں پر عمل کر کے دیکھیں آج آپ کا حسن کیسے نکھرتا ہے۔

پیاری بہنو! اپنی صحت اور خوب صورتی کا خیال آپ خود رکھیں گی کوئی دوسرا نہیں سو آج اور ابھی سے ان نسخوں پر ایک، ایک کر کے عمل کیجیے اور اس میں مستقل مزاجی بھی چاہیے...... سلاد کھائیں اور سلاد ہی جلد پر لگائیں، کیوں، کیا خیال ہے۔

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

روحانی مشورے

ادارہ

گھروں میں اثرات

جب کبھی آپ اپنا مکان بدلیں سب سے پہلے وہاں قرآن پاک لے کر رکھیں اور وہاں دیگر سامان لے جانے سے پہلے قرآن پاک پڑھیں۔ چاروں قل، آیت الکرسی گیارہ گیارہ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس کا پانی گھر کے چاروں کونوں میں چھڑکیں۔ اکثر لوگوں کو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی چل رہا ہے، قدموں کی یہ چاپ رات کے سناٹے میں صاف سنائی بھی دیتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی لگتا ہے کہ جیسے کوئی سفید سایہ تیزی سے گزرا...... ایسا زیادہ تر خوف کی وجہ سے بھی محسوس ہوتا ہے اور بعض مرتبہ حقیقت میں بھی ہوتا ہے۔

اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ آپ کے گھر میں کچھ ایسے اثرات حقیقت میں ہیں تو آپ صبح و رات کے وقت یعنی دونوں ٹائم 101 مرتبہ سورۂ یونس کی آیت نمبر 81 و 82 اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے گھر کے سارے افراد پئیں اور تھوڑا پانی گھر کے چاروں کونوں، ہر کمرے کے چار کونوں میں چھڑکیں اور پھونک دیں...... گھر کے لوگ تین ماہ تک نمک کا استعمال کم کر دیں۔ ہفتے میں دو دن عصر و مغرب کے درمیان لوبان کی دھونی دیں اور حسب استطاعت صدقہ دیں۔ مہینے میں ایک بار چیل کوؤں کو گوشت بھی صدقہ کرنا چاہیے۔

کاروبار میں کامیابی

کتنی عجیب سی بات ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ دو آمنے سامنے ایک جیسی دکانیں ہوں، ایک پر رش لگا ہوا اور دوسرے پر کوئی گاہک بہ مشکل نظر آتا ہو۔ کسی کا کاروبار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا نظر آتا ہے تو کسی کے کاروبار میں آئے دن نقصانات ہوتے رہتے ہیں یا منافع کم ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ آپ اپنی دکان، آفس یا کاروبار کا جو بھی حصہ ہے داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھ کر سورۂ اخلاص پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ سلام میں پہل کریں۔ روزانہ صدقہ نکالیں، سائل جو آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے اسے کبھی منع مت کریں، چاہے معمولی ریزگاری ہی دیں مگر منع نہ کریں۔ بھوکے کو کھانا کھلائیں، پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عشا کی نماز کے بعد سو مرتبہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 148 اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کاروبار میں ترقی اور وسائل میں فراوانی کے لیے دعا مانگیں۔ تین ماہ تک یہ عمل کریں۔ چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے، وضو بے وضو کثرت سے اسم الٰہی یا فتاح یا رزاق کا ورد کرتے رہا کریں۔

پورے دن میں بے شک ایک ہی تسبیح پڑھیں مگر سورۂ اخلاص کی ایک تسبیح پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ سورۂ اخلاص کثرت سے پڑھنے والوں کے ہاں رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ اگر ہوسکے تو سورۃ القارعہ کسی کاغذ پر یا کپڑے کے پارچے پر لکھ کر دکان میں رکھیں۔

غیر ذمے دار مرد

اکثر گھرانوں میں خواتین فعال نظر آتی ہیں مگر ان کے ہاں کے مرد قطعی غیر ذمے داری کا رویہ اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ وہ نوکری کرتے ہیں اور نہ ہی گھر کی کوئی دیگر ذمے داری اٹھاتے ہیں، ان کا کام صرف گھر میں آنا، کھانا کھانا اور سو جانا ہوتا ہے۔ اگر وہ بیٹے ہیں تو اسی روش کو اپنائے ہوئے ہیں، والدین انہیں سمجھا سمجھا کر تھک جائیں مگر وہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بعض جگہ شوہر یہی روش اپنائے نظر آتے ہیں اگر وہ بادلِ نخواستہ کہیں جاب کرتے بھی ہیں تو کسی نہ کسی وجہ سے

Downloaded From http://paksociety.com

جلد چھوڑ دیتے ہیں۔ان کی فطرت میں مستقل مزاجی نہیں ہوتی۔وہ چاہتے ہیں کہ بیوی کما کر انہیں کھلائے یا جہاں والدین نے ذمے داریاں اٹھا رکھی ہیں وہ سدا اٹھا رکھیں اور وہ جس تن آسانی سے رہ رہے ہیں، رہتے ہیں، ایسے لوگ اگر خود اپنی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنی اس کوتاہی کو خود دور کرنے کی کوشش کریں۔نماز کی باقاعدگی کریں، چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے یاحی یا قیوم کا ورد کرتے رہیں اور اگر انہیں اپنے معاملات بہتر بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو بیوی اپنے شوہر کے لیے یا ماں اپنے بیٹے کے لیے رات کو سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورۂ نحل کی آیت نمبر 19 گیارہ، گیارہ مرتبہ درود ابراہیمؑ کے ساتھ پڑھ کر سجدے میں سر رکھ کر دعا کریں کہ انہیں اپنی اصلاح اور ذمے داریوں کی درست طور پر ادائیگی کی توفیق ہو۔ان کے لیے ایک اور روحانی عمل ہے ان کے کمرے میں سورۂ رحمٰن کی کیسٹ لگا دیں کہ ہر وقت ان کے دماغ میں سورۂ رحمٰن کی آواز جاتی رہے۔گھر کا کوئی بھی فرد صبح شام اول و آخر درود ابراہیمؑ کے ساتھ سورۂ فاتحہ، چاروں قل، آیت الکرسی گیارہ، گیارہ مرتبہ پڑھ کر ان پر دم کرے اور دم کیا ہوا پانی ان کو پینے کے لیے بھی دیں۔ان کے کمرے میں نیلے رنگ کا استعمال بڑھا دیں۔کھانے میں نمک کم کر دیں۔اگر ایسے افراد کو شوگر نہ ہو تو صبح و شام ایک، ایک چمچ شہد بھی کھلائیں۔عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

پاکستان کے حالات کی بہتری کے لیے دعا

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پاکستان کے حالات اچھے کر دے۔دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے بچائے، آپس کے جھگڑوں اور تعصبات سے بچائے، ناگہانی آفات و بلیات سے بچائے، ناری قوتوں سے بچائے، نفسانفسی کا ماحول دور ہو اور یہاں کے رہنے والے آپس میں پیار و محبت کے ساتھ رہیں اور رزق کی خوب فراوانی ہو۔آمین!

اس کے لیے یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ

وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ

(ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، حاکم عن ابی موسیٰ الاشعریؓ)

نوٹ: یہ دعا خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی بتائیں۔

بچہ دانی میں رسولیاں

اکثر خواتین کی بچے دانی میں رسولیاں ہو جاتی ہیں جس کا علاج آپریشن ٹھہرتا ہے......اور ظاہر ہے کہ آپریشن سے سب ہی گھبراتے ہیں۔

اگر کسی بھی وجہ سے آپ کے یہ رسولیاں ہو جائیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ایک پانی کی بوتل میں صبح فجر کی نماز کے بعد 41 بار سورۂ فاتحہ اول و آخر گیارہ، گیارہ بار درود ابراہیمؑ پڑھ کر دم کر لیں، اور سارا دن یہی پانی پیتی رہیں۔ناغے کے دنوں میں آپ اسی پانی میں پانی ملا کر پییں...... 41 دن کے بعد آپ اپنا الٹرا ساؤنڈ کروالیں۔ انشاء اللہ رسولیاں غائب ہو چکی ہوں گی۔یہ طریقہ علاج انتہائی آزمودہ ہے......اور بہت سی بہنیں اس سے شفایاب ہوئی ہیں۔

پائیوریا...... اور دانتوں کے درد کے لیے

اگر آپ کے دانتوں میں پائیوریا ہو گیا ہو یا دانتوں میں درد ہو تو سب سے پہلے اپنے معدے کا خیال رکھیں...... یاد رکھیے کہ معدے کی خرابی کا اثر آپ کے دانتوں اور مسوڑھوں پر پڑتا ہے۔روزانہ کھانا کھانے کے بعد دانتوں پر مسواک کرنے کے بعد آدھے کپ عرقِ گلاب میں ایک لیموں کا رس ڈال کر کلیاں کیجیے......آپ کو اس مرض سے نجات ملے گی۔انشاء اللہ اس کے ساتھ، ساتھ لاہوری نمک باریک پیس کر اس میں خالص سرسوں کا تیل ملا کر اس پر تین سو مرتبہ یارحیم پڑھ کر شہادت کی انگلی سے دانتوں اور مسوڑھوں پر ملیں اور رال بہائیں اور تھوڑی دیر کلی نہ کریں۔یہ عمل آپ اس وقت تک کریں جب تک کہ آپ کے دانت اور مسوڑھے اچھی طرح سے ٹھیک نہ ہو جائیں۔

☆☆☆

Downloaded From http://paksociety.com

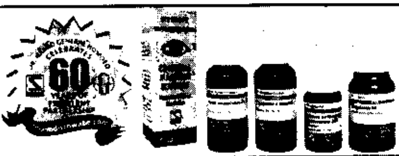

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

وزن کی زیادتی

مہوش خان......لاہور

: پچھلے آٹھ ماہ سے میرا وزن کافی بڑھ گیا ہے۔ پہلے مناسب تھا لیکن اب پیٹ، Hips اور بازو بہت موٹے ہورہے ہیں۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی دوائی تجویز کیجیے۔

جواب: ۔وزن کی زیادتی کی کئی وجوہات ہوتی ہیں......آپ Throid Profile, Serum Insulin& CBC Profile کرا کر رپوٹ بھیجیں۔ کم از کم ایک گھنٹے کی چہل قدمی کیا کریں۔ میٹھی اور چکنی چیزوں سے پرہیز کریں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویہ استعمال کریں۔ Phytolaca e baccis Q کے سات قطرے ایک گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ رپرٹس کے ساتھ دوبارہ حال تفصیل سے بتائیں۔

بادی بواسیر

روشن......چکوال

مجھے ایک سال سے بادی بواسیر ہے۔ مسوں سے

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اپریل 2017ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______________________

پتا: ______________________

____

Downloaded From http://paksociety.com

خون نہیں آتا۔ البتہ مسے وقفے وقفے سے تنگ کرتے ہیں اور لگتا ہے جیسے ایک جگہ جمع رہتے ہیں اور درد کرتے ہیں۔ اسی سے مجھے تھکن، کمزوری اور ٹانگوں میں درد ہے اور دل پر گھبراہٹ رہتی ہے۔

جواب: یہ مسئلہ کب سے ہے یہ نہیں لکھا؟ وزن بھی نہیں لکھا، کیا کرتی ہیں، نہیں بتایا۔ حیض کی کیا حالت ہے؟ بلڈ پریشر اور نبض چیک کرائیے۔ شوگر کتنی رہتی ہے؟ کولسٹرول کتنا ہے؟ کیلشیم کی مقدار خون میں کتنی ہے؟ ساری تفصیل بتائیں تاکہ ایک صحیح نسخہ تجویز کیا جاسکے۔ فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کے Aesculus Pentarkan Ptk3 اور Rhustox Pertarkan Ptk-73 کے 10-10 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

نزلہ حلق میں گرتا ہے

زویہ...... کراچی

میں 20 سال سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں۔ بہت اچھا ڈائجسٹ ہے۔ ہومیو کلینک بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ نہایت توجہ سے تمام مریضوں کو علاج بتاتے ہیں اسی بنا پر میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً ایک سال سے نزلہ حلق میں گرتا رہتا ہے۔ سڑ سڑ کر کے سارا دن نزلہ حلق میں کرتی ہوں۔ کبھی ٹھیک ہو جاتا ہے کبھی دوبارہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی گلا خراب ہو جاتا ہے۔ کھانسی بھی ہوتی ہے۔ باقی ماشاء اللہ سے سب ٹھیک ہے۔ کھانا پینا بھی صحیح ہے۔ میں باہر کی چیزوں جوس یا فالتو اشیا سے مکمل پرہیز کرتی ہوں۔ گھر کے تیار کردہ کھانے ہی استعمال کرتی ہوں۔ کولڈ ڈرنک آئسکریم بھی سال میں ایک یا دو بار لیتی ہوں۔

جواب: جب نزلہ مستقل رہنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نمبر 1 خاندانی ہے۔ نمبر 2 ناک کا گوشت یا ہڈی یا پھر دونوں بڑھ چکے ہیں۔ آکر ملتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ ٹھنڈا گرم اور گرم ٹھنڈا نہ کریں۔ نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر غرارے بھی کیجیے اور ناک میں اوپر تک بھی چڑھائیے۔ تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں اور فریج کی رکھی ہوئی ٹھنڈی چیزوں پھلوں سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

ڈسمینوریا

ہمنا..... کراچی

مجھے ماہانہ ایام بہت تکلیف سے آتے ہیں۔ پیڑو میں سخت درد ہوتا ہے۔ جب مینسز رک جاتے ہیں تو درد بھی رک جاتا ہے۔ پیٹ اور کولہے بھاری ہو گئے ہیں۔ میرے چہرے پر... غیر ضروری بال بھی نکل آئے ہیں۔ میرے مسئلے کے لیے دوائیں تجویز کردیں۔

جواب: لگتا ہے کہ آپ کے اندر ورم بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ خون کی کمی بھی ہے اور ہارمونز کی تبدیلیاں بھی ہو رہی ہیں۔ آکر دکھا دیتیں تو زیادہ اچھا تھا۔ ایام میں خصوصاً اور عام دنوں میں گرم پانی کی ٹکور کریں اور ہلکے ہلکے مساج بھی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Magnesium Phosphoricum Pentarkan Ptk-60 کی 2-2 گولیاں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ کھانے میں مرغن چیزوں کے علاوہ فروٹ اور سبزیوں کا استعمال زیادہ کریں۔

ناک کا گوشت

اسفند یار...... کوئٹہ

میری بیٹی کو تین سال سے نزلہ رہتا ہے۔ دن میں تو

Downloaded From http://paksociety.com

From Nature. For Health.

منہ سے سانس لیتی ہے لیکن سوتے وقت منہ کھول کر سوتی ہے۔ قد ٹھیک ہے لیکن وزن زیادہ ہے۔ چہرے پر بازو اور پیٹھ وغیرہ پر غیر ضروری بال زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کی ناک کا گوشت بڑھا ہوا ہے۔ دوا کتنے عرصے استعمال کرنی ہے اور پرہیز بھی بتایئے گا۔ آپ کا بہت مشکور رہوں گا۔

جواب: بیٹی سے کہیں وہ دن کا میں 5 مرتبہ ناک میں اوپر تک پانی چڑھایا کرے اور اگر نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اس کو ناک میں چڑھائیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ (آئس کریم قلفی، لال شربت، کولڈ ڈرنکس) بغیر دیکھے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب تک ٹھیک ہوگا۔ فی الحال 2 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

نسوانی حُسن

مسز کاظمی......چکوال

اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ اور لمبی زندگی عطا فرمائے اور ضرورت مندوں کے کام آنے کی توفیق دے آمین۔ میں اپنے نسوانی حُسن میں کمی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ مجھے احساسِ کمتری بھی رہتا ہے۔ بہت سی دوائیاں استعمال کیں مگر بے فائدہ رہیں۔ میری ازدواجی زندگی بھی متاثر ہورہی ہے۔ مہربانی فرما کر تیز اثر دوائی تجویز کریں۔ کیا یہ دوائی دوران حمل بھی لے سکتے ہیں؟

جواب: دورانِ حمل وزن کی کمی و زیادتی اور چھاتی کی نشوونما کی ادویات نہیں لی جاسکتیں۔ آپ کے اندر ہارمونز کی تبدیلیاں ہوئی ہیں جس کی وجہ سے آپ کا یہ مسئلہ بڑھ گیا ہے۔ مقوی اور طاقت ور غذاؤں کا استعمال کریں۔ ہلکی ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sabal Serr-Q کے دس قطرے آدھا گلاس پانی دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

پتے کی پتھریاں

آمنہ رحیم......فیصل آباد

تقریباً تین سال سے میرے پتے میں پتھریاں ہیں۔ پہلے بھی کبھار تکلیف ہوتی تھی اور پھر Pain Killer لگوانا پڑتا تھا۔ اس وقت تین چھوٹی پتھریاں ہیں۔ کیا دوائی دورانِ حمل استعمال کرسکتے ہیں؟ منتظر اور دعا گو۔

جواب:۔ دورانِ حمل پتے کی پتھری کے لیے دوا استعمال کی جاسکتی ہے۔ Carduus Marianus اور Pentarkan Ptk-23 Chelidonium-Ø کے دس، دس قطرے آدھے گلاس پانی میں 3 مرتبہ پئیں۔ میٹھی اور چکنی چیزوں سے پرہیز کریں۔ تین ماہ بعد U/s Upper Abdomen کی رپورٹ کے ساتھ دوبارہ اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

کمزوری

اے کیو......حیدرآباد

مجھے اندرونی کمزوری .... بہت زیادہ ہے۔ ابھی تک میں نے کسی ڈاکٹر سے چیک اپ نہیں کرایا۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرمادیں تاکہ میری ازدواجی زندگی اچھی گزر سکے۔ میری عمر 27 سال ہے۔ عید کے بعد میری شادی ہونے والی ہے۔

جواب: مکمل تفصیل لکھیں تاکہ کیس کی صحیح صورتِ حال معلوم ہوسکے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Damiana Penterkan Ptk-40 کے 15-15 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ

Downloaded From http://paksociety.com

پئیں۔ 2 ماہ بعد حالات سے مطلع کریں۔

سفید بال

امیمہ......راولپنڈی

میرے سر کے تقریباً 80 فیصد بال سفید ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے ہو جائیں۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پانی غیر معیاری، شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Lycopodium 30, Natrum mur-30 7,7 قطرے اور Jaborandi Q کے دس قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

لیکوریا

مہناز خلیل......جھنگ

مجھے تقریباً دس سال لیکوریا کی شکایت ہے۔ میرا پیٹ بھی بڑھ گیا ہے۔ میں نے لیکوریا اور پیٹ کے لیے کافی دفعہ لیڈی ڈاکٹر سے بھی رابطہ کیا مگر دوائیوں سے وقتی طور پر افاقہ ہوتا ہے پھر بعد میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

جواب: ۔ ہمیں لگتا ہے کہ آپ لگ کر علاج نہیں کراتیں۔ افاقہ ہونے پر علاج...چھوڑ دیتی ہیں۔ ایسا نہ کریں بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ علاج کریں ورنہ مسئلہ پیچیدہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات، Borax-30، Pulsatilla-30، Calc. carb-30۔ ہر بوتل میں سے 7-7 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ اور Magnesium Phos Pentarkan Ptk 60 کی ایک گولی دن میں ۳ مرتبہ چوسیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ماہانہ نظام کی خرابی

راحیلہ بیگم......ٹنڈو جام

مجھے ایام کے دنوں میں بدہضمی ہو جاتی ہے اور کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ یوں لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ ایلوپیتھک دوائی کھانے سے ماہواری آتی ہے۔ میری کمر کے نچلے حصے اور پٹھوں اور پنڈلیوں میں بھی درد ہوتا ہے۔ میرے سر کے بال بھی گرتے ہیں۔ میرے جسم پر سرخ دانے نکل رہے ہیں اور کبھی کبھی ہاتھ بھی کانپتے ہیں۔ پیٹ اور کولھے پھیلتے جا رہے ہیں۔ رنگ بھی خراب ہو گیا ہے۔ کبھی صاف لگتا ہے اور کبھی کالا۔ صرف چہرے اور ہاتھوں کا رنگ خراب ہوتا ہے۔ پانی پینے سے مجھے اپھارہ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی ہیں۔ چہرے پر بال نکل آئے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔

جواب: پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ صبح چہل قدمی کیا کریں۔ پانی کا استعمال کم از کم 12 گلاس روزانہ کریں۔ متوازن غذا دودھ، گوشت، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر اپنا حال تفصیل سے لکھیں۔ Sulphur-200 کی ایک خوراک سب سے پہلے لیں۔ صبح نہار منہ 5 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر ہر 3 ہفتے بعد لیں۔ اس سے ایک دن پہلے اور بعد کوئی اور دوا نہیں لیں۔

Ferrum met.-30، Calc. flour-30، Calc. phos-30، Pulsatilla-30 کے 7-7 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں اور Magnesium Phos Pentarkan Ptk 60 کی ایک گولی دن میں تین مرتبہ چوسیں۔

SCHWABE

ایک گولی دن میں ۳ مرتبہ چوسیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Downloaded From http://paksociety.com

حال بتائیں

رمضان......کوٹ ادو

میرا مسئلہ معدے کا ہے اور یہ تقریباً چار سال سے ہے۔ میں نے اس کا کافی علاج کرایا ہے۔ کوئی ڈاکٹر کہتا ہے کہ گردے کا مسئلہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں چیز کا مسئلہ ہے لیکن اس کا کوئی مناسب علاج نہیں ہوا ہے۔ اب ایک ڈاکٹر نے کہا ہے کہ معدے کا السر ہے۔ الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ نتھی کر رہا ہوں۔ برائے مہربانی میرا کوئی اچھا سا علاج تجویز کریں۔ آپ ایسی .. دوائی تجویز کریں جس کے سائڈ افیکٹ نہ ہوں۔

جواب: محمد رمضان آپ نے کہانی تو بیان کر دی لیکن اس میں اپنا حال نہیں بتایا کہ آپ کو ہوتا کیا ہے؟ لہٰذا اپنے حال کی تفصیل بیان کریں۔ الٹرا ساؤنڈ میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ دوا آپ کے حال کے مطابق تجویز کی جائے گی اور قارئین بھی اس کو نوٹ کر لیں کہ اپنا حال بتایا کریں نہ کہ کہانیاں۔

دمہ

منور بیگم..................بہاولپور

میں دمہ کی مریض ہوں۔ سانس کی نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے۔ جب تک نالیوں میں ریشہ رہتا ہے میں ٹھیک نہیں رہ سکتی۔

جواب:۔ سانس کی نالیوں میں تنگی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈی، کھٹی، مصالحے والی اشیا استعمال نہ کریں اور بہت زیادہ میٹھی اشیا اور میدے سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال نہ کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندجہ ذیل ادویات کا استعمال کریں۔ Arsenic Alb 30 اور Antimonium Tart 30 کے 5,5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

بغل میں پسینا آنا

ثاقب......کوئٹہ

میں پہلی مرتبہ اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہو رہا ہوں امید ہے کہ آپ کا بورڈ رہنمائی کرے گا۔ مجھے پسینا بہت آتا ہے جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ گرمی ہو یا سردی مجھے بغلوں میں بہت پسینا آتا ہے اور پسینا ٹھنڈا ہوتا ہے' یہ مسئلہ بہت عرصے سے ہے۔ پسینے میں عجیب سی بُو ہوتی ہے۔

جواب:۔ جنک فوڈ سے پرہیز کریں۔ کولڈ ڈرنکس کا استعمال نہ کریں۔ Sulphur200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ لیں اور ایک دن بعد Calc.Phos 30 کے 5.5 قطرے 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ دوائیں ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔

رات کو نیند نہ آنا

احسن فیروز..................کراچی

نیند نہیں آتی، رات بھر جاگتا ہوں، خیالات کی بھرمار رہتی ہے۔ کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔

جواب:۔ ڈپریشن کی وجہ سے بھی نیند نہیں آتی۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ تک استعمال کر کے تفصیل سے حال لکھیں۔ بہتر ہوگا کہ آ کر ملیں۔ LAIKAN اور VALAXAN کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے سے پانی کے ساتھ نگلیں۔ اپنا بلڈ پریشر بھی چیک کرائیں۔

Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی